فتاویٰ علماءِ ہند

جلد-۲۰

تیار کردہ

منتخب علماءِ ہند

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیرِ نگرانی

حضرت مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی

باہتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ

ممبائی-الہند

نام کتاب	:	فتاویٰ علماء ہند (جلد-۲۰)
زیر سرپرستی	:	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب
زیر نگرانی	:	حضرت مولانا محمد اُسامہ شمیم الندوی صاحب
سن اشاعت	:	جولائی ۲۰۱۹ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
کمپوزنگ و ڈیزائننگ	:	محمد رضاء اللہ قاسمی
ناشر	:	منظمة السلام العالمية، ممبائی، الهند

یہ کتاب ''منظمة السلام العالمية'' کی
طرف سے ہدیہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے
وقف ہے، اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

منظمة السلام العالمية

Global Peace Organisation (GPO)

Email: gpo.org@yahoo.com Mob. : +91-7303 7076 05

کتاب الصوم والحج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ لِی رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

”أَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللَّهِ صِيَامُ دَاوُدَ، كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا، وَأَحَبُّ الصَّلاَةِ إِلَى اللَّهِ صَلاَةُ دَاوُدَ، كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ“.

(صحيح البخاری،رقم الحديث:3420)

قال اللّٰہ عزوجل:

﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾

(سورة آل عمران97)

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

”أَیُّ الأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ:إِيمَانٌ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ، قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ:جِهَادٌ فِی سَبِيلِ اللَّهِ، قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ:حَجٌّ مَبْرُورٌ“.

(صحيح البخاری،رقم الحديث:1519)

فہرست عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحات

فہرست مضامین (۵-۳۴)

نفل ونذر کے روزوں کا بیان (۴۱-۶۶)

صفحات	عناوین	نمبر شمار

روزہ نہ توڑنے والی چیزوں کا بیان (۶۷-۱۰۸)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

روزوں کی قضا و کفارہ سے متعلق مسائل (۱۰۹-۱۶۲)

اعتکاف کے احکام و مسائل (۱۶۳-۲۴۰)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نمبر شمار	عناوین	صفحات

حج کے فضائل ومسائل (۳۲۳-۳۳۲)

حج کی فرضیت سے متعلق مسائل (۳۳۳-۴۱۲)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

خواتین سے متعلق حج کے احکام (۴۱۳-۴۵۲)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمة الشكر

الحمد لله الذى فرض الحج على عباده إلى بيته الحرام، ورتّب على ذلك جزيل الأجر ووافر الإنعام، فمن حج البيت فلم يرفث ولم يفسق خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه نقيًّا من الذنوب والآثام، أن محمدًا عبده ورسوله أفضل من صلّى وزكّى وحجّ وصام، صلّى الله عليه وعلى آله وصحبه والتابعين لهم بإحسان إلى يوم الدين وسلم تسليمًا.

الحمدللہ فتاوی علماء ہند کی بیسویں جلد تیار ہوگئی ہے ہمارے مفتیان کرام نے اسے دیکھ کر توثیق فرمادی ہے، اب ان شاءاللہ عنقریب طباعت کے لیے بھیجی جائے گی۔ اس جلد میں خصوصیت کے ساتھ حج کے مسائل ذکر کئے گئے ہیں۔

حج اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اسلام میں نماز وروزہ صرف بدنی عبادات ہیں، زکوٰۃ صرف مالی عبادت ہے، جب کہ حج وعمرہ، مالی وبدنی ہر قسم کی عبادات کا مجموعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ البَيتِ مَنِ استَطَاعَ اِلَيهِ سَبِيلًا وَمَن كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ العٰلَمِينَ﴾

(لوگوں پر اللہ کا یہ حق (فرض) ہے کہ جو اس کے گھر (بیت اللہ) تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں، وہ اس کا حج کریں اور جو کوئی اس کے حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اللہ تعالیٰ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔)

حدیث پاک میں ہے کہ جو شخص رضاء الٰہی کے لیے اس طرح حج کرتا ہے کہ اس میں کسی قسم کی فحش اور برائی کی بات نہ کرے اور کسی قسم کی معصیت اور گناہ میں مبتلا نہ ہو تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر لوٹے گا، جس طرح ماں کے پیٹ سے گناہوں سے پاک دنیا میں آیا تھا۔ (بخاری:۱۳۹۹)

اے میرے اللہ اس خدمت کو قبول فرما اور تمام معاونین کو بہترین جزائے خیر عطا فرما، اسے دونوں جہان کی کامیابی وکامرانی کا ذریعہ بنا اور اس میں جو کچھ بھی کمیاں اور کوتاہیاں رہ گئی ہیں، اپنے فضل وکرم سے معاف فرما۔

بندہ شمیم احمد
ناشر فتاویٰ علمائے ہند
خادم منظمۃ السلام العالمیۃ

یکم رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترمی ومکرمی جناب مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی صاحب، زیر مجد کم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ارسال کردہ گراں قدر علمی تحفہ ''فتاویٰ علماء ہند'' (بعض جلدوں کا مجموعہ) (مرتبہ: مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب، چیرمین ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن، پٹنہ بہار) موصول ہوا، نوازش اور قدر افزائی کے لیے شکر گزار ہوں اور مرتب فتاویٰ موصوف کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے اتنے بڑے علمی کام کا منصوبہ بنایا اور انتہائی سلیقہ کے ساتھ ان کو پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کی اطلاع کے مطابق اس کی آٹھ (۸) جلدیں اب تک شائع ہو چکی ہیں اور تقریبا کل دوسو (۲۰۰) جلدیں شائع ہونی ہیں، اللہ اکبر! یہ کام کسی یونیورسٹی، یا کسی عظیم ادارے کے کرنے کا ہے، جو آپ حضرات انجام دے رہے ہیں، آپ کے حوصلوں کو سلام! اللہ پاک آپ حضرات کو ہمت دیں اور مولانا موصوف کے قلم، صحت اور عمر میں اتنی برکت عطا فرمائیں کہ وہ اس عظیم کام کی تکمیل کریں اور ایک زمانہ ان کے علمی کارناموں سے فیضیاب ہو۔ آمین

اس سے قبل بھی بعض فقہی مجموعے شائع ہوئے اور ہو رہے ہیں، جن میں برصغیر کے معتبر فتاویٰ اور مسائل کو موضوعاتی طور پر جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جناب مولانا محمد رفعت قاسمی صاحب کا مجموعہ مسائل اس کی ایک مثال ہے، جس کو ہندو پاک میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، ہر چھوٹی بڑی لائبریری میں اس کا کوئی نہ کوئی حصہ ضرور مل جاتا ہے، وغیرہ۔

لیکن حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب کا کام اس قسم کے پچھلے تمام کاموں کو محیط اور ان سے زیادہ وقیع، جامع اور معیار کے لحاظ سے بلند ہے، یہ فتاویٰ اور مسائل کا مجموعہ بھی ہے اور علمی تحقیقات اور نادر معلومات کا مرقع بھی، مرتب موصوف کسی بات کو اس وقت تک بند نہیں کرتے، جب تک کہ اس سے متعلق جملہ میسر جزئیات وتفصیلات جمع نہیں ہو جاتیں، ان کے علاوہ ہر مسئلہ پر ان کے حواشی اور تعلیقات نے اس کتاب کو اور بھی زیادہ بامعنی اور اہم بنا دیا ہے۔ میرے سامنے اس مجموعہ کی تین جلدیں (۴، ۵، ۶) ہیں، جو کتاب الصلوٰۃ سے متعلق ہیں، جن میں نماز کی اہمیت ومشروعیت، ترک نماز کے نقصانات، اذان واقامت، قبلہ، اوقات نماز، شرائط نماز اور نیت وغیرہ سے مربوط تقریبا تمام ہی جزئیات ومسائل موجود ہیں، جو تقریبا دو صدیوں سے شائع ہونے والی تقریباً تینتالیس (۴۳) اردو کتب فتاویٰ میں بکھرے ہوئے ہیں، یہ مولانا موصوف کا اتنا بڑا علمی کارنامہ ہے، جس کے لیے علمی دنیا صدیوں ان کی ممنون رہے گی، ان شاء اللہ میرا خیال ہے کہ اس کتاب کے مکمل ہونے کے بعد تنہا یہ کتاب تمام کتابوں کی طرف سے کافی ہو جائے گی اور عام حالات میں کسی دوسری کتاب کی طرف مراجعت کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

اس طرح کے مجموعوں کی ضرورت خاص طور پر اس وقت محسوس ہوتی ہے، جب کسی مسئلہ میں علماء کے فتاویٰ کے درمیان اختلاف ہو، ایسے موقعہ پر اگر قاری کے سامنے تمام فتاویٰ موجود نہ ہوں تو صحیح نتیجہ تک پہونچنے میں وہ غلطی کر سکتا ہے، اس لحاظ سے محققین اور باب اختصاص کے لیے بھی یہ ایک قیمتی تیز ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

میں اسی کے ساتھ منظمۃ السلام العالمیہ ممبئی کو بھی مبارکباد پیش کرتا ہوں، جس نے اتنے بڑے علمی پروجیکٹ کی اشاعت کا بوجھ اٹھایا اور اہل علم تک مفت میں پہونچانے کی ہمت مجتمع کی۔ آپ کی خدمات بھی قابل قدر ہیں کہ آپ کی صلاحیت اور دلچسپیوں نے اس کام کو آگے بڑھانے میں مدد پہونچائی۔ اللہ پاک آسانیاں پیدا فرمائے اور خصوصی قبولیت سے سرفراز کرے۔ آمین

اختر امام عادل قاسمی

خادم جامعہ ربانی منوروا شریف، سمستی پور (بہار)

۱۲ / ربیع الاول ۱۴۴۱ھ، مطابق ۱۰ / نومبر ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰه الذی علم بالقلم،علم الإنسان مالم یعلم،والصلاۃ والسلام علی رسوله الأکرم وعلی آله وصحبه ومن تبعه من الأمم،وبعد!

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾(سورة التوبة:122)

(اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں،سوایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے؛تاکہ باقیماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس آئیں تو ڈرائیں؛تاکہ وہ محتاط رہیں۔(ترجمہ تھانوی)

فقہ حنفی،فقہ شافعی،فقہ حنبلی اور فقہ مالکی دراصل شریعت محمدی کی وہ عظیم الشان نہریں ہیں،جن کی اساس اور بنیاد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات ہے اور پوری دنیا کا مسلمان ان ہی چار نہروں سے سیراب وفیضیاب ہورہا ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفۃ رحمہ اللہ کے ذریعہ جو اسلامی قانون مدون ہوا،ہم اسی کو اپنی عملی زندگیوں میں لاتے ہیں اور فقہ حنفی پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے حنفی کہلاتے ہیں؛لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم دیگر مسالک کو ہدف تنقید بنائیں،جس طرح اسلام راہ اعتدال ہے،اسی طرح ہماری فقہ بھی راہ عدل واعتدال ہے۔

فقہ کے ماخذ ومراجع پر مستقل کتابیں موجود ہیں،اہل علم کو ان کا مطالعہ کرنا چاہیے،اسی طرح فقہی مسائل کو مرتب اور مدون کرنے کا عمل خیر القرون سے جاری ہے اور مختلف موسوعات فقہیہ برائے مطالعہ واستفادہ ہمارے درمیان موجود ہیں اور ان شاء اللہ تاقیامت یہ سلسلہ جاری وساری رہے گا۔فقہی مجموعوں کی اشاعت لائق تحسین وستائش عمل ہے،یہ کام اصحاب خیر اور صاحبان باتوفیق ہی کرسکتے ہیں،مختلف ادارے بھی اس سلسلہ میں پیش پیش رہے،ان کی علمی کاوشیں اور عملی سرگرمیاں بھی قابل قدر ہیں۔

مدتوں پہلے حضرت مولانا مفتی مہربان علی شاہ بڑوتویؒ (خلیفہ مجاز فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفرحسین،ناظم ومتولی مظاہر علوم (وقف) سہارنپور نے فقہ حنفی کے مستند مجموعوں کو ازسرنو مرتب کرکے اشاعت کا کام شروع کیا تھا؛لیکن مفتی صاحبؒ عین شباب میں مولائے حقیقی سے جاملے اور یہ کام رک گیا۔اب حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی اور محترم مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی کی دلچسپیوں اور تحقیق انیق سے فتاویٰ علماء ہند کے نام سے علماء ہند کے فتاویٰ کو اعلیٰ معیار اور عمدہ اسلوب وتحقیق سے شائع کرنے کا سلسلہ شروع فرمایا ہے اور الحمدللہ آٹھ جلدیں منصۂ شہود پر جلوہ فگن ہوکر علمی دنیا سے داد تحسین اور صاحبان علم سے خراج آفریں حاصل کررہے ہیں۔

یہ کام چوں کہ بڑے پیمانے پر عمل میں آرہا ہے؛اس لیے آٹھ جلدوں پر مشتمل اس مجموعہ میں اب تک صرف کتاب الطہارت اور کتاب الصلوٰۃ ہی پر کام ہوا ہے،اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان شاہین صفت جیالوں کی پرواز کتنی بلند اور ان علماء کرام کی خدمات کتنی عظیم ومستقیم ہیں۔مجھے یہ کہنے میں کوئی تردد نہیں ہے کہ علمی ذخیرہ باصلاحیت علماء کی شاندار صلاحیتوں کا بہترین مظہر ہے،اللہ نے چاہا تو یہ مجموعہ سیکڑوں جلدوں پر مشتمل ہوگا۔اللہ تعالیٰ اس فتاویٰ کے فیض کو عام وتام فرمائے۔ناشرین،محققین،مستفدین اور خود صاحب فتاویٰ کے ترقی درجات کا ذریعہ بنائے۔آمین یارب العالمین

العبد محمد سعیدی

ناظم ومتولی مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

۲۷/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام جناب حضرت مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی صاحب، زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ کرمزاج گرامی بعافیت ہو!

آنجناب کی طرف سے جناب محمد زبیر ماسنہ صاحب کی وساطت سے فتاویٰ علماء ہند کی ۸/جلدیں موصول ہوئی۔ بے حد ممنون اور شکرگزار ہیں کہ آپ نے اس گراں قدر تحفہ کے لیے ملاوی وسطی افریقہ کے بڑے دینی اور تربیتی ادارہ بلال دار العلوم کی لائبریری کا انتخاب فرمایا، یقیناً یہ بہت بڑی کاوش ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبولیت ومقبولیت سے نوازے۔ آمین

بلال دار العلوم کے مفتیان کرام، طلباء اور علماء اس عظیم فتاویٰ سے استفادہ کریں گے اور امید رکھتے ہیں کہ جیسے ہی باقی جلدیں چھپتی رہیں، ان سے بھی نوازتے رہیں گے۔ (واجرکم علی اللہ)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ عظیم منصوبہ جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچے اور عوام وخواص اس سے مستفید ہوں۔ آمین

والسلام

محمد خورشید

خادم الطلبہ

بلال دار العلوم، لمبی، ملاوی، وسطی افریقہ

۲۰۱۹/۱۲/۵ء

پیش لفظ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی فرض الحج والعمرة علی المستطیع مرة فی العمر ووقت الحج باشھر معلومات والعمرة بدون توقیت وأشھد أن محمداً عبده ورسوله، صلی اللّٰہ وسلم علیه وعلی آله وصحبه أجمعین ومن تبعھم واقتفی أثرھم إلی یوم الدین وسلم تسلیماً کثیراً.

حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک ہے جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ حج کی فرضیت قرآن کریم، حدیث شریف اوراجماع امت سے ایسے ہی ثابت ہے، جیسا کہ نماز، روزہ اورزکاۃ کی فرضیت ثابت ہے؛ اس لیے جوشخص حج کی فرضیت کاانکارکرے، وہ کافر ہے۔ اللہ تعالی کاارشاد ہے: ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ (سورہ آل عمران: ۷۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچوں ارکان کوایک حدیث شریف میں بیان فرمایا ہے۔ "بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ". (البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں: "سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: "إِيمَانٌ. بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ" قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: "جِهَادٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ" قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: حَجٌّ مَبْرُورٌ". (البخاری)

رب ذوالجلال کے لاکھوں فضل وانعامات ہیں، جن کا احاطہ ممکن نہیں، محض اپنے لطف وکرم سے اس نااہل سراپا جہل ونابلد کوفتاویٰ علمائے ہند کی بیسویں جلدکی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اس جلد میں نفل روزوں، اعتکاف اورحج کے احکام ومسائل کا بیان خصوصیت کے ساتھ آیا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ ہرمسئلہ قران وحدیث کے نصوص اورفقہی جزئیات کی عربی عبارات سے مدلل کیا جائے، ان شاءاللہ اس کتاب کے ذریعہ اہل علم اور طالبانِ علمِ دین کوفائدہ پہنچے گا۔ حتی الوسع اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ہرمسئلہ دلائل وشواہد کے ذریعہ ناظرین کی خدمت میں پیش ہوجائے۔ فتاویٰ کے سوال وجواب کو بعینہ ذکرکیا گیا ہے ساتھ ہی تمام فتاویٰ میں اصل کتاب کے حوالہ کوبھی درج کیا گیا ہے اورحاشیہ میں دیگرمفتی بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے اقوال وآثارکواہتمام کے ساتھ ذکرکرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ اوربھی زیادہ مدلل ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالی کا احسان ہے کہ فتاوی علمائے ہند کا یہ سلسلہ اہل علم میں خوب مقبول ہورہا ہے لیکن بہرصورت یہ ایک بشری کاوش ہے جس میں خطاوثواب کاامکان ہے چنانچہ اہل علم سے گزارش ہے کہ متنبہ فرماتے رہیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ازالہ ممکن ہوسکے۔

الحمدللہ اس طرح ہمارے اکابرین کا یہ علمی وفقہی سرمایہ منظمہ السلام العالمیہ کے زیراہتمام بندہ کی نگرانی میں اورحضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب کے زیرسرپرستی علمائے ہند کی ایک بڑی جماعت ملک وبیرون ملک کے مختلف مقامات پراپنی خدمات انجام دے رہی ہے کہیں جمع وترتیب کا سلسلہ ہے تو کہیں تحقیق ونظرثانی پرکام ہورہا ہے، اس کے بعد ملک کے مشاہیرمفتیان کرام کی نگاہوں سے اس مجموعہ کوگزارکراس کی توثیق کرائی جاتی ہے تاکہ یہ مجموعہ مؤثق ہوکرمؤیدمن اللہ ہوجاے، پھرطباعت کے بعد پورے عالم کے تمام اہم دینی اداروں میں ہدیہ لوجہ اللہ ارسال کرنے کی ترتیب بنائی جاتی ہے، میں شکرگزارہوں علماء ومفتیان کرام کا جنھوں نے میری گزارش پراپنے تاثرات تحریرفرمائے ہمت افزائی فرمائی اوردعائیں دی، اللہ تعالی ہمارے بزرگوں کی دعاؤں اورمفتیان کرام کی محنتوں کوقبول فرمائے اوراسے دونوں جہان کی کامیابی کا ذریعہ بنائے۔

بندہ محمد اسامہ شمیم الندوی

رئیس المجلس العالمی للفقہ الاسلامی ممبئی الھند

۵ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ، ۲۸ راپریل ۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیة

الحمد للّٰہ حمدًا طیبًا کثیرًا مبارکًا فیه کما یحب ربنا ویرضاہ، والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد، وعلی آله وصحبه ومن اتبع سنته واهتدی بهداہ، وبعد:

روزہ ایک عظیم عبادت ہے،اس کی شریعت میں بڑی فضیلت آئی ہے؛لیکن کوئی بھی عمل اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتا اور نہ ہی قبولیت کے مرتبے کو پہنچ سکتا ہے، جب تک کہ اس میں دو شرطیں نہ پائی جائیں: ایک اخلاص اور دوسری شرط سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مطابقت، لہٰذا تمام نیک اعمال کی طرح روزہ بھی ایک عظیم عمل ہے، اس میں بھی ہمیں علم ہونا چاہیے کہ کن ایام میں روزہ رکھنے کی فضیلت ہے، کن ایام اور کس طرح کے روزوں سے شریعت نے منع کیا ہے۔نفلی روزوں کے بارے میں بھی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، نفلی روزے کا ثواب عظیم ہے اور اس سے روز قیامت فرائض میں پیدا شدہ نقص کی بھرپائی بھی کی جائے گی۔ ہر ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھنا یہ افضل ترین نفلی روزے ہیں، حضرت داؤد علیہ السلام رکھا کرتے تھے؛ اس لیے اسے ''صوم داؤد'' کہا گیا ہے۔ روزہ رکھنے سے قبل سحری کھانا مستحب ہے اور احادیث میں اس کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سحری کھایا کرو، کیوں کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔'' (متفق علیہ) نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق سورج غروب ہوتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہیے، افطار میں تاخیر کرنے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کے منافی اور دین کے غلبے کے خلاف قرار دیا ہے۔

حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک ہے۔ حج کی فرضیت قرآن کریم، حدیث شریف اور اجماع امت سے ایسے ہی ثابت ہے، جیسا کہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی فرضیت ثابت ہے؛ اس لیے جو شخص حج کی فرضیت کا انکار کرے، وہ کافر ہے۔ سفر حج ایک عاشقانہ سفر ہے؛ اس لیے شوق ورغبت کے ساتھ مکمل اخلاص کے ساتھ حج کرنا چاہیے اور حج مبرور کی تمنا رکھنی چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سے اعمال اچھے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا''۔ پوچھا گیا: پھر کون؟ فرمایا: ''اللہ کے راستے میں جہاد کرنا''۔ پوچھا گیا: پھر کون؟ ارشاد فرمایا: ''حج مبرور''۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ شانہ کا شکر ہے کہ اس نے ''**فتاویٰ علماء ہند**'' کے روزہ اور حج کے مسائل سے متعلق ''جلد-۲۰'' کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی، اس جلد میں زکوٰۃ کے سلسلے میں تملیک وحیلۂ تملیک، زکوٰۃ کے مصارف، عشر وخراج اور روزے سے متعلق مسائل کو شامل کیا ہے، سابقہ جلدوں کی طرح فتاویٰ علماء ہند کے اس حصہ (۲۰/ویں) میں فتاویٰ کے سوال وجواب کو من وعن نقل کرنے کے ساتھ ہر فتویٰ کے ساتھ اصل کتاب کے حوالہ کو بھی درج کر دیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتیٰ بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا ہے۔ امید ہے کہ علما، ائمہ، اہل مدارس اور اصحاب افتا خاص طور پر اس سے فائدہ اٹھائیں گے، حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے آثار واقوال کو ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے، جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ مدلل بھی ہو گئے ہیں۔

میں اس موقع سے ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن کے ارکان ومعاونین کا شکر گزار ہوں، جو ۲۰۰۸ء سے اس خدمت میں مصروف ہیں اور جن کی توجہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ رہا ہے، اللہ ان تمام معاونین ومخلصین کی اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور میرے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

(انیس الرحمٰن قاسمی)
چیرمین ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن، پھلواری شریف، پٹنہ

۲۴/اپریل ۲۰۲۰ء، مطابق یکم رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ

نفل ونذر کے روزوں کا بیان

رمضان کے روزوں کے بعد کون سے روزے افضل ہیں:

سوال: بعدروزۂ رمضان کے زیادہ ثواب والے کون کون سے روزے ہیں؟اور بعد فرائض وسنن کون سے نوافل زیادہ ثواب والے ہیں؟

الجواب

حدیث صحیح مسلم میں ہے:

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:"أفضل الصيام بعد رمضان شهر اللّٰه المحرّم وأفضل الصلٰوة بعد الفريضة صلاة الليل. (رواه مسلم)(۱)فقط

(یعنی رمضان کے روزوں کے بعد محرم کے روزوں کا درجہ ہےاورفرض نمازوں کے بعدرات کی نفل نمازوں کا۔)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴۹۹/۶)

رمضان المبارک کے علاوہ روزے:

سوال: رمضان المبارک کے علاوہ کن دنوں کے روزے رکھنا واجب ہے؟اور کیاان روزوں کے سحر وافطار کی نیت اور رمضان کے روزوں میں کچھ فرق ہے؟ (فیروز خاں، پھولانگ، نظام آباد)

الجواب

رمضان المبارک کے روزے کے سوا کوئی اورروزہ فرض نہیں اور نہ کوئی اورروزہ مستقل طور پرواجب ہے،البتہ اگرروزہ کی نذر مان لی جائے تو وہ واجب ہوجائے گا،اسی طرح بعض غلطیوں کے کفارہ کے طور پر روزہ رکھنا واجب ہوتا ہے ،رمضان المبارک کے روزوں کی نیت صبح میں بھی کی جاسکتی ہے؛لیکن ان روزوں کی نیت رات ہی میں کرلیناواجب ہے،(۲)رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر بلاعذرتوڑ دیا جائے تو کفارۃ واجب ہے،دوسرے روزے بھی بلاعذرشروع کرنے کے بعد نہیں توڑنا چاہیے؛لیکن توڑ دے تو کفارہ واجب نہیں، البتہ سحر و افطار کے لیے نیت ضروری نہیں،نہ رمضان المبارک میں،نہ دوسرے روزوں میں،باقی احکام تمام روزوں کے قریب قریب یکساں ہیں۔(کتاب الفتاویٰ:۴۴۵/۳)

---

(۱) مشكاةالمصابيح،كتاب الصوم،باب صيام التطوع،الفصل الأول،ص:۱۷۸،مكتبة قديمی كتب خانة،انيس

(۲) فلايجوزإلا بنية من الليل.(الهداية،كتاب الصوم:۱۹۳/۱)

سال بھر روزے رکھنا کیسا ہے:

سوال: عیدالاضحیٰ وعیدالفطر کا روزہ افطار کر کے باقی تمام سال؛ یعنی بارہ ماہ روزہ رکھنا، ایک قضا نہ کرنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

سال بھر میں پانچ روزے رکھنا ممنوع ہے، عیدالفطر، عیدالاضحیٰ اور تین دن ایام تشریق کے۔(۱) باقی تمام برس روزے رکھنا درست ہے، لیکن یہ اچھا نہیں ہے کہ ہمیشہ روزے رکھے؛ کیوں کہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزے بھی رکھتے تھے اور افطار کرتے تھے، پس ایسا ہی کرنا موافق سنت کے ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۴۹۷)

ہمیشہ روزہ رکھنا:

سوال: ایک شخص ہمیشہ روزہ رکھتا ہے۔ جائز ہے، یا نہیں اور اس کو ہمیشہ رکھنے کا ثواب ہوگا، یا نہیں؟

(الہٰ بخش، محلّہ بازداران، سہارنپور)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

ہمیشہ روزہ رکھنا اس طرح کہ ایام منہیہ میں بھی روزہ رکھے تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔(۲) اگر ایام منہیہ میں روزہ نہ رکھے اور تمام سال روزہ رکھے تو اس میں اختلاف ہے، بعض نے اس کو مکروہ کہا ہے، کیوں کہ یہ عادت ہو جاتی ہے عبادت نہیں رہتی، یا اس سے ضعف زیادہ ہو جاتا ہے۔ (کما مر فی مراقی الفلاح، ص: ۳۷۴)(۳) بعض نے کہا ہے کہ اس میں کچھ حرج نہیں اور یہی مختار ہے، لہٰذا ثواب ہوگا۔ (کذا فی الفتاوی الهندية: ۱۹۹/۱)(۴)

---

(۱) والمكروه تحريماً كالعيدين وتنزيهاً كعاشوراء ... وصوم دهر. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصوم: ۳۳۶/۳-۳۳۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

عن أبي قتادة رضى الله عنه أن رجلاً أتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: كيف تصوم فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال عمر يارسول الله صلى الله عليه وسلم كيف من يصوم الدهر كله قال لاصام ولا أفطر أوقال لم يصم ولم يفطر، إلخ. (مشكاة المصابيح، باب صيام التطوع، ص: ۱۷۹، ظفير)

(۲) ويكره صوم يوم العيدين وأيام التشريق، وإن صام فيها كان صائماً عندنا. (الفتاوى الهندية، الباب الثالث فيما يكره للصائم وما لا يكره: ۲۰۱/۱، رشيدية)

ويكره أن يصوم يومين لايفطر بينهماو كذا صوم الوصال وهو أن يصوم السنة ولايفطر فى الأيام المنهية. (فتاویٰ قاضى خان، الفصل الرابع فيما يكره للصائم وما لا يكره: ۲۰۵/۱، رشيدية)

(۳) وكره صوم الدهر؛ لأنه يضعفه أو يصير طبعا له، ومبنى العبادة على مخالفة العادة. (مراقى الفلاح علىٰ نور الايضاح، ص: ٦٤١، فصل فى صفة الصوم، قديمى)

(۴) ويكره صوم الوصال وهوأن يصوم السنة كلها، ولا يفطر فى الأيام المنهى عنها، وإذا أفطر فى الأيام المنهية المختار أنه لا بأساً ... والأفضل أن يصوم يوماً ويفطر يوماً. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الثالث فيما يكره للصائم: ۲۰۱/۱، رشيدية)

صوم داوٗد علیہ السلام افضل ہے، وہ یہ کہ ایک دن روزہ رکھے، دوسرے دن افطار کرے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۰/۱/۴/۱۳۵۴ھ۔ صحیح: عبداللطیف، ۱۳/ محرم ۱۳۵۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۹۵-۱۹۶)

عید کے دن روزہ حرام ہے:

سوال: عید کے روز روزہ حرام ہے، یا نہیں؟ اور جس کو عید ہونا معلوم نہ ہوا اور اس نے روزہ رکھا تو صحیح ہے، یا نہ؟ اور اگر شخص مذکور بلا عذر شرعی روزہ افطار کرلے تو قضا، یا کفارہ واجب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

جس کو عید ہونا معلوم ہوا اور ثبوتِ عید اس کے نزدیک نہ ہوا ہو اور حکم عید بطریق موجب اس کے نزدیک ثابت نہ ہوا ہو تو اس کو روزہ رکھنے میں گناہ نہ ہوگا اور اس کے حق میں حرمت نہ ہوگی، اگرچہ درحقیقت وہ روزہ نہیں ہوا؛ کیوں کہ عید الفطر کا دن روزہ کا محل نہیں ہے اور جس نے باوجودیکہ عدم علم اس دن روزہ نہ رکھا اور افطار کیا اور بعد میں عید ہونا اس دن کا محقق ہوگیا تو قضا اس روزہ کی اور کفارہ اس پر لازم نہ ہوگا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۴۹۵)

بعد عصر نہ کھانے سے روزہ کا ثواب:

سوال: کچھ آدمی عصر ومغرب کے درمیان بالکل کھانا پینا بند کردیتے ہیں، حالاں کہ دنیا کے اور کام کرتے ہیں، یہ خیال کرتے ہیں کہ نفل روزہ کا ثواب ملے گا، یہ کہاں صحیح ہے اور اس کی کیا اصلیت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

یہ بالکل جہالت ہے، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۰۳)

فرض روزہ کی قضا باقی رہنے کی صورت میں نفل روزہ درست ہے، یا نہیں:

سوال: فرض روزہ جو قضا ہوگیا تھا، اس کو ادا کرنے کے قبل نفل روزہ رکھا تو جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) عن عبد الله بن عمرو ابن العاص رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم: "یا عبد الله! ... "قال: صم أفضل الصوم صوم داؤد صیام یوم وافطار یوم، واقرأ فی کل سبع لیال مرة، ولا تزد علی ذلک. (مشکاة المصابیح، کتاب الصوم، باب صیام التطوع، الفصل الأول، ص: ۱۷۹، قدیمی)

(۲) هو أی الصوم إمساک من المفطرات حقیقة أوحکماً فی وقت مخصوص وهو الیوم، من شخص مخصوص مع النیة المعهودة. (الدر المختار) (قوله: وهو الیوم): أی الیوم الشرعی من طلوع الفجر إلی الغروب. (ردالمحتار، کتاب الصوم: ۲/۳۷۰-۳۷۱، سعید)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

جائز ہے، وہ روزہ نفل ہوجاوے گا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۹۸/۶)

فرض روزہ ذمہ میں رہتے ہوئے نفلی روزہ رکھنا:

سوال: ایک شخص جس کے ذمہ زکوۃ واجبہ، یا فرض روزہ باقی ہے، اس کے باوجود وہ عطیہ، یا نفلی روزہ رکھتا ہے تو اس کا یہ فعل درست ہے، یا نہیں؟ نیز اگر کسی نے ایسا کیا تو فرض میں وضع ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

عطیہ دینے سے ثواب ملے گا، (۲) نفلی روزہ سے بھی ثواب ملے گا؛ (۳) لیکن فرض وواجب کی فکر نہ کرنا اور نفل میں مشغول ہونا ناسمجھی اور کم عقلی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۳۹/۱۰)

نفل روزے:

سوال: رمضان المبارک کا روزہ فرض ہے؛ لیکن محرم کے دو روزے، شب برأت کے دو روزے، عید الاضحیٰ کا روزہ اور دیگر روزوں کی حقیقت کیا ہے؟ (فیض احمد، کھوپولی، رائے گڈھ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

آپ نے جن نفل روزوں کا ذکر کیا ہے، حدیث میں ان کا ذکر موجود ہے، نویں محرم اور یکم ذوالحجہ سے نو تاریخوں تک کے روزوں کا ذکر تو صحاح ستہ میں سے مختلف کتابوں میں صراحت وصحت کے ساتھ منقول ہے، (۴) البتہ ۱۵/شعبان کے روزوں کا ذکر صحاح ستہ میں نہیں ہے؛ لیکن بعض روایات اس سلسلہ میں بھی موجود ہے، حضرت علیؓ کی

---

(۱) ولذا جاز التطوع قبله (قبل قضاء رمضان) بخلاف قضاء الصلاة. (الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة: ۴۰۵/۳، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) عن سهل بن معاذ، عن أبيه، عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "من أعطى لله تعالىٰ، ومن لله تعالىٰ، وأحب لله تعالىٰ، وأبغض لله تعالىٰ، وأنكح لله تعالىٰ، فقد استكمل إيمانه". (مسند الامام أحمد: ۴۶۲/۴، (رقم الحديث: ۱۵۰۹۰)، دار احياء التراث العربي بيروت)

(۳) عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: الصيام جنة فلا يرفث ولا يجهل فإن امرأ قاتله أو شاتمه فليقل: إني صائم مرتين "والذي نفسي بيده! لخلوف فم الصائم أطيب عند الله من ريح المسك، يترك طعامه وشرابه وشهوته من أجلىٰ، الصيام لي وأنا أجزي به، والحسنة بعشر أمثالها". (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب فضل الصوم: ۲۵۴/۱، قديمي)

(۴) دیکھئے: الجامع للترمذي مع العرف الشذي: ۱۵۲/۱

ایک روایت میں ہے کہ پندرھویں شبِ شعبان میں نماز پڑھواور دن میں روزہ رکھو، "قوموا لیلتها وصوموا یومها". (۱) البتہ پندرھویں شعبان کو دودنوں کا روزہ نہیں ہے، ایک ہی دن کا روزہ ہے، دوروزوں کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص یوم عاشورا کے سلسلہ میں دیا تھا، اس دن یہود بھی روزہ رکھتے تھے، آپ کو جب اس کا علم ہوا تو ان کے تشبہ سے بچنے کے لیے دسویں محرم کے ساتھ ایک اور روزہ ملا کر رکھنے کا حکم دیا، (۲) فی زمانہ جب کہ یہود اس دن روزہ نہیں رکھتے، خیال ہوتا ہے کہ صرف ۱۰ر محرم کو بھی روزہ رکھ لیا جائے تو قباحت نہیں، ہاں! احتیاط دوروزے رکھنے میں ہے، یہ اوراس طرح کے حدیث سے ثابت دوسرے روزے نفل ہیں اور باعث ثواب۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۴۸)

چند مخصوص تاریخوں کا روزہ:

سوال: لوگوں میں مشہور ہے کہ سال بھر میں پانچ روزے ایسے ہیں، جن کے رکھنے کا ثواب ایک ہزار برس کے روزوں کے برابر ہیں: (۱) ۲۷ر رجب کو، (۲) ۲۵ر ذی قعدہ کو، (۳) ۱۸ر ذی الحجہ کو، (۴) ۲۲ر محرم کو، (۵) ۱۲ر ربیع الاول کو۔ براہ کرم اگر ان روزوں کا ثبوت ہو، تب بھی، نہ ہو جب بھی نظام میں شائع فرمادیں؛ کیوں کہ اس مسئلہ میں ابوتراب کاکوریؒ کی ایک کتاب دیکھنے میں آئی ہے، انہوں نے بغیر حوالہ کے لکھا ہے، جس سے تشویش ہوتی ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

۲۷ر رجب، ۲۵ر ذی قعدہ، ۱۸ر ذی الحجہ، ۲۲ر محرم، ۱۲ر ربیع الاول، ان پانچ دن کے روزوں کے متعلق کوئی صحیح حدیث کتب حدیث میں مذکور نہیں، نہ فقہانے ان ایام میں روزہ رکھنے کی فضیلت بیان کی ہے۔ عوام میں ۲۷ر رجب کے متعلق بہت بڑی فضیلت مشہور ہے؛ مگر وہ غلط ہے، اس فضیلت کا اعتقاد بھی غلط ہے، اس نیت سے روزہ رکھنا بھی غلط ہے "ما ثبت بالسنة" وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفی عنہ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۰۱-۲۰۲)

شوال کے چھ روزوں کا حکم:

سوال: ہمارے قصبہ کے ایک عالم دین شوال کے چھ روزوں کی اہمیت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کی تکمیل نہ کرنے پر رمضان کے روزے ادھر لٹک کر رہ جاتے ہیں اور جب تک ان چھ روزوں کی تکمیل نہیں ہو جاتی، ثواب نہیں ملتا؟

(سید خواجہ معین، سداسیو پیٹ)

---

(۱) کنز العمال:۱۳/۲٦۹، لیلة النصف من شعبان، رقم الحدیث:۱٤۸۳

(۲) کتاب الفقه:۲/۵۵

(۳) ثم اعلم أنا لم نجد فی کتب الأحادیث لا اثباتاً ولا نفیاً ما اشتهر بینهم من تخصیص الخامس عشرین من رجب بالتعظیم والصلاة وتسمیة صوم الاستفتاح وتسمیته بمریم روزہ. (ما ثبت بالسنة، ص:۷۷)

الجواب

شوال کے چھ روزے جائز، یا زیادہ سے زیادہ مستحب ہیں، نہ فرض ہیں اور نہ واجب؛ اس لیے یہ کہنا کہ روزۂ رمضان کا اجران روزوں پر موقوف رہتا ہے، درست نہیں، یا تو موصوف سے مغالطہ ہو گیا ہے، یا خود آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، فضائل پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ شریعت میں جس عمل کا جو درجہ ہو، اس کو اسی درجہ پر رکھا جائے، کسی عمل کے لیے جو اہمیت ثابت ہے، اگر اس کو اس سے زیادہ اہمیت دے دی جائے تو یہ بھی بدعت ہے۔
(کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۴۴)

شوال کے چھ روزے مسلسل رکھے جائیں، یا متفرق:

سوال: درشوال شش روزہ متصل داشتن مکروہ است، یا نہ؟ شش روزہ متفرق دارد؟

الجواب

قال فی الدرالمختار: (وندب تفریق صوم الست من شوال) ولایکرہ التتابع علی المختار. (۱)
یعنی است متفرق کردن شش روزہ شوال راوتتابع ہم مکروہ نیست علی القول المختار۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۴۸۹)

شوال کے چھ روزے کب شروع کرے:

سوال: ماہ شوال میں جو چھ روزے نفلی رکھے جاتے ہیں، ان روزوں کی عید کے اگلے ہی روز سے شروع کردے، یا کیا اگر عید سے اگلے روز شروع نہ کیا تو باقی مہینہ میں رکھے، یا نہیں؟

الجواب

شوال کے چھ روزے شش عید کے نام سے مشہور ہیں۔ درمختار میں لکھا ہے کہ متفرق رکھنا ان کا بہتر اور مستحب ہے اور پے در پے رکھنا بھی مکروہ نہیں۔
وندب تفریق صوم الست من شوال ولایکرہ التتابع، الخ. (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۴۹۱)

عشرۂ ذی الحجہ میں روزہ:

سوال: ذوالحجہ کے مہینے میں کیا روزہ رہنا چاہئے؟ اگر رہنا چاہئے، تو کتنے اور کون کون سی تاریخ کو رہنا چاہئے؟
(محمد جہانگیرالدین طالب، باغ امجدالدولہ)

الجواب

یوں تو ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں دس ذی الحجہ کو چھوڑ کر بقیہ نو دنوں روزہ رکھنا باعث اجر ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ

(۱،۲) الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار، کتاب الصوم، مطلب فی صوم الست من شوال: ۳/۴۲۲، مکتبة دیوبند، انیس

عنہ نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عشرۂ ذی الحجہ سے بڑھ کر کسی دن کی عبادت اللہ تعالی کو محبوب نہیں، ان میں سے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزے کے برابر اور ہر شب کی عبادت شبِ قدر کی عبادت کی طرح ہے“۔(۱)

اس روایت پر محدثین نے کلام کیا ہے؛ لیکن اس مضمون کی اور روایتیں بھی ہیں،(۲) جن سے اس کو تقویت پہنچتی ہے، خاص طور پر یوم عرفہ یعنی ۹/ذی الحجہ کے روزہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ”حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ یوم عرفہ کا روزہ گزشتہ اور آئندہ سال کے لیے کفارہ بن جائے گا“۔امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اسے ”حسن“ یعنی مستند و معتبر قرار دیا ہے، (۳) چناں چہ اس کے مستحب ہونے پر تمام فقہا متفق ہیں۔(۴) (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۴۶-۴۴۷)

حکم صیام ایام بیض در ماہ ذی الحجہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ایام بیض کے روزے ۱۳، ۱۴، ۱۵/تاریخ رکھتا ہے؛ مگر اب بقرعید کی ۱۳/تاریخ کو چوں کہ روزہ حرام ہے، لہٰذا ۱۴، ۱۵، ۱۶/تاریخ رکھے، یا کیا کرے؟ مگر اس میں ایام بیض کا شمار ۱۳، ۱۴، ۱۵/فوت ہوتا ہے۔

الجواب

اس ماہ میں ایام بیض کے روزے نہیں ہو سکتے، بطور بدل کے خواہ ۱۶/کو رکھ لے، یا بعد میں رکھ لے، سب برابر ہیں۔

۶/ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص:۹۸) (امداد الفتاوی:۲/۱۰۲)

عرفہ کا روزہ حاجی لوگ کیوں نہیں رکھتے:

سوال: ماہ ذی الحجہ میں عرفہ کے دن؛ یعنی نویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا بہت ثواب ہے تو اس روز حاجی لوگ خاص عرفات میں روزہ کیوں نہیں رکھتے، اس کی وجہ کیا ہے؟

الجواب

سفر کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ روزہ رکھنے کے سبب سے کہیں افعال حج کے ادا کرنے میں ضعف کے باعث خلل واقع نہ ہونے لگے۔(۵) واللہ اعلم (یوں اگر حاجی کو عرفات کے فرائض کی ادائیگی میں خلل نہ ہو اور وہ کمزوری محسوس نہ کرے تو وہ بھی عرفہ کا روزہ رکھ سکتا ہے، جیسا کہ حاشیہ کی عبارت سے ظاہر ہے۔ظفیر) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۶/۳۴۸)

---

(۱) الجامع للترمذي،رقم الحديث:۷۵۸

(۲،۳) الجامع للترمذي،رقم الحديث:۷۴۹،باب ماجاء في فضل الصوم يوم عرفة

(۴) كتاب الفقه:۱/۵۰۵

(۵) والمندوب كأيام البيض ... وعرفة ولو لحاج لم يضعفه.(الدرالمختار)صفة لحاج أي إن كان لا يضعفه عن الوقوف بعرفات ولايحل بالدعوات محيط فلوأضعفه كره.(ردالمحتار:۳/۳۳۶،مكتبة زكريا ديوبند، ظفير)

حکم صوم یوم عرفہ للحاج:

سوال: صوم یوم عرفہ واقفین عرفہ کے واسطے جائز ہے، یا نہ؟ حدیث سے تو ثابت ہے کہ عرفہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے افطار کیا، کما فی الترمذی: "أفطر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعرفة وأرسلت أم الفضل إلیه بلبن فشرب". (۱) اسی طرح اکثر حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ واقفین عرفہ کے لیے روزہ رکھنا اچھا نہیں، لیتقوی به الرجل علی الدعاء اور جو بعض اہل علم نے روزہ کو ان کے واسطے جائز رکھا۔ اس پر ہمارا عمل ہے۔ اس کی تحقیق تحریر کریں گے؟

الجواب

صوم یوم عرفہ حاجی کے لیے اگر اندیشہ ضعف کا نہ ہو بلا کراہت مستحب ہے، اگر اندیشہ ضعف کا ہو، مکروہ ہے۔

فی الدرالمختار فی الصیام المستحبة: وعرفة ولو لحاج لم یضعفه، آه.

(قوله لم یضعفه) صفة لحاج أی إن کان لایضعفه عن الوقوف بعرفات ولایخل بالدعوات محیط فلو اضعفه کره. (ردالمحتار: ۸۳۰/۲) واللّٰه أعلم

أقول: وعلیه یحمل أفطار رسول اللّٰه صلی علیه وسلم وتحریضه إلیه مطلقاً.

۲۰ ذی الحجہ، روز جمعہ ۱۳۰۴ھ (امداد: ۱۸۲/۱) (امداد الفتاوی: ۱۰۰/۲)

عرفہ کے دن روزہ رکھنا کیسا ہے:

سوال: بتاریخ ۹/ذی الحجہ بروز عرفہ روزہ رکھنا کیسا ہے؟

الجواب

مستحب ہے اور اس میں بہت ثواب ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۴۶/۶)

یوم عرفہ کا روزہ عرفات میں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین ومفتیان شرع سید المرسلین، اس مسئلہ میں کہ زید بلباس واعظ کسی شہر

---

(۱) عن ابن عباس أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أفطر بعرفة وأرسلت إلیه أم الفضل بلبن فشرب. (سنن الترمذی، باب کراهیة صوم یوم عرفة بعرفة، رقم الحدیث: ۷۵۰، انیس)

(۲) صیام یوم عرفة أحتسب علی اللّٰه أن یکفر السنة التی قبله و السنة التی بعده. (رواه مسلم) (مشکاة المصابیح، باب صیام التطوع، ص: ۱۷۹)

والمندوب کأیام البیض من کل شهر ... وعرفة ولو لحاج لم یضعفه. (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصوم: ۱۱٤/۲، ظفیر)

میں تعلیم کرنے آیا اور عرفہ ذی الحجہ کے روزہ کو، مجمع عام جامع مسجد میں منع کیا اور نویں تاریخ کو علی العموم روزہ سے منع کیا، حالاں کہ صوم یوم التاسع کی بزرگی میں احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں۔ فرمایا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

"ما من أيّام أحبّ إلى اللّٰه تعالٰى أن يتعبّد له فيها من عشر ذى الحجة،يعدل صيام كلّ يوم منها بصيام سنة،وقيام كلّ ليلة منها بقيام ليلة القدر". (۱)

ابوداؤد سے روایت ہے:

"قال:عليكم بصوم أيام العشر وإكثار الدّعاء والاستغفار والصّدقة فيها فإنّى سمعت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم:الويل لمن حرم خير أيام العشر وعليكم بصوم يوم التاسع خاصة فإن فيه من الخيرات،أكثر من أن يحصيه العادون". (۲)

وروى أنه عليه الصلاة والسلام قال:[صيام] يوم عرفة احتسب علٰى اللّٰه تعالٰى أن يكفر السنة التى قبله والسنة التى بعده. (۳)

ہاں! اگر زید مذکور یہ کہتا کہ یوم الثامن و یوم التاسع کا روزہ، بباعث عجز ادائے افعال حج مقام عرفات میں مکروہ ہے، جیسا کہ قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں تحریر کیا ہے۔ عبارت فتاویٰ کی یہ ہے:

"ولا بأس بصوم يوم عرفة،سواء كان فى الحضر أوفى السفر،إذا كان يقوى عليه ويكره صوم يوم عرفة وكذا يوم التروية لأنه يعجزه عن أداء أفعال الحج". (۴)

الجواب

فضائل صوم یوم عرفہ کے احادیث میں وارد ہیں اور تمام امت اس کے استحباب کی مقر ہیں، کسی کو اس میں خلاف نہیں۔ مسلم نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے:

---

(۱) الجامع للترمذى ،كتاب الصوم،باب ماجاء فى العمل،ت:محمد فواد عبدالباقى.التحفة: ۵۲، رقم الحديث:۷۵۸، ص: ۱۳۱، ج:۳[دارالكتب العلمية،بيروت]وابن ماجة،كتاب الصيام،باب صيام العشر. ج: ۲/ص: ۶۲۰-۶۲۱،الحديث:۱۷۲۸،وقال الترمذى:إسناده ضعيف.

[نیز دیکھئے: مشكاة المصابيح: كتاب الصلاة باب فى الأضحية،الفصل الثانى،ص: ۱۲۸، ج: ۱[عكس أصح المطابع، رشيدية،دهلى: ۱۳۷۰هـ/۱۹۵۵ء] مشكٰوة. كتاب الصلة،باب فى الأضحية ت:رمضان بن أحمد بن على رقم الحديث: ۱۴۷۱،ص: ۵۸۸، ج: ۱ (نور)

(۲) رواه أبو داؤد۔ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ راقم سطور کو نہیں ملی۔[نور]

(۳) الصحيح لمسلم، كتاب الصوم: ۱/ ۳۶۷۔(مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۱۹ھ)

نیز كتاب الصيام،باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر وصوم يوم عرفة،ت:أبو قتيبه نظر محمد الفاريابى،رقم الحديث: ۱۱۶۲،ص: ۵۱۸، ج: ۱ [دار طيبه ،رياض: ۱۴۲۷ه]

(۴) فتاوٰى قاضى خان. كتاب الصوم (فصل فيما يكره للصائم ومالايكره: ۹۹/۱،مطبع مصطفائى كانپور، لكهنؤ: ۱۳۱۰ه) [نور]

وسئل عن صوم يوم عرفة،فقال يكفر السنة الماضية والباقية. (الحديث)(۱)

اوردوسری حدیث مسلم میں ہے:

"صيام يوم عرفة أحتسب على الله أن يكفر السنة التى قبله والسنة التى بعده". (الحديث)(۲)

پس جوشخص اس صوم کومکروہ بتاتا ہے، وہ ناواقف وجاہل حدیث سے ہے۔ ہاں! عرفات پرروزہ مکروہ تنزیہی ہے؛ اس لیے کہ ذکروتلبیہ وہاں کا ذکر مسنون ہے، اس میں سبب روزہ کے کوتاہی ہوجاوے گی، ورنہ اگر وہاں کسی نے روزہ رکھ لیا تو ثواب ملتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ کلاں، ص: ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۱) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ: ص ۲۱۱-۲۱۳) ☆

دس ذوالحجہ کوروزہ رکھنا:

سوال: عرفہ کے دن روزہ رکھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے اور دہلی میں عرفہ دوشنبہ کا ہے اور دوشنبہ کو بعض مقامات پرعید ہوگی اور عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے، لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ دوشنبہ کے دن عرفہ کا روزہ رکھ سکتے ہیں کہ نہیں؟ **(المستفتی: مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی)**

الجواب

ہاں چاند کی خبر آجانے کے بعد نویں تاریخ کو جودوسری جگہ کی دسویں ہوگی، روزہ نہ رکھنا چاہیے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۲۵۱/۴-۲۵۲)

ذی الحجہ کے روزے اور قربانی سے کھانے کی ابتدا:

سوال: ذی الحجہ کی نویں تاریخ کا ایک روزہ ہے، یا دو رکھنے چاہیے اور دس تاریخ کو کیا یہ ضروری ہے کہ روزہ قربانی کے گوشت سے کھولا جائے؟ فقط واللہ اعلم

---

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الصوم (باب: صوم يوم عرفة) ص: ۳۶۸، ج: ۱ (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۱۹ھ) نیز باب مذکور ج: ۱ ص: ۵۱۸، رقم الحدیث: ۲۷۱۷ (۱۱۶۲ھ)

(۲) الصحيح لمسلم، كتاب الصوم، باب استحباب صوم يوم عرفة، [مجتبائی دہلی: ۱۳۱۹ھ] نیز حوالہ بالا (۵۱۸/۱) رقم الحديث: ۱۱٦۲ [دار طيبة، رياض. ۱٤۲۷ هـ/۲۰۰٦م]

☆ **نماز کے بعد تسبیحات اور عرفہ کا روزہ مستحب ہے:**

مسئلہ: بعد نماز کے تسبیح، تحمید، تکبیر مستحب ہے اور صوم عرفہ بھی مستحب ہے، سنت موکدہ نہیں۔ شاہ عبدالعزیز کے کلام کی مجھ کو خبر نہیں، سب کتب فقہ میں مستحب لکھا ہے۔

(مجموعۂ فرخ آباد، ص: ۱۹) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۱۱)

(۳) کیوں کہ عرفہ نویں ذی الحجہ کو ہوتا ہے اور دس ذی الحجہ کو روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے۔

"والمكروه تحريمًا كالعيدين. (الدر المختار، كتاب الصوم: ۳۷۵/۲، طبع سعيد)

الجواب ـــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

یکم ذی الحجہ سے ۹/ ذی الحجہ تک روزہ رکھنا ثواب ہے اورنویں ذی الحجہ کا ان روزوں میں سب سے زیادہ درجہ ہے،(۱) مستحب یہ ہے کہ ذی الحجہ کو اپنی قربانی سے ابتدا کرے، اس سے پہلے نہ کھائے؛ لیکن اس سے پہلے کھانا بھی مکروہ، یا ناجائز نہیں۔(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبد اللطیف۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۱۹۲)

عاشورہ کے دن کوئی خاص نماز مشروع نہیں، البتہ روزہ مستحب ہے:

سوال: عاشورہ کے دن شریعت کی طرف سے کوئی خاص نماز کسی خاص نماز وضع کے ساتھ ثابت ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۴۵۷، منشی الطاف حسین صاحب، وزیر گنج، گونڈہ ۲/ محرم ۱۳۵۸ھ ۲۲/ جنوری ۱۹۳۹ء)

الجواب ـــــــــــــــ

عاشورے (۱۰/ محرم) کے روز روزہ رکھنا مسنون ہے، اس روزے کا بہت ثواب ہے، (۳) اور یہ بھی مستحب ہے کہ ہر شخص اپنی وسعت کے موافق اس روز اپنے بال بچوں کو اور دنوں سے اچھا کھانا کھلائے۔(۴) کوئی خاص نماز اس دن میں ثابت نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی:۴/۲۵۱-۲۵۲) ☆

---

(۱) عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم: "ما من أيام الدنيا أيام أحب إلی الله تعالٰی سبحانه وتعالٰی أن يتعبد له فيها من أيام العشر، وإن صيام يوم فيها ليعدل صيام سنة، وليلة فيها بليلة القدر". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۲۴، أبواب ما جاء فی الصيام، باب صيام العشر، قديمی)

(۲) وفی الكبریٰ: الأكل قبل الصلاة يوم الأضحی هل هو مكروه؟ فيه روايتان والمختار أنه لا يكره لكن يستحب له أن لا يفعل. (الفتاویٰ الهندية، الباب السابع عشر فی صلاة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيدية)

(۳) عن أبی قتادة أن النبی صلی الله عليه وسلم قال: صيام يوم عاشوراء إنی احتسب علی الله أن يكفر السنة التی قبله. (الجامع للترمذی. أبواب الصوم، باب ماجاء فی الحث، علٰی صوم يوم عاشوراء: ۱/۱۵۸، طبع سعيد)

(۴) قوله: حديث التوسعة إلخ وهو من وسع علٰی عياله يوم عاشوراء، وسع الله عليه السنة كلها. قال جابر: جربته الربعين عامًا إلخ. (رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسد مطلب فی حديث التوسعة علی العيال: ۲/۴۱۸، ط: سعيد)

☆ **محرم کی فضیلت صرف عاشورہ کے روزہ کی وجہ سے ہے:**

فضیلت محرم کی بعد رمضان جو وارد ہے، وہ صوم عاشورہ کی فضیلت ہے، نہ تمام ماہ کی اور صوم عاشورہ خود حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام رکھتے تھے۔ فقط

(مجموعۂ فرخ آباد، ص:۲۰) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص:۲۱۰)

یوم عاشورہ کے روزہ کا حکم:

سوال: دس تاریخ محرم کو جو شخص روزہ توڑا دیوے اور کہے کہ حرام ہے۔ یہ غلط ہے، یا صحیح؟

الجواب

روزہ عاشورہ کا دسویں محرم کو مستحب ہے اور اس کا بہت ثواب حدیث شریف میں آیا ہے، جو اس کو حرام کہتا ہے، وہ محض جاہل ہے، روافض کے یہاں یہ روزہ حرام ہے۔ اہل سنت کے نزدیک بالاتفاق تمام علما کے نزدیک، یہ روزہ مستحب ہے، اس کو حرام کہہ کر تڑوانے والا بے شک گنہگار ہے اور جاہل حکم شرع سے ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ کلاں، ص:۱۲۹-۱۳۱) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص:۲۱۰)

عاشورہ کے روزہ کا حکم:

سوال: عاشورہ کا روزہ اور اس کے قبل ایک روزہ کا حکم کیا؟

الجواب

ھو المصوب: عاشورہ کا روزہ مستحب ہے؛ لیکن تنہا مکروہ تنزیہی ہے، مقدم، یا مؤخر، ایک روزہ ملا کر رکھیں، جیسا کہ درمختار میں لکھا ہے: **ونفل کغیرھما (أی الفرض والواجب) یعم السنة کصوم عاشوراء مع التاسع**، انتہٰی. **والمکروہ تنزیھاً کعاشوراء وحدہ.** (۱)

اور ردالمحتار میں ہے:

والظاھر أن صوم عاشوراء من سنة الزوائد بل سیما فی الخانیة مستحبا فقال ویستحب أن یصوم صوم عاشوراء یصوم صوم قبله أوبعده لیکون مخالفا لأھل الکتاب، انتہٰی. (۲) (فتاویٰ باقیات صالحات، ص:۱۰۱)

صوم یوم عاشورہ:

سوال: عاشورہ کا ایک روزہ مکروہ ہے؛ لیکن مکروہ ہونے کے ساتھ ثواب بھی ہوگا، یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً

عاشورہ کے فقط ایک روزہ پر کفایت کرنا مکروہ ہے؛ لیکن ثواب اس کا بھی ملے گا۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۷/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۹۳)

---

(۱) الدرالمختار، سبب صوم رمضان: ۲/۳۷۴-۳۷۵، دارالفکر بیروت، انیس

(۲) ردالمحتار، سبب صوم رمضان: ۲/۳۷۵، دارالفکر بیروت، انیس

(۳) وأما القسم السادس وھوالمکروہ، فھوقسمان: مکروہ تنزیھا ومکروہ تحریما، الأول الذی کرہ تنزیھاً کصوم یوم عاشورا منفرداً عن التاسع أوعن الحادی عشر. (مراقی الفلاح علیٰ نورالإیضاح، فصل فی صفة الصوم، ص: ٦٤٠، قدیمی)

تحقیق حکم انفراد صوم عاشورہ:

سوال: ضروری دریافت یہ ہے کہ احقر نے بہشتی زیور کے تیسرے حصہ میں نفل روزہ کے بیان میں دیکھا کہ محرم کی دسویں تاریخ میں روزہ رکھنا مستحب ہے۔احقر نے دسویں تاریخ کو ایک روزہ ہی رکھا۔اب بعضے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ نویں ودسویں کا رکھنا چاہیے۔ایک روزہ میں اختلاف ہے،ایک نہیں رکھنا چاہیے۔اختلاف کیسا ارشاد فرمایا جاوے؟

الجواب

واقعی دو ہی روزے رکھنا چاہئیں،بہشتی زیور کی تالیف کے وقت اس مسئلہ کی پوری تحقیق نہ تھی؛لیکن اگر نویں کو نہ رکھے،تو گیارہویں کو رکھ لے۔

۹/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۳ھ (ترجیح خامس،ص:۱۵۳) (امداد الفتاوی:۲/۱۱۴)

تحقیق: بندہ اب تک یہ فتوی دیتا تھا کہ دسویں محرم کا ایک روزہ رکھنا بلا کراہت درست ہے؛مگر درمختار وغیرہ میں اس کے خلاف جزئیہ نکلا،لہٰذا میں اس سے رجوع کرکے اب موافق اس جزئیہ کے فتوی دیتا ہوں کہ دسویں تاریخ محرم کو اکیلا روزہ رکھنا مکروہ ہے،اس کے ساتھ نویں کا بھی رکھنے سے کراہت دور ہوگی،اسی طرح اگر دسویں کے ساتھ گیارہویں کا بھی رکھ لے،تب بھی کراہت نہ رہے گی؛مگر اول صورت اولی ہے،یعنی نویں دسویں کا،وہ جزئیہ یہ ہے:

المكروه تحريماً كالعيدين وتنزيهاً كعاشوراء وحده.

فی رد المحتار (قوله عاشوراء وحده) أى مفرداً عن التاسع أوعن الحادى عشر،إمداد؛لأنه تشبه باليهود،محيط. (۱۳٤/۲) فقط

(ترجیح الراجح:۴/۸۰) (امداد الفتاوی:۲/۱۱۴)

صرف دس محرم کو روزہ رکھنا:

سوال: محرم کے دو روزے جو کہ مسنون ہیں،بجائے دو کے اگر ایک ہی رکھے تو کیا ناجائز ہے،یا جائز؟ فقط

الجواب حامداً ومصلياً

مکروہ تنزیہی ہے:

"وأما القسم السادس: وهو المكروه، فهو قسمان: مكروه تنزيهاً ومكروه تحريماً: الأول الذى كره تنزيها كصوم يوم عاشوراء منفرداً عن التاسع أوعن الحادى عشر،آه". (مراقی الفلاح، ص: ۳۵۱)(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۱۹۳)

(۱) مراقی الفلاح علىٰ نور الايضاح: ٦٤٠،فصل فی صفة الصوم،قديمی

نفل روزہ کتنی تعداد میں مسلسل رکھنا ضروری ہے:

سوال: عالمے می فرماید کہ ہر روز نفل یک ودو نیا یدداشت کہ مشابہت بصوم یہود می شود بالخصوص صوم عاشوراء محرم ازنہم تایازدہم باید داشت وعلی ہذا، ہر صوم کم از سہ یوم نباید داشت تا مشابہت نہ آید؟

الجواب

عاشورا کے روزہ کے بارے میں یہ حکم ہے کہ تنہا روزہ رکھنا عاشورا کا مکروہ تنزیہی ہے؛ یعنی غیر اولیٰ ہے، اس کے ساتھ ایک روزہ اور رکھے، شنبہ کا روزہ تنہا نہ رکھے، بوجہ مشابہت یہود کے وہ شنبہ کا روزہ تعظیماً رکھتے تھے، (۱) باقی یہ نہیں ہے کہ کوئی روزہ نفلی نہ رکھے؛ بلکہ پیر اور جمعرات کا تنہا تنہا روزہ رکھنا حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اور یہ بھی قول غلط ہے کہ تین روزہ سے کم نہ رکھے؛ بلکہ جو روزہ تنہا مکروہ ہے، جیسا کہ عاشوراء کا روزہ، اس کے ساتھ ایک روزہ اور رکھنے سے کراہت مرتفع ہوجاتی ہے، دوروزے ہوجانا کافی ہے، چناں چہ وہ روایت جو صوم عاشوراء کے ساتھ نویں محرم کا روزہ رکھے، یا گیارہویں کا، پس معلوم نہیں کہ یہ وہ کہاں سے کہتے ہیں کہ تین دن سے کم نفلی روزہ نہ ہوں، یہ بالکل غلط ہے، عموماً ایک روزہ نفل کا درست ہے، جیسا کہ پیر اور جمعرات کا روزہ منفرداً حدیث شریف میں وارد ہے اور جمعہ کا روزہ بھی منفرداً علی الصحیح مستحب ہے۔ درمختار میں ہے:

(والمندوب كأيام البيض من كل شهرويوم الجمعة ولومنفرداً وعرفة ولو لحاج.

(قوله:منفرداً) صرح به في النهرو كذا في البحر،فقال أن صومه بانفراده مستحب عند العامة كالإثنين والخميس. (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۴۸۹-۴۹۰)

عشرہ محرم میں ذکر شہادت پڑھنے اور روزہ وصدقہ کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: [کہ] عشرہ محرم کو ذکر شہداء بیان کرنا اور اسی عشرہ میں روزہ رکھنا اور خیرات کرنا کیسا ہے؟ اس کا جواب کتب معتبرہ سے دیجئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عشرہ [محرم] میں ذکر شہادت پڑھنا حرام ہے، اس واسطے کہ یہ مشابہ رافضیوں کے ہے، وہ ان ایام میں اس ذکر کو

---

(۱) **ونفل كغيرهما) يعم السنة كصوم عاشوراء مع التاسع،الخ.(الدرالمختار)**

ويستحب أن يصوم يوم عاشوراء بصوم يوم قبله أويوم بعده ليكون مخالفاً لأهل الكتاب ...وقوله (وعاشوراء وحده) أى مفرداً عن التاسع أوعن الحادى عشر؛لأنه تشبه باليهود وقوله (وسبت وحده) للتشبه باليهود.

(الدرالمختارمع رد المحتار ،كتاب الصوم:۳/۳۳۵-۳۳۷،مكتبة زكريا،انيس)

(۲) **ردالمحتار، كتاب الصوم:۳/۳۳۶،مكتبة زكرياديوبند،انيس**

افضل عبادت جانتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ جو کوئی کسی قوم سے مشابہ کام کرے، وہ ان میں ہی ہے، پس ایسا کام کرنا رافضی ہونا ہوا۔

اور روزہ عشرہ کی نویں کو مستحب ہے اور خیرات وصدقہ دینا سب روز درست ہے، اس دن میں [بھی] جائز ہے؛ مگر تخصیص کہ اسی روز میں ضرور ہو، بدعت ہے۔ کسی کام کو بدون اجازت شرع کے خاص کرنا حدیث میں منع فرمایا ہے۔ فقط

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعۂ کلاں، ص: ۱۴۳) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۱۳)

ماہ صفر کے روزے کا حکم:

سوال: ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ بلاد ہند میں مشہور بایں طور ہے کہ اس دن خصوصیت سے نفلی روزہ رکھا جاتا ہے اور شام کو کھچوری، یا حلوا پکا کر کھایا جاتا ہے، عوام اس کو کھچوری روزہ، یا پیر کا روزہ کہتے ہیں، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں۔

الجواب

بالکل غلط اور بے اصل ہے، اس کو خاص طور سے رکھنا اور ثواب خاص کا عقیدہ رکھنا بدعت اور ناجائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہؓ سے کسی ایک ضعیف حدیث میں اس کا ثبوت بالالتزام مروی نہیں اور یہی دلیل ہے، اس کے بطلان وفساد اور بدعت ہونے کی؛ کیوں کہ کوئی عبادت ایسی نہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم کرنے سے بخل کیا ہو اور اسی لیے یہ بھی فرما دیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (امداد المفتین: ۴۱۶/۲)

ستائیسویں رجب کے روزہ کی فضیلت:

سوال: ۲۷؍تاریخ صوم رجب کا ثبوت حدیث سے ہے، یا نہیں؟ اور فضائل اعمال میں تو حدیث ضعیف قابل عمل ہوتی ہے، نہ کہ ثبوت اعمال میں لائق قبول ہو اور اگر ہو سکتی ہے تو اس کو تحریر فرماویں؟

الجواب

فضیلت ستائیس صوم رجب کی کسی حدیث صحیح سے منقول نہیں، رجب وغیر رجب برابر ہیں؛ مگر بعض احادیث سے اشہر حرم کی کچھ فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ پس چاروں ماہ حرام برابر ہوئے، سوائے ایام معدودہ کے جن کی فضیلت ثابت ہوئی ہے۔ بعد اس کے اگر ضعیف روایت سے فضیلت صوم رجب کی ثابت ہو تو روزہ رکھنا جائز ہے؛ کیوں کہ صوم خود عبادت ہے؛ مگر جب صوم رجب کو مثل واجب کے جانا جاوے تو اس وقت بدعت ہو جاوے گا۔

پس ثبوت صوم کا تو مطلق فضیلت صوم نفل سے ثابت ہے اور پھر اشہر حرم کے صوم سے ثابت ہے اور فضل خاص اگر ضعیف روایت سے ہو تو اس پر عمل درست ہے۔ جب تک مؤکد و واجب نہ جانا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۷۲)

رجب کا روزہ ثابت ہے، یا نہیں:

سوال: ۲۷/رجب کو جو روزہ رکھتے ہیں، یہ حدیث سے ثابت ہے، یا نہیں؟ اس کو بعض لوگ ہزارہ روزہ کہتے ہیں۔

الجواب ـــــــــــــــــــ

ستائیسویں رجب کے روزے کو جو عوام ہزارہ روزہ کہتے ہیں اور ہزار روزوں کی برابر اس کا ثواب سمجھتے ہیں، اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/ ۴۹۱-۴۹۲)

رجب کے روزہ کا مسئلہ:

سوال: سفر السعادت میں درباب صوم رجب فرماتے ہیں: ورجب را روزہ داشتن نہی فرمودہ وایضا درباب روزہ رجب وفضل آن چیزے ثابت نشدہ؛ بلکہ کراہیت واردشدہ۔

عبارت مذکورہ سے مطلق رجب میں روزہ رکھنا منع ومکروہ معلوم ہوتا ہے۔ یہی صحیح ہے، یا مراد اس سے کوئی خاص روزہ ہے، جس کو ہزاری روزہ وغیرہ کہتے ہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

رجب کا روزہ رکھنا مباح وجائز ہے؛ مگر خصوصیت کسی تاریخ کی کرنا، یا اس کو مسنون اور دیگر ایام سے افضل جاننا، یا زیادہ موجب ثواب جاننا اس کو مکروہ و بدعت لکھتے ہیں، ورنہ جیسا تمام سال ہے، رجب بھی ایک ماہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم اور ہزاری لکھی کچھ نہیں، اسی وجہ سے بدعت لکھا ہے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۷۲-۳۷۳) ☆

☆ **ہزاری روزے کا مسئلہ:**

سوال: ۲۷/رجب کو روزہ رکھنا کہ جس کو ہزاری روزہ کہتے ہیں اور مشہور ہے کہ اس روزہ کا ثواب ہزار روزوں کا ہوتا ہے اور حضرت بڑے پیر صاحب بھی شاید اس کو ایسا ہی لکھتے ہیں۔ آپ کے نزدیک جائز ہے، یا نہیں؟ اور اگر کسی نے یہ روزہ رکھ لیا تو اس کو توڑ دینا چاہیے، یا نہیں؟ اور اگر کوئی شخص بدعت بتا کر اس روزہ کو توڑ وادے تو گناہ گار ہوگا، یا نہیں؟ اور ۲۷/رجب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، یا صحابہؓ عظام سے روزہ رکھنا ثابت ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

۲۷/رجب کا روزہ رکھنا جائز ہے کہ ہر روز روزہ نفل درست ہے، سوائے پانچ روز منہی کے فضیلت اس کی صحاح حدیث میں نہیں ہے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۷۲)

۲۷/رجب کے روزہ کو ہزاری روزہ سمجھنا:

سوال: ۲۷ رجب کے روزہ کو ہزاری روزہ سمجھنا کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

۲۷/رجب کے روزہ کی فضیلت صحاح احادیث میں ثابت نہیں؛ مگر غنیۃ میں سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے لکھا ہے، اس کو محدثین ضعیف کہتے ہیں۔ حدیث ضعیف سے ثبوت نہیں ہوسکتا ہے، نفس روزہ جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۷۳) ==

حکم صوم ہزاری:

سوال: ہزارہ روزہ جومشہور ہے اس کی کوئی سند نہیں ملتی۔ایک عنایت فرمانے حضرت امام غزالیؒ کی مکاشفۃ القلوب سے یہ حدیث پیش کی ہے:

عن أبی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" من صام السابع والعشرين من رجب كتب له صيام ستين شهراً وهو أول يوم نزل فيه جبرئيل عليه السلام على النبى صلعم بالرسالة وفيه أسرى به صلى الله عليه وسلم".

اس حدیث کوپیش کر کے کہتے ہیں کہ اس کے خلاف کوئی حدیث آئی ہوتوتم بتاؤ۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ماثبت من السنہ میں اس روایت کوتونہیں لائے؛مگراس کے ہم معنی اورروایات کولائے ہیں اورسب کی تضعیف کی ہے۔وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس قسم کے اعمال میں ایسی روایات سے سند پکڑنا ضروری ہے،ان کا یہ قول ایسا ہے کہ جس کا جواب کچھ سمجھ میں نہیں آیا،لہٰذا اس مسئلہ میں جناب کیا ارشادفرماتے ہیں اور یہ روایت کس کتاب کی ہےاورکیسی ہے؟

الجواب

روایت مکاشفۃ القلوب کی نظر سے نہیں گزری۔(۱) ناقل کے ذمہ تصحیح نقل ہےاورسند کا حال رجال دیکھنے سے معلوم ہو۔باقی ایک علت تواس حدیث میں بین ہے،**وهو أول يوم نزل فيه جبرئيل عليه السلام**،الخ،آپ کی

== **ہزاری روزہ کی حقیقت:**

سوال: ہزارہ روزہ کوہزارکی نیت سے رکھنا چاہیے،یانفلی کی نیت سے،بعض تکرارکرتے ہیں؟

الجواب

ہزارہ روزہ کی اصل،احادیث صحاح سے کہیں نہیں ملتی۔فقط

(مجموعۂ کلاں،ص:۲۳۴)(باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ:ص۲۱۳)

(۱) حضرت قدس سرہ التشرف میں فرماتے ہیں: ابوہریرہؓ کی حدیث جوشخص رجب کی ۲۷/کاروزہ رکھے،اللہ تعالیٰ اس کے لیے ۶۰/مہینے کے روزوں کا ثواب لکھیں گےاوروہ وہ دن ہے،جس میں جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پرنازل ہوئے (کوئی خاص ہبوط مرادہے،مثلاً معراج کے لیے) روایت کیا اس کوابوموسیٰ مدینی نے کتاب فضائل اللیالی والایام میں مشہر بن جوشب کی روایت سے،وہ ابوہریرہؓ کی روایت سے،اگر یہ مہینے آدھےتیس کے لیے جاویں اورآدھے انتیس کےتوان روزوں کی تعدادسات سوستر ہوتی ہےاورعجب نہیں کہ یہ اصل ہو،اس کی جوعام لوگوں میں اورعام عابدین میں مشہور ہے کہ یہ روزہ ہزارروزہ کے برابر ہےاوراس کالقب ہزاری روزہ رکھتے ہیں اورشایدانھوں نے کسرکوسہولت کے لئے حذف کردیاہواورمیں نے جواپنے بعض رسائل میں اس کی نفی کی ہےتووہ اس اثر پرمطلع ہونے کے قبل ہے،بشرطیکہ یہ اثر سند کی روسے ثابت ہواورمجھ کوسند کاعلم نہیں۔(التشرف ص۲۴)

قلت:احیاءالعلوم،ص:۳۲۸۔ج:۱،**بيان الليالى والأيام الفاضلة** میں اس روایت کی سند پرزین الدین عراقیؒ جیسے جلیل القدر محدث کا حاشیہ میں کلام نہ کرنا دلیل صحت ہے۔رشیداحمد عفی عنہ)

ابتداء وحی ربیع الاول میں مشہور ہے۔ باقی نفس صوم رجب بے اصل نہیں ہے۔ گفتگو اس عدد خاص میں ہے۔ وہ اس حدیث سے بھی ثابت نہیں، بلکہ عدد مشہور سے زیادہ ثابت ہوتا ہے؛ اس لیے یہ دعوی صحیح ہے کہ اس عدد مشہور کا کہیں پتہ نہیں اور اگر علت مذکورہ پر نظر کر کے حدیث کے ثبوت میں کلام کیا جاوے تو بھی گنجائش ہے۔

۲۲/رجب ۱۳۳۲ھ۔ (امداد الفتاوی: ۲/۸۶-۸۷) ☆

تحقیق حکم صوم رجب:

سوال: ابن ماجہ میں باب صیام اشہر الحرام میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو فرمایا کہ اشہر الحرام اور اسی باب میں ہے: "**أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن صیام رجب**" ان دونوں حدیثوں میں صورت تطبیق کیا ہے؟

☆ تحقیق صوم ۲۷/رجب:

بہشتی زیور حصہ ششم میں اس کے متعلق یہ لکھا گیا ہے۔ اس کو عام لوگ مریم روزہ کا چاند کہتے ہیں اور اس کی ستائیس تاریخ میں روزہ رکھنے کو سمجھتے ہیں کہ ایک ہزار روزوں کا ثواب ملتا ہے، شرع میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اگر نفل روزہ رکھنے کو دل چاہے اختیار ہے، خدائے تعالی جتنا چاہیں ثواب دے دیں، اپنی طرف سے ہزار یا لاکھ مقرر نہ سمجھے، آہ۔

اس عبارت سے شبہ پڑتا ہے کہ اس کی نہ قوی اصل ہے نہ ضعیف۔ سو چونکہ ضعیف اصل اس کی پائی گئی ہے؛ اس لیے الامداد بابت ماہ رجب ۱۳۳۴ھ میں اس کی مزید تحقیق کر دی گئی، جو بعینہ ذیل میں منقول ہے:

اس ماہ کی ۲۷/تاریخ میں یہ اعمال مروج ہیں:

(۱) روزہ جس کی روایات پر شیخ دہلویؒ نے ماثبت بالسنہ میں سخت جرح کی ہے، صرف ایک روایت کو جو کہ ابوہریرہؓ سے موقوفا وارد ہے، جس میں اس روزہ کو برابر ساٹھ ماہ کے روزوں کے کہا گیا ہے۔ شیخ نے سب سے امثل اور غنیمت کہا ہے؛ لیکن پھر بھی ختم روایت پر فرمایا:

فهٰذه أحادیث ذکرت فیما حضر عندنا من الکتب ولم یصح منها علی ما قالوا شیء وغایته الضعف وجلها موضوع.

مگر شیخ ہی نے ایک حدیث بروایت ابن ابی شیبہ وطبرانی حضرت عمرؓ سے نقل کی کہ حضرت عمرؓ صوم رجب پر لوگوں کے ہاتھوں پر مارتے تھے اور جبرا کھانے میں ڈلواتے تھے کہ یہ ماہ جاہلیت میں معظم تھا، اسلام میں متروک ہو گیا، خیر اگر کوئی روزہ ہی رکھے تو ایک تو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہ سمجھے، ابوہریرہ کا سمجھے۔

(۲) دوسرے اس کو ہزاری؛ یعنی ہزار روزہ کے برابر ثواب میں نہ سمجھے کہ اس میں منقول کی تغییر ہے۔

(۳) تیسرے اس کو حدیث صحیح کے برابر نہ سمجھے، غایت سے غایت ضعیف سمجھ لے اور اس کو بھی کسی فقیہ سے تحقیق کر لے کہ حضرت ابوہریرہؓ کے بیان کی فضیلت اور حضرت عمرؓ کی ممانعت میں عملاً کس کو ترجیح ہوگی، آہ۔

پس اصل تو ظاہر ہو گئی باقی روزہ رکھنا نہ رکھنا اس میں بوجہ تعارض فتوی حضرت عمرؓ وحضرت ابوہریرہؓ کسی محقق عالم سے تحقیق کر کے عمل کرے، قواعد سے اتنی گنجائش ہے کہ جاہلیت کی تشبہ کی بنا پر صوم کو منع کیا جاوے اور اب چوں کہ یہ تشبہ نہیں رہا؛ اس لیے اجازت دی جاوے۔ بہرحال اس روزہ کو عملا منع نہ کیا جاوے؛ مگر عقیدہ کی اصلاح کر دی جاوے۔ فقط

۲۷/ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ (ترجیح رابع، ص: ۸۵) (امداد الفتاوی: ۲/۸۵)

الجواب

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت رجب کی تعظیم میں غلو کرتے تھے، چناں چہ رسم عتیرہ اس پر شاہد ہے، جس کو حدیث ''لافرع ولاعتیرۃ'' سے منسوخ کیا گیا، بالخصوص قبیلہ مضر سب سے زائد اس امر میں مبالغہ کرتے تھے، حتی کہ ان کی طرف رجب کی اضافت کی جاتی تھی، جیسا کہ احادیث میں ترکیب رجب مضر اس پر دال ہے۔ پس اس طور پر تخصیص کے ساتھ رجب کی تعظیم شعار جاہلیت کا تھا، چوں کہ احتمال تھا کہ بعض لوگ جو رجب کی تعظیم کرتے تھے اور اب مشرف باسلام ہو گئے تھے، شاید وہ لوگ، یا ان کی دیکھا دیکھی اور لوگ اس طرح کی تعظیم کے قصد سے اس میں روزہ نہ رکھنے لگیں؛ اس لیے شارع علیہ السلام نے اس کی ممانعت فرمادی، جس طرح بعض احادیث میں صوم یوم السبت سے نہی آئی ہے، حالاں کہ اطلاق سے دلائل سے و نیز اجماع سے اس کا جواز ثابت ہے۔ وہاں بھی یہی وجہ ہے کہ یہود کے دیکھا دیکھی تخصیص صوم کو ذریعہ تعظیم نہ بنائیں، اسی طرح صیام رجب کی نہی کو سمجھنا چاہیے۔ پس اس حیثیت سے تو یہ منہی عنہ ٹھہرا۔ دوسری حیثیت رجب میں صرف شہر حرام ہونے کی ہے، جو اس میں اور بقیہ اشہر حرم میں مشترک ہے۔ پہلی حیثیت سے قطع نظر کر کے صرف اس دوسری حیثیت سے اس میں روزہ رکھنے کو مندوب فرمایا گیا، پس دونوں حدیثوں میں تعارض نہ رہا، **لاختلاف الحملین کما ذکرنا.** فقط

(امداد: ۱/۱۷۱) (امداد الفتاویٰ: ۲/۸۵)

شعبان میں کون سا روزہ ضروری ہے اور کب سے ممنوع:

سوال: شعبان میں کس تاریخ کا روزہ فرض ہے، یا مسنون ہے؟ نیز یہ روایت کہ اس ماہ میں سوائے ۱۳/ تاریخ کے اور روزہ رکھنا ناجائز، یا ممنوع ہے۔ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب

ماہ شعبان میں کسی تاریخ اور دن کا روزہ فرض اور واجب نہیں ہے اور تیرہ شعبان کے روزے کی کوئی خاص فضیلت حدیث شریف سے ثابت نہیں ہے، البتہ یہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ شعبان کی پندرہویں تاریخ کا روزہ رکھو، پس پندرہویں تاریخ شعبان کا روزہ مستحب ہے، اگر کوئی رکھے تو ثواب ہے اور نہ رکھے تو کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۵۰۰)

شب برأت کا روزہ ثابت ہے، یا نہیں:

سوال: ہمارے یہاں گزشتہ سال پندرہویں شعبان کا روزہ نہیں رکھا گیا اور کہا گیا کہ یہ روزہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ علاوہ ازیں اس روزہ کو بدعت قرار دیتے ہیں، کیا فضائل میں ضعیف حدیثوں کا اعتبار ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

"عن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: "إذا کانت لیلة النصف من شعبان، فقوموا لیلها، وصوموا یومها، فإن اللّٰہ تعالیٰ ینزل فیها لغروب الشمس إلی السماء الدنیا، فیقول اللّٰہ تعالی: (ألا من مستغفر فأغفر له، ألا من مسترزق فأرزقه، ألا من مبتلیٰ فأعافیه، ألا کذا ألا کذا)، حتیٰ یطلع الفجر". (رواہ ابن ماجه) (مشکاۃ المصابیح، ص: ۱۱۵) ابن ماجہ میں یہ روایت صفحہ: ۱۰۰ پر ہے۔(۱)

سند کے اعتبار سے یہ روایت ضعیف ہے، فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث سے استدلال درست ہے۔

"ویجوز عند أهل الحدیث وغیرهم التساهل فی الأسانید وروایة ما سویٰ من الضعیف والعمل به من غیر بیان ضعفه فی غیر صفات اللّٰہ تعالیٰ والأحکام کالحلال والحرام وغیرهما، وذلک کالقصص وفضائل الأعمال والمواعظ وغیرهما مما لا تعلق له بالعقائد والأحکام". (تدریب الراوی، ص: ۱۹۲) (۲)

پس اس روزہ کو بدعت کہنا درست نہیں، جب کہ اس کے متعلق حدیث شریف موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۱۳۹۲/۲/۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۰۳-۲۰۴)

۲۷؍ شعبان کے نفلی روزہ کا حکم:

سوال یہ کہ ۲۷ تاریخ شعبان کو جس قدر آدمی روزہ دار تھے، سب کے روزے توڑ واڈالے اور کہا کہ آج کا روزہ رکھنا بالکل حرام ہے، روزہ داروں نے روزہ نفلی سمجھ کر رکھا تھا، اس روز ان کا روزہ رکھنا درست تھا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

۲۷؍ شعبان کو روزہ نفل رکھنا درست ہے، حدیث میں ایک دو روز پیشگی رمضان سے روزہ رکھنے کو مکروہ فرمایا ہے کہ اس طرح روزے رکھے کہ ایک دو روزہ رکھ کر رمضان میں ملا دیوے، ورنہ شعبان کے اول وآخر میں روزہ نفل رکھنا درست ہے، خود فخر عالم علیہ السلام شعبان میں بکثرت روزہ رکھتے تھے۔ ایسے روزہ کو حرام کہنا، جہل ایسے شخص کا ہے کہ نہ حدیث کو سمجھا اور نہ مطلب حدیث سے واقف ہوا، محض جاہل ہے؛ کیوں کہ احادیث میں ان ایام کے جواز کی دلیل موجود ہے، لہٰذا بلا وجہ روزہ توڑ وانا اس کا بیجا ہوا، اور بدون سمجھے جاہل کو فتویٰ دینا حرام ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "فأفتوا بغیر علم فضلّوا وأضلّوا". (۳)

(مجموعہ کلاں، ص: ۱۲۸-۱۲۹) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ: ص ۲۱۰-۲۱۱)

---

(۱) مشکاۃ المصابیح، باب قیام شهر رمضان، الفصل الثالث، ص: ۱۱۵، قدیمی / ابن ماجة، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی صلاة التسبیح، ص: ۱۰۰، میر محمد کتب خانة

(۲) تدریب الراوی، ص: ۲۵۲، قدیمی

(۳) صحیح لمسلم عن هشام بن عروة عن أبیه قال سمعت عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص یقول: سمعت ==

رمضان شریف سے پہلے ایک دو روزہ رکھنا کیسا ہے:

سوال: رمضان شریف کا چاند دیکھنے سے قبل ایک، یا دو روزہ رکھنا کیسا ہے؟

الجواب

ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں اس کی ممانعت ہے کہ رمضان کے شروع ہونے سے پہلے کوئی روزہ نہ رکھا جائے۔ حدیث شریف میں ہے:

عن أبی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: صوموا لرويته وأفطروا لرؤيته. (۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۴۹۶)

جمعہ کو نفل روزہ:

سوال: جمعہ کے دن نفل روزے رکھنے کا کیا حکم ہے؟ (محمد عبد الوکیل ناصر، بازار سلیمان جاہ)

الجواب

بعض روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا، (۲) جب کہ بعض روایات میں دوسرے دنوں کے ساتھ ملا کر روزہ رکھنے کا ذکر آیا ہے؛ (۳) اس لیے فقہا نے لکھا ہے کہ تنہا جمعہ کو روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے، البتہ جمعرات، یا ہفتہ کا روزہ اس کے ساتھ ملا کر رکھا جائے تو حرج نہیں۔

"كره صوم يوم الجمعة إلا أن يضم إليه يوم قبله أوبعده كما في الحديث...النهى للتنزيه". (۴)

(کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۴۵-۴۴۶)

جمعہ کا اکیلا روزہ رکھنا کیسا ہے:

سوال: جمعہ کا اکیلا روزہ رکھنا درست ہے، یا نہیں؟ خاص کر جو عرفہ ذی الحجہ جمعہ کو ہو تو روزہ رکھے، یا نہیں؟ ایک واعظ نے جمعہ کا روزہ رکھنا حرام فرمایا ہے۔ واعظ درست کہتا ہے، یا غیر درست؟

== رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن الله لايقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من الناس ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتٰى اذا لم يترک عالما اتخذالناس رؤساً جهالا فسئلوا فافتوا بغيرعلم فضلُّوا وأضلوا. ص: ۳۴۰، ج: ۲، كتاب العلم (مطبع مجتبائی دهلی ۱۳۱۹هـ) نیز مسلم، ج: ۲، ص: ۱۲۳۲-۱۲۳۳، رقم الحديث: ۲۶۷۳. [نور]

ترجمہ: بغیر جانے فتوی دیں گے، پس گمراہ ہوں گے اور گمراہ کریں گے۔ [ت: نور]

(۱) مشکوة المصابيح، كتاب الصوم، ص: ۱۷۴، مكتبة قديمي كتب خانة كراتشي، انيس

(۲) سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۲۴۲۰

(۳) سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۲۴۲۲

(۴) الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح، ص: ۳۱۵

الجواب

واعظ کا کہنا درست ہے، جمعہ کا روزہ مستحب ہے۔ بعض فقہا نے اس خیال سے کہ روزہ کے ضعف کے باعث فرض نماز میں کچھ خلل واقع نہ ہوجائے، منع فرمایا ہے، ورنہ ویسے اس کے استحباب میں کوئی شک نہیں اور فقہا احتیاطاً فرماتے ہیں کہ ایک روزہ اس سے اول، یا اس کے بعد رکھ لے، اگر تنہا رکھے تو کچھ حرج نہیں۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۳۴۷-۳۴۸) ☆

تنہا ایک نفل روزہ:

سوال: نفل روزہ صرف ایک دن رکھ سکتے ہیں، جیسے پندرہ شعبان کا روزہ ہے، یا یوم عاشوراء کے روزہ کی طرح ہر نفل روزہ میں ایک دن ملا کر رکھنا چاہیے؟ (میر احمد علی جاوید، علی بلڈرس، نام پلی)

الجواب

یوم عاشوراء کو چوں کہ یہودی بھی روزہ رکھا کرتے تھے؛ اس لیے یہودیوں کی مماثلت سے بچنے کی غرض سے ۱۰ر محرم کے ساتھ ۹ر یا ۱۱ر کا روزہ ملا کر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، دوسرے نفل روزوں کے ساتھ روزہ ملا کر رکھنا ضروری نہیں، پندرہ شعبان کو تنہا روزہ رکھا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ حدیث میں صرف اسی تاریخ کا ذکر آیا ہے، اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر اور جمعرات کے روزہ کی فضیلت ثابت ہے، (۲) یوم عرفہ کے روزہ کی فضیلت منقول ہے۔ (۳) ظاہر ہے

(۱) قال الشامی فی کتاب الصوم: فكان الاحتياط أن يضم إليه يوماً آخر ... لأن فيه وظائف فلعله إذا صام ضعف عن فعلها. (ردالمحتار للشامی، کتاب الصوم: ۳/۳۳۶، مکتبة زکریا دیوبند)

پوری عبارت یہ ہے:

والمندوب كأيام البيض من كل شهر يوم الجمعة ولو منفرداً وعرفة ولو لحاج لم يضعفه. (الدر المختار)

(قوله ويوم الجمعة ولو منفرداً) صرح به في النهر وكذا في البحر فقال أن صومه بانفراده مستحب عند العامة كالإثنين والخميس ...ولا بأس بصوم، يوم الجمعة عند أبي حنيفة ومحمد لما روى عن ابن أنه كان يصومه ولا يفطر، إلخ. (ردالمحتار: ۳/۳۳۶، مکتبة زکریا دیوبند، ظفیر)

☆ **تنہا جمعہ کا روزہ:**

سوال: یہ جو مشہور ہے کہ صرف جمعہ کے روز نفل روزہ نہ رکھا جائے؛ بلکہ اس سے پہلے، یا بعد کا دن ملا لیا جائے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

جی ہاں، بعض روایات میں صرف جمعہ کا نفلی روزہ رکھنے سے ممانعت آئی ہے؛ اس لیے اس کے ساتھ ایک دن پہلے، یا بعد بھی ملا لینا چاہیے۔ (وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يصوم أحدكم يوم الجمعة إلا أن يصوم قبله أو يصوم بعده". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الصوم، باب صيام التطوع، الفصل الأول: ۱/۱۷۹، قديمي) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰ر صفر ۱۳۶۸ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱ر صفر ۱۳۶۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۹۶-۱۹۷)

(۲) الجامع للترمذي، رقم الحديث: ۷۴۵

(۳) الجامع للترمذي، رقم الحديث: ۷۴۹

کہ یہ تنہا روزے ہیں، آپ نے ان کے ساتھ ایک روزہ ملانے کا حکم نہیں فرمایا ہے؛ اس لیے یوم عاشوراء کے روزہ کے علاوہ، جو دوسرے نفل روزے ہیں، وہ سب تنہا بھی رکھے جا سکتے ہیں، اسی طرح بعض روایات میں تنہا جمعہ کے روزہ کو پسند نہیں کیا گیا ہے؛ اس لیے اس دن کے ساتھ بھی ایک دن ملا لینا چاہیے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/ ۴۴۷-۴۴۸)

نفل روزے کی نیت کر کے روزہ نہیں رکھ سکا:

سوال: زید نے نفل روزہ رکھنے کی نیت کی تھی، اب اسے روزہ رکھنے کا وقت نہیں مل رہا ہے، ان حالات میں وہ ان روزوں کو کس طرح رکھے؟ (شہباز آصف، مقام غیر مذکور)

الجواب

اگر آپ نے صرف دل میں ارادہ کیا تھا کہ روزہ رکھیں گے، تب تو آپ کو اختیار ہے، چاہیں تو روزہ رکھ لیں، یا نہ رکھیں اور اگر آپ نے زبان سے کہا تھا کہ میں اللہ کے لیے روزہ رکھوں گا تو اب یہ نذر ہے اور نذر کی وجہ سے روزہ، یا کوئی نیک عمل جس کی نذر مانی جائے، واجب ہو جاتا ہے، اگر روزہ رکھنے پر قادر ہو تو روزہ رکھنا واجب ہے اور اگر روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہو اور آئندہ بھی اس کی امید نہ ہو کہ آپ روزہ رکھ سکیں گے تو پھر فدیہ ادا کرنا واجب ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص نذر مان چکا ہو اور وہ نہیں رکھ پایا، اب زندگی سے مایوس ہو چکا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اپنے ورثا کو فدیہ ادا کرنے کی وصیت کر جائے۔ (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۳/ ۴۴۳)

مسافر و مریض کا رمضان میں غیر رمضان کا روزہ رکھنا:

سوال: مسافر، یا مریض رمضان میں نفل وغیرہ کی نیت سے روزہ رکھیں تو ان کا نفلی وغیرہ روزہ ہوگا، یا فرضی؟

الجواب

مسافر، یا مریض رمضان میں اگر نفل کی نیت سے روزہ رکھیں گے تو وہ رمضان کا ہی ہوگا؛ لیکن اگر مسافر کسی دوسرے واجب کی نیت سے روزہ رکھے گا تو وہ اسی واجب کا ہوگا، مریض کا اس صورت میں رمضان کا ہی روزہ ہوگا۔

”في أوائل الأشباه: الصحيح وقوع الكل عن رمضان سوى مسافر نوىٰ واجباً آخر واختاره ابن الكمال وفي الشرنبلالية عن البرهان أنه الأصح. (الدرالمختار) (۲)

قوله الصحيح وقوع الكل عن رمضان إلخ المراد بالكل ما إذا نوىٰ المريض النفل أو أطلق أو نوىٰ واجبًا آخر وما إذا نوىٰ المسافر كذلك إلا إذا نوىٰ واجبًا آخر فإنه يقع عنه لا عن رمضان لأن المسافر له أن لا يصوم فله أن يصرفه إلىٰ واجب آخر؛ لأن الرخصة متعلقة بمظنة العجز وهو

(۱) رد المحتار: ۳/ ٤٢٤

(۲) الدرالمختار، کتاب الصوم: ۲/ ۳۷۸، طبع سعید

السفر وذلك موجود بخلاف المريض فإنها متعلقة بحقيقة العجز فإذا تبين أنه غير عاجز. (رد المحتار)(۱)(کفایت المفتی:۴/۲۵۱)

روزہ کی نذر:

سوال: ایک شخص نے اللہ سے منت مانی کہ اگر شادی صحیح سلامت ہوگئی تو شادی کے بعد میاں بیوی مل کر آٹھ روزے رکھیں گے، اگر کسی بات سے چار ہی روزے رکھے، پھر کچھ دنوں کے بعد تین روزے رکھ لیے اور ایک روزہ باقی ہے تو کیا ایک روزہ رہنا ضروری ہے؟ (سیدہ ریحانہ بیگم، باغ امجد الدولہ)

الجواب

آدمی جس جائز چیز کی نذر مانے اس کا پورا کرنا واجب ہے، چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"**من نذر أن يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعصى الله فلا يطعه**". (۲)

(جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے قبیل سے کسی بات کی نذر مانی، اس کو اس کی تکمیل کرنی چاہیے اور اگر کسی گناہ کی بات کی نذر مان لے تو اس کو پورا نہیں کرنا چاہیے۔)

اس لیے آپ دونوں پر آٹھ روزے پورا کرنا واجب ہے، اگر آپ نے مطلق آٹھ روزہ رکھنے کی نیت کی تھی تو باقی ایک روزہ رکھ لینا کافی ہے اور اگر مسلسل آٹھ روزے رکھنے کی نیت کی تھی تو دوبارہ آٹھ روزے مسلسل رکھنے ہوں گے۔ (۳)

(کتاب الفتاویٰ:۳/۴۴۱-۴۴۲)

نذر کے روزہ میں قضا کی نیت کرے، تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص کے ذمہ کچھ روزے قضا کے تھے اور کچھ نذر کے پہلے قضا کے رکھنے شروع کئے، جب وہ ختم ہوگئے تو نذر کے رکھے؛ مگر رات کو نذر کی نیت یاد نہ رہی، قضا کی نیت کر لی، دن کو یاد آیا تو نذر کا روزہ ادا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

نذر معین میں دن کو دو پہر تک نیت ہوسکتی ہے، (۴) اور نذر مطلق میں یعنی جس میں کوئی دن اور تاریخ مقرر نہ کی

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصوم: ۲/۳۷۸، طبع سعيد

(۲) صحيح البخارى، باب النذر في الطاعة: ۲/۹۹۱، قديمى

(۳) دیکھئے: الفتاوى قاضيخان علىٰ هامش الهندية: ۲/۱۶، البحر الرائق: ۲/۲۹۷

(۴) (فيصح) أداء (صوم رمضان والنذر المعين والنفل بنية من الليل فلا تصح قبل الغروب ولا عنده إلى الضحوة الكبرىٰ لا) بعدها، إلخ. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصوم: ۳/۳۳۸-۳۴۱، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير)

جائے، رات سے نیت اس روزہ کی ضروری ہے۔ پس صورت مسئولہ میں اگر نذر مطلق کا روزہ ہے تو وہ بہ نیت قضا ادا نہ ہوگا، نذر کا روزہ پھر رکھنا ہوگا۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۳۴۷)

نذر کی کہ فلاں روزہ ہمیشہ روزہ رکھوں گا، پھر عاجز ہوگیا:

سوال: عائشہ کہ گاؤں میں ہیضہ کی شکایت ہوئی اور لوگ بکثرت مرنے لگے، جب عائشہ کی بھاوج کا انتقال ہوگیا تو عائشہ گھر آ گئی اور بے ساختہ اس کے منہ سے گھبراہٹ میں نکل گیا: اے خدا! اگر ہمارے گھر کے سب لوگ اس وبا سے محفوظ رہے تو میں زندگی بھر جمعہ جمعرات کو روزہ رکھوں گی، چناں چہ اس کے گھر کے لوگ اس وبا سے محفوظ رہے، اب عائشہ کو ورزہ رکھنا دشوار معلوم ہوتا ہے، ہذا دریافت کرنا چاہتی ہے کہ کیا زندگی بھر اس کو جمعرات جمعہ کو روزہ رکھنا ضروری ہے، یا اس سے بچنے کی کوئی صورت ہے؟

الجواب

اس صورت میں مسماۃ عائشہ کو جمعرات اور جمعہ کا روزہ رکھنا لازم ہے۔ درمختار احکام النذر میں ہے:

(ومن نذرنذراً مطلقاً بشرط وكان من جنسه واجب) أي فرض، الخ (وهو عبادة مقصودة) إلٰى أن قال (ووجد الشرط) المعلق به (لزم الناذر) لحديث من نذروسمى فعليه الوفاء بما سمى (كصوم وصلٰوة وصدقة)، إلخ. (۲)

اور مجموعہ الفتاوی میں (فتاویٰ) بزازیہ کی (فقہی) روایت نقل کی ہے کہ اس میں بھی استحساناً ایسے صیغہ میں وجوب نذر مصرح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ

جواب صحیح اور اگر فی الواقع عائشہ ان روزوں کے ادا سے معذور ہے تو وہ اس کے ذمہ لازم رہیں گے اور اس کے ذمہ ضروری ہوگا کہ بعد موت اس کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمد شفیع عفا عنہ (امداد المفتین: ۲/۴۱۷)

نذر روزے اگر کسی عذر کی مثلاً بیماری کی وجہ سے نہ رکھ سکے تو کتنا کفارہ لازم ہوگا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین کہ ایک آدمی نے نذر کی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ میری بلا ومصیبت اگر دور ہوجائے تو میں تیرے واسطے ہر چاند میں؛ یعنی ہر مہینہ میں پانچ پانچ روزے رکھوں گا۔ اب وہ بلا ومصیبت دور ہوگئی

---

(۱) (والشرط للباقي من الصيام) أي من أنواعه ... وهو قضاء رمضان والنذر المطلق ...(قران النية للفجر ولو حكماً وهو (تبييت النية، إلخ). (رد المحتار، كتاب الصوم: ۳/۳۴۴-۳۴۵، مكتبة زكريا ديوبند. انيس)

(۲) الدر المختار، كتاب الأيمان: ۳/۷۳۵، دار الفكر بيروت، انيس

ہے،اب وہ شخص ہرمہینہ میں روزے رکھے،یانہیں؟اوراس کے اوپرعمر بھر کے روزے رکھنا واجب ہے،یانہیں؟اگر واجب ہوگیا تواگر یہ روزہ ادانہ کرے تو کفارہ دینے سے عمر بھر کے روزے اداہوں گے،یانہیں؟اگراداہو جائیں تو کتنا کفارہ دینے سے اداہوگا؛یعنی کیا چیز دے گا؟اور یہ شخص بیماری کی وجہ سے لاچار ہے،لہٰذا فتویٰ منگوایا جاتا ہے۔

الجواب

جب یہ شخص بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے سے عاجز ہے تو اس کو چاہیے کہ ہر ماہ میں پانچ روزوں کا فدیہ دے دیا کرے؛ یعنی ہرروزے کے عوض صدقۂ فطر کے برابر گیہوں وغیرہ دے دے،یاایک مسکین کو پیٹ بھر کر دووقت کھانا کھلاوے۔

كما في العالمگرية (١٣٥/١):ولوأخر القضاء حتى صار شيخاً فانياً أو كان النذر بصيام الأبد فعجز لذلك أوباشتغاله بالمعيشة لكون صناعة شاقة له أن يفطر ويطعم لكل يوم مسكيناً علىٰ ما تقدم،آه.

وفيه أيضاً :فالشيخ الفاني الذى لايقدر على الصيام يفطر ويطعم لكل يوم مسكيناً كما يطعم في الكفارة.

وفي المجلد الثاني منه.(ص: ١٥١)فإن غداهم وعشاهم وأشبعهم جازسواء حصل الشبع بالقليل أو الكثير،كذا في شرح النقاية لأبي المكارم.(١)

۲۸/جمادی الأولیٰ ۱۳۴۴ھ (امدادالاحکام:۳/۱۳۷)

کیا نذر میں نماز وروزہ کا تسلسل سے رکھنا ضروری ہے:

سوال: زید نے سورکعت نفل نماز اور چھ نفل روزوں کی نذر مانی تھی تو کیا سورکعت نمازیں ایک ساتھ پڑھنی ضروری ہے؟یا تھوڑی تھوڑی الگ الگ وقت میں ادا کی جاسکتی ہے؟اورروزہ بھی کیا وقفہ وقفہ سے رکھے جاسکتے ہیں؟ (ش،ا،ع،نظام آباد)

الجواب

اگرسورکعت نماز کی نذر مانی ہوتو اسے وقفہ کے ساتھ بھی ادا کیا جاسکتا ہے،یہی حال روزوں کا بھی ہے،اگر مسلسل روزوں کی نیت نہیں تھی؛ بلکہ مطلق چھ روزوں کی نیت کی تھی تو روزہ میں تسلسل ضروری نہیں ہوگا۔

"ولوقال صوم شهريعني أن التزم التتابع لزم،وإن أطلق لايلزمه التتابع". (٢)(کتاب الفتاویٰ:۳/۴۴۲)

☆☆☆

(١) الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم:١٣٣/١

(٢) الفتاوى البزازية علىٰ هامش الفتاوى الهندية: ٢٦٩/٤

روزہ نہ توڑنے والی چیزوں کا بیان

حالت روزہ میں انزال:

سوال: ایک شخص کو بعض اوقات یہ بات پیش آتی ہے کہ جس وقت گھوڑے پر سوار ہوکر دوڑا تا ہے تو شرمگاہ حرکت کر کے منی تو ذکر سے خارج ہوتی ہے، حسب اتفاق ایک روز ماہ رمضان میں روزہ میں گھوڑے پر سوار ہوکر ایک جگہ جا رہا تھا، یہی واقعہ پیش آیا، اس بارے میں جو حکم شرع شریف ہو مطلع فرمائیے گا، کیا کفارہ ہوگا، یا قضا؟

الجواب

اس پر نہ قضا ہے، نہ کفارہ؛ بلکہ اس کا روزہ صحیح اور باقی ہے۔(۱)

في الدرالمختار: أو احتلم أو أنزل بنظر أو بفكر، آه. (۲)

قلت: وهٰذا المسئول عنه دونه كما هو ظاهر والله أعلم

وأيضاً في الدرالمختار: أو مس فرج بهيمة أو قبلها فأنزل إلٰى قوله لم يفطر، آه. (۳)

قلت: وهٰذا المسئول منه دونه أيضاً.

۱۸؍رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد: ۱۷۸۱) (امداد الفتاوی: ۲/۱۲۶)

سوال: شرمگاہ سے بوقت سواری اسپ حرکت کے منی نکلے، روزہ جاتا رہا، یا نہیں؟

الجواب

تسامح درلفظ "قلت: وهٰذا المسئول منه دونه".

اصلاح تسامح: از تجربہ معلوم ست کہ بوقت سواری فرج بسرج سودہ میشود بسبب حرکت اسپ از مزاج رقیق منی بدفق وشہوت ولذت بیروں می آید اغلب کہ مراد سائل ہمیں طور ست، پس ازیں قاعدہ وعبادت ردالمختار روزہ آں شکستہ معلوم میشود قضاء ست، کفارہ نیست۔(۴)

---

(۱) احتیاطاً قضا رکھ دینا چاہیے، اس جواب پر بھی بعض علما نے کلام کیا ہے، جو ملحقات تتمہ اولی، ص: ۳۲۶ کے حوالہ سے اس کے بعد سوال نمبر: ۱۷۶۰ میں درج ہے اور تصحیح الاغلاط، ص: ۳۱ میں اس پر کلام کر کے احتیاط کرنے کا حکم لکھا ہے۔ محمد شفیع

(۲،۳) الدرالمختار، كتاب الصوم: ۳/۳٦۷، الرياض

(۴) تجربہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ گھوڑے پر سواری کرتے ہوئے ذکر زین سے مس ہوتا ہے اور گھوڑے کی حرکت کی وجہ سے یک گونہ لذت محسوس ہوتی ہے، جس کی وجہ سے منی کا اخراج ہوتا ہے، اس صورت میں قضا واجب ہوگا، نہ کہ کفارہ، امید ہے کہ سائل کی مراد وہی ہوگی، جس اعتبار سے جواب دیا گیا ہے۔ انیس

(قوله:أومس فرج بهيمة أوقبلها فأنزل)وكذا لايفسد صومه بدون إنزال بالأولٰى ونقل فى البحر وكذا الزيلعى وغيره الاجماع علىٰ عدم الإفساد مع الإنزال، واستشكله فى الإمداد بمسئلة الاستمناء بالكف، قلت:والفرق أن هناك إنزالاً مع مباشرة بالفرج وهُنا بدونها وعلىٰ هٰذا فالأصل أن الجماع المفسد للصوم هوالجماع صورةً وهوظاهراً ومعنى فقط وهوالإنزال عن مباشرة بفرجه لا فى فرج أوفى فرج غيرمشتهى عادةً أوعن مباشرة بغيرفرجه فى محل مشتهى عادة ففى الإنزال بالكف أوبتفخيذ أوبتبطين وجدت المبا شرة بفرجه لا فى محل وكذا الإنزل بعمل المرئتين فإنها مباشرة فرج بفرج لا فى فرج وفى غيرمشتهى عادة وفى إنزال بمس آدمى أوتقبيله بهيمة وجدت المباشرة بغيرفرجه فى محل مشتهى أما الإنزال بمس أوتقبيله بهيمة فإنه لم يوجد فيه شيىء من معنى الجماع فصار كالإنزال بنظرأوفكرفلذا لم يفسد الصوم إجماعاً هٰذا ما ظهرلى من فيض الفتاح العليم.(۱)

ظاہرست کہ درمانحن فيه مباشرة فرج لا فى فرج ثابت ست مانند،استمناء بالكف أوبالتفخيذ أو بالتبطين چرا کہ فرج بسرج مباشرشدہ بعدہ انزال شدروزہ فاسد بخلاف انزال بمس فرج بہیمہ وتقبیل آں وانزال بسبب نظروفکر کہ دراں فرج مباشرنیست پس مانحن فیہ فوق شدہ نہ دون آں،فتدبر،فانہ دقیق وانصف فان الانصاف خیرالاوصاف چونکہ خاص جزی دستیاب نشد جناب مجیب مدظلہ وقدس سرہ دریں نظرثانی بامعان فرمایند کہ بندہ راروایۃ ذیل ردالمختار در خوف وخشیت انداختہ ست کہ براندام لرزہ افتادہ است چہ امکان ست کہ امثال ماقیاس مسئلہ برفتوی دہند۔(۲)

واللّٰه تعالىٰ هوالمصوب والعاصم القاضى إذا قاس مسئلة علىٰ مسئلة وحكم ثم ظهرروابة بخلافه فالخصومة للمدعى عليه يوم القيامة مع القاضى والمدعى، ...أن أحد ليس أهل الاجتهاد فى زماننا وبعض أذكياء خوارزم قاس المفتى على القاضى ... والكلام فى الخصومة فى الآخرة ولاشك أن كلا من المباشروالمتسبب ظالم آثم وللمظلوم الخصومة معهما.(۳)

(تتمۂ اولیٰ،ص:۳۳۶)(امدادالفتاوی:۲/۱۲۷)

---

(۱) رد المختار،كتاب الصوم:۳/ ۳۷۲،ط:الرياض

(۲) ظاہر ہے کہ ہماری بحث اس صورت سے متعلق ہے،جس میں شرم گاہ کسی چیز سے مل رہی ہے،نہ کہ غیرفرج میں مباشرت سے متعلق ہے،مسئلہ مشت زنی وغیرہ کے مانند ہے،کیوں کہ پہلے ذکرزین سے مس ہوا،پھرانزال؛اس لیے روزہ ٹوٹ جائے گا،برخلاف جانوروں کی شرم گاہ چھونے،یااسے بوسہ دینے سوچنے کی وجہ سے انزال ہونے کی صورت کے کہ اس میں شرم گاہ سے ذکرمس نہیں ہواہے تو یہ صورت جو پوچھی گئی ہے،اس صورت سے علاحدہ ہےاوراس میں شہوت کا دخل زیادہ ہے،یہ باریکی ہے،اس پرغورکرنا چاہیے،چوں کہ یہ خاص جزئیہ نہ مل سکا؛اس لیے ڈرتے ہوئے قیاس کا سہارالیا گیاہےاورفتویٰ دیا گیا۔انیس

(۳) رد المحتار،كتاب الصوم:۸/۱۱۲-۱۱۳،ط:الرياض

روزہ میں منی خارج ہوجائے:

سوال: اگر روزہ کی حالت میں مذی اور منی خارج ہوجائے تو کیا روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟ (معین احمد، مغلپورہ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

محض مذی کے نکلنے سے (جو بوس و کنار کے موقعہ پر پیش آتا ہے) روزہ نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح اگر محض دیکھنے، یا برے خیالات کے ہجوم کی وجہ سے انزال ہوجائے تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

"**أو أنزل بنظر إلٰى فرج امراة لم يفسد أو فكر وإن أدام النظر والفكر حتٰى أنزل**". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۳۸۵)

احتلام اور جماع سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یا نہیں:

سوال: اگر روزہ رکھا ہوا ہے اور سوتے میں حاجتِ غسل ہوجائے، یا دیدہ و دانستہ صحبت کرلے، تو روزہ رہے گا یا نہیں، اگر رہے گا تو کیسا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

احتلام سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، (۲) ہاں عمداً صحبت کرنے سے فاسد ہوجاتا ہے اور کفارہ وقضا ذمہ میں لازم ہوتے ہیں، (۳) اگر رمضان کے علاوہ کا روزہ ہو، تو صرف قضا لازم آئے گی، کفارہ لازم نہ ہوگا۔ (۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۱۳۵۵/۸/۲۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۴۰)

روزہ میں احتلام:

سوال: روزہ دار کو نیند کی حالت میں احتلام ہوجائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یا نہیں؟ (محمد خان، سعید آباد)

الجواب ــــــــــــــــــــ

احتلام میں چوں کہ آدمی کے ارادے کو کوئی دخل نہیں ہے؛ اس لیے احتلام کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

"**... أو احتلم ... فلم يفطر**". (۵) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۳۹۶-۳۹۷)

---

(۱) حاشية الطحطاوي، ص: ٣٦١

(۲) أو إدهن أو اكتحل أو احتجم أو قبل أو احتلم ... لم يفطر. (الدر المختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده: ٢/٣٩٥، سعيد)

(۳) من جامع عمداً في أحمد السبيلين، فعليه القضاء والكفارة، ولايشترط الإنزال في الحلين. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الرابع فيما يفسد وما لايفسد، رشيدية)

(۴) من غير كفارة ... وهي إذا أكل الصائم ... أو افسد صوم غير أداء رمضان بجماع، أو غيره، لعدم هتك حرمة الشهر، وهي إنما وجبت لهتك حرمته". (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، ص: ٦٧١-٦٧٦، قديمي)

(۵) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم: ٢/٣٦٦

جلق مفسدِ صوم ہے، یا نہیں:

سوال: جلق لگایا گیا اور منی کپڑے وغیرہ میں لگی تو اس صورت میں اعضائے تناسل دھولینا کافی ہے، یا غسل واجب ہے؟ اور مفسدِ صوم ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جلق سے اگر منی نہیں نکلی تو روزہ فاسد نہیں ہوا، (۱) اگر مذی نکلی ہے تو عضو کا دھولینا اور وضو کر لینا کافی ہے، غسل واجب نہیں، نہ روزہ فاسد ہوا، (۲) اگر منی نکلی ہے تو روزہ بھی فاسد ہو گیا اور غسل بھی واجب ہے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۹/۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۹/۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۵۹-۱۶۰)

غسلِ واجب سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

سوال: اگر روزہ کی حالت میں غسل جاتا رہے تو کیا غسل کرنے سے روزہ باقی رہے گا، یا ٹوٹ جائے گا؟

(محمد واحد، آصف نگر)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

اگر روزہ کی حالت میں کوئی شخص روزہ کی کیفیت کو یاد رکھتے ہوئے بیوی سے ہم بستر ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا کے علاوہ کفّارہ بھی واجب ہوگا، اگر بیوی سے صحبت تو نہ کرے؛ لیکن غسل واجب ہونے میں اس کو دخل ہو تو قضا واجب ہوگی، کفّارہ واجب نہ ہوگا۔

"**أو جامع فيما دون الفرج ولم ينزل وكذا الاستمناء بالكف**". (۴)

اگر غسل واجب ہونے میں براہ راست اس کے عمل کو دخل نہ ہو؛ بلکہ احتلام ہو جائے، یا محض بدنگاہی اور ناشائستہ خیالات کی وجہ سے غسل واجب ہونے کی نوبت آجائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

"**أو احتلم أو انزل بنظر ولو إلىٰ فرجها مراراً أو بفكر وإن طال**". (۵) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۱۱-۴۱۲)

---

(۱) (قوله: الاستمتاع بالكف): أي كونه لا يفسد، لكن هٰذا إذا لم ينزل، أما إذا أنزل فعليه القضاء، كما سيصرح به، وهو المختار. (رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب في حكم الاستمناء بالكف: ۲/۳۹۹، سعيد)

(۲) لا عند (مذي أو ودي) بل الوضوء منه ... آه. (الدر المختار) قوله: بل الوضوء منه، الخ: أي بل يجب الوضوء منه: أي من الودي ومن البول جميعا. (رد المحتار: ۱/۱۶۷، كتاب الطهارة، سعيد)

(۳) "الصائم اذا عالج ذكره حتى أمنى، يجب عليه القضاء، وهو المختار". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده: ۲/۴۷۵، رشيدية)

(۴) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم: ۳/۳۷۰-۳۷۱

(۵) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم: ۳/۳۶۷

حکم تبرد در صوم برائے دفع تشنگی:

سوال: درحالت صوم از شدت تشنگی برائے تفریح وتبرید غسل کردن جائز ست، یا نہ؟

الجواب

فی الدرالمختار: لا تکره حجامة وتلفف بثوب مبتل ومضمضة أواستنشاق أواغتسال للتبرد عند الثاني وبه يفتی.

فی رد المحتار: (قوله:وبه يفتی)لأن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم صب علیٰ رأسه الماء وهو صائم من العطش أومن الحر، رواه أبوداؤد، كان ابن عمريبل الثوب ويلفه عليه وهو صائم.

ولان هذه الاشياء بها عون علی العبادة ودفع الضجر الطبيعی وكرهها أبوحنيفة لما فيها من اظهار الضجر فی العبادة كما فی البرهان،إمداد. (۱۸۳/۲)(۱)

از یں روایت معلوم شد کہ اگر غسل کردن بدیں طور است کہ از واظہار بے صبری می شود کراہت دارد واگر بطور تسہل عبادت واستعانت بروباشد غیرمکروہ است، **وهو وجه التوفيق بين قول الإمام والثانی.** (۲)

۱۲/رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ،ص:۷۷) (امدادالفتاویٰ:۱۴۰/۲)

روزہ کی حالت میں پانی میں ریح خارج ہونے کا حکم:

سوال: روزہ دار کو اگر پانی میں بائے سرے [ریح خارج ہوجائے]، یا استنجا کرنے کے وقت تو روزہ رہا، یا نہیں؟

الجواب

استنجا کرنے میں بائیں نکلنے سے، روزہ میں کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ فقط

(بدست خاص) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ،ص:۲۰۸)

حالتِ صوم میں شرمگاہ میں انگلی ڈالنا اور تقبیل:

سوال: سحری کھانے کے بعد بیوی سے صحبت کرنا، یا شرمگاہ میں انگلی ڈالنا، یا وہ خود ڈالے، روزہ میں کیسا ہے؟ یا یہ سب کرنے سے روزہ میں کوئی فرق آتا ہے، یا قضا واجب ہے، یا کیا؟ جواب دیں۔

الجواب　حامداً ومصلیاً

صبح صادق سے پہلے تو ان چیزوں سے؛ بلکہ صحبت سے بھی روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی؛ اس لیے کہ روزہ صرف

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لايفسده: ۴۱۹/۲،دارالفكر،انیس

(۲) اگر بے صبری کی وجہ سے غسل کرے تو یہ مکروہ ہے؛ لیکن اگر عبادت کی لذت اور صرف ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرے، تو مکروہ ہے، اس طرح دونوں روایتوں میں تطبیق ہوجاتی ہے۔ انیس

سحری کھالینے سے شروع نہیں ہوتا؛ بلکہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے؛(۱) اس لیے پہلے روزہ ہی نہیں، صبح صادق کے بعد اگر بیوی کی شرمگاہ میں انگلی داخل کی، یا بیوی نے خود داخل کی، اگر وہ انگلی خشک ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوا، اگر تر تھی فاسد ہوگیا، قضا لازم ہوگی۔(۲)

بوسہ اگر اس طرح کرلیا کہ اس کی رال لعاب میں نگل گیا تو روزہ فاسد ہوگیا اور کفارہ بھی لازم ہوگا،(۳) جس کو جماع، یا انزال کا اندیشہ ہو، اس کو یہ سب نہیں کرنا چاہیے، جس کو اندیشہ نہ ہو، اس کے لیے بوسہ لینے میں مضائقہ نہیں؛ مگر اس طرح نہ لے کہ روزہ فاسد ہو جائے۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۹/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۹/۱۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۴۳-۱۴۴)

روزہ کی حالت میں بوس وکنار:

سوال: کیا روزہ کی حالت میں کوئی شخص اپنی شریک حیات سے بوس وکنار کرسکتا ہے؟ (امین اسلام، دبیر پورہ)

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ کی حالت میں ازواج مطہرات کا بوسہ لینا ثابت ہے۔(۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ کی حالت میں بیوی کے ساتھ چمٹنے کے بارے میں سوال کیا تو

---

(۱) هو إمساك عن المفطرات حقيقةً أوحكماً في وقت مخصوص،وهو اليوم.(الدرالمختار)
قال الشامي: أي اليوم الشرعي من طلوع الفجر إلى الغروب.(ردالمحتار،كتاب الصوم: ۲/۳۷۱،سعيد)

(۲) أوأدخل أصبعه اليابسة فيه: أوفرجها،ولومبتلة،فسد.(الدرالمختار علىٰ تنوير الأبصار،باب ما يفسد الصوم وما لايفسد: ۲/۳۹۷،سعيد)

(۳) ولوأكل ورق شجر إن كان مما يؤكل عادة،وجبت،وإلاوجب القضاء فقط.وكذا لوخرج البزاق من فمه ثم ابتلعه،وكذا بزاق غيره؛ لأنه مما يعاف منه،ولوبزاق حبيبه أوصديقه وجبت؛لأنه يتلذذ به ... كما قاله في أواخر الكنز،فصار ملحقاً بما فيه صلاح البدن.(ردالمحتار،باب ما يفسد الصوم وما لايفسد،مطلب:جواز الافطار بالتحرى: ۲/۴۱۰، سعيد)
"ومنه ابتلاع بزاق زوجته أوبزاق صديقه؛ لأنه يتلذذ به".(مراقي الفلاح علىٰ نورالايضاح،ما يفسد الصوم وتجب به الكفارة، ص:۲۶۷،قديمي)

(۴) ولا بأس بالقبلة إذا أمن علىٰ نفسه: أي الجماع أوالإنزال، و يكره إذا لم يأمن؛لأنه عينه ليس يفطر،وربما يصير فطرا بعاقبته فإن أمن يعتبرعينه وأبيح له،وإن لم يأمن تعتبرعاقعبة". (الهداية،كتاب الصوم،باب ما يوجب القضاء والكفارة: ۱/۲۱۷،شركة علمية)

(۵) مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۶/۲۳۴

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دے دی، دوسرے صاحب آئے، انہوں نے بھی یہی سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمادیا، جن صاحب کو آپ انے اجازت مرحمت فرمائی وہ سن رسیدہ آدمی تھے اور جن کو منع فرمایا وہ جوان تھے"۔(۱)

اس بنیاد پر فقہا نے لکھا ہے کہ جو شخص اپنے نفس کے بارے میں مطمئن ہو کہ وہ بوس وکنار ہی پر قانع رہ سکتا ہے تو اس کے لیے روزہ کی حالت میں اس کی گنجائش ہے اور جس شخص کو اس کے بارے میں اطمینان نہ ہو، اس کے لیے روزہ کی حالت میں بوس وکنار مکروہ ہے۔

"کره قبلة ومس ومعانقة ... إن لم يأمن المفسد وإن أمن لا بأس". (۲)

عام طور پر سن رسیدہ حضرات کے بارے میں امید ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ پر قابو رکھ سکیں گے اور نوجوان کے بارے میں روزہ ٹوٹ جانے کا اندیشہ رہتا ہے؛ اس لیے اس کی رعایت ملحوظ رکھنا مناسب ہے۔(کتاب الفتاویٰ:۳/۳۹۰-۳۹۱)

زنا سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو غیبت سے کیوں نہیں ٹوٹتا:

سوال: کنزالدقائق میں آیا ہے کہ:

"ومن جامع أوجومع أوأكل أوشرب غذاء أودواءً عمداً قضىٰ وكفر".

اور حدیث شریف میں آیا ہے:

"وعن أبى سعيد وجابر قالا:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:الغيبة أشد من الزنا،إلخ".

جب زنا سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو غیبت سے بدرجہ اولی ٹوٹنا چاہیے، اس وجہ سے کہ یہ اس سے زیادہ سخت ہے؟

الجواب

اشد ہونے سے مفطر ہونا لازم نہیں آتا؛ کیوں کہ یہ اشدیۃ باعتبار گناہ کے ہے، نہ باعتبار منافات رکن صوم کے، بخلاف اکل وشرب وجماع کے کہ منافی ہے رکن صوم؛ یعنی امساک عن المفطرات الثلاث کے، غایت یہ کہ وہ صوم بسبب اقتران گناہ کے قابل قبول نہ ہو؛ لیکن عدم قبول سے عدم صحت لازم نہیں، جس طرح اسبال ازار سے نماز قبول نہیں ہوتی؛ لیکن صحیح ہوجاتی ہے اور یہ اشدیت بھی من کل الوجوہ نہیں؛ بلکہ خود حدیث میں وہ وجہ خاص آئی ہے کہ زنا توبہ سے معاف ہوتا ہے اور غیبت بدون عفو مغتاب کے معاف نہیں ہوتی۔

۱۶/رمضان ۱۳۳۱ھ(تتمہ ثانیہ،ص:۷۰)(امدادالفتاوی:۲/۱۴۰)

روزہ میں دمہ کے مریض کا انہیلر استعمال کرنا:

سوال: زید کی عمر ۶۷/برس ہے، دمہ کا شدید مریض ہے، دن میں تین مرتبہ انہیلر لینے کی ضرورت پیش آتی ہے،

---

(۱) سنن أبي داؤد،رقم الحديث: ٢٣٨٧

(۲) بدائع الصنائع:٢/٢٦٩

رمضان المبارک کی آمد سے پہلے بہت کوشش کی کہ دن میں دو مرتبہ پر اکتفا کروں؛ لیکن بجائے فائدہ کے نقصان ہو گیا اور ڈاکٹر نے کہا کہ آپ دو کے بجائے چار دفعہ لیا کریں، ایسی حالت میں میرے لیے روزہ کا کیا حکم ہے؟

(محمد عزیز الدین، حسینی علم)

سوال: ایک شخص کو دمہ کی شکایت ہے، انہیلر دینے سے پھیپھڑوں کو سکون ملتا ہے، گیس اندر جا کر پھیپھڑوں کو کھولتی ہے، ہر دو گھنٹہ پر انہیلر لینا پڑتا ہے، یہ ناک کے ذریعہ بھی لی جاسکتی ہے تو کیا روزہ کی حالت میں انہیلر لیا جاسکتا ہے؟

(عبداللہ صدیقی، مقام غیر مذکور)

الجواب

انہیلر کے ذریعہ دوا کے اجزا حلق کے نیچے پہنچتے ہیں، یا یہ گیس میں تبدیل ہو کر حلق سے نیچے جاتی ہے، اس سلسلہ میں مجھے کما حقہ تحقیق نہیں ہے اور بعض ڈاکٹروں سے گفتگو پر بھی یہ بات واضح نہیں ہو سکی؛ اس لیے راقم الحروف یہ رائے دیا کرتا ہے کہ انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لیا جائے کہ اپنی طاقت وصلاحیت کے مطابق حکم خداوندی کی اطاعت ہو جائے اور جو لوگ صاحب استطاعت ہوں، وہ فدیہ بھی ادا کر دیں کہ اگر روزہ کافی نہ ہو تو فدیہ سے اس کمی کی تلافی ہو جائے، جیسے منہ کے راستہ سے کسی چیز کا حلق سے نیچے پہونچانا روزہ کو توڑ دیتا ہے، اسی طرح ناک کے ذریعہ بھی کسی چیز کا پہونچانا روزہ کے لیے مفسد ہے؛ اس لیے انہیلر کی دونوں صورتوں کا حکم ایک ہی ہے۔ واللہ اعلم

(کتاب الفتاویٰ: ۳/ ۳۹۳-۳۹۴) ☆

روزہ میں انجکشن اور پمپ سے منہ میں ہوا لینا:

سوال: فرض روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا اور سانس کے مریض کا پمپ کے ذریعہ منہ میں ہوا لینا کیسا ہے؟

☆ روزہ میں انہیلر اور انجکشن:

سوال: میں دمہ کا مریض ہوں، کیا روزہ کی حالت میں انہیلر کا استعمال کر سکتے ہیں اور کیا انجکشن لے سکتے ہیں؟ انہیلر منہ میں رکھ کر دبانے سے دوا گیس کے طور پر راست پھیپھڑوں میں چلی جاتی ہے اور چند لمحوں میں آرام ہو جاتا ہے؟　(شیخ عابد علی، کوہیر)

الجواب

روزہ کی حالت میں ایسا انجکشن لینے میں کوئی حرج نہیں، جس کی دوا براہِ راست معدہ میں نہیں پہنچتی؛ بلکہ رگوں، یا گوشت کے واسطہ سے جسم کے اندر داخل ہوتی ہے، انہیلر کے بارے میں مجھے جہاں تک علم ہے، اس میں دوا سیال صورت میں موجود ہوتی ہے، حلق میں اس دوا کا ذائقہ بھی محسوس ہوتا ہے، ممکن ہے کہ پھیپھڑے میں پہنچ کر وہ گیس بن جاتی ہے، فقہا کی تصریحات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت روزہ کو فاسد کر دیتی ہے، البتہ مجھے اس مسئلہ میں کسی قدر تامل ہے؛ اس لیے کہ حلق میں ایک نالی نظام تنفس سے متعلق ہے اور دوسری غذائی نالی ہے، جس سے انسان کھاتا پیتا ہے تو اگر انہیلر کا اثر تنفس کی نالی سے متعلق ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص انہیلر لیے بغیر دن بھر نہیں رہ سکتا ہو تو وہ انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لے اور احتیاطاً ہر روزہ کا فدیہ بھی ادا کرتا جائے، ایک روزہ کا فدیہ ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلانا ہے۔ واللہ اعلم (کتاب الفتاویٰ: ۳/ ۳۹۴-۳۹۵)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛(۱) الا یہ کہ جوفِ معدہ میں دوا پہونچائی جائے۔(۲) ہوا منہ کے اندر جانے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا اگر چہ پمپ سے پہونچائی جائے،(۳) البتہ آج کل کے جو پمپ استعمال ہوتا ہے، اس میں دوا کے اجزا ہوتے ہیں اور ان اجزا کا معدہ میں پہونچنا یقینی ہوتا ہے، لہٰذ کے اس کے استعمال سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، جب کہ اس میں کوئی اور چیز نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۵۴-۱۵۵)

روزہ میں انجکشن اور سلائین لگوانا:

سوال: اگر کوئی شخص حالت روزہ میں انجکشن لگوالے، تو کیا اس کا روزہ باقی رہے گا، ایسا انجکشن جو غذا کا فائدہ دیتا ہے۔ نیز کیا حالتِ روزہ میں یہ استعمال کیا جاسکتا ہے؟ نیز سلائین استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

مفسد صوم صرف وہ چیز ہوتی ہے کہ جوف معدہ میں دوا، یا غذا بعینہٖ پہنچ جائے، چاہے منفذ معتاد سے پہنچے، یا منفذ غیر معتاد سے پہنچے اور اگر دوا، یا غذا بعینہٖ جوف معدہ میں نہ پہنچے؛ بلکہ دوا، یا غذا بعینہٖ صرف رگوں پٹھوں تک رہ جائے اور صرف اس کا اثر و نفع جوف معدہ تک پہنچے تو بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

پس ان تمام انجکشنوں میں جو شرائینی ہوں، یا وریدی، یا استعمال سلائینی ہو، دوا، یا غذا بعینہٖ جوف معدہ میں نہیں پہنچتی، لہٰذا ان میں سے کوئی بھی مفسد صوم نہ ہوگا۔ ہاں اگر کسی تدبیر سے بعینہٖ دوا یا غذا جوف معدہ میں پہنچادی جائے، جیسے حقنہ، یا نلکی وغیرہ کے ذریعہ سے بعینہٖ دوا، یا غذا جوف معدہ میں پہنچادی جائے، یا پہنچادی جاتی ہے تو ان صورتوں میں روزہ بلاشبہ ٹوٹ جاتا ہے اور ٹوٹ جائے گا۔

---

(۱) أو أدهن أو اكتحل أو احتجم وإن وجد طعمه في حلقه. (الدرالمختار) لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر انما هو الداخل من المنافذ للاتفاق علىٰ من اغتسل في ماء، فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر. (ردالمحتار، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد: ۲/۳۹۵-۳۹۶، سعيد)

(۲) وفي دواء الجائفة والآمة أكثر المشايخ علىٰ أن العبرة للوصول: إلى الجوف والدماغ، لا لكونه رطبا أو يابسا. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد: ۱/۲۰۴، رشيدية)

(۳) أو دخل حلقه غبارٌ ولو كان غبار دقيق من الطاحون، أو دخل حلقه ذباب، أو دخل أثر طعم الأدويه فيه فلا يفسد الصوم فيها. (مراقي الفلاح، باب في بيان ما لا يفسد الصوم، ص: ۶۶۰-۶۶۱، قديمي)/(وكذا في الدر المختار: ۲/۳۹۵، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، سعيد)/وكذا في الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد: ۱/۲۰۳، رشيدية)

اور جیسے دماغ کے زخم میں جس زخم کو آمہ، یا جائفہ کہتے ہیں، اس میں رقیق مرہم، یا دوا لگانے سے بعینہٖ وہ دوا جوفِ معدہ میں پہنچ جاتی ہے اور روزہ ٹوٹنے کا حکم ہو جاتا ہے۔

وهذا حاصل ما في كتب الفقه المعتبرة للفتاوى للأحناف عندي۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند، سہارنپور ۱۴۱۰/۹/۲۴ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۲۷۵-۲۷۸) ☆

☆ روزہ میں انجکشن:

سوال: بحالت صوم انجکشن کرنے سے روزہ میں کچھ نقصان آتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

انجکشن کے متعلق جہاں تک تحقیق کی گئی ہے، یہ معلوم ہوا ہے کہ اس میں بذریعہ عروق ومسامات کے دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے؛ اس لیے ناقض صوم نہیں، ناقض صوم وہ ہے، جو بذریعہ کسی منفذ کے بدن کے اندر پہنچے نہ کہ بذریعہ مسامات کے۔

قال في الدر المختار: (أو ادهن أو اكتحل أو احتجم) وإن وجد طعمه في حلقه، ولأنه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق علىٰ أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده: ۲/۳۹۵-۳۹۶، دار الفکر بیروت، انیس)

اور داخل بدن میں دوا کا اثر بذریعہ عروق، یا مسامات پہنچ جانے سے فساد صوم لازم نہیں آتا، جیسے غسل کا اثر اور زہریلے جانور کے کانٹے کا اثر اکثر بدن کے اندر سرایت کر جاتا ہے؛ مگر وہ باتفاق مفسد روزہ نہیں، اسی طرح انجکشن بھی مفسد روزہ نہیں۔ اس مسئلہ کی مفصل تحقیق احقر کے رسالہ **كلمة القوم في الانجكشن في الصوم** میں مذکور ہے۔ فقط واللہ اعلم (امداد المفتین: ۲/۴۱۱)

روزہ میں انجکشن:

سوال: زید کو رمضان شریف میں انجکشن کی ضرورت ہے بوجہ بیماری، بخار ہو، یا پھوڑا، یا اور کوئی صورت ہو تو انجکشن لگوایا جا سکتا ہے، یا نہیں؟ اور کوئی صورت جواز کی ہے، یا نہیں؟ اگر ہے تو پھر حدیث "**الفطر مما دخل، وليس مما خرج**". (شرح وقایہ، جلد اول، ص: ۱۹۷) **(وقد قال ابن عباس وابن مسعود وعلي: أن الفطر مما دخل وليس مما خرج. أخرجه البيهقي وابن أبي شيبة وعبد الرزاق.** (عمدة الرعاية هامش شرح الوقاية، کتاب الصوم، باب موجب الافساد: ۱/۲۴۷، سعید) سے تعارض ہوگا کہ نہیں؟

(شاہ انوار الرحمٰن صاحب)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا، **(أو ادهن أو اكتحل أو احتجم وإن وجد طعمه في حلقه.** (الدر المختار) **لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق علىٰ من اغتسل في ماء، فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر.** (رد المحتار، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد: ۲/۳۹۵-۳۹۶، سعید) "**الفطر مما دخل وليس مما خرج**" اول تو کلیہ نہیں؛ بلکہ خاص موقعہ کے متعلق ہے، **كما يظهر بأدنى تأمل.** دوسرے حصر کے لیے نہیں۔ **(وهو مخصوص بحديث الاستقاء، أو الفطر فيه باعتبار أنه يعود شيء وإن قل حتى لا يحسب به.** (البحر الرائق، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد: ۲/۴۸۶، رشیدیة) تیسرے: جو منفذ سے داخل ہو، وہ مفطر صوم ہے: "**والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ، آه**" ۔ (شامی: ۲/۱۳۴) (رد المحتار، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب: يكره السهر، إلخ: ۲/۳۹۵، سعید) چوتھے: مطلقاً داخل بھی مفطر صوم نہیں؛ بلکہ جوف معدہ میں جو داخل ہو، وہ مفطر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۹/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۱۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۵۲-۱۵۳)　　==

روزہ میں انجکشن:

سوال: میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ ایک معاملہ میں اپنی تسکین کرلوں اور آپ کی رہنمائی سے فائدہ اٹھاؤں، امید کہ آپ بذات خود تکلیف وتوجہ فرماں کر جواب مرحمت فرمائیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ ابھی دیوبند کے دارالعلوم سے انگریزی میں ایک رسالہ رمضان المبارک میں شائع ہوا ہے، یہ رسالہ مہتمم جناب قاری محمد طیبؒ صاحب کی جانب سے ہے؛ اس لیے اس کی بڑی اہمیت ہے، اس میں لکھا ہے کہ انجکشن لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا صرف دو استثنا کیے گئے ہیں:

(۱) اگر زخم کر کے پانی پیٹ میں لے جایا جائے۔

(۲) یا براہ راست دماغ میں دوا لے جائی جائے، بقیہ انجکشن کو عمومیت کے ساتھ جائز کہا گیا ہے، اس میں مجھے شبہ گزرتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ معاملہ مزید توجہ کا محتاج ہے۔

اسی رسالہ میں روزے کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ”کھانے پینے اور جماع سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک پرہیز کرنا“۔ ایک زمانہ میں کھانے کا طریقہ صرف یہ تھا کہ حلق کے راستہ سے کھانا پیٹ میں ڈالا جائے اور پینے کا بھی یہی طریقہ تھا کہ پانی حلق کے راستہ سے پیٹ میں ڈالا جائے؛ مگر سائنس کی ترقی نے نئے نئے طریقے ایجاد کیے ہیں، انھوں نے دریافت کیا کہ کھانا پیٹ میں جا کر کیا کام دیتا ہے، کھانا معدے میں ہضم ہونے کے بعد اس کا جوہر خون بن کر رگوں میں رواں ہوتا ہے، لہٰذا براہ راست خون کبھی رگوں میں پہونچا دیا جاتا ہے اور عرصہ تک اسی طرح وہ مریض کو وہ جوہر رگوں میں پہونچا کر جو کھانے کا مقصد ہے، بلا کھانا کھلائے رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح پانی پینے کا بھی ایک مقصد رگوں کو سیراب کرنا ہے، ایک کافی مقدار پانی کی ہر انسانی جسم میں موجود رہنی ضروری ہے اور اگر موجود نہ رہے تو انسان مر جائے گا؛ اس لیے ہیضہ کا مرض پانی کی کمی سے ہوتا ہے، دستوں کے راستہ اس کے جسم کا پانی نکل جاتا ہے اور اس کا علاج یہ ہے: رگ کاٹ کر پانی براہ راست رگوں میں بھر دیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ رگ کاٹ کر پانی پیٹ میں نہیں ڈالا جاتا ہے؛ بلکہ رگوں میں بھرا جاتا ہے، اگر ناک کے ذریعہ ٹیوب ڈال کر پیٹ میں پانی ڈالا جائے تو ڈالا جاسکتا ہے؛ مگر معدے میں سوئے ہضم ہے اور جب تک پانی تحلیل ہو کر رگوں کو سیراب کرے گا مریض ختم ہو جائے گا، لہٰذا براہ راست

== روزہ میں انجکشن:

سوال: بحالتِ صوم انجکشن لگوانا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جائز ہے۔ (أوادهن أواكتحل أواحتجم وإن وجد طعمه في حلقه. (الدرالمختار) لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق علیٰ من اغتسل في ماء، فوجد برده في باطنه أنه لايفطر“. (ردالمحتار، باب ما يفسد الصوم وما لايفسد: ۳۹۵/۲-۳۹۶، سعید) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۱۵۲/۱۰)

پانی رگوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ دو مثالیں میں نے دی ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض انجکشن غذا کا، بعض پینے کا مقصد ادا کرتے ہیں، تمثیل کے لیے حسب ذیل باتوں پر نگاہ فرمائی جائے:

(الف) گول کوز کا ۲۵، ۵۰، ۱۰۰، ۲۰۰، ۵۰۰ سی سی کا رگوں کے ذریعہ انجکشن کھانے کا کام دے گا۔

(ب) رگ کو کاٹ کر دو سیر چار سیر پانی براہ راست رگوں میں بھر دیا جائے، یہ طریقہ پینے کا کام دے گا۔

(ج) رگوں کے ذریعہ خون جسم کے اندر ڈال دیا جائے، یہ طریقہ طویل اور پیچیدہ راستے کو ترک کر کے براہ راست غذا کا مقصد پورا کرتا ہے، یہ سب انجکشن ہیں اور عمومیت کے پیشِ نظر سوال یہ ہے کہ یہ سب جائز ہیں؟ اور اگر یہ جائز ہیں تو ہر آدمی کھانا کھانے کے بجائے ۵۰ سی سی گلوکوز انجکشن لے لے، کھانے کا مقصد حل ہو جائے گا اور بلا روزہ کا مقصد پورے کیے روزہ دار کہلائے گا۔

لہٰذا التماس ہے کہ آپ مندرجہ بالا امور پر میری تشفی فرما دیں، میں جناب والا کی اس عنایت و کرم فرمائی کا بہت ممنون ہوں گا۔ والسلام　　(خادم: قاضی محمد عدیل عباسی ایڈوکیٹ بستی)

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

روزے کی نقل کردہ تعریف: ''کھانے، پینے اور جماع سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک پرہیز کرنا''(۱) انجکشن سے چاہے وہ ۵۰ سی سی کا ہو، یا اس سے کم زائد کا۔ اس تعریف میں خلل نہیں آتا۔

کھانا پینا بدیہی ہے، انجکشن کو کھانا پینا نہیں کہا جاتا، رگ کاٹ کر پانی عروق (رگوں) میں پہنچانے سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے؛ یعنی رگوں کو تر اور سیراب کرنا۔ وہ فائدہ گو پورا نہ سہی؛ لیکن کافی مقدار میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے، اس میں غوطہ لگانے، ایرکنڈیشنڈ میں داخل ہونے، سرسبز و شاداب مقام پر پہنچ جانے سے بھی حاصل ہوتا ہے، سر اور بدن پر تیل کی مالش سے بھی تیل اندر پہونچتا ہے اور رگوں میں تراوٹ پیدا ہوتی ہے، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، (۲) شدتِ گرمی کی وجہ سے کپڑا بھگو کر حالتِ صوم میں سر پر لپیٹنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (۳) ظاہر ہے کہ اس کا مقصد بھی رگوں کو ٹھنڈا کر کے تشنگی کی بے چینی ختم کرنا تھا، جو بظاہر روزے کے مقصد کے خلاف ہے۔

---

(۱) أما تفسيره، فهو عبارة عن ترك الأكل والشرب والجماع من الصبح إلٰى غروب الشمس بنية التقرب من الأهل. (الفتاوى الهندية، كتاب الصوم: ١/١٩٤، رشيدية)

(۲) أو أدهن أو اكتحل، وإن وجد طعمه في حلقه. (الدر المختار) لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق علٰى من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر. (رد المحتار، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد: ٢/٣٩٥-٣٩٦، سعيد)

(۳) أبو بكر بن عبد الرحمن قال: حدثني من رأى النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم في يوم صائف يصيب علٰى رأسه الماء من شده الحر والعطش وهو صائم. (المؤطا للامام مالك، باب ما جاء في الصيام في السفر، ص: ۳۳۴، مير محمد كتاب خانه) (وسنن أبي دائود، كتاب الصيام، باب الصائم يصلب عليه الماء من العطش: ١/٣٢٩، إمدادية ملتان)

یونانی اطبا بعض امراض کے علاج میں بھپارہ دیتے ہیں،(۱) جس سے مسامات کھل کر دوا کے اثرات اندر داخل ہوتے ہیں اور اکثر مسامات سے ہی پسینہ کے راستہ امراض باہر آجاتے ہیں اور کبھی مادہ کثیفہ کو رقیق بنا کر بصورتِ اسہال، یا پلپٹس مادہ خارج کردیا جاتا ہے۔ غرض کہ جو فائدے حلق کی راہ دوا جوفِ معدہ میں پہونچانے سے حاصل ہوتا ہے، وہی بھپارہ دینے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ طریقۂ علاج طبِ قدیم میں موجود ہے، جدید انکشاف نہیں۔

فقہاو مجتہدین اس سے خوب واقف ہیں؛ مگر اس کو مفسدِ صوم قرار نہیں دیا۔

آج اس سائنس کی ترقی کی وجہ سے اگر ڈاکٹر پر اعتماد کرتے ہوئے اس کا یقین کیا جاتا ہے کہ رگوں کے ذریعہ پانی جسم میں پہنچانے سے پینے کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور خون رگوں میں پہنچانے سے کھانے کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور بعض مریضوں پر تجربہ اس کا مؤید بھی ہے تو آج سے چودہ سال پہلے صادق و مصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ ’’سبحان اللہ‘الحمد للہ‘‘ کھانے کا مقصد حاصل کرنے کے لیے مفید ہے اور جاں نثار پیروی کرنے والوں کو اس کا تجربہ بھی ہے، یہ یقین اور اعتقادیت بہت زیادہ قوی ہے، سائنس اور ڈاکٹروں کے یقین و اعتماد سے کیا، اس کو بھی مفسدِ صوم قرار دیا جائے گا، غیبت کو قرآن پاک نے اکل فرمایا ہے: ﴿أیحب أحدکم أن یأکل لحم أخیه﴾ الآیة (۲) اور بعض کے متعلق تجربۃً قے کرا کے مشاہدہ کرانا بھی حدیث شریف میں مذکور ہے، (۳) کیا یہ بھی مفسد صوم ہے؟

بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ وہاں مشاہدۃً اکل وشرب ہے؛ مگر مقصدِ اکل وشراب اس پر کچھ بھی مرتب نہیں ہوتا، پھر بھی وہ مفسدِ صوم ہے، مثلاً: کسی نے ایک تل کھالیا، اس سے بھوک کچھ بھی دفع نہیں ہوتی؛ مگر روزہ فاسد ہوگیا، (۴) اور اگر بھول کر کھا پی لیا تو حقیقۃً اکل وشرب بھی پایا گیا اور مقصد بھی پورا ہوگیا؛ لیکن روزہ فاسد نہیں ہوا۔ (۵)

---

(۱) بھپارا: جوش کی دوا، بھپارا دینا: کسی جوش کی ہوئی چیز سے سینکنا، یا بھاپ دینا۔ (نور اللغات: ۱/۶۸۵، سن میل پبلیکیشنز، لاہور)

(۲) سورۃ الحجرات: ۱۱

(۳) عن أنس أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم أمر الناس أن یصوموا یوما ولا یفطرنّ أحد حتیٰ اذن له، فصام الناس، فلما أمسوا جعل الرجل یجیء إلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فیقول: ظللت منذ الیوم صائما فاذن إلی فأفطر، فاذن له. ویجی الرجل فیقول ذلک، فیأذن له حتی جاء رجل فقال: یا رسول اللّٰہ ان امرتأتین من أهلک ظلتا منذل الیوم صائمتین، فائذن لهما فلیفطرا، فأعرض عنه، ثم أعاد، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ’’ما صامتا وکیف صام من ظل یأکل من لحوم الناس؟ اذهب فمرهما ان کانتا صائمتین أن یستیقئا‘‘. ففعلتا فقاء ت کل واحدة منهما علقة، فأتی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فأخبره، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه سلم: ’’لو ما تتا وهما فیهما لأکلتهما النار‘‘. (تفسیر ابن کثیر: ۴/۲۷۴، سورة الحجرات، دار الفیحاء)

(۴) إذا ابتلع سمسة بین أسنانه، لایفسد صومه؛ لأنه قلیل. وإن ابتلع عن الخارج یفسد. (الفتاوی الهندیة، الباب الرابع فیما یفسد ومالا یفسد: ۱/۲۰۳، رشیدیة)

(۵) إذا أکل الصائم أوشرب أوجامع نسیانا، لم یفطر، ولا فرق بین الفرض والنفل. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۲۰۲، الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد، رشیدیه)

بعض ایسی صورتیں بھی ہیں کہ جوف میں ایسی چیز داخل ہوگئی، جو اکل وشرب کا فائدہ دینے کے بجائے وبال ومصیبت بن گئی؛ مگر روزہ فاسد ہوگیا، مثلاً: کسی روزے دار کو تیر مارا گیا اور لوہے کا حصہ اندر رہ گیا تو روزہ فاسد ہوگیا،(۱) سونے میں احتلام سے مقصدِ جماع حاصل ہوگیا مگر روزہ فاسد نہیں ہوا، محض دیکھ کر انزال ہوگیا روزہ فاسد نہیں ہوا۔(۲)

سفر میں عامۃً مشقت ہوتی ہے جس کی رعایت سے شریعت نے قصر نماز کا حکم دیا اور اجازتِ افطار دی اور دوسرے بعض احکام میں بھی تخفیفاً سہولت اور رخصت دی اور مسافر سفر تین یوم (تین منزل تقریباً اڑتالیس میل) مقرر کی؛(۳) لیکن اگر کوئی شخص تین دن کی مسافت تین گھنٹہ، یا اس سے کم میں طے کرے اور بہت راحت کے ساتھ کہ کسی قسم کی مشست پیش نہ آئے تو کیا وہ نماز قصر نہیں کرے گا، یا اس کو رخصتِ افطار سے محروم کر دیا جائے گا، یا دوسرے احکام میں تخفیف کی سہولت ورخصت سے فائدہ نہیں حاصل کر سکے گا۔

اصل یہ ہے کہ قانون پر عمل کی صورت شرعاً تجویز کر دی گئی ہے، اس طرح عمل کیا جائے اور اس پر حکم دیا جائے گا، اس کے خلاف اپنی دوسری صورت تجویز کر کے اپنے تجویز کردہ مقصدِ قانون کو پورا کیا گیا تو وہ شرعاً قانون پر عمل نہیں ہوگیا اور جو صورت حدودِ قانون کے اندر جائز ہے، اس کو مقصدِ قانون کے خلاف قرار دے کر حدودِ جواز سے خارج نہیں کیا جائے گا۔ سرکاری قانون ہے کہ لفافہ پر ۲۵/ پیسے کا ٹکٹ لگایا جائے، اب اگر کوئی شخص ۲۵/ پیسے کا ٹکٹ نہیں لگاتا ہے؛ بلکہ ۲۵/ پیسے لفافہ پر چپکا دیتا ہے، اس تخیل سے کہ مقصدِ قانون یہ ہے کہ ۲۵/ پیسے حکومت کے لیے خرچ کیے جائیں، سو میں نے ۲۵/ خرچ کر دیے تو اس کا یہ عمل قانون پر عمل نہیں ہوگا؛ بلکہ کہا جائے گا کہ اس نے قانون میں تحریف وترمیم کی ہے، جس کا اس کو حق نہیں تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۴۶-۱۵۲)

بحالت روزہ انجکشن لگوانا:

سوال: انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یا نہیں؟ تشریح فرماویں۔ میرا خیال ہے کہ نس میں انجکشن لگوانے سے تو براہ راست دل ودماغ پر اثر پڑتا ہے؛ لیکن گوشت پر لگوانے سے بھی براہ راست اثر ہوتا ہے، اس کی مثال میرے سامنے یہ ہے کہ افیون کا انجکشن جس کو گارخیا بھی کہا جاتا ہے، گوشت میں ہی لگایا جاتا ہے؛ لیکن اس سے دل ودماغ

---

(۱) (أو طعن برمح فوصل إلٰی جوفه) وإن بقی فی جوفه، کما لو ألقی حجر فی الجائفة أونفذ السهم من الجنب الاٰخر، لو بقی النصل فی جوفه، فسد. (الدر المختار علی تنویر الأبصار: ۳۹۷/۲، باب ما یفسد الصوم وما لایفسد، سعید)

(۲) أوأدهن أواکتحل أواحتجم أوقبل ولم ینزل، أواحتلم أوأنزل بنظر أویکفر...لم یفطر. (الدر المختار علیٰ تنویر الأبصار: ۲۰۴/۲، الباب الرابع فیما یفسد ومالایفسد، رشیدیه)

(۳) من خرج من عمارة موضع اقامته مسیرة ثلاثة أیام ولیالیها بالسیر الوسط ... صلی الفرض الرباعی رکعتین. (الدر المختار، باب صلوة المسافر: ۱۲۲-۱۲۳، سعید)

بالکل سن ہوجاتے ہیں اور نیند کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، گوشت میں انجکشن لگوانے سے طاقت بھی آتی ہے۔

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

یہ عام مروجہ انجکشن ان سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے اور نہ مکروہ ہوتا ہے۔ ہاں کوئی ایسا انجکشن ایجاد ہوجائے کہ جس کے ذریعہ دوا، یا غذا جوف معدہ، یا جوف دماغ میں پہونچائی جانے لگے تو اس وقت اس قسم کے سوالات پیدا ہوں گے۔ دل ودماغ تک اثر پہنچنے سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔(ولو داوی جائفة أو آمة بدواء فوصل إلی جوفه أو دماغه أفطر (الهداية: ۲۰۲/۱،مطبع يوسفي لكهنو) جس طرح غسل کی تراوٹ عطر کی خوشبو تیل وسرمہ کے اثر سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، روزہ ٹوٹتا ہے۔ غذا، یا دوا کے جوف دماغ، یا جوف معدہ میں براہ راست پہنچنے سے اور ان انجکشنوں سے دوائیں براہ راست ان اجواف میں نہیں پہنچتیں؛ بلکہ ان کا محض اثر اور نفع پہنچے تو پہنچتا رہے، یہ دوائیں صرف شریانوں اور وریدوں میں ہضم ہوکر جذب ہوجاتی ہیں، ان بحثوں میں آپ نہ پڑیں اور اگر علمی تحقیق مقصود ہے تو مفتی محمد شفیع صاحب کا ایک مفصل رسالہ ہے، اس کا مطالعہ فرمائیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور الجواب صحیح سید احمد علی سعید۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۵۴۸/۱) ☆

☆ بحالت روزہ انجکشن لینا اور خون وگلوکوز چڑھوانا:

سوال: روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا کیسا ہے؟ میری سمجھ میں یہ بہتر ہے کہ قضانہ کرے؛ بلکہ انجکشن بھی وہ لیتا رہے اور روزہ بھی رکھے؛ اس لیے کہ انجکشن نہ لگوانے میں مرض بڑھنے کا اندیشہ ہے، نیز گلوکوز اور خون چڑھوانے کا کیا حکم ہے؟ (شفیع احمد اعظمی)

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

عام انجکشن جو رگوں، یا گوشت میں لگائے جاتے ہیں، ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، روزہ فاسد صرف اس انجکشن سے ہوتا ہے، جس کے ذریعہ غذا، یا دوا بعینہٖ قعرِ معدہ میں پہونچائی جائے، جیسے پاگل کتے کے کاٹنے کا انجکشن؛ اس لیے اگر روزہ کی حالت میں انجکشن نہ لگوانے سے مرض بڑھتا ہے تو بلا کراہت؛ یعنی جو انجکشن محض رگوں اور گوشت میں لگائے جاتے ہیں، لگوا سکتے ہیں، یہی حکم خون اور گلوکوز چڑھوانے کا ہے۔ (دو زخم ایسے ہیں کہ جن میں دوائی ڈالنے کو فقہا نے فساد صوم کا سبب قرار دیا ہے۔ (۱) آمہ: سر کے اس زخم کو کہتے ہیں جو دماغ تک پہونچا ہوا ہو اور اس میں دوا ڈلوانے کی وجہ سے اصل دماغ تک پہنچ جاتی ہو۔ (۲) جائفہ: پیٹ کے اس زخم کو کہتے ہیں، جو کہ جوف بطن تک پہونچ گیا ہو اور اس میں دوا ڈالنے کی بنا پر پیٹ میں پہنچ جاتی ہو، لہٰذا ان دونوں زخموں میں دوا ڈالنے کی وجہ سے روزہ فاسد ہوجائے گا، ان کے علاوہ کسی بھی طرح کا زخم ہو اس میں دوا ڈلنا مفسد صوم نہیں ہے، ملاحظہ ہو: الهدايه مع الدراية، ص: ۲۲۰، كتاب الصوم، آمة: إسم لجراحة وصلت إلى الدماغ. والجائفة: إسم لجراحة وصلت إلى الجوف. (شرح العناية علی هامش فتح القدير: ۲۶۶/۲، كتاب الصوم)

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۵۴۹/۱)

انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا:

سوال: ماہ رمضان کے روزوں میں روزہ دار شخص انجکشن؛ یعنی سوئی لگوائے تو روزہ فاسد ہوجاتا ہے، یا نہیں؟ اگر فاسد ہوجاتا ہے تو صرف روزہ کی قضا ہے، یا کفارہ بھی دینا لازم ہے؟

(المستفتی: ۲۰۰۵، مولوی محمد غالب، وزیرستان، ۶/ رمضان ۱۳۵۶ھ، ۱۱/ نومبر ۱۹۳۷ء) ==

انجکشن سے فسادِ روزہ کا شبہ:

سوال: انجکشن کے اثرات اگرچہ منافذِ اصلیہ کے ذریعہ پیٹ تک نہیں پہنچتے؛ لیکن بعض انجکشن سے قوت وتوانائی حاصل کی جاتی ہے تو کیا روزہ دار کے لیے اس کا استعمال درست ہوگا؟ اور کیا ایسا کرنے والے کا روزہ فاسد نہ ہوجائے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی چیز کا بدن کے کسی حصہ کے اندر داخل ہوجانا مطلقاً روزہ کو فاسد نہیں کرتا؛ بلکہ اس کے لیے دو شرطیں ہیں: اول یہ کہ وہ چیز جوفِ معدہ میں، یا دماغ میں پہنچ جائے۔ دوسرے یہ کہ یہ پہنچنا بھی مخارقِ اصلیہ؛ یعنی: منفذِ اصلی کے راستہ سے ہو، اگر کوئی چیز مخارقِ اصلیہ کے علاوہ کسی دوسرے کیمیائی طریقہ سے جوفِ معدہ، یا دماغ میں پہنچادی جائے تو وہ بھی مفسد صوم نہیں۔ انجکشن کے ذریعہ بلا شبہ دوا، یا اس کا اثر پورے بدن کے ہر حصہ میں پہونچ جاتا ہے؛ مگر یہ پہنچنا

==

الجواب ــــــــــــــــــــ

انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، نہ قضا واجب ہوتی ہے، نہ کفارہ۔ (انجکشن سے منافذ کے ذریعے جوف بطن، یا جوف دماغ میں کچھ نہیں پہنچتا ہے اور روزہ فاسد اس وقت ہوتا ہے، جب منافذ کے ذریعے جوف دماغ، یا جوف بطن میں کچھ پہنچے، لہذا اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور جب روزہ نہیں ٹوٹا تو قضا و کفارہ بھی نہیں۔ ”في تنوير الأبصار، أو ادهن أو اكتحل أو احتجم، وإن وجد طعمه في حلقه. وفي الشامية، لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذى هو خلل البدن، والمفطر، إنما هو الداخل من المنافذ إلخ. (رد المحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده: ۳۹۵/۲ سعيد) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۲۵۳/۴)

انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۲/ مارچ ۱۹۲۷ء)

الجواب ــــــــــــــــــــ

انجکشن کے ذریعہ سے اگر دوا کا جسم جوف بدن میں نہ پہنچے تو روزہ فاسد نہ ہوگا اگرچہ دوا کا اثر سارے جسم میں سرایت کر جاتا ہو۔ (حوالہ بالا)

محمد کفایت اللہ غفر لہ (کفایت المفتی: ۲۵۴/۴)

انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۴/ فروری ۱۹۳۶ء)

سوال: یہاں طاعون کی بیماری پھیلی ہوئی ہے اور رمضان کا مہینہ ہے، بعض روزہ داروں نے روزہ کی حالت میں بخیال حفظان صحت سوئی لگوائی یعنی بذریعہ انجکشن دوا جسم کے اندر داخل کی گئی روزہ جاتا رہا یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

انجکشن (جس کے ذریعہ سے دوا براہ راست منفذ غذا ودوا اور بطن میں نہ پہنچے) موجب افطار صوم نہیں، اگر چہ عروق (رگوں) میں دوا پہنچتی ہے؛ مگر یہ موجب افطار نہیں۔ (حوالہ بالا)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۵۴/۴)

منفذِ اصلی کے راستہ سے نہیں؛ بلکہ عروق (رگوں) کے راستہ سے ہے، یہ راستہ منفذِ اصلی نہیں؛ اسی لیے گرمی کے موسم میں کوئی شخص اگر ٹھنڈے پانی سے غسل کرتا ہے تو پیاس کم ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ پانی کے اجزاء مسامات کے راستہ سے اندر جاتے ہیں؛ مگر اس کو کسی نے مفسدِ صوم نہیں قرار دیا، اس سے یہ شبہ بھی رفع ہو گیا کہ گلوکوز وغیرہ کے انجکشن ایسے ہیں کہ ان کے ذریعہ بدن کو غذا جیسی قوت پہنچ جاتی ہے؛ اس لیے ان کا حکم غذا کا سا ہونا چاہیے؟ جواب واضح ہے کہ قوت پہنچانا مطلقاً مفسد صوم نہیں، جیسے ٹھنڈک پہنچانا مفسد صوم نہیں؛ بلکہ منفذ اصلی کے راستہ سے کسی چیز کا جوف معدہ، یا دماغ میں پہنچنا مفسد ہے، وہ انجکشن میں نہیں پایا جاتا، اگر چہ قوت اس سے پہنچ جائے۔ (آلات جدیدہ، از: مفتی محمد شفیع: ۱۵۶-۱۵۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاویٰ: ۳۱۹/۴-۳۲۰)

انجکشن مفطر صوم ہے، یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ آج کل جو انجکشن کے ذریعہ دوا بدن میں پہونچائی جاتی ہے، یہ مفسد صوم ہے، یا نہیں؟ ادلہ شرعیہ سے جواب عنایت فرمایا جائے۔

الجواب

ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے، نیز تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوف عروق میں پہونچائی جاتی ہے اور خون کے ساتھ شرائیین، یا اوردہ میں اس کا سریان ہوتا ہے، جوف دماغ، یا جوف بطن میں دوا نہیں پہنچتی اور فسادصوم کے لیے مفطر کا جوف دماغ، یا جوف بطن میں پہنچنا ضروری ہے، مطلقاً کسی عضو کے جوف میں، یا عروق (شرائیین واوردہ) کے جوف میں پہونچنا مفسد صوم نہیں، لہٰذا انجکشن کے ذریعہ سے جو دوا بدن میں پہونچائی جاتی ہے، مفسد صوم نہیں۔ فقہا کی عبارتیں دو طرح پر تقریباً؛ بلکہ حقیقتاً اس دعوے کی تصریح کرتی ہیں، اول تو یہ کہ فقہا نے زخم پر ڈالنے کو مطلقاً مفسد نہیں فرمایا؛ بلکہ جائفہ، یا آمہکی قید لگائی ہے؛ کیوں کہ انہیں دو قسم کے زخموں سے دوا جوف دماغ، یا جوف بطن کے اندر پہنچتی ہے، ورنہ جوف عروق کے اندر تو دوسری قسم کے زخموں سے بھی دوا پہنچ جاتی ہے۔

دوسرے بہت سی جزئیات فقہیہ مسلمات فقہا میں سے ایسی ہیں، جن میں دوا وغیرہ مطلقاً جوف بدن میں تو پہنچ گئی؛ لیکن چوں کہ جوف دماغ، یا جوف بطن میں نہیں پہنچی؛ اس لیے اس کو مفطر ومفسد صوم نہیں قرار دیا، جیسے مرد کی پیشاب گاہ کے اندر دوا، یا تیل وغیرہ چڑھانے سے باتفاق ائمہ ثلاثہ روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

كما صرح به الشامي حيث قال: وأفاد أنه لو بقي في قصبة الذكر لايفسد اتفاقاً ولاشك في ذلك. (شامی، ص: ۱۰۳، ومثله في الخلاصة: ۲۵۳/۱، نقلاً عن أبي بكر البلخي)

اگر دوا مثانہ تک پہنچ جائے، تب بھی امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مفسد صوم نہیں، امام ابو یوسفؒ جو مثانہ میں پہنچ جائے، اس کو مفسد قرار دیتے ہیں، وہ بھی اس بنا پر کہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ مثانہ اور معدہ کے درمیان منفذ ہے، جس سے

دوا معدہ میں پہنچ جاتی ہے، ورنہ نفس مثانہ میں پہنچنے کو وہ بھی مفسد نہیں فرماتے؛ اسی لیے صاحب ہدایہ نے اس اختلاف کے متعلق فرمایا:

فكأنه وقع عند أبي يوسف أن بينه وبين الجفوف منفذاً ولهٰذا يخرج منه البول ووقع عند أبي حنيفة أن المثانة بينهما حائل والبول يترشح منه وهٰذا ليس من باب الفقه.

محقق ابن ہمام اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

يفيد أنه لاخلاف لو اتفقوا علٰى تشريح هٰذا العضو فإن قال أبويوسف بالافساد إنما هو علٰى بناء قيام المنفذ بين المثانة والجوف (إلٰى قوله) قال في شرح الكنز: وبعضهم جعل المثانة نفسها جوفاً عند أبي يوسف وحكى بعضهم الخلاف ما دام في قصبة الذكر وليسا بشيء، انتهى.

الغرض اسی طرح اگر کان میں پانی ڈالے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا، **كما صرح به في الدر المختار والخلاصة،** حالاں کہ کان بھی ایک جوف ہے، اسی طرح اگر کوئی انگور وغیرہ کو ایک تاگے میں باندھ کر نگل جائے اور پھر معدہ میں پہنچنے سے پہلے کھینچنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، **كما قال في الخلاصة:**

وعلٰى هٰذا لو ابتلع عنباً مربوطا بخيط، ثم أخرجه لا تفسد صومه. (الخلاصة: ۲۶/۱)

ومثله في العالمگيرية، مطبوعة الهند، ص: ۲۰۲، ولفظه: ومن إبتلع لحما مربوطاً علٰى خيط ثم انتزعه من ساعة لايفسد وإن تركه فسد، كذا في البدائع.

اگر مطلق جوف بدن میں کسی شے کا پہنچنا مفسد ہوتا تو خود پیشاب گاہ بھی ایک جوف ہے اور مثانہ تو بدرجہ اولیٰ جوف ہے کان اور حلق بھی جوف ہیں، ان میں پہو نچنا بلا خوف مفسد صوم ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جوف بدن میں مفطر چیزوں کا پہنچنا مفطر صوم نہیں؛ بلکہ خاص جوف دماغ اور جوف بطن میں مراد ہیں؛ بلکہ جوف دماغ بھی اس میں اصل نہیں، وہ بھی اس وجہ سے لیا گیا ہے کہ جوف دماغ میں پہنچنے کے بعد بذریعہ منفذ جوف معدہ میں پہنچ جانا عادت اکثریہ ہے، جیسا کہ صاحب بحر کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے۔

قال في البحر: والتحقيق أن بين جوف الرأس وجوف المعدة منفذاً أصلياً فما وصل إلٰى جوف البطن. (من الشامي: ۱۰۶/۲)

اس عبارت مین اس مقصد کی بالکل تصریح ہوگئی کہ جوف سے مراد صرف جوف بطن ہے اور جوف دماغ سے چوں کہ جوف بطن میں پہنچنا لازمی ہے؛ اس لیے اس میں پہنچنے کو بھی تبعاً لجوف المعدہ مفسد قرار دیا ہے، اسی طرح حقنہ وغیرہ کو تبعاً لجوف المعدہ مفسد کہا گیا ہے۔ فتاوی قاضی خاں میں ہے:

أما الحقنة والوجور فلأنه وصل إلي الجوف ما فيه صلاح البدن وفي القطور والسعوط؛ لأنه وصل إلي الرأس ما فيه صلاح البدن.

اس عبارت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ جس جوف میں پہونچنا مفسد صوم ہے، وہ جوف معدہ اور جوف دماغ ہے، مطلقاً جوف مراد نہیں اور خلاصۃ الفتاوی کی عبارت اس مضمون کے لیے بالکل نص صریح ہے۔

وهي هٰذا وما وصل إلٰى جوف الراهن والبطن من الأذن والأنف والدبر فهو مفطر بالاجماع وفيه القضاء هي مسائل الاقطار في الأذن والسعوط والجور والحقنة وكذا من الجائفة والآمة عند أبي حنيفة.

اسی طرح عالمگیری کے الفاظ بھی اس کے قریب ہیں، **وفي دواء الجائفة والأمة أكثر المشائخ علٰى أن العبرة للوصول إلى الجوف الدماغ.** (عالمگيرية، مطبوعة الهند، ص: ۲۰۲)

اور بدائع کی عبارت ان سب سے زیادہ اس مضمون کے لیے اصرح واوضح ہے۔

وهٰذا وما وصل إلى الجوف أو الدماغ من المحارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه ... وأما إذا وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من غير المخارق الأصلية بأن داوى الجائفة والأمة فإن داواها بدواء يابس لايفسد؛ لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلى الدماغ ولو علم أنه وصل يفسد في قول أبي حنيفة. (بدائع، ص: ۹۳) **هٰذا كتبه سبحانه وتعالٰى أعلم بالصواب وإليه المتاب في كل باب.**

کتبہ الاحقر محمد شفیع غفرلہ، خادم دارالافتاء دیوبند، ۱۱ربیع الاول ۱۳۵۰ھ۔ (النور، ص: ۷، رمضان ۱۳۵۰ھ) (امداد الفتاوی: ۲/۱۴۷)

سوال: میں نے آج اخی المکرّم ڈاکٹر صاحب سے انجکشن کے مفسد صوم ہونے کے بارے میں گفتگو کی، ڈاکٹر صاحب نے یہ فرمایا کہ وہ تمام اشیا جو جسم میں مالش سے جذب ہوتی ہیں، وہ ضرور بتدریج جوف میں پہنچتی ہیں، چناں چہ ایک دوا فیل پا کے لیے ران میں پہنچ جاتی ہے اور جب وہ بتدریج مسامات کے ذریعہ سے جوف معدہ میں پہنچ جاتی ہے تو اس سے بہت قے آتی ہے، اسی طرح انجکشن کا بھی حال ہے کہ وہ بھی بالضرور جوف میں پہنچتا ہے، چناں چہ مارفیا (افیون) مقئی ہے تو اس کا انجکشن بھی مقئی ہے، معدہ میں ریاح بھر جاتے ہیں اور جب خارج نہیں ہوتے تو ان کے دفع کے لیے بازو میں انجکشن لگا کے انہیں دفع کر دیا جاتا ہے۔

الجواب

مطلقاً پہنچنا مفسد صوم نہیں؛ بلکہ جب منفذ سے پہنچے اور مسام سے پہنچنا مفسد نہیں۔

ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ (النور، ص: ۸، شعبان ۱۳۵۱ھ) (امداد الفتاوی: ۲/۱۴۷)

تحقیق منفذ و جوف:

سوال: نیز وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ کان میں تیل، یا دوا ڈالی جائے تو اس کے معدہ میں کسی طرح پہنچنے کا امکان نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ ظاہری سوراخ ایک جلد پر جسے کہا جاتا ہے، ختم ہو جاتا ہے اور وہ جلد اس طرح کان میں لگی ہوئی

ہے، جس سے وہ مثل ایک بند صندوق کے ہے، جس کا راستہ صرف بیرونی سوراخ ہے، سوائے اس کے کہ کسی خاص مرض کی وجہ سے پردہ میں سوراخ ہوں، البتہ سوراخوں سے اندر پہونچنے کا امکان ہے، اسی طرح زخم دماغ (آمہ) کے متعلق بھی وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس سے بھی کوئی منفذ معدہ تک نہیں ہے اور نہ دماغ کی دوا معدہ میں پہنچ سکتی ہے، سوائے اس کے کہ ناک کے سوراخ سے کوئی چیز ڈالی جائے تو وہ حلق میں اور حلق سے معدہ میں پہنچ سکتی ہے، یہ تمام امور جدید تشریح ومشاہدہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو گئے ہیں، وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ آمہ وجائفہ کے متعلق فقہا کے مسائل غلط نہیں ہیں؛ بلکہ انہی کی جو تشریح معلوم ہوئی، وہ غلط ہے؛ اس لیے ان امور پر از سر نو نظر کر کے فتاوی مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔

الجواب

جوف معدہ کے ساتھ خاص نہیں، دماغ اور معدہ دونوں کو شامل ہے۔(۱)

۸/ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ (النور، ص:۹، شعبان ۱۳۵۱ھ) (امداد الفتاویٰ:۱۴۸/۲)

انجکشن سے روزہ فاسد نہ ہونے پر اشکال وجواب:

سوال: آنجناب نے فتاویٰ انجکشن میں عدم فساد صوم کی تحقیق میں فقہ کی روشنی میں تحریر فرمایا ہے کہ فساد صوم کے لیے مفطر کا جوف دماغ، یا جوف بطن میں پہنچنا ضروری ہے، مطلقاً کسی عضو کے جوف، یا عروق کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں ہے؛ لہٰذا انجکشن کے ذریعہ سے جو دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے، مفسد صوم نہیں اور اسی کی تائید میں آگے آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اسی طرح اگر کان میں پانی ڈالے روزہ فاسد نہیں ہوتا، حالاں کہ کان بھی ایک جوف ہے۔

اب احقر کو اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فقہا تصریح فرماتے ہیں کہ کان میں تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، حالاں کہ اصول مذکورہ کے مطابق نہیں ٹوٹنا چاہیے؛ کیوں کہ کان جوف دماغ نہیں ہے، جیسے کہ آپ کی تحریر سے مستفاد ہوتا ہے اور اگر یہ کہا جاوے کہ کان میں تیل ڈالنے سے بدن کی اصلاح ہوتی ہے؛ اس لیے مفسد صوم ہے تو یہی حال انجکشن کا ہے کہ اس کے ذریعہ سے بدن کی اصلاح ہوتی ہے، پس چاہیے کہ انجکشن سے بھی روزہ فاسد ہو امید ہے کہ جواب باصواب سے مشکور فرمائیں گے؟

الجواب

اب غور کرنے سے معلوم ہوا کہ کان کی مثال دینے میں مسامحت ہوئی کان سے جوف دماغ تک اور وہاں سے جوف بطن تک منفذ ہے اور اسی لیے کان میں تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر پانی خود بخود داخل ہو جاوے تو فاسد

---

(۱) وما وصل إلى الجوف أو الدماغ من المحارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه ... وأما إذا وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من غير المخارق الأصلية بأن داوى الجائفة والأمة فإن داواها بدواء يابس لايفسد؛ لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلى الدماغ ولو علم أنه وصل يفسد في قول أبي حنيفة. (بدائع الصنائع، فصل أركان الصيام: ۹۳/۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

نہیں ہوتا اور قصداً داخل کیا جاوے تو اس میں اختلاف ہے، ایک قول پر فاسد نہیں اور دوسرے قول پر فاسد ہو جاتا ہے اور اکثر حضرات نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ (کذا فی الدر المختار) اور وجہ فرق تیل و پانی میں غالباً یہ ہے کہ کان منفذ پیچ در پیچ ہونے کے سبب اس منفذ سے اندر جوف تک پہنچنا تیل میں تو غالب ہے؛ کیوں کہ تیل سریع النفوذ چیز ہے، پانی میں عادۃً مشکل ہے اور شاید بالقصد داخل کرنے کی صورت میں جن حضرات نے فساد صوم کو ترجیح دی ہے، اس میں بالقصد لیٹ کر اس طرح پانی ڈالا جائے تو اندر تک پہنچ جانا کچھ بعید نہیں اور بلا ارادہ ویسے ہی نہاتے ہوئے پانی کان میں چلا گیا تو اندر جوف میں پہنچنا عادۃً مستبعد ہے، علاوہ ازیں پانی سے احتیاط دشوار بھی ہے، تیل میں کوئی دشواری نہیں۔

الغرض اس باب میں جو تیل اور پانی میں فرق کیا گیا ہے، وہ اس پر مبنی نہیں کہ کان اور جوف دماغ کے درمیان منفذ نہ ہو؛ بلکہ اس کا مبنی دوسری چیزیں ہیں؛ اس لیے اس موقعہ پر یہ مثال کان کی صحیح نہیں؛ مگر دوسری امثلہ موجود ہیں، جن سے اصل مسئلہ ثابت ہے؛ اس لیے اصل مسئلہ کے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا؛ یعنی انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۸/محرم ۱۳۶۷ھ (اضافہ) (امداد المفتین: ۲/۴۱۴) ☆

☆　روزہ میں انجکشن اور گلوکوز:

سوال: کیا روزہ کی حالت میں انجکشن لیا جا سکتا ہے؟ اور گلوکوز چڑھایا جا سکتا ہے، جب کہ انجکشن اور گلوکوز کا اثر انسان کے معدہ تک بھی پہنچتا ہے؟　(علاء الدین، تنالی)

الجواب ______________

اصل میں قرآن وحدیث میں جس چیز سے روزہ کی حالت میں منع کیا گیا ہے، وہ کھانا اور پینا ہے، جب انسان کوئی چیز کھاتا، پیتا ہے تو حلق کے فطری راستہ سے یہ چیز انسان کے معدہ تک پہنچتی ہے، فقہا نے بطور احتیاط کھانے اور پینے پر ایسی تمام صورتوں کو قیاس کیا ہے، جس میں کوئی چیز انسان کے پیٹ یا دماغ تک براہ راست پہونچائی جائے؛ اسی لیے ایسے زخم جو پیٹ اور سر میں ہوں اور معدہ اور دماغ تک زخم کے ذریعہ راستہ بن گیا ہو، ان میں دوا ڈالنے کو روزہ ٹوٹ جانے کا باعث قرار دیا گیا؛ کیوں کہ اس طرح دوا براہ راست دماغ اور معدہ تک پہنچ جاتی ہے، ایسے زخم کو ''آمۃ'' اور ''جائفۃ'' کہتے ہیں۔ (الهداية، كتاب الصوم: ۱/۲۰۰)

اب غور کیجئے تو انجکشن اور گلوکوز کے ذریعہ معدے تک کوئی چیز براہ راست نہیں پہنچتی؛ بلکہ دوائیں رگوں میں پہنچتی ہیں اور رگوں کے ذریعہ پورے جسم میں پھیل جاتی ہیں؛ اسی لیے انجکشن اور گلوکوز کو دوا کھانا یا پینا نہیں کہا جاتا؛ اس لیے انجکشن اور گلوکوز کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، روزہ اصل شئی کے پہنچنے سے ٹوٹتا ہے، نہ کہ کسی شئی کا اثر پہنچنے کی وجہ سے، غور کیجئے کہ پانی پینے سے روزہ ٹوٹ جائے گا؛ لیکن روزے کی حالت میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کیا جائے، یا حلق خشک ہو رہا ہو، تھوک تک نہیں آ رہا ہو اور تراوٹ پیدا کرنے کے لیے کلی کی جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا؛ کیوں کہ حلق میں پانی نہیں پہنچا ہے؛ بلکہ پانی کا اثر پہنچا ہے۔

البتہ میرا خیال ہے کہ جس شخص کو بیماری کی وجہ سے گلوکوز چڑھانا ضروری نہ ہو، محض تقویت کے لیے روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانا ایک درجہ کی کراہت سے خالی نہیں؛ کیوں کہ روزہ کا رکن اپنے آپ کو غذا سے محروم رکھنا ہے اور گلوکوز چوں کہ غذا کی ضرورت ہی کو پورا کرتا ہے؛ اس لیے گلوکوز چڑھانا گویا جسم کی غذائی ضرورت کو پورا کر دیتا ہے؛ اس لیے محض تقویت کے لیے روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانے سے بچنا چاہیے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۳۹۱-۳۹۲)

طاعونی ٹیکہ مفطر صوم نہیں:

سوال: چند جراثیم طاعونی کو بکری، یا بھیڑی کی یخنی، یا دودھ وغیرہ سیال شے میں ڈال دیتے ہیں، جہاں وہ اپنی نسلیں بڑھا لیتے ہیں، پھر اس سیال سے ایک ایسا عرق تیار کرتے ہیں، جس میں جراثیم طاعونی کی خفیف زہریلی تاثیر موجود ہوتی ہے، اب اس مادہ مذکور میں سے ذرا سا لے کر بذریعہ جلدی پچکاری ایک خرگوش، یا چوہے وغیرہ کے جسم میں داخل کر دیتے ہیں، جس سے اس چوہے، یا خرگوش میں علامات مرض طاعون ظاہر ہو جاتے ہیں اور جب اس کو افاقہ ہو جاتا ہے تو پھر اور تھوڑا سا مادہ مذکور اس کے جسم میں داخل کرتے ہیں، اس دفعہ علامات طاعون بہ نسبت اول کے خفیف ہوتے ہیں، اسی طرح مادہ مذکور کو چند بار داخل جسم کرنے سے اس خرگوش، یا چوہے کی ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ پھر تھوڑی مقدار مادہ مذکور سے اس میں علامات طاعون پیدا ہی نہیں ہوتے؛ کیوں کہ اس کا خون مادۂ مذکور کی سمیت سے ایسا متاثر ہو جاتا ہے کہ پھر اس قسم کی ذرا سی سمیت کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا، اب اس خرگوش، یا چوہے کے خون سے سیرم مائیت خون لے کر بذریعہ جلدی پچکاری کسی تندرست آدمی کے جسم میں داخل کرتے ہیں تو اس سے خفیف علامات پیدا ہوں گے، جن سے وہ جلد شفایاب ہوگا اور پھر مرض طاعون میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ رہے گا اور اگر مبتلا ہو بھی جاوے تو اس سے خفیف قسم کا طاعون ہوگا، مہلک نہ ہوگا اور اس کی تاثیر چھ ماہ تک رہتی ہے، چھ ماہ بعد ضرورت ہو تو دوبارہ ٹیکہ لگا لینا چاہیے۔ بہر حال اس مفصل حالت اور کیفیت لکھنے سے میرا اصل منشا اور غرض جو باعث ہیں اس عریضہ ارسال کرنے کی، یہ ہے کہ صائم کو اس ٹیکہ لگانے سے روزے میں تو کوئی خلل نہیں ہے، یا اس سے روزہ جاتا رہتا ہے، بر تقدیر چلے جانے کے قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم آوے گا، یا نہیں؟ اس کا لحاظ رہے کہ طاعونی ٹیکہ از قسم تداوی ہے اور بائیں ہاتھ کے بازو پر لگایا جاتا ہے، پچکاری کی نوک جو لوہے کی ہے اور لمبی ـــــ اس لکیر کے برابر ہوں، سب کی سب جسم میں داخل کر دی جاتی ہے، جس کا اثر تمام رگ رگ میں اور دماغ وغیرہ میں ہوتا ہے۔ یہ ایک فتویٰ کی شکل کا عریضہ خدمت اقدس میں ابلاغ ہے۔

الجواب

اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، البتہ تداوی بالنجس ہے؛ اس لیے مختلف فیہ ہے۔

۲۶/ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولی، ص: ۶۲) (امداد الفتاوی: ۲/ ۱۳۷) ☆

☆ طاعونی ٹیکہ اور فصد لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا:

سوال: رمضان میں ٹیکہ لگانا، یا فصد کرانا یا بذریعہ آلہ دوا بازو میں پہنچانا، جیسا کہ اس نواح میں اب ڈاکٹر لوگ بوجہ پلیگ کے کرتے ہیں، روزہ میں نقصان کرے گا یا نہیں، اللہ سے امید ہے کہ حضور تسلی بخش جواب دے کر مشکور فرماویں گے؟

الجواب

طاعونی ٹیکہ، یا چیچک، یا فصد لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

۲۱/ رمضان ۱۳۴۷ (امداد الاحکام: ۳/ ۱۳۳-۱۳۴)

طاعونی ٹیکہ لگوانا مفسدِ صوم ہے، یا نہیں:

سوال: روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوانا کیسا ہے، ٹیکہ لگانے سے روزہ جاتا رہتا ہے، یا نہیں؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب

قال فی الدر: أو أقطر فی إحليله ماءً أو دهناً وإن وصل إلى المثانة على المذهب، وأما فی قبلها فمفسد إجماعاً لأنه كالحقنة، آه.

قال الشامی: (على المذهب) أی قول أبی حنيفة ومحمد معه فی الأظهر، وقال أبو يوسف: يفطر، والاختلاف مبنی علٰی أنه هل بين المثانة والجوف منفذ أو لا، وهو ليس باختلاف على التحقيق، والأظهر أنه لا منفذ له ... كذا يقول الأطباء، زيلعی.(۱)

وأفاد أنه لو بقی فی قصبة الذكر لايفسد اتفاقاً ... لأن العلة من الجانبين الوصول إلى الجوف وعدمه بناءً علٰی وجود المنفذ وعدمه؛ لكن هٰذا يقتضی عدم الفساد فی حشو الدبر و فرجها الداخل ولا مخلص إلا باثبات أن المدخل فيهما تجذبه الطبيعة فلايعود إلامع الخارج المعتاد وتمامه فی الفتح.

قلت: الأقرب التخلص بأن الدبر والفرج الداخل من الجوف إذ لا حاجز بينهما وبينه فهما فی حكمه والفم والأنف وإن لم يكن بينهما وبين الجوف حاجز إلا أن الشارع اعتبرهما فی الصوم من الخارج وهٰذا بخلاف قصبة الذكر فإن المثانة لامنفذ لها علٰی قولهما، آه.(۲)

وفی الدر أيضاً: (أو ادهن أو اكتحل أو احتجم) وإن وجد طعمه فی حلقه، آه.

قال الشامی: طعم الكحل أو الدهن ... وكذا لو بزق فوجد لونه فی الأصح، بحر، قال فی النهر: لأن الموجود فی حلقه أثر داخل من المسام الذی هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ، آه.(۳)

وفی الكنز: وإن احتقن أو استعط أو أقطر فی أذنه أو داویٰ جائفةً أو آمة بدواءٍ و وصل الدواء إلٰی جوفه أو دماغه أفطر، آه، وكذا هو فی أكثر المتون.

قال الشامی: الجائفة: الطعنة التی بلغت الجوف أو نفذته، والآمة من أممته بالعصا... إذا ضربت أم رأسه وهی الجلدة التی تجمع الدماغ ... قال فی البحر: والتحقيق أن بين جوف الرأس وجوف المعدة منفذاً أصلياً فما وصل إلٰی جوف الرأس يصل إلٰی جوف البطن، آه.(۴)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ما لايفسده: ۳۷۲/۳، دارعالم الكتب الرياض، انيس

(۲) رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ما لايفسده: ۳۷۵/۳، دارعالم الكتب الرياض، انيس

(۳) ردالمحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ما لايفسده: ۳۶۶/۳-۳۶۷، دارعالم الكتب الرياض، انيس

(۴) رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ما لايفسده: ۳۷۶/۳، دارعالم الكتب الرياض، انيس

وفي البدائع: وما وصل إلى الجوف أوإلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أواحتقن أوأقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أوإلى الدماغ فسد صومه أما إذا وصل إلى الجوف فلاشك فيه لوجود الأكل من حيث الصورة وكذا إذا وصل إلى الدماغ؛ لأن له منفذاً إلى الجوف فكان بمنزلة زاوية من زوايا الجوف، وقد روى عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلّم أنه قال للقبط بن صبرة: بالغ في المضمضة والاستنشاق إلا أن تكون صائماً (قلت: حديث صحيح صحّحه ابن القطان كما في الاستدراك الحسن ۱۲ منه) ومعلوم أن استثناءه حالة الصوم للاحترازعن فساد الصوم وإلا لم يكن للاستثناء معنىً وأما ما وصل إلى الجوف أوإلى الدماغ عن غيرالمخارق الأصلية بأن داوى الجائفة والآمّة فإن داوها بدواء يابس لايفسد؛ لأنه لم يصل إلى الجوف وإلا إلى الدماغ ولوعلم أنه وصل يفسد في قول أبي حنيفةؒ وإن داواها بدواء رطب يفسد عند أبي حنيفةؒ وعندهما لايفسد هما اعتبراالمخارق الأصلية؛ لأن الوصول إلى الجوف من المخارق الأصلية متيقن به ومن غيرها مشكوك فيه فلا نحكم بالفساد مع الشك، ولأبي حنيفةؒ أن الدواء إذاكان رطباً فالظاهرهوالوصول لوجود المنفذ إلى الجوف فيبنى الحكم على الظاهر، وأما الاقطارفي الإحليل فلايفسد عند أبي حنيفة وعندهما يفسد، قيل إن الاختلاف بينهم بناء علٰى أمرخفي وهو كيفية خروج البول من الإحليل فعندهما أن خروجه من لأن له منفذاً فإذاأقطرفيه يصل إلى الجوف كالاقطار في الأذن وعند أبي حنيفةؒ أن خروج البول منه من طريق الترشح كترشح الماء من الخزف الجديد فلايصل بالاقطارفيه إلى الجوف والظاهرأن البول يخرج منه خروج الشئ من منفذه كما قالا، وروى الحسن عن أبي حنيفة مثل قولهما وعلٰى هٰذه الرواية اعتمد أستاذي، وأما الاقطارفي قبل المرأة فقد قال مشائخنا: أنه يفسد صومها بالاجماع؛ لأن لمثانتها منفذاً فيصل إلى الجوف كالاقطار في الأذن، آه.(۱)

ان عبارات سے چند مقدمات ممہّد ہوئے:

(۱) جو چیز جوف کی طرف بدونِ منفذ کے پہنچے وہ مفطر نہیں، ودليله مسئلة الاكتحال وغيره۔

(۲) افطار کامدار دخول من المنفذ پر ہے، صاحبینؒ کے نزدیک تو منافذ اصلیہ سے دخول شرط ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک منافذِ اصلیہ کے سوا دوسرے منافذ سے بھی دخول مفطر ہے۔

(۳) منفذ سے مراد یہ ہے کہ دماغ، یا جوف تک بلاواسطہ عروق کے راستہ ہوجائے، چناں چہ مخارقِ غیراصلیہ کی مثال میں جائفہ اورآمّہ کا بیان کرنا اس کی دلیل ہے۔ تمام متون وشروح میں مخارقِ غیراصلیہ میں امامؒ وصاحبینؒ کے اختلاف کو جائفہ اورآمّہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر جراحت جائفہ اورآمّہ کی

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصوم: ۹۳/۲

حد تک نہ پہنچے اور جوف ودماغ تک بلا واسطہ منفذ نہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی اس کے ذریعہ سے وصول مفطر نہیں؛ **لأن المفطر إنما هو الداخل من المنافذ.**

اور صاحب بدائع نے امام صاحب کی طرف سے جو دلیل بیان کی ہے، وہ اس پر صاف دلالت کر رہی ہے، ''**وهو قول أبي حنيفة أن الدواء إذا كان رطباً فالظاهر هو الوصول لوجود المنفذ إلى الجوف**'' اس سے معلوم ہوا کہ جائفہ اور آمہ میں دواءِ رطب کا استعمال اسی لیے مفطر ہے کہ اس صورت میں **دخول إلى الجوف** منفذ سے ہو رہا ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں منفذ سے وہ راستہ مراد ہے، جو بلا واسطہ جوف سے متصل ہے، نہ کہ بواسطۂ عروق کے، ورنہ امام صاحبؒ **أقطار في الإحليل** میں صاحبینؒ کے خلاف نہ کرتے؛ کیوں کہ گو وہاں منفذ بلا واسطہ نہ ہو؛ مگر منفذ بواسطہ تو یقیناً ہے، جس سے ترشحِ بول بمقدارِ کثیر ہوتا ہے؛ مگر اس کو امام صاحبؒ منفذ نہیں مانتے ۔پس معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ مخارقِ اصلیہ کے سوا دیگر مخارق کو حکمِ مخارقِ اصلیہ اس وقت مانتے ہیں، جب کہ وہ مخارقِ اصلیہ کی طرح بلا واسطہ جوف ودماغ تک متصل ہوں۔

اس تمہید کے بعد طاعونی ٹیکہ کا حکم ظاہر ہے کہ وہ مفطرِ صوم نہیں؛ کیوں کہ جس مقام پر وہ لگایا جاتا ہے، وہاں سے جوف ودماغ تک منفذ نہیں اور اگر منفذ ہو بھی تو بلا واسطہ نہیں؛ بلکہ بواسطۂ عروق کے ہے۔پس اس سے دوا کا جوف میں وصول ایسا ہی ہوگا ،جیسا کہ احلیل سے جوف میں دوا کا اثر ہوتا ہے کہ وہ بھی بلا منفذ ہے اور عروق کے واسطہ سے ہے۔علاوہ ازیں طاعونی ٹیکہ میں دوا کے چند قطرات ہوتے ہیں، جو اول بازو کے خون میں پہنچتے ہیں، پھر اس خون کے دوران سے بقیہ جسم کے خون میں پہنچتے ہیں، اسی طرح اگر کچھ خون اس دوا کا اثر لیے ہوئے جوف میں بھی پہنچتا ہو تو اس سے افطار کیوں کر ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ اس وقت وہ جوف میں تلاشی کے بعد پہنچتا ہے، **كما اذا مضغ العلك والسمسم ثم ابتلعه**، نیز ہم کو ایک طبیب سے معلوم ہوا ہے کہ ٹیکہ کی دوا جوف میں نہیں پہنچتی؛ بلکہ صرف عروقِ جسم میں سرایت کرتی ہے؛ مگر اس پر مدارِ فتویٰ نہیں؛ بلکہ مدار پہلی دلیلوں پر ہے، اس کو محض تائید کے درجہ میں لکھ دیا، درخواست کے ساتھ داخل کرو۔اب سوال یہ ہے کہ موصوفہ اگر روزہ کی حالت میں ٹیکے لگوائے تو روزہ تو نہیں جائے گا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

ان انجکشنوں اور ٹیکوں سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیو بند،۱۳۸۵/۹/۲۳ھ۔(منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۵۵۴)

سانپ وغیرہ کے کاٹنے سے روزہ کا حکم:

سوال: کیا سانپ، بچھو کے کاٹنے اور انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

روزہ نہیں ٹوٹتا۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفر لہ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۱۶۰-۱۶۱)

روزہ میں جونک لگانا:

سوال: روزہ کی حالت میں جونک لگانا مفسدِ صوم ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

بدن پر جونک لگانے سے روزہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا، جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بحالت صوم فصد کرائی ہے، جیسا کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیحین میں نقل کردہ روایت سے مفہوم بھی ہوتا ہے اور قیاس بھی اسی کی تائید کرتا ہے؛ کیوں کہ فصد کرانے سے کچھ باہر ہی نکلتا ہے، اندر کچھ داخل نہیں ہوتا۔ (كذا فى أشعة اللمعات)

(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۳۷-۲۳۸)

روزہ کی حالت میں خون دینا:

سوال: اگر روزہ کی حالت میں مریض کے لیے، یا خود اپنے ٹسٹ کے لیے خون دیا جائے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟ (عبدالمجید، ناندیڑ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

روزہ ایسی چیزوں سے ٹوٹتا ہے، جو جسم میں داخل ہو، نہ کہ ایسی چیزوں سے جو جسم سے خارج ہو، اس سے صرف قے کی صورت مستثنیٰ ہے، جس کی بعض صورتیں ناقض صوم ہیں؛ اس لیے خون دینے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود روزہ کی حالت میں فصد لگوانا ثابت ہے،(۲) فصد ایک طبی عمل تھا، جس کے ذریعہ جسم کا فاسد خون باہر نکالا جاتا تھا؛ اس لیے خون دینے میں کچھ حرج نہیں، خواہ ٹسٹ کے لیے، یا کسی مریض کے لیے، البتہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ خون دینے کی وجہ سے روزہ کو قائم نہیں رکھ سکے گا اور اضطرار و مجبوری کی حالت نہ ہو تو خون دینا مکروہ ہے، اسی احتیاط کے پیش نظر رسول اللہ نے روزہ کی حالت میں فصد لگوانے کو پسند نہیں فرمایا،(۳) اس لیے کہ تمام لوگوں میں اس کی قوت برداشت نہیں ہوتی اور خطرہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے روزہ کو قائم نہیں رکھ سکیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۰۰-۴۰۱)

---

(۱) أو ادهن أو اكتحل أو احتجم وإن وجد طعمه فى حلقه. (الدر المختار) قال ابن عابدين: "لأن الموجود فى حلقه أثر داخل من المسام الذى هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق علىٰ من اغتسل فى ماء فوجد برده فى باطنه أنه لا يفطر. (رد المحتار، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد:۲/۳۹۵-۳۹۶، سعيد)

(۲) سئل أنس بن مالك أكنتم تكرهون الحجامة للصائم؟ قال: لا، إلا من أجل الضعف. (صحيح البخاري، رقم الحديث: ۱۹۴۰، باب الحجامة والقيئ للصائم)

(۳) صحيح البخاري، رقم الحديث: ۱۹۳۸، صحيح مسلم، رقم الحديث: ۱۱۰۶، سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۲۳۷۲

روزہ کی حالت میں دانت سے خون نکل آئے:

سوال: مجھے اکثر وضو میں کلی کرتے وقت دانت سے خون نکلتا ہے، اگر روزہ کی حالت میں بھی اسی طرح خون نکلے تو روزہ رہے گا، یا ٹوٹ جائے گا؟ (محمد واحد، آصف نگر)

الجواب

روزہ کسی چیز کے جسم میں داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے، نہ کہ کسی چیز کے خارج ہونے سے، لہٰذا خون نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ کی حالت میں پچھنا لگوانا ثابت ہے۔(۱) ''پچھنا'' سے مراد یہ ہے کہ نشتر لگا کر نلکی کے ذریعہ جسم سے فاسد خون کھینچ لیا جاتا تھا، البتہ اگر دانت سے نکلنے والا خون حلق سے نیچے چلا جائے تو اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر خون کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر ذائقہ محسوس نہ ہو؛ لیکن خون اور تھوک برابر ہو، یا خون غالب ہو، جب بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر تھوک غالب ہو، خون کی مقدار کم ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ مشہور فقیہ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

''أما إذا وصل فإن غلب الدم أو تساويا فسد، وإلا لا ،إلا إذا وجد طعمه''. (۲) (کتاب الفتاویٰ:۳/۳۸۳-۳۸۴)

روزہ کی حالت میں ناخن کاٹے، یا خون نکل آئے:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ روزے کی حالت میں ناخن نہیں نکالنا چاہیے اور یہ کہ جسم کے کسی حصہ پر زخم لگنے سے خون نکل آئے تو اس سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے؟ (محمد کلیم الدین موسی، رام باغ)

الجواب

روزہ کی حالت میں ناخن نکالنے میں کچھ حرج نہیں۔ ہاں جس شخص پر غسل واجب ہو، اس کو غسل کرنے سے پہلے ناخن، یا بال کاٹنا مکروہ ہے۔ (۳) روزہ کی حالت میں اگر چوٹ لگ جائے اور خون نکل آئے تو اس سے روزہ میں کراہت نہیں آتی۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۳۸۴-۳۸۵)

روزہ کی حالت میں بال، ناخن کاٹنا اور مسواک وسرمہ کا استعمال:

سوال: کیا روزہ کی حالت میں بال کٹوانا، ناخن کاٹنا، سرمہ لگانا، مسواک کرنا درست ہے، یا اس سے روزہ مکروہ ہوتا ہے؟ (باسط عظیم صدیقی، ظہیر آباد)

---

(۱) عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم احتجم وهو محرم واحتجم وهو صائم. (صحيح البخاري، رقم الحديث: ١٩٣٨، باب الحجامة والقيئ للصائم)

(۲) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار: ٣٦٨/٣

(۳) حلق الشعر حالة الجنابة مكروه وكذا قص الأظافير. (الفتاوى الهندية، الباب التاسع عشر في الختان والخصاء وقلم الأظفار، إلخ، كتاب الكراهية: ٣٥٨/٥)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

ایسے افعال جن کا اثر جسم کے ظاہری سطح تک محدود رہتا ہے، روزہ پران کا کوئی اثر نہیں ہوتا، بال کٹوانا اور ناخن کاٹنا ایسی صورتوں ہی میں داخل ہے، مسواک کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک روزہ دار کسی بھی وقت مسواک کرسکتا ہے۔(۱) حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے روزہ کی حالت میں بے شمار دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسواک کرتے ہوئے دیکھا ہے۔(۲)

البتہ ائمہ اربعہ میں امام شافعیؒ کے نزدیک زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ روزہ دار کے منہ کی بدبو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور مسواک سے یہ بدبو دور ہو جاتی ہے۔(۳) امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے فقہا کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو سے وہ بو مراد ہے، جو معدہ کے خالی ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، نہ کہ وہ بو جو دانتوں کے صاف نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہے، خواہ کتنا بھی مسواک کیا جائے، خلو معدہ کی وجہ سے پیدا ہونے والی بو بہر حال باقی رہے گی اور یہی بو بارگاہ ربانی میں مُشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

روزہ کی حالت میں سرمہ لگانا بھی حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ:

''ایک صاحب خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری آنکھ میں تکلیف ہے، کیا میں روزہ کی حالت میں سرمہ لگا سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں''۔(۴)

اسی لیے احناف اور اکثر فقہا کے نزدیک روز کی حالت میں سرمہ لگانا درست ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۳۸۶-۳۸۷)

روزہ میں خوشبو کا حکم:

سوال: ہومیو پیتھک میں ایک اصولِ معالجہ یہ بھی ہے کہ شکر کی سادہ گولیوں کی شیشی میں دوا کے دو تین قطرے ڈال کر رکھ دیتے ہیں، جب گولیاں خشک ہو جائیں تو انہیں مریض کو سونگھنے کی ہدایت کریں، اس طرح کہ ناک کے ایک راستہ کو بند کر کے دوسرا راستہ کھول دیں۔ ایک، یا دو مرتبہ سونگھنا کافی ہوتا ہے۔ اس عمل سے روزہ فاسد ہوتا ہے کہ نہیں؟

(حفیظ اللہ صاحب کھیری، لکھیم پور)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

محض کسی خوشبو، یا بدبو کے بے اختیار ناک میں جانے، یا قصداً سونگھنے سے، خواہ علاجاً ہو، یا تنشیطاً روزہ فاسد نہیں

---

(۱) لابأس بالسواک الرطب والیابس في الغداة والعشي عندنا. (الفتاویٰ الهندية، الباب الثالث فیما یکره للصائم وما لایکره: ۱/۱۹۹)

(۲) سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۲۳٦٤

(۳) کتاب الفقه: ۱/۵۱۹

(۴) الجامع للترمذی، رقم الحديث: ۷۲٦

ہوتا۔اگر بتی،عطر، دوا سب کا ایک حکم ہے،(۱)البتہ اگر بتی وغیرہ سلگا کر اس کا دھواں ناک میں پہنچانا مفسدِ صوم ہے۔(کذا فی مراقی الفلاح والطحطاوی)(۲)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۱۵۳-۱۵۴)

سر پر تیل رکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

سوال: ایک شخص نے صبح کو ۱۰/ بجے دن کو روزہ کی حالت میں اپنے سر پر بھول کر تیل رکھ لیا تھا۔کیا روزہ ٹوٹ گیا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

باقی رہا،ٹوٹا نہیں،اگر جان کر رکھ لے گا تب بھی نہیں ٹوٹے گا۔(۳)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ،مدرسہ ہذا۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۱۳۸)

روزہ میں تیل،سرمہ اور خوشبو:

سوال (الف) کیا روزہ کی حالت میں سر پر تیل لگا سکتے ہیں؟

(ب) کیا خوشبو اور سرمہ لگا سکتے ہیں؟

(ج) کیا روزہ کی حالت میں غسل کر سکتے ہیں؟ (محمد نصیر خاں،بیگم پیٹ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

(الف) روزہ ایسی چیزوں سے ٹوٹتا ہے، جو فطری راستہ سے جسم کے اندر پہنچتی ہوں۔تیل اولاً تو دماغ کے اندر نہیں جاتا اور اگر اس کا کچھ اثر جاتا ہو تو وہ بالوں کے مسامات کے ذریعہ کھوپڑی کی ہڈیوں تک پہنچتا ہے؛اس لیے روزہ کی حالت میں سر،یا جسم میں تیل لگانے میں کوئی حرج نہیں۔

---

(۱) وکذا إذا أدخل الدخان أوالغبار أوريح العطر أوالذباب حلقه،لايفسد صومه.(فتاوى قاضي خان،الفصل الخامس فيما لا يفسد الصوم: ۱/ ۲۰۸،رشيدية)

(۲) أوأدخل حلقه دخان بلا صنعه) لعدم قدرته على الامتناع عنه، فصار كبلل بقي في فمه بعد المضمضة لدخوله من الأنف إذا أطبق الفم،وفيما ذكرنا إشارة إلىٰ أنه من أدخل بصنعه دخاناً حلقه بأي صورة كان إلا دخلاً،فسد صومه،سواء كان دخان عنبر أوعود أو غيرهما،حتىٰ من تبخر ببخور فآواه إلىٰ نفسه واشتم دخانه ذاكراً لصومه، أفطر،لامكان التحرز عن إدخال المفطر جوفه ودماغه.(حاشيه الطحاوي علىٰ مراقي الفلاح،كتاب الصوم، باب في بيان ما لا يفسد الصوم،ص: ٦٦٠، قديمي)

(۳) أوادهن أواكتحل أواحتجم أوقبل أواحتلم ... لم يفطر.(الدرالمختار،كتاب الصوم: ۲/ ۳۹۵-۴۰۰،سعيد)

(ب) خوشبو سونگھنے میں بعینہٖ خوشبودار چیز جسم کے اندر داخل نہیں ہوتی؛ بلکہ اس کے لطیف اثرات جسم میں داخل ہوتے ہیں؛ اس لیے اس کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا؛ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ داروں کی میزبانی کا طریقہ یہی بتایا ہے کہ انہیں خوشبو پیش کی جائے،(۱) روزہ کی حالت میں سرمہ لگانے کی اجازت بھی حدیث سے ثابت ہے؛(۲) اس لیے سرمہ لگانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

(ج) روزہ کی حالت میں زوال سے پہلے بھی اور زوال کے بعد بھی غسل کیا جا سکتا ہے، یہی امام ابوحنیفہؒ اور اکثر فقہا کی رائے ہے اور حدیث سے بھی ثابت ہے۔(۳) (کتاب الفتاویٰ:۳/۳۹۲-۳۹۳)

---

(۱) تحفة الصائم الزائر أن تغلف لحيته، وتجمر ثيابه ويذرر، وتحفة المرأة الصائمة أن تمشط رأسها وتجمر ثيابها وتذرر. (سلسلة الأحاديث الضعيفة: ٢٧٤/٤، رقم الحديث: ١٧٨٩)

(۲) الجامع الترمذي، رقم الحديث: ٧٢٢

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الصوم: ٢٧٠/٢

☆ روزہ میں مسواک اور سرمہ وغیرہ:

سوال: مجھے پہلے دہے میں رمضان المبارک میں ناندیڑ جانے کا اتفاق ہوا، وہاں مسجد میں ماہ صیام کی تقویم کی تقسیم عمل میں آئی، جو ناندیڑ ہی کے ایک مدرسہ کی شائع کی ہوئی ہے، اس تقویم میں لکھا ہے کہ ان چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا: ''مسواک کرنا، سرمہ لگانا، آنکھ میں دوا ڈالنا، بھول کر کھانا پینا اور جماع کرنا''۔ مجھے بڑی تشویش ہے کہ یہ کہاں تک صحیح ہے؟ (ایم، اے، حسینی، صلالہ اسکول، بارکس)

الجواب

آپ نے جو بات پڑھی ہے، وہ درست ہے، مسواک چاہے خشک ہو یا تر اور صبح میں کی جائے، یا دوپہر میں، کوئی حرج نہیں۔

"لا بأس بالسواك الرطب واليابس والغداة والعشي عندنا". (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصوم: ١٩٩/١)

سرمہ لگانا بھی بلا کراہت جائز ہے، (حوالۂ سابق، نیز دیکھئے: الهداية: ٩٧/١، كتاب الفقه: ٥١٧/١) روزہ کی حالت میں اس کا جائز ہونا حدیث سے بھی ثابت ہے، (الجامع للترمذي، رقم الحديث: ٧٢٢) احناف کے نزدیک روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوا ڈالی جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصوم: ٢٠٣/١) بھول کر کھانے پینے، یا جماع کرنے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا، (حوالۂ سابق: ۱/۲۰۲) حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ بھول کر کھانا پینا روزہ کے لیے باعث فساد نہیں۔ (البحر الرائق: ٤٨٣/٢)

(کتاب الفتاویٰ: ۳/۳۸۹-۳۹۰)

حکم مسواک تازہ در صوم:

سوال: روزہ میں نیم کی ہری مسواک کرنی جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے۔

كما في الدر المختار: ولا سواك ولو عشياً أو رطباً بالماء على المذهب.

في رد المحتار: أما الرطب الأخضر فلا بأس به اتفاقاً، كذا في الخلاصة. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصوم: ١٨٣/٢)

۳ر شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص: ۸۷) (امداد الفتاوی: ۲/۱۴۱)

روزہ میں چکنے ہاتھ سے مضمضہ واستنشاق:

سوال: ایک شخص نے روزہ کی حالت میں اپنے ہاتھ پر سرسوں کے تیل کی مالش کی، پھر وضو کیا، ہاتھوں پر چکنا ہٹ کا اثر باقی تھا، ایسی ہی چکنا ہٹ سے انگلوں سے ناک میں پانی لگا دیا اور ناک صاف کر کے وضو کرنے کے تھوڑی دیر بعد بھی محسوس ہوا کہ زبان پر بھی چکنا ہٹ کا اثر محسوس ہوتا تھا، نیز حلق کے اندر بھی اور زبان پر بھی اب شبہ یہ ہوتا ہے کہ پیٹ کے اندر بھی چکنا ہٹ گئی ہے۔ اس کے علاوہ جب سر میں تیل لگاتا ہے تو حلق اور زبان پر بھی اثر معلوم ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں، یا زبان پر چکنا ہٹ محسوس ہوتی ہے تو رومہ میں اس سے کیا خرابی اور فرق ہوا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اس سے روزہ میں فرق نہیں آتا ہے، بعض دفعہ چکنا ہٹ بہت تیز ہوتی ہے، بغیر کلی اور بغیر ناک میں چکنے ہاتھ سے پانی داخل کئے ہوئے بھی محض سانس کے اندر پہنچ کر سر اور حلق کو متاثر کر دیتی ہے اور جب کہ پانی حلق کے اندر داخل نہیں ہوا اور نہ دماغ میں پہونچا تو روزہ پر اثر کیوں پڑے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۹/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۹/۲۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۵۵-۱۵۶)

کھارے پانی سے کلّی:

سوال: روزے کی حالت میں اگر کھارے پانی سے وضو، یا کلی کی جائے تو کیا اس میں کوئی مضائقہ ہے، جب کہ اس پانی میں نمک کا جز ہوتا ہے؟ (صبیح الدین، اننتا پورم)

الجواب ــــــــــــــــــــ

پانی خواہ میٹھا ہو یا کھارا، اس سے وضو کرنے، یا یوں ہی کلی کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ کیوں کہ پانی کا ذائقہ روزہ کے لیے چنداں مضر نہیں، ورنہ روزے کی حالت میں کلی کرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہوتی، بالخصوص ان حالات میں کہ حجاز کا علاقہ سمندر کے ساحل پر واقع ہے اور وہاں بہت سے کنویں کھارے پانی کے ہوتے تھے، اگر کھارے پانی سے وضو اور کلی کی ممانعت ہوتی تو ضرور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہوتا۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۰۱-۴۰۲)

لفافہ کا گوند تھوک سے تر کرنا:

سوال: پوسٹل لفافوں میں ہلکی گوند لگی رہتی ہے، لوگ اسے تھوک سے تر کر کے، چپکایا کرتے ہیں، کیا اس طرح چپکانا درست ہے؟ (محمد مبین، گلبرگہ)

الجواب

روزہ کی حالت میں گوند کو اپنی زبان سے تر کرنا کراہت سے خالی نہیں؛ کیوں کہ اگر گوند کے اجزا حلق سے نیچے چلے گئے، تب تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر اس کے اجزا حلق سے نیچے نہیں گئے، تب بھی کم سے کم چکھنے کی کیفیت پائی گئی، جو مکروہ ہے۔ ہاں اگر انگلی میں تھوک لے کر اس سے گوند کو تر کر لے تو کوئی حرج نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۰۰)

تھوک نگل لینے سے روزہ اور نماز ٹوٹنے کا حکم:

سوال: روزہ دار کے منہ میں اگر بلغم، یا تھوک جمع ہو جاوے، حالت نماز میں یا غیر نماز میں تو روزہ اور نماز ہوئی، یا نہیں؟ اگر وہ بلغم یا تھوک منھ میں آیا ہوا، نگل جاوے؟

الجواب

اگر چہ نگل جائے، درست ہے۔ فقط

(بدست خاص، ص:۴۱) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص:۲۰۸)

اگر مسوڑھوں کا خون پیٹ میں چلا جائے:

سوال: میرے مسوڑھوں سے اپنے آپ بھی خون نکلنے لگتا ہے اور اگر غفلت یا نیند کی حالت ہو تو تھوک کے ساتھ پیٹ میں بھی چلا جاتا ہے، کیا ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا؟　　(سعید الرحمٰن، شولا پور)

الجواب

خون اگر حلق میں نہیں گیا اور اس سے پہلے آپ نے تھوک دیا، یا کلی کر لی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا؛ کیوں کہ حلق سے نیچے کسی چیز کا جانا ناقض صوم ہے، اگر خون حلق سے نیچے چلا گیا؛ لیکن تھوک غالب اور خون مغلوب تھا؛ یعنی تھوک کی مقدار زیادہ اور خون کی مقدار کم تھی، تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا؛ کیوں کہ وہ تھوک ہی کے حکم میں ہے، اگر خون کی مقدار زیادہ تھی اور تھوک کی کم اور یہ حلق سے نیچے چلا گیا تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا، بعد میں اس کی قضا کر لینی چاہیے، البتہ مشہور فقیہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر مسوڑھوں سے خون نکلنے کی کیفیت ایسی ہو کہ اس کے حلق میں جانے سے اجتناب بظاہر ممکن نہ ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، جیسا کہ کسی شخص کو قے آئی اور بلا ارادہ لوٹ گئی تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

"إلا أن يفرق بعدم إمكان الحترزعنه فيكون كالقيء الذى عاد بنفسه". (۱)

(کتاب الفتاویٰ:۳/۳۹۸-۳۹۹)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده: ۳۶۸/۳

روزہ کی حالت میں دانت نکلوانا:

سوال: جو شخص دانت کی تکلیف میں مبتلا ہو، اس کے لیے روزہ کی حالت میں کیا دانت نکالنے کی اجازت ہوگی، اور دانت نکالے تو روزہ باقی رہے گا، یا ٹوٹ جائے گا؟ (ڈاکٹر سعید الرحمٰن، شولا پور)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

روزہ کے ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کا تعلق ایسی چیزوں سے ہے، جو حلق کے نیچے پہنچتی ہو، دانت چوں کہ حلق سے اوپر ہے؛ اس لیے بذات خود دانت نکالنے میں کچھ حرج نہیں؛ لیکن عام طور پر دانت نکالتے ہوئے، مسوڑھوں سے کافی خون آتا ہے اور یہ بھی امکان رہتا ہے کہ خون حلق سے نیچے چلا جائے اور ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا؛ اس لیے اگر شدید مجبوری نہ ہو تو بہتر ہے کہ رمضان میں دانت نہ نکلوائے، شدید عذر کے بغیر رمضان میں دانت نکلوانا مکروہ ہے؛ کیوں کہ یہ روزہ کے فاسد ہونے کا سبب بن سکتا ہے اور جو باتیں روزہ کے ٹوٹنے کا باعث بن سکتی ہیں، وہ کم سے کم کراہت سے خالی نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۳۹۹-۴۰۰)

حکم یافتن برگ تنبول در دہن بوقت صبح:

سوال: بہت سے لوگ شب رمضان میں شب کو بہ نیت صوم پان کھا کر لیٹ گئے، اتفاق سے سب کو نیند آ گئی، سب کے سب بدون کلی غرارہ کئے ہوئے پان منہ میں لیے ہوئے سو گئے، صبح کو جاگے تو کسی کے منہ میں کل پان اور کسی کے چنے سے زیادہ اور کسی کے منہ میں بقدر چنے کے اور کسی کے منہ میں بقدر ماش کے اور کسی کے منہ صرف ایک دو پتی باقی ہے اور کسی کے منہ میں کچھ بھی نہیں لیکن شب کو کلی غرارہ نہیں کیا تھا تو اس صورت میں کس کس کا روزہ صحیح ہوگا اور جس کا روزہ صحیح ہوگا، اس نے لاعلمی سے افطار کر ڈالا تو اس پر کفارہ، یا قضا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

اگر سوتے وقت پان منہ میں لے کر سوئے اور صبح تک منہ میں رہا، روزہ جاتا رہے گا، جس صورت میں پان منہ میں نہ پایا تو ظاہر ہے کہ نگل گیا اور یہی کہا جاوے گا کہ بعد صبح کے نکلا ہے، **أن الحادث یضاف إلٰی أقرب الأوقات علٰی ما فی قواعد الفقه** اور اگر پان سالم بھی پایا، تب بھی غالب ہے کہ اس کا عرق ضرور حلق میں گیا ہوگا۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ حکما و اطبا اصل السوس وغیرہ منہ میں ڈال کر سونے کو بتلاتے ہیں، اگر عرق نہیں پہنچا تو اس سے کیا نفع جب وصول ثابت ہو گیا تو حالات نوم میں افطار کرنے سے قضا لازم آتی ہے۔

"أو شرب نائما". (الدر المختار فی موجبات القضاء)

اور اگر سونے سے پہلے پان تھوک دیا اور غرغرہ نہیں کیا تو اگر منہ میں بقدر نخود یا زیادہ تھا اور سونے میں نگل گیا، موجب قضا ہے اور جو اس سے قلیل ہو مفسد نہیں۔

ولو أكل لحماً بين أسنانه فإن كان قليلاً لم يفطر وإن كان كثيراً يفطر والفاضل مقدار الحمص وما دونها قليل. (الهداية)(۱)

اور افطار صحیح الصوم وفاسد الصوم کا گزر چکا، فتذکر، البتہ باوجود صحت صوم کے افطار کرڈالا تو کفارہ وقضا ہر دولازم ہیں؛ **لأن ظنه ليس بمستند إلٰى دليل شرعي. والله أعلم**

۱۳۰۴ھ (امداد: ۱/۱۸۱) (امداد الفتاوی: ۲/۱۳۱)

حکم بقائے سرخی تنبول در دہن:

سوال: ایک مولوی صاحب نے یہاں مسئلہ بیان کیا ہے، جس سے عوام کو مشکل پڑ گئی ہے، وہ یہ کہ مولوی صاحب نے فرمایا ہے، جس طرح ریشم کا تاگا بانٹنے والے کے ریشم منہ میں جانے سے اس کا رنگ تھوک میں آجاتا ہے، اگر حالت روزہ میں اس تھوک کو نگل جائے گا تو روزہ جاتا رہے گا، ایسے ہی پان کھانے والوں کا چوں کہ باوجود منہ صاف کر لینے کے پھر بھی سرخی پان کی تھوک میں صبح آتی رہتی ہے تو جو شخص پان کھانے والا تھوک کو باجود صاف کر لینے منہ کے نگل جاوے گا، روزہ نہیں ہوگا۔ سو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس پان کا قیاس ریشم کے مسئلے پر کرنا صحیح ہے، یا نہیں، اگر صحیح ہے تو تمام عمر کے روزوں کا اعادہ سحری کے کھانے والوں پر لازم ہوگا، یا نہیں؟ اگر یہ ہوگا تو جو لوگ تمباکو کھانے کے عادی بوجہ امراض کے ہیں ان کو سخت تکلیف ہوگی، روزہ صحیح ہونے کی کوئی صورت ہو، باوجود تھوک نگل جانے کے تو تحریر فرمایا جاوے؟

الجواب

تاگا بٹنے والے کا مسئلہ تو مقید ہے حالت صوم کے ساتھ؛ یعنی اس نے روزہ کی حالت میں ایسا تاگا منہ میں تر کر کے باٹا اور ریق میں اس کا رنگ آ گیا اور اس کو کوئی نگل گیا اور یہاں پان حالت روزہ میں نہیں کھایا جاتا، پہلا کھایا ہوا ہوتا ہے، جس کا اثر خود روزہ میں بھی باجود سعی ازالہ کے رہتا ہے، جو اختیار سے خارج ہے اور ایسے غیر اختیاری آثار مفسد صوم نہیں، خود حالت روزہ میں دخول غبار، یا ذباب یا دخان فی الحلق کو اسی بنا پر عذر کہا ہے، **لعدم إمكان التحرز عنه**، اسی طرح کہا گیا ہے:

(أو بقي بلل فيه بعد المضمضه وابتلعه مع الريق) كطعم أدرية مص إهليلج، إلخ. (كذا في الدر المختار)(۲)

۷/رجب ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۶۳) (امداد الفتاوی: ۲/۱۳۱)

---

(۱) الهداية، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال: ۱/۱۲۳، انيس

(۲) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده: ۳/۳۶۷، دار عالم الكتب الرياض، انيس

روزہ کی حالت میں سفوفِ تمبا کو منہ میں رکھنا:

سوال: سفوفِ تمبا کو مرکب بر مادورق نارجیل، یا نخل صائم کو استعمال کرنا بالاحتیاط اور بغیر احتیاط اور دو تین منٹ کے بعد کلی کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ اور حلق کے نیچے یقیناً نہیں اترتا ہے احتیاط کی صورت میں؟

الجواب

قال فی العالمگیریة: ولو مص الهليلج فدخل البزاق حلقه لم يفسد ما لم يدخل عينه كذافی الظهيرية، آه. (۱۳۱/۱)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ سفوفِ تمبا کو مرکب کا اس طرح دانتوں میں استعمال کرنا کہ حلق سے نیچے یقیناً نہ اترے، مفسدِ صوم نہیں اور اگر ذرا سا بھی حلق سے نیچے اتر جائے گا تو روزہ فاسد ہے اور اس سفوف کا استعمال بحالتِ صوم بلاضرورت مکروہ ہے۔

"لما فيه من تعريض الصوم للفساد ولايصح قياسه على السواک لأنه ثبت بالسنة على خلاف القياس ولاعلى العلک لكونه ملتئم الأجزاء دون السفوف". (۲) **کذا قال الشيخ مدظله**

اورضرورت بعد مغرب کے استعمال کرنے سے بھی رفع ہوسکتی ہے۔

۲۲ ررمضان ۱۳۴۰ھ (امدادالاحکام:۱۲۸/۳)

بعد افطار اندامِ نہانی میں کوئی دوا بحالتِ صوم باقی رہے تو روزہ پر اس کا کوئی اثر پڑے گا، یا نہیں:

سوال: اس امر کا تو ہدایہ سے پتہ چل گیا کہ اَقبالِ نسا (عورت کی شرمگاہ) میں اگر دوا ٹپکائی جاوے تو روزہ ٹوٹ جائے گا؛ مگر یہ اس سے بھی معلوم نہ ہوا کہ بعد افطار اگر کوئی ذی جرم دوا اس میں رکھ دی جاوے اور وہ بحالتِ صوم بھی باقی رہے تو روزہ پر اس کا کیا اثر ہوگا، اسی امر کے معلوم کرنے کی ضرورت ہے؟

الجواب

أو أدخل قطنة أو خرقة أو خشبة أو حجراً فی دبره أو أدخلته فی فرجها الداخل وغيبها؛ لأنه تمّ الدخول بخلاف ما لوبقی طرفه خارجاً؛ لأن عدم تمام الدخول كعدم دخول شئ بالمرة، آه. (مراقی الفلاح، کتاب الصوم، ص: ۳۹٤)

بعد افطار کے جو شے داخل کی جائے خواہ تر ہو، یا خشک اس کے بقاء بحالِ صوم سے تو فطر کا کچھ شبہ نہیں؛ اسی لیے فقہا نے اس سے تعرض نہیں کیا، اس صورت میں روزہ صحیح ہے اور خشک چیز کا، تو بحالِ صوم رکھنا بھی اس وقت موجبِ فطر ہے، جب کہ پوری اندر ہو اور اگر کچھ حصہ باہر فرجِ خارج میں نکلا ہے تو مفطر نہیں۔ واللہ اعلم (امدادالاحکام:۱۳۳/۳)

(۱) الفتاوٰی الهندية، کتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد: ۱۳۱/۱، انیس

(۲) البحر الرائق، کتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لايفسده: ۳۰۱/۱، انیس

عورت کا اپنی اندام نہانی میں روئی کا پھاہا رکھنا:

سوال: اگر عورت کے جسم کے اندرونی حصہ میں روئی کے پھاہے کے ساتھ کوئی دوا افطار کے بعد رکھی جائے اور روزہ کی حالت میں وہ برقرار رہے تو کیا روزہ درست ہو جائے گا؟ (شائستہ جبیں، جگتیال)

الجواب ــــــــــــــــ

اگر روزہ کی حالت میں دوا رکھی جائے، تب تو روزہ ٹوٹ جائے گا، فقہا کے یہاں اس کی صراحت موجود ہے؛(۱) لیکن اگر پہلے سے دوا رکھی گئی ہو اور روزہ کی حالت میں باقی رہے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص رات کے وقت غذا، یا دوا کھائے اور روزہ شروع ہونے کے بعد بھی وہ معدہ میں موجود رہے۔

(کتاب الفتاویٰ:۳۸۳/۳)

منجن سے روزہ پر اثر:

سوال: منجن جس میں نمک پڑا ہو، روزہ میں ملنا جائز ہے، یا مکروہ؟ اور روزہ میں نقصان ہوتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

اگر منجن کا اثر حلق تک نہ جاوے تو منجن ملنا درست ہے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۷۷) ☆

بحالت روزہ منجن کا استعمال:

سوال: رمضان المبارک میں منجن کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

دن میں منجن استعمال کرنا مکروہ ہے۔(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۱۴۰۱/۸/۲۳ھ۔ (منتخبات نظام الفتاوی:۵۵۵/۱)

---

(۱) الأقطار في إقبال النساء يفسد بلا خلاف وهو الصحيح. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصوم: ۲۰۴/۱، نیز دیکھئے: الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار: ۳۶۹/۳)

☆ **روزہ میں ٹوتھ پیسٹ:**

سوال: افطار کرنے سے پانچ منٹ پہلے کیا ہم پیسٹ سے منہ دھو سکتے ہیں؟ (جیلانی بانو، رائچور)

الجواب ــــــــــــــــ

پیسٹ میں ذائقہ ہوتا ہے اور روزہ کی حالت میں کسی بھی چیز کے ذائقہ کو چکھنا مکروہ ہے؛ اس لیے روزہ کی حالت میں پیسٹ کرنے سے بچنا چاہئے، یہ کراہت سے خالی نہیں۔ "كره ذوق شيئ ومضغه بلا عذر". (البحر الرائق، كتاب الصوم: ۲۷۹/۲) (کتاب الفتاویٰ:۴۰۱/۳)

(۲) وكره له ذوق شئ وكذا مضغة بلاعذر ... وكره مضغ علك. (الدر المختار: ۳۹۵/۳)

علامہ شامی اس کے تحت لکھتے ہیں: ==

نشہ آور منجن کا استعمال بحالتِ صوم:

سوال: روزہ کی حالت میں ایک قسم کا منجن جو تمبا کو اور پرانے گڑ سے تیار کیا جاتا ہے، استعمال کرتا ہے، جس کی اسے عادت پڑی ہوئی ہے، اس کے استعمال سے اس کو تسکین بھی ہوتی ہے، اس منجن میں نشہ بقدرِ تمبا کو ہے۔ کیا ایسے منجن کا روزہ کی حالت میں استعمال جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اس سے پورا پرہیز کرے، اکثر اس کا کچھ حصہ حلق کے اندر پہنچ جاتا ہے، نشہ کا ہونا مستقل وجہ منع ہے۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۱/۷/۱۳۹۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۵۹/۱۰)

روزہ میں ہونٹ پر سرخی لگانا:

سوال: خواتین زیبائش کے لیے ہونٹ پر سرخی لگایا کرتی ہیں، کیا روزہ کی حالت میں اس کا لگانا درست ہوگا؟

(شاکرہ نسرین، نظام آباد)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

اگر سرخی ہونٹ تک پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ نہ ہو تو روزہ کی حالت میں بھی اس کا لگانا جائز ہے؛ کیوں کہ ہونٹ جسم کا خارجی حصہ ہے۔ ہاں اگر منہ کے اندر چلے جانے کا اندیشہ ہو تو مکروہ ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۹۸/۳)

روزہ کی حالت میں زنڈو بام:

سوال: روزہ کی حالت میں زنڈو بام، یا اس طرح کی دوسری دوائیں لگا سکتے ہیں، یا نہیں؟ جب کہ ایسی دواؤں کا اثر بظاہر دماغ تک پہنچتا ہے؟　　(شبیر احمد حقی، عنبر پیٹ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

روزہ اسی وقت ٹوٹتا ہے، جب کوئی چیز بعینہ فطری منفس کے ذریعہ پیٹ، یا دماغ تک پہنچے، اگر کوئی چیز مسامات بدن کے ذریعہ جسم میں داخل ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

== قلت: ولأن العادة مضغة خصوصاً للنساء؛ لأنه سواكهن كما يأتى فكان مظنة عدم الكراهة فى الصيام لتوهم أن ذلك عذر. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصوم: ۳۹٦/۳)

(۱) أوذاق شيئاً بفمه وإن كره، لم يفطر. (الدرالمختار) إن كره إلا لعذر كما يأتى. (ردالمحتار، كتاب الصوم: ٤٠٠/۲، سعيد)

وكره له ذوق شيء، وكذا مضغه بلا عذر، وكره مضغ علك أبيض ممضوغ ملتئم، وإلا فيفطر. (الدر المختار علىٰ تنويرالأبصار، كتاب الصوم: ٤١٦/۲، سعيد)

" وما يدخل في مسام البدن من الدهن لا يفطر". (۱)

نیز اگر اصلی شیٔ کے بجائے صرف اس کا اثر جسم کے اندر پہنچے تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، بام وغیرہ لگانے سے جسم کے اندر صرف اس کا اثر پہنچتا ہے، نہ کہ اصلی شیٔ، نیز وہ بھی جسم کے مسامات کے ذریعہ اندر جاتا ہے؛ اس لیے اس کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۹۶/۳)

عود اور اگربتّی کا دھواں حلق میں جانے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، یا نہیں:

سوال: حالتِ روزہ میں قرآن مجید پڑھتے وقت نزدیک عود اور اگربتّی جلائی جائے اور اس سے دھواں حلق میں جائے تو روزہ فاسد ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں تو روزہ فاسد نہیں۔ ہاں، اگربتّی کو پاس رکھ کر اس کے دھویں کو سونگھا جائے اور حلق میں داخل کیا جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔

قال في الدر (۱۰۶/۲): (أودخل حلقه غبار أو ذباب أودخان) ولو ذاكراً استحساناً لعدم إمكان التحرز عنه، ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر، أى دخاناً كان أوعوداً أوعنبراً.

قال الشامي: حتٰى لوتبخر بخور فاٰواه إلٰى نفسه واشتمه ذاكراً لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه، آه. (۲)

قلت: قيود الفقه احترازية فلوتبخرولم يؤوه إلٰى نفسه ولم يشتمه لم يفطر فإن ذلک من دخول الدخان لامن إدخاله. والله أعلم.

خلاصہ یہ کہ دھویں کو پاس رکھ کر سونگھا نہ جائے، دور رکھ کر بیٹھا جائے اور خوشبو آتی رہے تو مضائقہ نہیں۔

۲۰/محرم ۱۳۴۹ھ (امداد الاحکام: ۱۳۴/۳-۱۳۵) ☆

(۱) الفتاوٰی الهندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد: ۲۰۳/۱

(۲) ردالمحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده: ۳۶٦/۳، دارعالم الكتب الرياض، انيس

☆ **روزہ دار کے حلق میں دھواں:**

سوال: روزہ دار حضرات قرآن مجید کی تلاوت کریں اور تلاوت کے دوران اگربتی جلائیں اور دھواں منہ اور ناک میں جائے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟ (عبدالمحسن، ٹولی چوکی)

الجواب

اگربتی کا دھواں منہ، یا ناک میں نہیں لیا جائے؛ بلکہ دور رکھا جائے اور بلا ارادہ دھواں منہ، یا ناک میں داخل ہوجائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر قصداً دھواں لیا جائے، ناک سے کھینچا جائے، جیسا کہ عود وغیرہ کی دھونی لی جاتی ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (أودخل حلقه غبار أو ذباب أودخان) ولو ذاكرًا استحسانًا لعدم إمكان التحرز عنه، ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر، أى دخان كان ولوعودًا أوعنبرًا لو ذاكرًا لإمكان التحرز عنه. (الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم وما لا يفسده: ۳۶٦/۳) (کتاب الفتاویٰ: ۳۸۲/۳) ==

روزہ میں اگربتی:

سوال: رمضان شریف میں جمعہ کی نماز کے وقت مسجد میں ایک روزہ دار شخص نے کچھ اگربتیاں اس مقصد سے سلگائیں کہ تمام مسجد میں خوشبو پھیلے، اگربتیاں جلتی رہیں اور خوشبو پھیلتی رہے، نماز کے بعد کچھ لوگوں نے اچھی خوشبو

== روزہ میں دھواں لینا:

سوال: روزہ کی حالت میں اگربتی، عود، لوبان اور عود کا دھواں لے سکتے ہیں، یا نہیں؟

(ایم، ایس خان حیدرآباد، جیلانی بانو، رائچور)

الجواب

روزہ کی حالت میں قصداً اگربتی وغیرہ کا دھواں لینا درست نہیں اور اگربتی کا بالارادہ دھواں لے اور حلق میں چلا جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔ "حتّٰی لو تبخر بخوراً فآواہ إلٰی نفسہٖ وشمہ ذاکرًا لصوم أفطر لإمکان التحرز عنہ". (ردالمحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لایفسدہ: ۳/۳۶٦، دارعالم الکتب الریاض) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۳۹۵-۳۹٦)

روزے میں عود، لوبان اور اگربتی سلگانا:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۰/مارچ ۱۹۳۰ء)

سوال: اگر قرآن مجید پڑھتے وقت کوئی روزہ دار عود لوبان، یا اگربتی سلگا کر پاس رکھے، یا ایسے مقام پر کوئی روزہ دار جا کر بیٹھے تو عمداً سونگھنے یا دھواں داخل کرنے کا اطلاق اس پر ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

عود، لوبان، اگربتی وغیرہ سلگانا اور اس کے قریب بیٹھ کر تلاوت کرنا روزے میں ناجائز نہیں ہے، عمداً اسونگھنا بھی روزے میں ناجائز نہیں؛ کیوں کہ یہ صورت دھواں داخل کرانے کی نہیں ہوتی۔ (ولو دخل حلقہ غبار الطامونۃ ... أوالدخان ... وأشباہ ذلک، لم یفطر. (الھندیۃ، کتاب الصوم، باب مایفسد و مالا یفسد: ۱/۲۰۳، کوئٹۃ)

محمد کفایت اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۴/۲۵۳-۲۵۴)

روزہ میں اگربتی اور عطر سونگھنا:

سوال: صائم رمضان، یا غیر رمضان ہے، بحالت روزہ اگربتی، یا لوبان کا دھواں سونگھنے، یا سینٹ تو روزہ ٹوٹتا، یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً

سینٹ، یا کسی بھی عطر کے سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (وکذا إذا دخل الدخان أو الغبار أو ریح العطر أو الذباب حلقہ، لا یفسد صومہ. (فتاوی قاضی خان علٰی ھامش الفتاوٰی الھندیۃ، الفصل الخامس فیما لایفسد الصوم: ۱/۲۰۸، رشیدیۃ)/لا یکرہ للصائم شم رائحۃ المسک والورد ونحوہ مما لایکون جوھراً متصلاً کالدخان. (مراقی الفلاح، باب فی بیان ما لا یفسد الصوم، ص: ٦۵۹، قدیمی) اگربتی، یا لوبان کا دھواں بالقصد حلق کے راستے سے اندر پہونچانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

صرح بہ الشامی وغیرہ فی ردالمحتار وغیرہ من کتب الفقہ: "لو أدخل حلقہ الدخان، أفطر، أی دخان کان عوداً أو عنبراً، آہ. (الدر المختار) قال فی رد المحتار: أی بأی صورۃ کان الإدخال، حتّٰی لو تبخر بخور فآواہ إلٰی نفسہ واشتمہ ذاکراً لصومہ، أفطر، لإمکان التحرز عنہ، وھٰذا یغفل عنہ کثیر من الناس، ولایتوھم أنہ کشم الورد ومائہ والمسک، لوضوح الفرق بین ھواء تطیب بریح المسک وشبھہ وبین جوھر وصل إلٰی جوفہ بفعلہ، إمداد. وبہ علم حکم شراب الدخان، آہ. (شامی: ۱/۱۳۳) (رد المحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد: ۳/۳٦٦، دارعالم الکتب الریاض) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۵۷-۱۵۸)

ہونے کی وجہ سے لمبا سانس لے کر خوشبو سونگھی، کسی نے جلتی ہوئی اگر بتیوں کو قریب لے کر نہیں سونگھنا اور نہ اس کے پاس سونگھنے بیٹھا، تمام مسجد میں خوشبو پھیل رہی تھی، اس خوشبو کو لمبا سانس لے کر سونگھا، ایسی حالت میں کیا روزہ دار اور نمازیوں کے روزے ٹوٹ گئے؟ اور جنہوں نے خوشبو کو لمبی سانس لے کر سونگھا تھا، ان کے روزے کیا ٹوٹ گئے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر بتی کا دھواں اگر قصداً سانس لے کر دماغ میں پہونچایا ہے تو روزہ فاسد ہو گیا، اگر دھواں دماغ میں نہیں پہونچا، صرف خوشبو سونگھی ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوا۔(۱) روزہ کی حالت میں اگر بتی نہ سلگائی جائے۔(۲) واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۹/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۹/۱۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۵۶-۱۵۷)

لوبان سونگھنے سے روزہ کا حکم:

سوال: بہشتی زیور کے تیسرے حصہ میں لکھا ہے کہ روزہ کی حالت میں لوبان وغیرہ کی دھونی سلگا کر سونگھنے سے روزہ جاتا رہے گا۔(۳) کیا یہ حکم لوبان ہی کے لیے ہے یا اگر بتی وغیرہ ہر دھوئیں کے لیے ہے؟ بعض حضرات روزہ میں اگر بتی جلا کر سونگھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ تو خوشبودار چیز ہے اور خوشبو سونگھنے سے روزہ نہیں جاتا۔ یہ صحیح ہے، یا غلط؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر لوبان وغیرہ غرض جو بھی دھواں خوشبو کے لیے سونگھ کر حلق یا دماغ میں پہونچایا جائے اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔(۴) محض خوشبو (عطر) سونگھنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ (کذا فی الطحطاوی)(۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۷/۱۰/۲۰ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۵۸)

---

(۱) وكذا إذا دخل الدخان أو الغبار أو ريح العطر أو الذباب حلقه، لايفسد صومه. (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ الهندية، الفصل الخامس فيما لا يفسد الصوم: ۱/۲۰۸، رشيدية)

(۲) أو دخل حلقه غبار أو ذباب أو دخان ولو ذاكراً استحساناً، لعدم إمكان التحرز عنه، ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر، أي دخان كان، ولو عودا أو عنبرا، لو ذاكراً لإمكان التحرز عنه، فليتنبه له، كما بسطه الشرنبلالي. (الدر المختار على تنوير الأبصار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد: ۲/۳۹۵، سعيد)

(۳) بہشتی زیور، حصہ سوم، ص: ۲۰۹، باب ہفتم، جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور جن چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے اور قضا، یا کفارہ لازم آتا ہے ان کا بیان، دارالاشاعت کراچی

(۴) أو دخل حلقه دخان بلا صنعه، لعدم قدرته على الامتناع عنه. وفيما ذكرنا إشارة لي أنه من أدخل بصنعه دخاناً حلقه بأي صورة كان الإدخال، فسد صومه سواء كان دخان عنبراً وعوداً وغيرهما". (مراقي الفلاح على نور الايضاح، ص: ۶۶۰، باب في بيان ما لا يفسد الصوم، قديمي)

(۵) لا يكره للصائم شم رائحة المسک والورد ونحوه مما لا يوكن جوهراً متصلاً كالدخان". (مراقي الفلاح، باب في بيان ما لا يفسد الصوم، ص: ۶۵۹، قديمي)

ہومیو پیتھک دوائی کا سونگھنا:

سوال:　ہومیو پیتھک دوا کے سونگھنے سے مریض کو بالکل اتنا ہی اثر ہوتا ہے، جتنا کے دوا کے کھانے سے، خواہ دوا کی صرف ایک ہی گولی چٹکی میں لے کر کسی روزہ دار مریض کو سونگھائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

محض سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱۰/۱۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۵۵)

کیا گیس سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا:

سوال:　کھانا پکانے کے درمیان بعض اوقات سلینڈر سے گیس خارج ہوتی ہے اور غیر اختیاری طور پر آدمی کی ناک تک پہونچتی ہے، اس کے علاوہ کیمسٹری کی تعلیم میں بعض اوقات مختلف گیسوں کو سونگھنا پڑتا ہے، یہ تعلیم و تحقیق کا ایک حصہ ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ سونگھنا بالا رادہ ہے، تو کیا اس کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟ (محمد رضی حیدر، دلسنکھ نگر)

الجواب ـــــــــــــــــــ

غیر ارادی طور پر جو بو آدمی تک پہنچ جائے، اس سے تو روزہ ٹوٹنے کا سوال ہی نہیں؛ اس لیے روزہ تو اختیاری افعال سے ٹوٹتا ہے، نیز قصداً گیس کو سونگھنے کی وجہ سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشبو سے روزہ دار کی ضیافت کرنے کی تلقین فرمائی ہے،(۲) جس میں ظاہر ہے کہ روزہ دار کا سونگھنا پایا جاتا ہے، فقہا نے بھی روزہ میں خوشبو سونگھنے کی اجازت دی ہے؛(۳) اس لیے راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ واللہ اعلم

(کتاب الفتاویٰ: ۳/۳۹۷)

روزہ میں قئے کا آجانا:

سوال:　خود بخود قے آنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، یا باقی رہتا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

فاسد نہیں ہوتا۔ (كذا في رسائل الأركان) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۳۸)

---

(۱)　فكذا إذا دخل الدخان أو الغبار أو ريح العطر أو الذباب حلقه، لايفسد الصوم". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى الهندية، الفصل الخامس فيما لا يفسد الصوم: ۲۰۸/۱، رشيدية)

(۲)　دیکھئے: سلسة الأحاديث الضعيفة: ۲۷۴/٤، رقم الحديث: ۱۷۸۹

(۳)　إذا دخل الدخان أو الغبار أو ريح العطر أو الذباب حلقه، لايفسد صومه. (الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية: ۲۰۸/۱)

روزہ میں قئے:

سوال: اگر روزہ کی حالت میں قئے، یا منہ بھر کر پانی آجائے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟

(سید حفیظ الرحمان، نظام آباد)

الجواب

اگر بلا ارادہ از خود منہ بھر کر قے آجائے، یا پانی آجائے، جو قے ہی کی ایک صورت ہے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ہاں اگر انسان قصداً اُ قے کو نگل جائے، یا جان بوجھ کر قے کرے اور وہ منہ بھر ہو تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔(۱)

(کتاب الفتاویٰ: ۳/۳۹۱) ☆

روزہ میں ٹی وی دیکھنا:

سوال: رمضان شریف میں روزہ کی حالت میں وقت گذارنے کے لیے ٹی وی دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

(حکیم واسع موہانی، حیدرآباد)

الجواب

رمضان کا مقصد اصل میں تقوی کی تربیت ہے، یہ کیفیت اس وقت حاصل ہوگی، جب انسان کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے رکنے کے علاوہ زبان، کان اور نگاہ کی بھی گناہوں سے حفاظت کرے؛ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر روزہ کی حالت میں غیبت اور جھوٹ وغیرہ سے اجتناب کی تلقین فرمائی ہے۔(۲) ٹی وی میں ایک تو تصویریں آتی ہیں اور تصویروں کی حدیثوں میں سخت ممانعت آئی ہے۔(۳) دوسرے فحش مناظر بکثرت آیا کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کا دیکھنا سخت گناہ ہے؛ اس لیے یوں تو عام حالات میں بھی ٹی وی دیکھنے سے اجتناب کرنا واجب ہے؛ لیکن روزہ کی حالت میں اس کا خصوصی اہتمام کرنا ضروری ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۳۸۴)

☆☆☆

---

(۱) دیکھئے: الفتاوی الهندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد ومالا يفسد: ۲۰٤/۱

☆ ملفوظ:

جس شخص نے اس قدر کھانا کھایا کہ بعد طلوع آفتاب کے ڈکاریں آتی ہیں اور ان کے ساتھ پانی آتا ہے اس سے روزہ میں حرج نہیں آتا۔ واللہ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۷۷)

(۲) سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۲۳٦۲

(۳) عن أبي طلحة رضى الله عنه قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولا تصاوير. (صحيح البخاري، رقم الحديث: ٥٩٤٩، باب التصاوير، نیز دیکھئے: سنن النسائي: ۳۰۰/۲)

روزوں کی قضا وکفارہ سے متعلق مسائل

انتیس شعبان کو چاند نظر نہ آیا، بعد میں چاند ہونے کی تحقیق ہو جائے تو قضا ضروری ہے:

سوال: صوبہ بمبئی میں ۲۹ رشعبان ۱۳۵۶ھ، یوم جمعرات، بعد نماز مغرب عام طور پر چاند نہیں دیکھا گیا، چناں چہ صوبہ بمبئی میں سنیچر کے روز روزہ رکھا گیا، سات یوم کے بعد احمد آباد، جو تقریباً ۳۵۰ میل کے فاصلے پر ہے اور جام نگر، جو تقریباً ایک ہزار میل کے فاصلے پر ہے، وہاں کی اطلاع دو عینی شہادت پر مبنی تھی، موصول ہوئی اور جمعیۃ العلماء بمبئی نے بلا حدود قائم کئے ہوئے فتویٰ جاری کیا کہ ایک روزہ قضا رکھا جائے اور چاند ۲۹ رشعبان کا مانا جائے، لہٰذا ایک ورق اشتہار منسلک تحریر ہذا بنا بر تحقیق وصدور فتویٰ ارسال ہے۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ ہم اس روزہ کی قضا کریں، یا نہیں؟ اور یہ ہم پر واجب ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۱۴۴، عبدالرحمٰن میمن باندرہ، بمبئی، ۲۱ رشوال ۱۳۵۶ھ، مطابق ۲۵ ردسمبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

ہاں ثبوت رؤیت کے بعد ایک روزہ کی قضا واجب ہے اور اشتہار مطبوعہ میں جو حکم دیا گیا ہے، وہ صحیح ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۲۴۲/۴)

تیسویں تاریخ کو زوال کے بعد چاند دیکھ کر افطار کیا تو قضا وکفارہ دونوں لازم ہوں گے:

سوال: اگر رمضان کی تیس تاریخ کو بعد زوال چاند دیکھا گیا، اب بحسب شرع اسی وقت افطار کرنا چاہیے، یا بعد غروب آفتاب؟ اور اگر قبل از غروب افطار کر لیا تو قضا وکفارہ دونوں لازم ہوں گے، یا نہیں؟ مجموعۃ الفتاوی، جلد سوم، ص:۶۹ (۲) میں امام مسلم کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

”إذا رأيتم الهلال فصوموا وإذا رأيتموه فأفطروا“. (۳)

---

(۱) فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب) إذا ثبت عندهم رؤية أولئک بطريق موجب، كما مر، إلخ. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده: ۳۹۴/۲، طبع سعيد)

(۲) کتاب الصوم: فصل مدار صوم وافطار رمضان کدام چیز است: ۲۴۸/۳، ط: امجد اکادمی لاہور

(۳) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا رأيتم الهلال فصوموا وإذا رأيتموه فأفطروا، إلخ. (الصحيح لمسلم: كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، إلخ: ۳۴۷/۱، ط: قديمي)

حاشیہ عالمگیری فتاوی بزازیہ، ص: ۱۱۳۰ میں ہے:

" أی هلال الفطر وقت العصر فظن انقضاء مدته و أفطر قال فی المحیط اختلفوا فی لزوم الكفارة و الأكثر علی الوجوب". (۱)

ان دونوں عبارتوں کا کیا مطلب ہے؟

الجواب

دن میں رویت ہلال کا کوئی اعتبار نہیں زوال سے پہلے ہو، یا بعد زوال۔

"ورؤيته نهارًا قبل الزوال وبعده (غير معتبر علی) ظاهر (المذهب) وعليه أكثر المشائخ وعليه الفتوی، بحر عن الخلاصة". (۲)

بزازیہ کی عبارت کا بھی یہی مطلب ہے۔ حدیث "إذا رأیتم إلخ" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دن میں چاند دیکھو اور روزہ توڑ ڈالو؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ روزے کے وجوب وفطر کا دارومدار رؤیت شرعیہ معتبرہ پر ہے اور رؤیت شرعیہ معتبرہ وہی ہے، جو بعد غروب شمس ہو، قبل غروب کی رؤیت معتبر نہیں۔ پس جب کہ رمضان کی تیس تاریخ کو بعد زوال چاند دیکھا تو روزہ غروب شمس تک پورا کرنا واجب ہے، اگر دن میں افطار کرلیں گے تو قضاوکفارہ دونوں واجب ہوں گے۔ (۳) (کفایت المفتی: ۲۱۲/۴-۲۱۳)

تیسویں کو غروب سے پہلے چاند دیکھ کر افطار کیا تو قضاوکفارہ دونوں لازم ہیں:

سوال: امسال رمضان شریف کی تیسویں تاریخ کو آفتاب غروب ہونے سے پہلے چاند نکل آیا تھا، بعض جاہلوں نے چاند دیکھتے ہی فوراً روزہ افطار کرلیا، ان پر اس دن کی صرف قضا ضروری ہے، یا قضاوکفارہ دونوں؟

(المستفتی: مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور)

الجواب

جن لوگوں نے غروب سے پہلے افطار کرلیا قضاوکفارہ دونوں واجب ہیں۔ (۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۴۳/۴)

(۱) الفتاویٰ البزازیة علیٰ هامش الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصوم: الفصل الثالث فیما یفسده، وما لایفسده، الخ: ۱۰۰/٤، طبع کوئٹة

(۲) الدر المختار، کتاب الصوم، سبب صوم رمضان: ۳۹۳/۲، ط: قدیمی

(۳) رأی هلال الفطر وقت العصر فظن انقضاء مدته، قال فی المحیط، اختلفوا فی لزوم الکفارة، والأکثر علی الوجوب. (البزازیة، علیٰ حاشیة الهندیة، کتاب الصوم: فصل فیما یفسده ومالایفسده، الخ: ۱۰۰/٤، ط: کوئٹة)

(۴) رأی الهلال وقت العصر فظن القضاء مدته، وأفطر، قال فی المحیط، اختلفوا فی لزوم الکفارة والأکثر علیٰ الوجوب. (البزازیة، علیٰ هامش الهندیة، کتاب الفصل، فصل فیما یفسد الصلاة وما یکره فیها، إلخ: ۱۱۰/۱، کوئٹة)

وجوب قضا صوم با نزال کہ بقبلہ ومس شود:

سوال: ایک شخص نے نیت روزہ رمضان کی کی اور علی الصباح اتفاقیہ طور پر زوجہ سے اختلاط کیا، حالت اختلاط میں بحالت بے اختیاری انزال ہوگیا، اسی وقت اس نے غسل کیا اور نماز صبح با جماعت ادا کی اور تمام دن روزے سے رہا، ایسی حالت میں اس شخص کو قضا اور کفارہ دونوں دینا چاہیے، یا صرف قضا کرے، یا قضاوکفارہ دونوں معاف ہیں؟ کیا صبح صادق سے طلوع آفتاب تک وہی احکام ہوں گے، جو بعد طلوع آفتاب، یا غروب کے ہیں؟

الجواب

فی الهداية: ولو أنزل بقبلة أو لمس فعليه القضاء دون الكفارة.(۱)

اس سے ثابت ہوا کہ اگر بوس وکنار سے انزال ہو جائے تو اس روزے کی قضا لازم آوے گی، کفارہ نہ ہوگا؛ لیکن اس روز بھی کھانا پینا دن بھر جائز نہ ہوگا اور یہ جواب اس صورت میں ہے کہ سوال میں اختلاط سے مراد بوس وکنار ہو اور اگر مراد صحبت و جماع ہے تو دوسرے جواب ہے کہ قضاوکفارہ دونوں لازم ہیں، جیسا کہ ظاہر ہے اور طلوع صبح صادق کے بعد کے وقت کا وہی حکم ہے، جو طلوع آفتاب کے بعد کا حکم ہے۔ واللہ اعلم

۱۱؍رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ (امداد: ۱/۱۷۶) (امداد الفتاوی: ۲/۱۲۵)

بوس وکنار سے انزال ہو جائے تو صرف قضا لازم ہے، کفارہ نہیں:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۴؍جنوری ۱۹۳۵ء)

سوال: اگر کوئی شخص روزے میں جان بوجھ کر عورت مرد سے لپٹ جائے اور اس کو شہوت ہو اور انزال ہو جائے تو روزہ کی قضا واجب آئی، یا کفارہ بھی؟

الجواب

اس صورت میں روزے کی قضا لازم ہوگی، کفارہ واجب نہ ہوگا۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۴/۲۴۲)

قے کو مفطر صوم جان کر پھر قصداً کھانے سے کفارہ وقضا کا حکم:

سوال: ایک بیمار شخص رمضان شریف کا روزہ دار تھا، صبح اس پر قے غالب ہوئی اور اس نے منہ بھر قے کی، پھر

---

(۱) الهداية، كتاب الصوم، فصل فى رؤية الهلال: ۱/۱۲۳، انيس

(۲) وكذا فى تقبيل الأمة والغلام وتقبيلها زوجها إذا رأت بللاً وإن وجدت لذة، ولم تر بللاً فسد عند أبى يوسف، إلخ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فى مايفسد ومالا يفسد: ۱/۲۰٤، مكتبة رشيدية، كوئٹة)

تشنگی غالب ہوئی؛ مگر بخوف روزہ فاسد ہو جانے کے کچھ دوا نہیں پی؛ کیوں کہ وہ شخص جانتا تھا کہ قے ہونے سے روزہ نہیں جاتا؛ مگر ایک دوسرے آدمی سے یہ خیال صحیح کرنے کے لیے بعد نماز پوچھا کہ قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یا نہیں؟ تو اس آدمی نے کہا کہ قے ہونے سے روزہ جاتا رہا، اگر تکلیف ہے تو افطار کرلو، چناں چہ اس بیمار نے بعد نماز جمعہ دوا دافع تشنگی پی لی، بعد ازاں معلوم ہوا کہ قے ہونے سے روزہ نہیں جاتا۔ پس اس صورت میں اس روزہ کی قضا رکھنا پڑے گا، یا دونوں؟ یعنی کفارہ وقضا ادا کرنا پڑیں گے اور بیمار مذکور کا افطار کرنا قصداً سمجھا جائے گا، یا غلطی سے؟ اگر قصداً ہے تو قضا کفارہ دونوں دینے پڑیں گے اور اگر مغالطہ سے ہے تو قضا کفارہ کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ مالا بدمنہ فارسی میں لکھا ہے کہ اگر دوا، یا غذا قصداً خورد کفارہ واجب بود؛ مگر محشی صاحب خزانۃ المفتین وعالمگیری کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ایں سخن وقتے ست کہ دوا وغذا برائے اصلاح بدن وبدل ما یتحلل مقرر بودہ باشد؛ یعنی اوراز جنس وقتے ست کہ دوا وغذا اقرار دادہ باشند والا کفارہ لازم نیاید، آرے قضاء واجب روزہ رمضان شود، کذا خزانۃ المفتین۔ (ہکذا فی العالمگیریۃ، ص:۲) کفارہ روزہ رمضان کا کیا قاعدہ ہے؟ اس کی مقدار کیا ہے؟ فقط

الجواب

عامی کا فتویٰ مورث شبہ شرعاً نہیں، لہٰذا یہ افطار متعمداً سمجھا جائے گا، پس اگر تشنگی قابل برداشت تھی تو افطار سے قضا کفارہ دونوں لازم ہیں۔

فی الدر المختار: (أو احتجم) ... (فظن فطره به فأكل عمداً قضى) ... (وكفر) لأنه ظن في غير محله حتىٰ لو أفتاه مفت يعتمد علىٰ قوله ... لم يكفر للشبهة. (۱)

في رد المحتار: ويشترط أن يكون المفتي ممن يؤخذ منه الفقه ويعتمد علىٰ فتواه في البلدة. (۲)

کفارہ کے ساٹھ روزے متواتر رکھے۔ فقط

۸/رمضان ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولی، ص:۶۶) (امداد الفتاوی:۲/۱۳۸)

قے ہوئی تو اس خیال سے کہ اب روزہ نہ رہا پانی پی لیا تو صرف قضا ضروری ہے:

سوال (۱) ہیضہ پھیلا ہوا تھا، ایک شخص کو قے اور دست آنے لگے، رمضان شریف کا مہینہ تھا، وہ روزہ سے تھا، جب قے آئی تو وہ شخص یعنی مریض خود اور اس کے پاس والوں نے یہ سمجھا کہ اب روزہ ٹوٹ گیا ہے، مریض نے پانی مانگا لوگوں نے پانی پلا دیا، اب اس کے ذمے کفارہ اور قضا دونوں ہیں، یا صرف قضا؟

(۱) الدر المختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم: ۲/۴۱۱، انيس

(۲) ردالمحتار، كتاب الصوم: ۲/۱۷۴

پیٹ میں تکلیف کی وجہ سے روزہ توڑ دیا، تو صرف قضالازم ہے:

(۲) اسی طرح ایک شخص کے پیٹ میں درد ہوا، وہ رمضان شریف میں روزے سے تھا، لوگوں نے اس کو مجبور کر کے دوا پلا دی، حالاں کہ وہ انکار کر رہا تھا، گھر والوں نے کہا کہ جو کچھ کفارہ کے بدلے میں فدیہ دینا ہوگا، ہم دے دیں گے۔ اب اس پر قضاوکفارہ دونوں ہیں، یا صرف قضا؟

(المستفتی: مولوی عبدالرؤف خاں، جگن پور، ضلع فیض آباد)

الجواب

دونوں کے ذمے صرف قضا واجب ہے، کفارہ نہیں۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۴۲/۴-۲۴۳)

مرض کی وجہ سے روزہ قضا کرنا:

سوال: اگر مریض زیادتی مرض کی وجہ سے روزہ افطار کرلے تو اس پر قضالازم ہوگی، یا کفارہ؟

الجواب

صرف قضالازم ہے، کفارہ نہ ہوگا۔ عالمگیریہ میں ''أعذار مبیحة للإفطار'' کی بحث میں ہے:

ومنها المرض: المریض إذا خاف علیٰ نفسه التلف أو ذهاب عضو یفطر بالإجماع وإن خاف زیادة العلة وامتداده فکذلک عندنا وعلیه القضاء إذا أفطر، کذا في المحیط، انتهیٰ.(۲)

(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۳۸)

مسافر اگر روزہ افطار کرلے تو کفّارہ نہیں:

سوال: مسافر درسفر بوجود قصر روزۂ رمضان روزہ نہاد، پس بمیانِ نیمروز آں روزہ نہادہ را عمداً افطار ساخت آیا کفّارہ واجب گردد، یا قضا؟(۳)

---

(۱) أو ذرعه القيء فظن أنه فأفطر فأكل عمداً، فلا كفارة عليه، لوجود شبهة الإشتباه فإن القيء والاستسقاء متشابهان إلخ. (رد المحتار، کتا ب الصوم، مایفسد الصوم ومالا لایفسده: ۳۶٦/۳، دارعالم الکتب الریاض، انیس)

ومفطر لو مكرها، أو خطاء، وصبي بلغ، وكافر أسلم، وكلهم يقضون، إلخ. (الدر المختار، كتاب الصوم: ۴۰۸/۲، طبع سعید)

(۲) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبیح الإفطار: ۲۳۰/۱، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

(۳) ترجمۂ سوال: ایک مسافر، سفر میں رمضان کے روزہ کی رخصت کے باوجود روزہ رکھا، پھر آدھے ہی دن میں اس رکھے ہوئے روزہ کو جان بوجھ کر توڑ دیا تو کیا اس پر کفّارہ واجب ہوا، یا صرف قضا؟ انیس

الجواب

(وللمسافر)الذی أنشأ السفرقبل طلوع الفجر إذ لایباح له الفطربإنشائه بعد ما أصبح صائماً.(۱)

قال الطحطاوی:لکن إذا أفطرلا کفّارة علیه.(نورالإیضاح مع الطحطاوی)(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ مسافرافطارکردے تو کفّارہ نہیں۔

۲۹/ذی قعدہ ۱۳۴۰ھ۔(امدادالاحکام:۱۳۵/۳)

جوشخص تمام عمرسفرمیں رہے، وہ قضا کرے، یانہیں:

سوال: ایک شخص اکثرسفرمیں رہتاہےاوررمضان بھی سفرمیں گزرتاہے،رمضان کے بعداس کواقامت کاموقع نہیں ملتاہے،اگرساری عمراس کواقامت کاموقع نہ ملےتو قضارمضان اس پرلازم ہوگی،یانہیں؟اوروصیت فدیہ بھی اس پرلازم ہے،یانہیں؟بینواولکم الاجرالجزیل۔

الجواب

نص قرآنی میں قضائے مسافرومریض کاسبب وجوب صیام عدۃ من ایام اُخرکاادراک بتلایاہے،سواگرادراک ایام ہواتو قضائےصوم بقدرادراک واجب ہوگی،ورنہ وجوب نہیں ہوتا،خواہ مرض وسفرتمام عمررہے۔

(فلا تجب)علیهم (الوصیة بالفدیة) لعدم إدراکهم عدة من أیام أخر(ولوماتوا بعد زوال العذروجبت) الوصیة بقدرإدراکهم عدة من أیام أخر.(فی الدرالمختار)(۳)

(تتمہ خامسہ،ص:۱۴۹)(امدادالفتاوی:۱۴۴/۲)

قضاءرمضان کامسئلہ:

سوال: ایک شخص کے ذمے دورمضانوں کے روزے ہیں،اس نے رات کوقضاءرمضان کاروزہ رکھنے کی نیت کی؛لیکن پہلے رمضان یادوسرے رمضان کی تعیین نہیں کی،مطلق قضاءِرمضان کی نیت کرلی تووہ روزہ قضا کی جانب سے صحیح ہوجائے گا،یانفل ہوگا؟بینواتوجروا۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں وہ روزہ قضاءِرمضان میں محسوب ہوجائے گا،نفل نہ ہوگا۔

---

(۱) مراقی الفلاح،کتاب الصوم،فصل فی العوارض: ۲۵۸/۱،انیس

(۲) فصل فیما یثبت به الهلال: ۴۳۳/۱،شاملة

(۳) الدر المختارعلیٰ هامش رد المحتار،کتاب الصوم،باب ما یفسد الصوم ومالا یفسده،فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم:۴۰۶/۳،دارعالم الکتب،ریاض،انیس

قال في العالمگيرية (١٢٦/١) إذا وجب عليه قضاء يومين من رمضان واحد ينبغي أن ينوی أول يوم وجب عليه قضائه من هٰذا الرمضان،وإن لم يعين الأول يجوزوكذا لوكان عليه قضاء يومين من رمضانين هوالمختارولونوٰی القضاء لاغيريجوزوإن لم يعين كذا فی الخلاصة،آه.(١)والله أعلم

۶؍شوال ۱۳۴۰ھ (امدادالاحکام:۳؍۱۴۱)

نفل روزہ کے ایام میں رمضان کی قضا کرنے سے کیا قضا اور نفل دونوں کا ثواب ہوگا:

سوال: اگر کسی شخص نے رمضان کی قضا ایسے ایام میں کی کہ ان میں نفلی روزہ بھی مستحب اور سنت ہے تو ثواب نفلی روزہ کا بھی ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں وہ روزے قضا کے ہوئے، نفلی روزے کا ثواب اس میں نہ ہوگا۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶؍۴۹۵)

عمل بر تخمین در تعداد صیام فاسدہ:

سوال: اگر کسی شخص کے دو تین سال کے رمضان کے چند روزے گئے؛ لیکن سال یاد نہیں کہ کس کس سال کے رمضان کے گئے ہیں؛ مگر غالب گمان سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں فلاں سال کے رمضان کے روزے گئے ہیں؛ لیکن کسی رمضان میں تو بعض روزے بسبب جماع کے گئے ہیں اور بعض کسی دوسرے سبب سے گئے ہیں، جس سے صرف قضا واجب ہوتی ہے اور کسی رمضان میں صرف قضا والے روزے گئے ہیں؛ مگر پورے طور سے یاد نہیں کہ اس رمضان کے کفارے والا روزہ نہ گیا ہے اور یہ بھی یاد نہیں کہ ہر رمضان میں کتنے روزے گئے ہیں؛ مگر اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ پانچ پانچ، یا چھ روزے گئے ہوں گے اور یہ یاد نہیں کہ ہر رمضان میں کتنے روزے بسبب جماع کے گئے ہیں اور کتنے روزے دوسرے سبب سے گئے ہیں؛ یعنی اسی سبب سے جس سے صرف قضا واجب ہے تو اب ان روزوں کی قضا وکفارہ کس طرح ادا کرے، اور نیت بھی کس طرح کرے؟

الجواب

غالب تخمینہ پر عمل کرے، احتیاط کے لیے دو چار اور بڑھا دے اور نیت میں اول صوم واجب کہ لینا کافی ہے۔

۲۱؍جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص:۳۵) (امدادالفتاوی:۲؍۱۴۰)

(۱) الفتاویٰ الهندية،الباب الأول فی تعريفه وتقسيمه وسببه: ١٩٦/١،انيس

قضاروزوں کی نیت ”میرے ذمے جتنے قضاروزے ہیں، ان میں سے پہلا روزہ رکھتا ہوں“ کرنا صحیح ہے:

سوال (۱) قضا روزوں کی نیت اس طرح کرنا کہ ”میرے ذمہ جتنے روزے قضا ہیں، ان میں سے پہلا روزہ رکھتا ہوں“ صحیح ہے، یانہیں؟

روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھنے والا ہر روزے کے بدلے پونے دوسیر گندم، یااس کی قیمت دے سکتا ہے:

(۲) جس شخص میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہوتو وہ روزے کا کفارہ بصورت غلہ، یا نقدادا کرسکتا ہے، یانہیں؟ اگرادا کرسکتا ہے تو کس طرح ادا کرے؟

(المستفتی: ۱۳۰۴، امانت علی صاحب، روڑکی ضلع سہارنپور، ۷/ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ، ۲۱/جنوری ۱۹۳۷ء)

الجواب

(۱) قضاروزوں کی یہ نیت درست ہے کہ میرے جتنے روزے قضا ہیں، ان میں سے پہلا روزہ قضارکھتا ہوں۔(۱)

(۲) کفارہ کے روزے ادا کرنے کی طاقت نہ ہوتو ان کا کفارہ بصورت نقد، یا بصورت غلہ ادا کرنا جائز ہے۔(۲) ساٹھ روزے کے کفارہ کا غلہ فی روزہ پونے دوسیر گیہوں کے حساب سے ادا کیا جائے، یا اتنی مقدار کی قیمت دی جائے (۳) ایک روزہ توڑنے کا کفارہ گیہوں کی صورت میں ایک من ۲۵/سیر گیہوں ہوئے ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ ساتھ مسکینوں کوایک دن پونے دوسیر پونے دوسیر گیہوں دے دیئے جائیں، یاایک مسکین کو ہر روز پونے دوسیر گیہوں دے دیئے جائیں، ساٹھ دن تک دیتے رہیں۔(۴) مجموعی قیمت کسی مدرسہ کوبھیجیں تو اس میں بھی تصریح کر دیں کہ یہ کفارہ کی رقم ہے؛ تاکہ قاعدہ کے موافق صرف کی جاسکے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۴/۲۴۱-۲۴۲)

ایام سرما میں قضارکھنے سے ثواب میں کمی نہیں ہوتی:

سوال: جن لوگوں کے روزے ماہ رمضان میں بسبب عذر کے قضا ہوجاتے ہیں، ان کوموسم سرما میں ادا کرنے سے ثواب میں کمی تو نہ ہوگی؟

---

(۱) كثرة الفوائت نوىٰ أول ظهرعليه أوآخره.(الدرالمختار، كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت: ۲/۷٦،سعيد)

(۲) وكفر ككفارة المظاهر،قوله،ككفارة المظاهر،وكفرأى مثلها فى الترتيب،فيعتق أولافإن لم يجدصيام شهرين متتابعين فإن لم يستطع أطعم ستين مسكينًا لحديث،الأعرابى المعروف فى الكتب الستة،إلخ.(رد المحتار، كتاب الصوم:مطلب فى الكفارة: ۲/٤۱۲،سعيد)

(۳) (فإن عجزعن الصوم) ... (أطعم) ... (ستين مسكينًا) ... (كالفطرة)،أى نصف صاع من برٍأوصاع من تمرٍأو شعير.(رد المحتار،باب كفارة الظهار: ۳/٤۷۸،سعيد)

(۴) (كما) جاز(لوأطعم واحدًا ستين يومًا).(رد المحتار،باب كفارة الظهار: ۳/٤۷۹،سعيد)

الجواب

ایام سرما میں قضا روزوں کی کرنے سے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔(۱) فقط (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۶/۳۲۰)

رمضان کے روزہ کے بجائے نفل روزہ:

سوال: اگر رمضان کا ایک روزہ چھوٹ جائے تو بعد میں نفل روزے رکھنے سے اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب

اگر کسی شخص نے طبعی عذر کی بنا پر رمضان میں روزہ نہیں رکھا، جیسے: عورتیں حیض ونفاس کی وجہ سے، یا کوئی مریض اپنی سخت بیماری کی وجہ سے اور اس نے بعد میں قضا کرلی تو امید ہے کہ اسے اتنا ہی ثواب ملے گا، جتنا رمضان میں روزہ رکھنے سے ثواب حاصل ہوتا ہے؛ لیکن اگر بلا عذر روزہ توڑ دے تو قضا اور بعد میں نفل روزے اس کمی کو پورا نہ کرسکیں گے، جو رمضان المبارک جیسے مہینے میں روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر رمضان میں روزہ نہ رکھے اور پھر عمر بھر بھی روزہ رکھے، تو یہ رمضان کے روزہ کے برابر نہیں ہوسکتا''۔(۲)

اللہ تعالی ایسی محرومی سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔(کتاب الفتاویٰ:۳/۴۱۲-۴۱۳)

روزہ کا کفارہ کیا اور کب:

سوال: اگر کوئی شخص کسی وجہ سے ایک یا کئی روزہ توڑ دے تو اس سے کیا کفارہ ادا کرنا پڑے گا؟

(محمد جہانگیر الدین، باغ امجد الدولہ)

الجواب

اگر کسی شخص نے روزہ رکھنے کی نیت ہی نہیں کی تھی تو یہ بہت بڑا گناہ ہے، اسے توبہ کرنا چاہیے اور ایک روزہ کی قضا کرلینی چاہیے اور اگر روزہ کی نیت کر چکا تھا، پھر بلا عذر جان بوجھ کر روزہ توڑ دے تو اب کفارہ یہ ہے کہ ایک روزہ کے بدلہ مسلسل ساٹھ روزے رکھے جائیں اور اگر روزے نہیں رکھ سکتا تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا ایسا کھانا کھلائے کہ وہ آسودہ ہوجائیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کفارہ کی صراحت آئی ہے اور اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آیا تھا۔(۳) (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۱۲)

(۱) لمسافر ... أومريض ... الفطريوم العذر ... وقضوا) لزوماً (ما قدروا بلا فدية و) بلا (ولاء). (الدر المختار، كتاب الصوم: ۳/۴۰۳-۴۰۵، مكتبة زكريا ديوبند)

(۲) سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۲۲۹۶

(۳) الجامع للترمذی، رقم الحديث: ۷۲۴، صحيح البخاری، رقم الحديث: ۹۸۴

کفارہ کے روزے اگر چاند کے حساب سے رکھے تو دو ماہ ضروری ہے، اگر چہ ساٹھ سے کم ہو:

سوال: روزہ رمضان کے کفارہ میں دو مہینے پے در پے روزہ چاند کی پہلی تاریخ سے شروع کرے تو دو مہینے چاند کے حساب سے کافی ہیں، یا دنوں کے حساب سے ساٹھ روزے رکھنا ضروری ہے؟

الجواب

اگر چاند دیکھ کر کفارہ رمضان کے روزے رکھے جائیں تو ساٹھ روزے پورے کرنا ضروری نہیں؛ بلکہ پورے دو مہینے کے روزے رکھنا کافی ہے، خواہ وہ ساٹھ ہوں، یا ساٹھ سے کم ہوں۔

(فإن لم يجد) المظاهر (مايعتق) صام شهرين ولو ثمانية وخمسين بالهلال وإلا، فستين يومًا متتابعين وكذا كل صوم شرط فيه التتابع. (الدر المختار)

(قوله: وكذا كل صوم، الخ) ككفارة قتل أو إفطار، الخ. (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۴۱/۴)

ادائے کفارہ صوم میں تعین سال کا اور صوم کفارہ میں تتابع ضروری ہے:

سوال: ایک شخص پر دو رمضان کے دو روزوں کے کفارے تھے، چند سال ہوئے کہ اس نے بلا تعین اس سال کے کہ جس میں روزہ توڑا تھا، ایک روزہ کا کفارہ دیا تو یہ کفارہ کسی رمضان کا صحیح ہوا، یا نہیں؟ اور کون سے رمضان کا ہوا، پہلے کا، یا بعد کا؟ اب دوسرے رمضان کا کفارہ بتعین سال اب دے رہا تھا، پندرہ روزے رکھے تھے کہ سولہویں روزے کو رات سے نیت کرنا بھول گیا اور بعد از زوال یاد آیا کہ میں فلاں سال کے روزے کا کفارہ دے رہا ہوں اور آج نیت کرنا تمام شب مجھ کو یاد نہ آیا، غرض وہ بھی روزہ پورہ کیا اور آئندہ روزہ رکھ رہا ہے تو اب یہ فرمائیے کہ جب ساٹھ روزے رکھ لیوے تو کفارہ پورا ہو جاوے گا، یا نہیں؟ کیوں کہ کفارہ میں رات سے نیت کرنا ضروری ہے کہ جو اس نے سہواً ترک کی اور اگر اوّل کے روزے میں نیت شرط ہو تو معلوم نہیں اور اگر اس کی بیوی نے حسب معمول روزمرہ کے خواب سے اس کو جگا کر کھانا سحر کا کھلایا ہو اور اس کو کھانا کھاتے میں روزے کا خیال نہ آیا، یا قریب صبح کے پانی پینے کی ضرورت ہوئی اور اس نے بخیال اس کے کہ اب صبح ہوگئی؛ اس لیے پانی نہ پیا ہو؛ مگر روزے کا خیال نہ آیا ہو تو بھی وہ کفارہ صحیح ہو جاوے گا، یا نہیں؟ اگر نہ ہوگا تو اس ایک روزے کی اگر قضا ادا کرے تو صحیح ہوگا، یا نہیں؟ یا از سر نو ساٹھ روزے رکھے؟

الجواب

في الدر المختار: والشرط للباقي من الصيام (قول منها صوم الكفارة) قران النية للفجر ولو حكماً وهو تبييت النية للضرورة وتعيينها، آه.

(۱) ردالمحتار، باب الكفارة: ۴۷۶/۳، طبع سعيد

وفيه: ولو تكرر فطره ولم يكفر للأول يكفيه واحدة ولو في رمضانين عند محمد وعليه الإعتماد.

في رد المحتار: قوله وعليه الاعتماد ونقله في البحر عن الإسرار ونقل قبله عن الجوهرة لو جامع في رمضانين فعليه كفارتان وإن لم يكفر للأولٰى في ظاهر الرواية وهو الصحيح، آه.

قلت: فقد اختلف الترجيح كما ترىٰ ويتقوى الثاني بأنه ظاهر الرواية، آه.

وفي الدر المختار باب الظهار: والأصل نية التعيين في الجنس المتحد سببه لغو وفي المختلف سببه مفيد.

وفي رد المحتار: ولذا كان صوم رمضان من قبيل الأول والصلوٰة من الثاني وكذا صوم يومين من رمضانين (أي هو من قبيل المختلف السبب).

ان (فقہی) روایات سے ثابت ہوا کہ جب اوّل کفارہ میں اس نے سال کی تعیین نہیں کی تو کسی سال کا بھی کفارہ نہیں ہوا، (۱) اگر ایک کی تعیین کر لیتا تو اس کا ادا ہو جاتا، خواہ وہ اوّل ہوتا، خواہ دوسرا؛ مگر دوسرا کفارہ بوجہ اس کے کہ درمیان میں ایک روزہ صحیح نہیں ہو، درست نہیں ہوا۔ اب از سرِ نو دونوں روزوں کے کفارے ادا کرنا پڑیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ شوال ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۵۹) (امداد الفتاوی: ۱۳۴/۲)

کفارۂ صوم میں رمضان اور عید الفطر مبطل رہتا ہے:

سوال: اگر رجب کی یکم کو کفارۂ رمضان کا روزہ شروع نہ کر سکا تو اب اگر یہ شخص ۲/رجب سے صیامِ کفارہ کو شروع کرے تو درمیان میں رمضان وعید الفطر کے واقع ہونے سے تتابع باطل نہ ہوگا، یا باطل ہو جائے گا اور اس کو از سرِ نو استیناف کرنا ہوگا؟

الجواب

صورتِ مسئولہ میں رمضان وعید الفطر کا توسط مبطلِ تتابع ہے، بعد رمضان کے پھر ساٹھ روزے از سرِ نو رکھنے پڑیں گے۔

قال في الدر: (صام شهرين متتابعين ولو ثمانية وخمسين) بالهلال وإلا فستين يوماً ... (ليس فيهما رمضان وأيام نهي عن صومها) وكذا كل صوم شرط فيه التتابع (فإن أفطر بعذر) كسفر ونفاس بخلاف الحيض (أو بغيره أو وطئها) أي المظاهر استأنف الصوم، آه. (الدر المختار، باب الظهار: ۵۹۶/۲-۵۹۷) والله أعلم

غرّہ رجب ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۱۳۶/۳-۱۳۷)

(۱) یہ حکم جب ہے کہ روزہ جماع سے توڑا ہو، اگر غیر جماع سے توڑا تو قول راجح پر ایک ہی کفارہ واجب ہوگا، لہذا تعیین کی ضرورت نہ رہی اور دونوں سالوں کا کفارہ ادا ہوگیا۔ رشید احمد عفی عنہ

تداخل کفارات صوم؛ یعنی کئی روزوں کے لیے ایک کفارہ کافی ہے:

سوال: اوائل عمر میں مجھ سے کچھ روزے قصداً فوت ہوئے اور جہاں تک مجھے یاد ہے، تخمیناً پندرہ، یا بیس ہوں گے، اب ان کی اگر قضا کرنا چاہوں تو بموجب حکم شرع ہر روزہ کے عوض دو مہینے کے روزے چاہییے اور متتابعین بھی شرط ہے، اس شرط پر عملدرآمد بہت مشکل معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے نقاہت بوجہ قلت غذا کے فی الحال بہت ہے اور باوجود اس کے بھی دو چار برس تک برابر روزہ رکھوں تو غالباً بوجہ زیادتی نقاہت فرائض عبادت میں بھی قصور ہوگا اور علاوہ اس کے بہت سے حقوق ضائع ہوں گے، پس ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب ——————————————

قضا تو ان روزوں کی عدد میں برابر کرنا ظاہر ہے کہ ضروری ہے؛ یعنی بیس روزے تھے تو بیس روزے رکھنا چاہیے۔ اب رہ گیا کفارہ بوجہ اس کے کہ روزوں کو عمداً توڑا ہے؛ یعنی جب کہ شروع کر کے توڑ دئے ہوں تو اس میں اقوال مختلفہ ہیں۔ امام محمدؒ کے نزدیک دو رمضان، یا زیادہ کے روزوں کے کفارہ میں بھی تداخل ہوجاتا ہے۔ (کمافی الدرالمختار) پس اگر حالت مذکورہ سوال میں اس قول پر عمل کرلیا جاوے، جائز ہے۔ پس اس بنا پر ساٹھ روزے علی التواتر کفارہ کی نیت سے رکھنا واجب ہوگا، اس سے کسی طرح مفر نہیں اور اگر شروع کر کے نہیں توڑے؛ بلکہ سرے سے نیت ہی نہیں کی تو صرف برابر سرابر قضا لازم ہے، کفارہ لازم نہیں۔ فقط

۳۰ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولی، ص:۶۰) (امداد الفتاوی: ۱۳۴/۲)

تحقیق وتفصیل تداخل کفارات صوم:

سوال: ایک رمضان کے چار پانچ روزوں کی طرف سے ایک کفارہ (یعنی ساٹھ روزے) کافی ہے، یا نہ؟ اگر کافی ہے تو اس کے کافی ہونے میں یہ شرط بھی ہے کہ سب روزے ایک ہی سبب سے ٹوٹے ہوں، یا یہ شرط نہیں؟

الجواب ——————————————

آئندہ کے جواب میں اس کا جواب بھی آجاوے گا۔

۲ر جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (امداد الفتاوی: ۱۳۴/۲)

سوال: بہشتی زیور حصہ سوم میں مرقوم ہے: ''مسئلہ: اگر ایک ہی رمضان کے دو تین روزے توڑ ڈالے تو ایک ہی کفارہ واجب ہے، البتہ اگر دونوں روزے ایک رمضان کے نہ ہوں تو الگ الگ کفارہ دینا پڑے گا، انتہیٰ''۔ اس مسئلہ سے مطلقاً معلوم ہوتا ہے کہ خواہ کوئی بھی سبب سے کئی ایک روزے گئے ہوں، ایک کفارہ کافی ہے اور کسی سبب کی تحقیق نہیں، بشرطیکہ ایک رمضان کے ہوں۔ بہشتی گوہر میں تتمہ حصہ سوم بہشتی زیور میں مذکور ہے: ''مسئلہ سوائے جماع کے اور

کسی سبب سے اگر کفارہ واجب ہوا ہو اور ایک کفارہ ادا نہ کرنے پایا ہو کہ دوسرا واجب ہو جاوے تو ان دونوں کے لیے ایک ہی کفارہ کافی ہے، اگر چہ دونوں کفارے دو رمضان کے ہوں۔ ہاں جماع کے سبب سے جتنے روزے فاسد ہوئے ہوں، ہر ایک کا کفارہ علاحدہ رکھنا ہو، اگر چہ پہلا کفارہ ادا نہ کیا ہو، انتہی''۔ اس مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر روزے بسبب جماع کے گیے ہوں تو ایک کفارہ کافی نہیں، اگر چہ ایک رمضان کے ہوں اور اگر سوا جماع کے دوسرے سبب سے کفارہ واجب ہوا ہو تو ایک کفارہ کافی ہے، اگر چہ دو رمضان کے ہوں۔ پس مثلاً اگر کسی شخص کے دو رمضان کے ملا کر روزے کسی اور سبب سے سوا جماع کے گئے تو مطابق مسئلہ اولی کے ایک کفارہ کافی ہے اور مطابق مسئلہ ثانیہ کے پانچ کفارہ رکھنا پڑیں گے، پس کون سی بات ٹھیک ہے؟ (۱)

الجواب

بہشتی زیور کی سند میں تو اس وقت کوئی روایت نہیں ملی، مولوی احمد علی صاحب مرحوم نے معلوم نہیں وہ مسئلہ کہاں سے لکھا ہے، البتہ بہشتی گوہر کے موافق روایت درمختار ورد المختار میں موجود ہے؛ لیکن اول مسئلہ تو بلا اختلاف اور دوسرا باختلاف۔ فقط (امداد الفتاویٰ: ۱۳۶/۲)

عدم وجوب تقدیم قضا بر کفارہ:

سوال: جناب نے قضا روزں کی بابت تحریر فرمایا دیا تھا کہ سب روزوں کا کفارہ ساٹھ روزے ہوں گے، اب یہ عرض ہے کہ قضا روزے پہلے رکھے جاویں یا کفارہ کے روزے پہلے رکھے جاویں؟

الجواب

فی رد المحتار تحت قول الدر المختار: قضٰی و کفر مانصه و إنما قدم القضاء اشعاراً بأنه ینبغی

(۱) حاشیہ بہشتی گوہر، از مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ: اس مسئلہ میں تین مسلک ہیں، ایک یہ کہ قبل کفارہ مطلقا تداخل ہوسکتا ہے۔ دوم یہ کہ ایک رمضان میں مطلقاً تداخل ہوسکتا ہے اور دو رمضان میں مطلقا نہیں ہوسکتا۔ سوم یہ کہ کفارہ جماع میں مطلقاً تداخل نہیں ہوسکتا اور کفارہ غیر جماع میں مطلقا تداخل ہوسکتا ہے۔ بہشتی زیور میں مسلک دوم کو اختیار کیا ہے اور بہشتی گوہر میں مسلک سوم کو۔ یہ اختلاف رائے مولوی احمد علی صاحب مؤلف بہشتی زیور و مولوی عبد الشکور اصاحب علم الفقہ کا ہے اور حضرت مولانا مرحوم ومغفور نے تتمہ ثانیہ امداد الفتاوی، ص: ۳۷ میں ایک سوال کے جواب مسئلہ بہشتی زیور کو غیر معلوم السند اور مسئلہ بہشتی گوہر کو مستند والی الدر المختار ورد المختار خیال فرمایا ہے اور ہم نے اس کی اصلاح میں ثابت کیا ہے کہ مسئلہ بہشتی زیور ماخوذ از در المختار ہے اور وہی ان کے نزدیک راجح ہے: من شاء التفصیل فلیرجع إلٰی اصلاحاتنا المتعلقة بالتتمة المذکور. (تصحیح الاغلاط) پھر بعد میں بہشتی گوہر کے مسلک پر بھی ترمیم کردی گئی۔ اب حاصل مسئلہ کا یہ ہے کہ غیر جماع میں تو مطلقا تداخل جائز ہوسکتا ہے اور جماع میں میں ایک رمضان کے کفارات متداخل ہوسکتے ہیں، دو رمضان کے نہیں؛ کیوں کہ جماع میں تو مطلقا تداخل نہ ہونا خلاف ظاہر روایت ہے، کما یظهر من الشامية و مراقی الفلاح فلیراجع. خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر روایت میں ایک رمضان کے کفارات متدخل ہو سکتے ہیں، جب ہنوز کوئی کفارہ ادا نہ کیا ہو، دو رمضان کے متداخل نہیں ہو سکتے اور اس میں جماع غیر جماع سب مساوی ہیں؛ مگر ہم نے غیر جماع میں قول صحیح و معتمد کو لے لیا ہے۔ منہ ظفر احمد

أن يقدمه على الكفارة، الخ. (رد المحتار: ۱۷٤/۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ زیادہ بہتر تو یہی ہے کہ قضا روزے اول رکھے جاویں؛ لیکن اگر کفارہ کے روزے اوّل رکھ لے، تب بھی جائز ہے۔

۹/ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۳۸) (امداد الفتاویٰ: ۱۳۶/۲)

کفارہ اور فدیہ کے کھانے کے عوض میں قیمت دینا:

سوال: یہ کہ کفارہ اور فدیہ کے کھانے کے عوض میں، قیمت دینا جائز ہے، یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ چند صیام کا فدیہ آیا، ایک بار ایک شخص کو دینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

کفارہ میں قیمت دینا بھی درست ہے، جس قدر ایک آدمی کو دیا جاتا ہے کہ ایک صاع، یا نصف صاع ہے، اس کی قیمت دے دیوے، درست ہے اور فدیہ صوم وصلوٰۃ میں بھی قیمت دینا درست ہے؛ مگر کفارہ کا طعام و قیمت ایک ایک کو ملے گی اور فدیہ کے طعام و قیمت کو چاہے سب ایک کو دے دیوے تو درست ہے۔

(فرخ آباد، ص: ۲۴، ۲۵، ۲۷) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ: ص ۲۰۸)

کفارہ میں مساکین کو طعام دینا:

سوال: اگر روزہ کے کفارہ میں غلام آزاد کرنا اور روزہ رکھنا ناممکن ہوجائے تو ساٹھ مسکینوں کو طعام کس طرح دینا چاہیے؟

الجواب

اگر عمر کی زیادتی، یا کسی مرض کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا تو اس کو اختیار ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو اگر خام غلہ دے تو گندم اور اس کا آٹا نصف صاع اور جو، انگور، چھوہارہ، ہر ایک مسکین کو ایک صاع دے اور اگر چاہے تو اس غلہ کی قیمت دے دے، یا کھانا پکا کر ساٹھ مسکینوں کو دو وقت شکم سیر کھلائے، یا ایک وقت کھانا کھلا دے اور ایک وقت کے کھانے کی قیمت دے دے اور یا ایک ہی مسکین کو ساٹھ روز تک دونوں وقت کھلائے؛ لیکن اگر ساٹھ آدمیوں کا کھانا پکا کر ایک ہی مسکین کو دے دیا تو کفارہ ادا نہ ہوگا؛ بلکہ ایک ہی مسکین کا کھانا شمار کیا جائے گا اور اگر ساٹھ مسکینوں کے حصہ کا خام غلہ ایک مسکین کو ایک ہی دن میں متفرق طور پر دے، اس صورت میں بھی بعض کے نزدیک کفارہ ادا نہ ہوگا اور ایک ہی مسکین کا حصہ شمار ہوگا اور بعض کے نزدیک کفارہ ادا ہوجائے گا۔ (كذا قال البرجندی) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۳۸)

کفّارۂ صوم میں بہت بوڑھے اور بڑھیا کو کھلانا جائز ہے، یا نہیں:

سوال: بہشتی زیور میں روزہ کے کفّارہ کے لیے ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کے متعلق لکھا ہے، اگر بعضے بالکل

چھوٹے بچے ہوں تو جائز نہیں، سوال یہ ہے کہ اگر بالکل بوڑھا بوڑھی ہوں تو جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

بہت بوڑھا اور بوڑھی کو کفّارہ میں کھلانا جائز ہے۔

قال فی الهداية: فإن غداهم وعشاهم جاز قليلاً كان ما أكلوا أو كثيراً، آه.(۱)

قال صاحب النهاية: لأن المعتبر هو الشبع لا المقدار، آه.

وقال الشامی عن البحر والمنح: ولو كان فيمن أطعمهم صبی فطيم لم يجزه؛ لأنه لا يستوفی كاملاً، آه.(۲)

وفی التاتر خانية: إذا دعا مساكين وأحدهم صبی فطيم أو فوق ذلك لا يجزئه كذا ذكر فی الأصل، وفی المجرد: إذا كانوا غلماناً يعتمد مثلهم يجوز آه وبه ظهر أيضاً أن المراد بالفطيم و بغير المراهق من لا يستوفی الطعام المعتاد وفيه أيضاً ولو كان فيهم شبعان قبل الأكل أو صبی لم يجز، آه.(۳)

قلت: والكبير والكبيرة ممن يستوفی الطعام عادة وخلافه نادر. والله أعلم

مورخہ ۴/رمضان ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام:۳/۱۳۵-۱۳۶)

حکم دادن کفارہ نماز میت بہ بنی ہاشم:

سوال: فوت شدہ نمازوں کے کفارہ کے مصرف میں ایک شبہ پیدا ہوا ہے کہ اگر مرحومہ وصیت کر جاتی، تب تو ثلث مال سے اس کا نکالنا واجب ہوتا اور یہ کفارہ صدقہ واجبہ میں شمار ہو کر مثل زکوۃ وعشر وصدقہ فطر وکفارہ صوم ہاشمیوں کو نہ دینا چاہیے تھا؛ لیکن جبکہ وصیت نہ تھی تو یہ فعل تبرع ہوا اور یہ صدقہ نافلہ ہوا، لہٰذا مثل دیگر صدقات نافلہ کے ہاشمیوں کو دینا جائز ہونا چاہیے، میں نے اس مسئلہ کو تلاش کیا کہیں نہیں ملا، بہشتی زیور کی عبارت سے کہ اگر کفارہ نکالیں تو اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمالیں اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ کفارہ تبرع ہے؟

الجواب

بالکل تبرع ہے اور اس کا مقتضا ظاہراً بیشک یہی ہے کہ بنی ہاشم کے لیے جائز ہو؛ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خود فدیہ کے احکام لازمہ سے یہ ہے کہ بنی ہاشم اس کا مصرف نہ ہوں اور راز اس میں یہ ہے کہ اگر یہ تبرع ملحق ہے، واجب کے ساتھ بوجہ فدیہ ہونے کے، ورنہ اس میں اس اثر کی امید نہ ہوگی، جو فدیہ میں ہے۔ پس اس کی مثال نفل نماز کی ہوگئی کہ وضو وغیرہ اس کے لیے بھی شرط ہے، اس کی نظیر فقہا کے کلام میں یہ ہے کہ عقیقہ کے احکام مثل قربانی کے

---

(۱) الهداية، فصل فی الكفارة: ۲/۲۲

(۲) ردالمحتار، باب كفارة الظهار: ۱۲/۲۴۶

(۳) الفتاوی التاتارخانية: ۲/۹۵۹-۹۶۰

لکھے ہیں، حالاں کہ عقیقہ واجب نہیں بلکہ خود قربانی ہی اگر نفل ہو، اس کے بھی وہی احکام وشرائط ہیں، جو واجب کے ہیں۔غور فرمایا جائے، دوسرے علما سے بھی مراجعت مناسب ہے۔

جمادی الاول ۱۳۳۸ھ (امداد الفتاویٰ:۲/ ۱۳۳۸)

نذر روزے اگر کسی عذر مثلاً بیماری کی وجہ سے نہ رکھ سکے تو کتنا کفارہ لازم ہوگا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین کہ ایک آدمی نے نذر کی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ میری بلا ومصیبت اگر دور ہو جائے تو میں تیرے واسطے ہر چاند میں؛ یعنی ہر مہینہ میں پانچ پانچ روزے رکھوں گا۔اب وہ بلا ومصیبت دور ہوگئی ہے،اب وہ شخص ہر مہینہ میں روزے رکھے، یا نہیں؟ اوراس کے اوپر عمر بھر کے روزے رکھنا واجب ہے، یا نہیں؟ اگر واجب ہوگیا تو اگر یہ روزہ ادا نہ کرے تو کفارہ دینے سے عمر بھر کے روزے ادا ہوں گے، یا نہیں؟ اگر ادا ہو جائیں تو کتنا کفارہ دینے سے ادا ہوگا؛ یعنی کیا چیز دے گا اور یہ شخص بیماری کی وجہ سے لاچار ہے؟ لہٰذا فتویٰ منگوایا جاتا ہے۔

الجواب

جب یہ شخص بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے سے عاجز ہے تو اس کو چاہیے کہ ہر ماہ میں پانچ روزوں کا فدیہ دے دیا کرے؛ یعنی ہر روزے کے عوض صدقۂ فطر کے برابر گیہوں وغیرہ دے دے، یا ایک مسکین کو پیٹ بھر کر دو وقت کھانا کھلاوے۔

كما فى الهندية (١٣٥/١):ولو أخر القضاء حتى صار شيخاً فانياً أو كان النذر بصيام الأبد فعجز لذلك أو باشتغاله بالمعيشة لكونه صناعته شاقة له أن يفطر ويطعم لكل يوم مسكيناً على ما تقدم،آه. (١)

وفيه أيضاً (١٣٣/١)فالشيخ الفاني الذى لايقدر على الصيام يفطر ويطعم لكل يوم مسكيناً كما يطعم فى الكفارة، وفى المجلد الثانى منه.(ص:١٥١) (٢)

فإن غداهم وعشاهم وأشبعهم جاز سواء حصل الشبع بالقليل أو الكثير،كذا فى شرح النقاية لأبى المكارم. (٣)

۲۸/ جمادی الأولیٰ ۱۳۴۴ھ (امداد الاحکام:۳/ ۱۳۷)

رمضان میں جہرا کھانا کھانے کی سزا، روزہ کے ایام میں ہوٹل میں کھلانا:

سوال: رمضان میں وہ لوگ جن پر روزہ فرض ہوتا ہے، علانیہ طور پر روزہ داروں کے سامنے کھاتے پھرتے ہیں اور بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں۔کیا احترامِ رمضان کی شریعت نے کوئی حد مقرر کی ہے؟ کیا مریض اور مسافر کو شرعاً اجازت ہے کہ روزہ داروں کے سامنے کھائیں، رمضان میں ہوٹل میں کھانا روزہ داروں کے سامنے فروخت کرنا کیسا ہے؟

---

(١) الفتاوى الهندية،الباب السادس فى النذر:٢٠٩/٢

(٢) الفتاوى الهندية،الباب السادس فى النذر:٢٠٧/٢

(٣) الفتاوى الهندية،الباب الحادى عشر فى اللعان:٥١٤/١

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

مریض اور مسافر کو عذر شرعی کی بنا پر (حائضہ ونفسا کی طرح) روزہ داروں کے سامنے نہیں کھانا چاہیے، سرّ اً کھائیں۔ بلا عذر شرعی وہ صورت اختیار کرنا جو سوال میں درج ہے، سخت جرم ہے اور اس کی سزا بھی بہت سخت ہے؛ مگر سزا دینا ہر ایک کے بس میں نہیں.

"ولو أكل عمداً جهراً بلا عذر يقتل، آه". (الطحطاوی، ص: ۳٦۳)(۱)

"يجب الإمساك بقية اليوم علىٰ من فسد صومه وعلىٰ حائض ونفساء طهرتا بعد طلوع الفجر، وعلىٰ صبي بلغ، وكافر أسلم بحرمة الوقت بالقدر الممكن، آه".

"أما في حالة تحقق الحيض والنفاس فيحرم الإمساك، ولكن لا يجب الإمساك على المريض والمسافر، ولكن لا يأكون جهراً بل سراً، آه". (الطحطاوی مختصراً، ص: ۳۷)(۲)

سزا کے لیے قدرتِ قاہرہ ضروری ہے، جو کہ امیر المومنین کو حاصل ہوتی ہے۔(۳) جن پر روزہ فرض ہے، ان کو کھانا ہوٹل وغیرہ میں کھلانا بھی معصیت اور تعاون علی الاثم ہے۔

﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ الآية(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳۹۱/۱/۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳۹۱/۱/۱۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۶۳/۱۰)

روزوں کی قضائے عمری کا طریقہ:

سوال: ایک شخص کے ذمہ فرض روزے باقی ہیں؛ یعنی جب سے بالغ ہوا تھا، روزے فرض نہیں رکھتا تھا، کئی سال متواتر نہیں رکھے، اب چھ سات سال بالغ ہونے کے بعد سے رکھنے لگا ہے تو ان فرض روزوں کے رکھنے کی کیا صورت ہوگی؟ اور کتنے سال کی عمر کی فرض نمازیں اور فرض روزے اس پر رکھنے فرض ہوں گے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

روزہ اور نماز دونوں چیزیں بالغ ہونے سے فرض ہوتی ہیں۔ پس جیسے بالغ ہوا ہے، اسی وقت سے حساب کر کے ہر

---

(۱) حاشية الطحطاوی علىٰ مراقی الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يفسد به الصوم، ص: ۲٦۳، قديمی

(۲) حاشية الطحطاوی علىٰ مراقی الفلاح، ص: ٦۷۸، كتاب الصوم، فصل: يجب على الصحيح الإمساك، قديمی

(۳) ويشترط كونه مسلماً حراً ذكراً عاقلاً بالغاً قادراً. (الدر المختار)(وقوله: قادراً): أی علىٰ تنفيذ الأحكام وانصاف المظلوم من الظالم، وسد الثغور، وحماية البيضة وحفظ حدود الإسلام وجر العساكر. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: شروط الإمامة الكبرىٰ: ۵٤۸/۱، سعيد)

(۴) سورة االمائدة: ۲

روز کی چھ نمازیں؛ یعنی پانچ فرض نمازیں، چھٹی وتر کی نماز قضا کرے اوراسی وقت سے ہر رمضان کے روزے رکھے اور روزہ میں رمضان کی تعیین کردے، پہلے رمضان کے روزے جو بھی مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے، اس کے روزے رکھتا ہوں۔ اس نیت سے ایک مہینہ کے روزے رکھے، اس کے بعد دوسرے رمضان کے، اسی طرح رکھے، یا یہ نیت کہ اخیر کے رمضان کے روزے جو بھی مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے، وہ رکھتا ہوں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۶/۱۱/۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۶/۱۱/۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۶۴/۱۰) ☆

رمضان سمجھ کر یکم شوال کا روزہ رکھنا:

سوال: یہ جو بہت سے لوگوں نے اتوار کے روزے توڑے ہیں۔ یہ رکھے جائیں گے، یا نہیں؟

---

(۱) هٰكذا في الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، ص: ٢٥٩) (وإذا كثرت الفوائت، يحتاج لتعيين كل صلاوة يقضيها التراحم الفروض والأوقات كقوله: أصلي ظهر الإثنين ثامن عشر جمادى الثانية سنة أربع وخمسين وألف، وهٰذا فيه كلفة، فإذا أراد تسهيل الأمر عليه، نوى أول ظهر عليه أدرك وقته لم يصله، فإذا نواه كذلك فيما يصليه يصير أولا، فيصح بمثل ذالك وهكذا إن شاء فيقول: أصلي آخر ظهر أدركته ولم أصله بعد، فإذا فعل كذلك فيما يليه يصير آخر بالنظر لما قبله، فيحصل التعيين، وكذا (الصوم الذى عليه من رمضانين) إذا أراد قضائهه يفعل مثل هٰذا، إلخ. (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، باب قضاء الفوائتص، ص: ٤٤٦، قديمي)

☆ **روزہ کی قضائے عمری:**

سوال: ایک شخص کے فرض روزے باقی ہیں، بالغ ہونے کے بعد بہت سے روزے متواتر اور بہت سے غیر متواتر روزے نہیں رکھے تو روزے اور نمازیں کس طرح قضا کرے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

روزہ اور نماز دونوں چیزیں بالغ ہونے سے فرض ہوتی ہیں۔ پس جب بالغ ہوا ہے، اسی وقت سے حساب کرکے ہر روز کی چھ نمازیں؛ یعنی پانچ فرض نمازیں، چھٹی وتر کی قضا کرے اور اسی وقت سے ہر رمضان کے روزے رکھے اور روزے سے رمضان کی تعیین کرے، مثلاً پہلے رمضان کے روزے جو مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے، اس کے روزے رکھتا ہوں، اس نیت سے ایک مہینہ کے روزہ رکھے اور روزے کے بعد دوسرے رمضان کے اسی طرح رکھے، یا یہ نیت کرے کہ اخیر کے رمضان کے روزے جو مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے، وہ رکھتا ہوں۔ (هٰكذا في الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح) (وإذا كثرت الفوائت يحتاج لتعيين كل صلوٰة، فإذا أراد تسهيل الأمر عليه، نوىٰ أول ظهر عليه أدرك وقته ولم يصله وكذا الصوم الذى عليه من رمضانين إذا أراد قضائه، بفعل مثل هٰذا. (مراقي الفلاح) قال الطحطاوي: وأما إذا كان من رمضان واحد، فلا يحتاج إلى التعيين اتفاقاً. (حاشية الطحطاوي، باب قضاء الفوائت، ص: ٤٤٦، قديمي) فقط

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۶۳/۱۰)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جب کہ بعد میں ثابت ہوگیا کہ اتوار کو یکم شوال تھی تو ایسے روزوں کی قضا لازم نہیں، (۱) اگر چہ بلا تحقیق وتصدیق توڑنا منع تھا۔ واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۶۵) ☆

ریڈیو کی خبر پر افطار کرنے سے قضا کا حکم:

سوال: ریڈیو کی خبر پر روزہ رکھنا یا توڑنا کیسا ہے؟ جن لوگوں نے ریڈیو کی خبر سن کر روزہ توڑا، ان لوگوں پر صرف قضا لازم ہے، یا نہیں؟ یا کفارہ بھی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر ریڈیو پر یہ خبر آئے کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا تو یہ کافی نہیں، (۲) البتہ اگر یہ اعلان آئے کہ فلاں جگہ قاضی شرعی، یا حاکم مسلم، یا رؤیت ہلال کمیٹی نے، جس کے افراد باعلم اور متبع شریعت ہوں، شرعی شہادت لے کر اعلان کردیا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان یوم الشک میں ایسے مقامات پر معتبر مانا جائے گا کہ اس کے تسلیم کرنے سے مہینہ ۲۸/ دن، یا ۳۱/ کا دن نہ ہوجائے۔

---

(۱) ولزم نفل شرع فيه قصداً أداء وقضاء إلا في العيدين وأيام التشريق، فلا يلزم، لصيرورته صائماً بنفس الشروع، فيصير مرتكباً للنهي، إلخ". (الدر المختار مع تنوير الأبصار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ۲/۴۲۸، سعيد)

☆ **رمضان سمجھ کر یکم شوال کا روزہ:**

سوال: رمضان المبارک کی انتیسویں شام میں مطلع صاف ہونے کے باوجود ہلال نظر نہ آیا اور شب کے ساڑھے نو بجے ریڈیو سے بھی یہ اطلاع ملی کہ ریاست میسور اور بھارت کے دوسرے حصوں میں ہلال نظر نہ آیا۔ رمضان المبارک ۳۰/ کی صبح کو یہ خبر ملی کہ بمبئی میں عید منائی جارہی ہے تو یہاں کے بہت سارے روزہ داروں نے روزہ توڑ دیا اور بہت ساروں نے روزہ نہ توڑا، عید کی نماز دوسرے دن پڑھی گئی، برائے مہربانی اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

کسی افواہ پر بغیر تحقیق وتصدیق کے ۳۰/ رمضان کو روزہ توڑنا درست نہیں، لیکن اگر بعد میں تحقیق ہوجائے کہ وہ تاریخ ۳۰/ رمضان کی نہیں؛ بلکہ یکم شوال تھی تو اس روزہ کی قضا، یا کفارہ کچھ لازم نہیں۔ (ولزم نفل شرع فيه قصداً أداء و قضاء إلا في العيدين وأيام التشريق، فلا يلزم لصيرورته صائماً بنفس الشروع، فيصير مرتكبا للنهي، إلخ. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، فصل في العوارض المبيحة: ۲/۴۲۸، سعيد) واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۲۳/۱۰/۱۳۸۵ھ۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۶۵-۱۶۶)

(۲) ولو سمع من وراء حجاب كثيف لايشف من ورائه، لايجوز له أن يشهد، ولو شهد وفسره للقاضي بأن قال: سمعته باع ولم أر شخصه حين تكلم لايقبله؛ لأن النغمة تشبه النغمة، إلا إذا أحاط بعلم ذلك؛ لأن المسوغ هو العلم. (فتح القدير، كتاب الشهادات، فصل: يتعلق بكيفية الأداء ومسوغه: ۷/۳۸۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

اس سال جن لوگوں نے تیسواں روزہ محض ریڈیو کی خبر پر بغیر تحقیق شرائط توڑ دیا ہے، انہوں نے غلط کیا، ان لوگوں کو اس میں جلدی سے کام لینا نہیں چاہیے تھا؛ لیکن جب بعد میں یہاں شہادتوں سے ثابت ہوگیا کہ وہ عید کا دن تھا تو اس دن کے روزہ کی قضا لازم نہیں۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۸/۱۱/۱۳۸۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۶۶-۱۶۷)

استحاضہ میں روزہ اور اس کی قضا:

سوال: گزارش ہے کہ ترجمہ منیۃ المصلی صلوۃ الرحمٰن، فصل باب الحیض کے آخری مسئلہ میں یہ عبارت البحر الرائق کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ’’جو عورت بسبب خون استحاضہ کے بھول گئی، گنتی حیض کی اور وقت حیض، الخ، اور حکم روزے کے واسطے اس کے یہ ہے کہ روزہ رکھے رمضان کے تمام مہینہ میں؛ کیوں کہ ہر روزہ پاک ہونے کا گمان ہے اور بعد رمضان کے قضاء کرے بیس روزے اور نزدیک بعضوں کے بائیس روزے اور احتیاط اسی میں ہے کہ یہ حکم اس عورت کا ہے، جس کو حیض ہر مہینہ میں ایک دفعہ آتا ہو اور اگر دو دفعہ آتا ہو؛ یعنی اول مہینہ میں اور آخری میں تو وہ عورت قضا کرے تیس روزہ اور نزدیک بعضوں کے چھتیں روزے اور احتیاط اسی میں ہے۔ فقط

یہ عبارت سلیس حضور فرماویں کہ طہر کی مدت تو پندرہ روز ہے، پھر قضا بیس روزوں کی کیوں کر اور بائیس کی کیوں کر کرے۔ اگر دس روز حیض میں شمار ہوئے تو دو روز زائد کیسے اور کل رمضان تو ۲۹/ یا ۳۰/ دن کا ہوتا ہے تو قضا ۳۲/ دن یا چھتیں دن کی کیوں کر ہوئی، اگر تمام مہینہ ناپاکی میں شمار ہوا تو طہر کا زمانہ کب ہوا؛ یعنی پاکی کتنے روز ہی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

ترجمہ منیۃ المصلی صلۃ الرحمٰن میرے پاس موجود نہیں، البتہ بحر شرح کنز میں ۱/۲۱۰ پر یہ مسئلہ بڑی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اس میں کچھ دوسرے اقوالِ فقہا بھی درج ہیں؛ مگر چوں کہ آپ نے صرف چار اقوال نقل کر کے ان کی وجہ دریافت کی ہے؛ اس لیے انہیں چار کی وجہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

زیادہ سے زیادہ مدتِ حیض دس روز ہیں اور اصالتاً دس روز ماہ رمضان میں حیض کے شمار ہوں گے اور بعد رمضان دس روز کا اعادہ ہوگا، پھر جب انتیس کے ماہ میں دس روزوں کا اعادہ کیا تو اس احتمال کی بنا پر کہ شاید دس روز حیض کے دوسرے دس روزوں کا حکم دیا گیا، لہٰذا بیس روزوں کی قضاء ہوگئی، یہ اس وقت ہے، جب کہ عورت کو یہ علم ہو کہ حیض کی ابتدا رات میں ہوئی، اگر ابتدا دن میں ہوئی ہو تو بائیس روزوں کا اعادہ کرے؛ اس لیے کہ اس صورت گیارہ روزوں کا

---

(۱) لزم نفل شرع فیہ قصداً أداء وقضاء إلا فی العیدین وأیام التشریق، فلا یلزم لصیرورتہ صائماً بنفس الشروع، فیصیر مرتکباً للنهی. (تنویر الأبصار مع الدر المحتار، فصل فی العوارض المبیحۃ: ۲/۴۲۸، قدیمی)

اور حکم دیا جائے گا، یہ کل تیس روزے ہوگئے ۔ یہ دونوں صورتیں اس وقت ہیں کہ قضا مسلسل ہو، یا ایک ہی ماہ میں ہو۔

"وأما الصوم ههُنا تصوم كل شهر رمضان، لاحتمال طهارتها كل يوم، وتعيد بعد رمضان عشرين يوماً وهو على ثلاثة أوجه: الأول: إن علمت أن ابتداء حيضها كان يكون بالليل، فإنها تقضي عشرين يوماً بجواز أن حيضها في كل شهر عشرة أيام، فإذا قضت عشرة يجوز حصولها في الحيض، فتقضي عشرة أخرىٰ، والثاني: إن علمت أن ابتداء حيضها كان يكون بالنهار فتقضي إثنين وعشرين يوماً؛ لأن أكثر ما فسد صومها صومها في الشهر أحد عشر يوماً، فتقضي ضعفه احتياطاً، آه، ولا يخفى أنه يظهر فيما إذا قضته موصولاً أو مفصولاً، ولكن في شهر واحد، آه". (بحر)(۱)

اگر دودفعہ حیض آتا ہو اور حیض کی ابتدا دن میں ہوئی ہو تو ہر ماہ کے پندرہ روز طہر کے رہیں گے پندرہ روز حیض کے؛ مگر چوں کہ طہر کی ابتدا دن میں بھی ہوسکتی ہے، ایسی حالت میں طہر کے چودہ ہی روز رہ گئے تو گویا کہ رمضان شریف میں چودہ ہی روزے صحیح گئے اور سولہ روزہ فاسد، پس سولہ کی قضا کرے گی آئندہ ماہ میں؛ مگر اس میں بھی اسی طرح کے سولہ کے فساد کا احتمال ہے، لہٰذا دوسرے سولہ کا حکم دیا جائے گا تو کل بتیس ۳۲؍ ہو جائیں گے۔

"وإن علمت أن ابتداء حيضها كان النهار يقضي إثنين وثلثين إن قضت موصولاً برمضان؛ لأن أكثر ما فسد من صومها عن الشهر ستة عشر يوماً". (۲)

اور چھتیس کا قول بحر میں نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۲؍ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ ہذا، ۲؍ ربیع الثانی ؍۱۳۶۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۵۶-۱۶۹)

حائضہ پاک ہوجائے تو اس کے روزہ کا حکم:

سوال: اگر عورت اپنے حیض سے صبح ۱۱؍ بجے سے قبل پاک ہوجائے تو کیا اس دن روزہ سے رہنا اس کے لیے واجب ہوگا اور اس دن کے روزہ کی قضا ہوگی ماہ رمضان میں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اس دن کا روزہ نہیں ہوا، بعد میں قضا رکھے، البتہ اس دن بھی شام تک روزہ دار کی طرح کچھ کھائے پیئے نہیں۔

"يجب الإمساك بقية اليوم علىٰ من فسد صومه، وعلىٰ حائض ونفساء طهرتا بعد طلوع الفجر". (مراقی الفلاح) (۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۶۹)

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳٦٤-۳٦٥، رشيدية

(۲) البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳٦٦، رشيدية

(۳) حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، فصل فيمن يجب عليه التشبه ومن لا يجب، ص: ٦٧٨، رشيدية

روزہ توڑنے کا کفارہ:

سوال: خباثتِ نفس کی وجہ سے شادی کے بعد رمضان شریف میں روزہ کی حالت میں مباشرت کر لی، ایک مولوی صاحب نے بتلانے پر ۱۲۰؍خوراکوں کا حساب لگا کر نقد وغریبوں کو یکمشت دے دیا، ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ ایک دم ادا کرنے سے ادانہیں ہوا، ۳۰؍ یوم یا تو کھانا کھلائے، یا پونے دو سیر گندم، یا اس کے برابر قیمت دینی چاہیے، تب کفارہ ادا ہوگا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

رمضان المبارک کا روزہ توڑنے سے کفارہ لازم ہوتا ہے، کفارہ یہ ہے کہ دومہینہ کے مسلسل روزے رکھے، اگر ضعف، یا مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو ساٹھ غریبوں کو دو وقت شکم سیر کھانا کھلائے، خواہ دو دن ایک وقت کھلائے، خواہ ایک غریب کو دو وقت ساٹھ روز تک کھلائے، خواہ ساٹھ غریبوں کو کھانا دے دے، ہر ایک کو صدقۃ الفطر کے برابر، یا اس کی قیمت دے دے۔ ان سب صورتوں میں کفارہ ادا ہو جائے گا۔(۱)

جس میں ساٹھ روزے مسلسل رکھنے کی طاقت ہو، اس کے لیے کھانا کھلانا یا غلہ یا قیمت دینا درست نہیں؛ بلکہ وہ روزہ ہی رکھے گا، تب ہی کفارہ ادا ہوگا۔(۲) غلہ، یا قیمت (صدقۃ الفطر کے برابر) ساٹھ غریبوں کے دینے کے بجائے اگر دو غریبوں کو مجموعہ دے دیا تو کفارہ ادا نہیں ہوا، اٹھاون کو اور دے دے، ہر ایک کو صدقۃ الفطر کے برابر دے، تب ادا ہوگا۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳؍۹؍۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳؍۹؍۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰؍۱۶۹-۱۷۱)

---

(۱) أن أبا هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: بينما تحت جلوس عند النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ جاءه رجل فقال: يارسول الله! هلكت ... "هل تجد رقبة تعتقها"؟ قال: لا، قال: "فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين"؟ قال: لا، قال: "فهل تجد إطعام ستين مسكيناً"؟ قال: لا، قال: "أطعمه أهلك". (صحيح البخارى، كتاب الصوم: ۱/۲۵۹-۲۶۰، قديمى)

"أكل عمداً، قضى، وفكره كفارة المظاهر: أى كذا فى الترتيب، فيعتق أولا، فإن لم يجد صام شهرين متتابعين، فإن لم يستطع فإطعام ستين مسكيناً". (رد المحتار على الدر المختار، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد: ۲/۴۱۱-۴۱۲، سعيد)

(۲) وأما فى كفارة الظهار و كفارة الافطار فى شهر رمضان إذا عجز عن الاعتاق لفقره، وعجز عن الصوم لكبره، جاز له أن يطعم ستين مسكين؛ لأن هذا صار بدلاً عن الصيام بالنص. (الفتاوىٰ الهندية: ،الباب الخامس فى الأعذار التى تبيح الافطار: ۱/۲۰۷، رشيدية)

(۳) لو أعطىٰ مسكيناً واحداً كله فى يوم واحد، لايجزيه إلا عن يومه ذلك ... ولو أعطىٰ ثلاثين مسكيناً كل مسكين صاعاً من حنطة، لايجوز إلا عن ثلاثين، وعليه أن يعطى ثلاثين مسكيناً أيضاً كل مسكين نصف صاع من حنطة، كذا فى السراج الوهاج". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطلاق، الباب العاشر فى الكفارة: ۱/۵۱۳، رشيدية)

کسی اور کا تھوک نگلنے سے کفارہ:

سوال: اگر کوئی روزہ دار آدمی اپنے دوست، یا اپنی بیوی کا لعاب یا تھوک نگل گیا، اس کی وجہ سے قضا، یا کفارہ لازم ہوا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

قضا بھی لازم ہوگی اور کفارہ بھی لازم ہوگا۔

"ومنه ابتلاع بزاق زوجته أو صديقه؛ لأنه يتلذذبه، ولا تلزم الكفارة ببزاق غيرهما؛ لأنه يعافه، آه". (مراقی الفلاح، ص: ٣٦٥) (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۶/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۶/۲۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۷۱)

روزے کا کفارہ:

سوال: ایک شخص اپنے فرض روزہ کا کفارہ اس طرح ادا کرتا ہے کہ ایک آدمی کو دونوں وقت کھانا دیتا ہے، اپنے سامنے بٹھا کر نہیں کھلاتا، ساٹھ دن برابر دیتا ہے، یا فطرہ بھی دیتا ہے اور کھانا بھی دیتا ہے؛ یعنی کسی دن فطرہ کسی دن کھانا دیتا ہے، ہر صورت سے اس کا کفارہ ادا ہو جاتا ہے، یا نہیں؟ یا کیا صورت بہتر ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

روزہ کا کفارہ اولا غلام آزاد کرنا ہے، اگر اس کی قدرت نہ ہو، تو دو ماہ تک مسلسل روزہ رکھنا، اگر اس کی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا۔ (۲) اگر ایک فقیر کو کھانا دے تو اس کی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ اپنے سامنے بٹھا کر کھلائے، سو اس میں کوئی مقدار متعین نہیں، وہ جتنا بھی کھالے، صرف اتنی شرط ہے کہ فقیر بالغ ہو، یا بلوغ کے بالکل

---

(۱) مراقی الفلاح، ص: ٦٦٧، باب ما يفسد الصوم وتجب به الكفارة، قديمی

(۲) قال اللّٰه تعالٰی: ﴿والذين يظاهرون منكم من نسائهم ... فتحرير رقبة ... فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين من قبل أن يتماسا، فمن لم يستطع فإطعام ستين مسكيناً﴾ (سورة المجادلة: ٣، ٤)

"أكل عمداً قضٰى وكفر ككفارة المظاهر: أی مثلها فی الترتيب: فيعتق أولاً، فإن لم يجد صام شهرين متتابعين، فإن لم يستطع أطعم ستين مسكيناً". (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصوم: ٤١١/٢-٤١٢، سعيد)

"أن أبا هريرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال: بينما نحن جلوس عند النبی صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم إذ جائه رجل، فقال: يا رسول اللّٰه! هلكت ... "هل تجد رقبة تعقها"؟ قال: لا، قال: "فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين"؟ قال: لا، قال: "فهل تجد إطعام ستين مسكينا"؟ قال: لا، قال: "أطعمه أهلك". (صحيح البخاری، كتاب الصوم باب إذا جامع فی رمضان: ٢٥٩/١-٢٦٠، قديمی)

قریب ہواور پہلے سے کھانا کھائے ہوئے نہ ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو کھانا، یا غلہ وغیرہ دے دے، سواس کے لیے ضروری ہے کہ ایک وقت کا کھانا ایک فطرہ سے کم نہ ہو۔ (کذا فی مراقی الفلاح)(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔
صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۱۳ /ربیع الاول ۱۳۵۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۷۱-۱۷۲)

مس بالید سے انزال کی صورت میں کفارہ ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص رمضان کا روزہ رکھتے ہوئے ایک عورت کے ہاں گیا، اس کی چھاتی اور اس کے کلے (۲) کو اپنے ہاتھ سے مس کیا اور اسی حالت میں انزال ہوگیا تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ گیا اور کفارہ لازم ہوگا؟

الجواب ———————— حامداً ومصلیاً

روزہ ٹوٹ گیا؛ مگر صرف قضا لازم ہے، کفارہ لازم نہیں۔

''أول أنزل بتفخيذ أوتبطين أوعبث الكف،أوأنزل من قبلة أولمس،لا كفارة عليه''. (مراقی الفلاح،ص: ۳۹۲،باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء من غير كفارة)(۳)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۷۳)

کفارۂ روزہ میں تتابع ضروری ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص نے کفارہ کے انسٹھ روزے مسلسل رکھے، ساٹھویں روزہ رکھنے کے دن وہ بیمار پڑ گیا تو کیا ازسرِ نو ساٹھ روزے رکھے، یا بعد صحت صرف ایک روزہ رکھے؟

الجواب ———————— حامداً ومصلیاً

پھر سے ساٹھ روزے مسلسل رکھے۔ (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم /جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۷۳)

---

(۱) والشرط أن يغديهم ويعشيهم غداءً وعشاء مشبعين،وهٰذا هو الأعدل،لدفع حاجة اليوم بجملته،أويغديهم غدائين من يومين ... ولو أباح الطعام أن يشبعهم.ولوبخبز البرمن غير أدم والشعير،لابد من أدم معه لحشونته،وأكل الشعبان لايكفي،أويعطي كل فقير صاع تمر أوصاع شعيراً وزبيب أويعطي قيمته.(حاشية الطحاوی علی مراقی الفلاح،ص: ٦٧٠،فصل فی الكفارة وما يسقطها عن الذمة،قديمی)

(۲) ''کلا: جبڑا، گال''۔ (نور اللغات، حصہ سوم،: ۸۱۰)

(۳) مراقی الفلاح،ص: ٦٦٦، كتاب الصوم، قديمی

(۴) اعلم أن الصيامات للازمة فرضا ثلا ثة عشر،سبعة منها يجب فيها التتابع: و هی رمضان و كفارة القتل ... و كفارة الإفطار.(الفتاوی الهندية، كتاب الصوم،الباب السابع فی الاعتكاف: ۱/۲۱۵،رشيدية)

پہلے کا کھلایا ہوا کفارہ میں شمار نہیں:

سوال: زید ایک غریب کو ایک سال سے کھانا کھلا رہا ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر زید نے رمضان میں روزے کی حالت میں ایسے فعل کئے، جس سے قضا وکفارہ دونوں واجب ہوتا ہے، مثلاً: قصداً کھانا کھایا، یا جماع کرلیا تو کیا اگر زید یہ نیت کرے کہ جو میں نے غریب کو کھلایا ہے، اس میں دو مہینہ کفارہ کا ہے تو اس کی یہ نیت درست ہوگی، یا دو ماہ پھر کھلانا پڑے گا؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

پہلے کا کھلایا ہوا اب کفارہ میں محسوب نہیں ہوگا، جیسے حنث سے پہلے کفارۂ یمین کا ادا کرنا معتبر نہیں، افسادِ صوم کے بعد کفارہ کا ادا کرنا ضروری ہے، نیز نیتِ متأخرہ عملِ مقدم کا فی نہیں، اس کے ذریعہ سے واجب ادا نہیں ہوتا۔

"لاعبرة بنية متأخرة، آه". (الدر المختار)(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۱۱/۲۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۷۴)

کفارۂ صوم میں ساٹھ مساکین دونوں وقت ایک ہی ہوں، یا الگ الگ:

سوال (۱) روزہ کے کفارہ میں ساٹھ مساکین کو دو وقت (دن رات) کھانا کھلایا جائے گا، یا تیس کو دو وقت کھانا کھلا کر ساٹھ پورے کیے جائیں گے؟ نیز دونوں وقت کھانا کھانے والے ایک ہی ہوں گے، یا دن میں اور رات کو اور ہو سکتے ہیں؟

کفارۂ صوم میں دینی مدارس کے طلبہ کو کھانا کھلانا:

(۲) دینی مدرسہ کے مقیم طلبہ کو جن کے خورد ونوش کا مدرسہ ذمہ دار ہے، روزہ کے کفارہ کا کھانا کھلایا جا سکتا ہے؟

کفارۂ صوم ادا کرنے کی آسان صورت:

(۳) اگر دینی مدرسہ کے مقیم طلبہ روزہ کے کفارہ کا کھانا نہیں کھا سکتے ہیں، دیگر مساکین ہیں تو ان میں تمیز دشوار ہوگی کہ مسکین کون ہیں اور پیشہ ور فقیر کون؟ نیز وقتِ واحد میں جس کا اجتماع دشوار ہوگا، ساٹھ کا دشوار تر اور اس دشواری میں اور اضافہ ہو جائے گا، اگر دونوں وقت کے کھانے کی شرط ہے کہ مساکین وہی ہیں، جو صبح کو کھا چکے ہیں۔ اس حالت میں آسان صورت کیا ہے روزہ کے کفارہ ادا ہونے کی؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلایا جائے، دونوں وقت وہی ہوں گے۔(۲)

---

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۷، سعيد

(۲) أطعم ستين مسكيناً أو فقيراً، ولايشترط اجتماعهم، والشرط أن يغديهم أويعشيهم غداء وعشاء مشبعين، وهذا هو الأعدل، لدفع حاجة اليوم بجملته أويغديهم غدائين من يومين أويغشيهم عشائين من ليلتين بشرط أن يكون ==

(۲) وہ مستحق زکوۃ ہوں تو ان کو کھلا سکتے ہیں؛ مگر ان کو بٹھا کر کھلایا جائے، یہ نہ ہو کہ دو روٹی دے کر چلتا کر دیا جائے، بیٹھ کر دو روٹی کھائیں، یا کم زیادہ جتنے میں سیر ہو جائیں۔(۱)

(۳) مدرسہ میں ایسے ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھلانا دشوار نہیں، اس سے بھی زیادہ سہل صورت یہ ہے کہ ایک مسکین کو تجویز کر لیا جائے، اس کو دونوں وقت بلا کر کھلایا جائے، جب ساٹھ دن (ایک سو بیس وقت) مسلسل کھالے گا، تو کفارہ ادا ہو جائے گا۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۰/۱/۱۳۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۰/۱/۱۳۹۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۷۵-۱۷۶)

صوم وصلوۃ کا فدیہ، اس کی مقدار اور اس کا مستحق:

سوال (۱) ایک شخص کا انتقال ہوا، جس کی چند نمازیں ایسی حالت میں قضا ہوئیں کہ اس کو ہوش تھا؛ مگر طاقت اتنی نہ تھی کہ اشارہ ہی سے نماز پڑھتا، ایسی صورت میں ان نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے، یا نہیں؟ اگر ضروری ہو تو کس طرح ادا کرے؟ اور فی نماز کس مقدار میں؟

(۲) مندرجہ بالا شخص کے رمضان کے کچھ روزے بھی قضا ہو گئے ہیں، جس کے بعد بیماری نے اس کو اتنی مہلت نہ دی کہ قضا ادا کر سکے، ان کا فدیہ کس طرح اور فی روزہ کس مقدار سے ادا کرے؟

(۳) ایک نماز کا فدیہ ایک ہی آدمی کو دے، یا کئی آدمیوں کو بھی دے سکتا ہے، اسی طرح کئی نمازوں، یا کئی روزوں کا فدیہ چند مساکین کو دے، یا ایک ہی مسکین کو دے سکتا ہے اور گیہوں وغیرہ کی قیمت بھی ادا کر سکتا ہے، یا نہیں؟

(۴) اس فدیہ کے مستحق کون ہیں؟ مسجد کی مرمت میں خرچ کرنا یا کھانا پکا کر طلبہ کو کھلانا، یا کپڑے بنا کر طلبہ کو پہنانا جائز ہے، یا محض فقیروں کو دینا چاہیے؟

(۵) اگر کسی میت کے ورثا غریب و مفلس ہوں اور وہ میت کی فوت کردہ نمازوں کا فدیہ ادا نہ کر سکتے ہوں تو میت کی برأت کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے؟ فقط

(عبدالکریم سوداگر، زیر جامع مسجد، معرفت حافظ عبداللہ صاحب مدرس درجہ قرآن شریف، ۱۱، مع مسجد سہارنپور)

== الـذيـن أطعمهم ثانياً هم الذين أطعمهم أولا، حتٰى لو غدى ستين، ثم أعطم ستين غيرهم، لم يجز حتٰى يعيد الاطعام لأحد الفريقين. (حاشية الطحطاوى علٰى مراقى الفلاح، ص: ٦٧٠، فصل فى الكفارة و ما يسقطها عن الذمة، قديمى)

(۱) والشـرط إذا أبـاح الـطـعـام أن يشبعهم، ولو بخبز البر من غير أدم، والشعير لا بد من أدم معه لخشونته، وأكل الشعبان لا يكفى. (حاشيه الطحطاوى علٰى مراقى الفلاح، ص: ٦٧٠، فصل فى الكفارة، قديمى)

(۲) ولـو أعـطـم فقيرا ستين يوماً أجزاء؛ لأنه يتجدد الحاجة بكل يوم يصير بمنزلة فقير آخر. (حاشية الطحطاوى علٰى مراقى الفلاح، ص: ٦٧٠، فصل فى الكفارة و ما يسقطها عن الذمة، قديمى)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) اگر ایسی حالت میں نمازیں قضا ہوئی ہیں کہ مریض میں سر سے اشارہ کرنے کی بھی طاقت نہیں تھی اور مرض سے صحت نہیں پائی؛ بلکہ اسی حالت میں انتقال ہوگیا تو اس پر ان نمازوں کی قضا فرض نہیں، نہ اس کی طرف سے ان نمازوں کا فدیہ دینا ضروری ہے۔

"**وإن تعذر اليماء برأسه، وكثرت الفوائت بأن زادت علٰى يوم وليلة،سقط القضاء عنه،وإن كان يفهم فى ظاهر الرواية،وعليه الفتوى**". (الدرالمختار: ۷۹۵/۱)(۱)

قال الشامى:"فلو مات ولم يقدرعلى الصلاة،لم يلزمه القضاء،حتٰى لا يلزمه الايصاء بها". (شامى: ۵۱۰/۱) (۲)

(۲) ایسی حالت میں روزہ کی قضا بھی ضروری نہیں، لہٰذا فدیہ بھی ضروری نہیں۔

"**لا قضاء للصوم على المريض والمسافرإذا ما تا قبل الصحة أوالاقامة**". (بحر: ۲۸۳/۲)(۳)

ایک روزہ کا فدیہ نصف صاع گیہوں ہے فطرہ کی طرح، اسی طرح ہر نماز کا فدیہ نصف صاع ہے اور وتر مستقل نماز کے حکم میں ہے۔

"**يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة،وكذا حكم الوتر والصوم**". (الدرالمختار: ۷٦٦/۱)(۴)

(۳) ایک نماز کا فدیہ ایک ہی کو دیا جائے، کئی کو نہ دیا جائے۔'

'**ولوأدى الفقير أقل من نصف صاع،لم يجز**". (الدرالمختار: ۷٦۸/۱)(۵)

البتہ کئی نمازوں کا فدیہ ایک کو دینا جائز ہے۔

"**ولوأعطاه الكل،جاز**"(٦)

اسی طرح کئی روزوں کا فدیہ بھی ایک کو دینا جائز ہے۔

"**ويجوزاعطاء فدية صلاة وصيام أيام ونحوها لواحد من الفقراء جملة**". (مراقى الفلاح،ص: ۲۵۵)(۷)

اور ایک روزہ کا فدیہ کئی کو دینا جائز نہیں، (۸) گیہوں وغیرہ کی قیمت دینا بھی جائز ہے، بلکہ بہتر ہے۔

---

(۱) الدرالمختار،باب صلاة المريض: ۹۹/۲،سعيد

(۲) ردالمحتار،كتاب الصلاة، باب صلاةالمريض: ۹۹/۲،سعيد

(۳) البحرالرائق،كتاب الصوم،فصل فى العوارض: ٤۹٥/۲،رشيدية

(۴) تنويرالأبصارمع الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت: ۷۲/۲،سعيد

(۵،٦) الدرالمختار،باب قضاء الفوائت: ۷٤/۲،سعيد

(۷) حاشيه الطحطاوى علٰى مراقى الفلاح،كتاب الصلاة،فصل فى اسقاط الصلاة والصوم،ص: ٤۳۹، قديمى

(۸) الدرالمختار،باب قضاء الفوائت: ۷٤/۲،سعيد

قال الشامی (۷۶۶/۱) تحت قول الدر : ”(قوله: نصف صاع من بر): أی أومن دقیقه أوسویقه أوصاع تمرأو زبیب أوشعیرأو قیمته، وهی أفضل عندنا، لاسراعها بسد حاجة الفقیر“.(۱)

(۴) غریب مسکین لوگ اس فدیہ کا مصرف ہیں، (۲) مسجد کی مرمت اس کو صرف کرنا جائز نہیں، کھانا پکا کر غریب طلبہ کو بطورِ تملیک دے دینا جائز ہے، (۳) اسی طرح کپڑے بنا کر دینا بھی جائز ہے، (۴) بشرطیکہ طلبہ مستحق ہوں، مالدار نہ ہوں، فقیروں کو دینا بھی جائز ہے۔ (۵)

(۵) اگر ورثۂ میت کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا چاہیں تو نصف صاع کسی فقیر کو دے دیں اور قبضہ کروا دیں، اس کے بعد وہ فقیر نصف صاع بطور ہبہ اس کو دے دے اور ورثہ اس پر قبضہ کرلیں، اسی طرح لیتے دیتے رہیں؛ مگر قبضہ ضرور ہوتا رہے، ہر مرتبہ ایک نماز کا فدیہ ادا ہوتا رہے گا۔ (۶) جب حساب لگا کر دیکھ لیں کہ پوری نمازوں کا فدیہ ہوگیا تو وہ نصف صاع اگر فقیر کو دینا تھا، تب تو اسی کو دے دیں، اگر کسی سے قرض لیا تھا تو اس کا واپس کردیں۔ (۷) ان شاء اللہ امید ہے کہ میت کی برأت ہوجائے گی اور ورثہ کا یہ معاملہ بطورِ احسان وتبرع ہوگا؛ کیوں کہ ان پر مفلس ہونے

---

(۱) ردالمحتار، باب قضاء الفوائت: ۷۳/۲، سعید

(۲) قال العلامة الحصکفی: ”مصرف الزکاة والعشر... هو فقیر... ومسکین... وعامل... ومکاتب ومدیون ... وفی سبیل اللّٰه. (الدرالمختار) وقال ابن عابدین: ”هو مصرف أیضاً لصدقة الفطر الکفارة والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبة“. (رد المحتار: ، کتاب الزکوه، باب المصرف: ۳۳۹/۲، سعید)

(۳) ویشترط أن یکون الصرف (تملیکاً) لا إباحة کما مر. (لا) یصرف (إلٰی بناء) نحو (مسجدو) لا إلٰی (کفن میت وقضاء دینه)“. (الدرالمختار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۳۴۴/۲، سعید)

(۴) فلوأطعم یتیماً ناویا الزکاة، لایجزیه، إلا إذا دفع إلیه المطعوم کما لوکساه، بشرط أن یعقل القبض. (الدر المختار، کتاب الزکاة: ۲۵۷/۲، سعید)

(۵) مصرف الزکاه والعشر فقیر، وهو من له أدنی: أی دون نصاب، ومسکین من لاشیء له علی المذهب ... وصدقة الفطر کالزکاة فی المصرف“. (رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۳۳۹/۲-۳۶۹، سعید)

(۶) وإن لم یقف ما أوصٰی به) المیت (عما علیه) أولم یکف ثلث ماله، أولم یوص بشیء، وأراد أحد التبرع بقلیل لا یکفی، فحیلته لابراء ذمة المیت عن جمیع ما علیه أن (یدفع ذلک المقدار) الیسیر بعد تقدیره لشیء من صیام، أوصلاة أونحوه، ویعطیه(للفقیر) بقصد اسقاط ما یرد عن المیت (فیسقط عن المیت بقدره، ثم) بعد قبضه (یهبه الفقیر للولی) أو للأجنبی (ویقبضه) لتتم الهبة وتملک، (ثم یدفعه) الموهوب له (للفقیر) بجهة الاسقاط متبرعا عن المیت (فیسقط) عن اللمیت (بقدره، ثم یهبه الفقیر للولی) أو للأجنبی (ویقبضه ثم یدفعه الولی للفقیر) متبرعاً عن المیت، وهٰکذا یفعل مراراً (حتٰی یسقط ما کان بظنه (علی المیت من صلوٰة وصیام) ونحوهما مما ذکرنا من الواجبات، وهٰذا هو المخلص فی ذلک إن شاء اللّٰه بمنه وکرمه. (حاشیة الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلاة، فصل فی إسقاط الصلاة والصوم، ص: ۴۳۹، قدیمی)

(۷) ولولم یترک ما لا یستقرض وارثه نصف صاع مثلاً، ویدفعه لفقیر، ثم یدفعه الفقیر للوارث، ثم وثم حتی یتم. (الدرالمختار، باب قضاء الفوائت: ۷۳/۲، سعید)

کی حالت میں ایسا کرنا واجب نہیں اور صورتِ مسئولہ میں تو میت سب کے نزدیک بالکل بری ہے؛ کیوں کہ نماز قضا کرنے کا اسے موقع ہی نہیں ملا۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۷/۱۳۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر العلوم ، ۱۲/رجب ۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۷۶-۱۸۰) ☆

فدیۂ صوم وصلوٰۃ:

سوال(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں ہمارے یہاں عام رواج ہے کہ سنِ بلوغ کے بعد کسی کا انتقال ہوجائے تو آدھا من پانچ سیر گیہوں اور ایک قرآن شریف بطور صدقہ نکالتے ہیں، متوفی خواہ امیر ہو، یا غریب فاقہ کش، سب کے لیے یہی دستور رائج ہے۔ گیہوں کے ٹوکرے فقیر کے سر پر چڑھا کر جنازہ کے آگے کر دیتے ہیں، بعد نماز جنازہ گیہوں کے ڈھیڑ کر کے دس بارہ فقیر اور ملاں بیٹھ کہ حیلہ کرتے ہیں۔ حیلہ کے وقت ملا صاحب اس طرح فرماتے ہیں: ''صوم صلوۃ واجبات جو اس مردے سے قضا ہوئے ہیں، اس کی طرف سے یہ کفارہ میں نے قبول کر کے تم کو بخشا''۔

(۱) هٰكذا في كتب الفقه نحو مراقي الفلاح، ص: ٢٥٤)(حاشية الطحاوي علىٰ مراقي الفلاح، ص: ٤٣٦، فصل في اسقاط الصلاة والصوم، قديمي)/ (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ٩٩/٢، سعيد)/ (تبيين الحقائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ١٩١/٢، دارالكتب العلمية بيروت

☆ **نماز روزہ کا فدیہ:**

سوال: ایک شخص کی بحالت بیماری دو وقت کی نمازیں قضا ہوئیں اور چھ رمضان کے روزے قضا ہوگئے اور اس شخص کا انتقال ہوگیا، اب ان روزوں اور نمازوں کا کفارہ کس حساب سے ادا کرنا؛ یعنی فی نماز روزہ کیا فدیہ دیا جاوے اور کفارہ ایک ہی محتاج کو دے دیا جاوے، یا کئی کو؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلياً

''يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة، وكذا حكم الوتر، والصوم''. (الدرالمختار: ١٠١/١)(الدر المختار علىٰ تنوير الأبصار، باب قضاء الفوائت: ٧٢/٢-٧٣، سعيد)

وفي الشامي (٦٦٦/١)''أي أو من دقيقته أو سويقته أو صاع تمر أو زبيب أو شعير أو قيمته، و هي أفضل عندنا لاسراعها به حاجة الفقراء''. (رد المحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلوٰة عن الميت: ٧٢/٢-٧٣، سعيد)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر نماز ہر روزہ کے فدیہ میں وہی مقدار دی جاتی ہیں، جو صدقۃ الفطر میں دی جاتی ہیں اور وتر مستقل نماز کے حکم میں ہے، یہ تمام فدیہ ایک کو دینا بھی جائز ہے اور کئی کو بھی؛ لیکن ایک فدیہ سے کم دینا جائز نہیں۔

''ولو أدى إلى الفقير أقل من نصف صاع لم يجز، ولو أعطاه الكل، جاز''. (الدر المختار على الطحطاوي: ٣٠٨/١) (الدرالمختار على الطحطاوي، باب قضاء الفوائت: ٧٤/٢، سعيد)

''ولو أعطى فقيراً واحداً جملة، جاز''. (بحر: ٩١/٢)(البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ١٦٠/٢، رشيدية)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم، ۷/۳/۱۳۹۱ھ۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، ۱۹/ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۸۰-۱۸۱)

دائرے والے بھی یکے بعد دیگرے اسی طرح کہتے ہیں، پندرہ بیس مرتبہ یہ الفاظ دائرے میں دہراتے ہیں، پھر گیہوں بانٹ لیتے ہیں، ملا صاحب کا حصہ مع قرآن شریف ان کے مکان پر پہونچا دیتے ہیں۔ حیلہ میں قرآن شریف لانا لازمی ہے؛ بلکہ ضروری سمجھا جاتا ہے، بغیر قرآن شریف کے ملا صاحب حیلہ نہیں شروع کرتے اور اس حیلے کو متوفی کے فوت شدہ صوم وصلوۃ وغیرہ کا نعم البدل مانتے ہیں۔ متوفی غریب ہو اور اس کی جانب سے گیہوں وغیرہ نہ نکالے جاویں تو بعد میں طعنہ تشنیع کی جاتی ہے۔ پس صورت مسئولہ کا جواب مع حوالہ کتب وعبارت فقہ مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں وعندالناس مشکور ہوں؛ تاکہ ان بدعات سے باز آئیں۔

(۲) ہبہ میں قبضہ شرط ہے، یا اشارہ بھی کافی ہے؟ جائیداد متقوم کا حیلہ کیسا ہے؟

(۳) موافق شرع حیلہ کیا جائے تو کیا اس میں فوت شدہ صوم وصلوٰۃ کا حساب ضروری ہے؟

(۴) ولیٔ میت فقیر کے سر پر ٹوکرا چڑھا کر قبرستان پہونچا دیتا ہے، وہ خود حیلہ میں نہیں بیٹھتا تو کیا یہ ہبہ سمجھا جاوے گا اور حیلہ درست ہوگا؟

(۵) دینے والے کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ اس ڈھائی من پانچ سیر گیہوں اور ایک قرآن سے کتنی عبادات کا کفارہ ہوا، بصورت ہذا کفارہ صحیح ہوا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔ فقط والسلام

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

طریقۂ مذکورہ بدعت وناجائز ہے، اصل بلکہ خلافِ اصول شرع ہے۔(۱) نفسِ ایصال ثواب بغیر التزام تاریخ وروزہ وہیئت وغیرہ مستحسن اور باعِ راحتِ میت ہے، خواہ کچھ قرآن کریم پڑھ کر، یا نماز روزہ عبادات کرکے، یا غربا مساکین کو نقد غلہ کپڑا وغیرہ دے کر، یا مسجد مدرسہ کنواں وغیرہ بنا کر ہو۔(۲)

اور طریقۂ مذکورہ میں چند خرابیاں ہیں:

اول یہ کہ اس کو لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہے، حتی کہ اگر اس کو کوئی ترک کرے تو اس پر طعن تشنیع کی جاتی ہے، حالاں کہ جن شیٔ کا استحباب شریعت سے ثابت ہو، اس پر بھی اصرار کرنا ممنوع ہے، اصرار سے وہ شیٔ ممنوع ہو جاتی ہے، چہ جائے کہ بدعت پر اصرار کرنا۔

''الاصرار علی المندوب یبلغه إلٰی حد الکراهة''.(۳)

---

(۱) ''حیلۂ اسقاط مفلس کے واسطے علما نے وضع کیا تھا، اب یہ حیلہ تحصیل چند فلوں کا ملاؤں کے واسطے مقرر ہو گیا ہے۔ حق تعالیٰ نیت سے واقف ہے، وہاں حیلہ کارگر نہیں، مفلس کے واسطے بشرطِ صحتِ نیتِ ورثہ کے کیا عجب ہے کہ مفید ہو، ورنہ لغو اور حیلہ تحصیلِ دنیائے دنیہ کا ہے''۔(فتاوی رشیدیہ، کتاب البدعات، ص:۱۴۰، ادارہ اسلامیات لاہور)

(۲) والأصل فيه أن الإنسان له أن يجلع ثواب عمله لغيره صلاة أوصوماً أوصدقةً أوقرآة قرآن أو ذكراً أوطوافاً أو حجاً أوعمرة أوغيرذلک عند أصحابنا، للكتاب والسنة. (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيدية)

(۳) السعاية، باب صفة الصلاة، قبيل فصل فی القراء ة: ۲۶۵/۲، سهيل اکادمی لاهور

"من أصر علٰی أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة،فقد أصاب منه الشيطان من الاضلال،فكيف من أصر علٰی بدعة أو منكر،آه". (سعاية)(۱)

دوم یہ کہ اس میں قرآن شریف کا ہونا بھی لازم سمجھا جاتا ہے،حالاں کہ نفسِ غلہ کا ثواب پہونچانا شرعاً قرآن شریف کے ساتھ ہونے پر موقوف نہیں؛ بلکہ غیر قرآن شریف ساتھ ہوئے بھی پہونچ جاتا ہے،یہ ایک حکم شرعی کی تغییر ہے۔

سوم یہ کہ یہ حیلہ بغیر ترکہ کے تقسیم کیے ہوتا ہے،حالاں کہ بسا اوقات بعض ورثہ نابالغ ہوتے ہیں،نابالغ کا حصہ صرف کرنا ہرگز جائز نہیں،اگر وہ اجازت دے تو اجازت بھی معتبر نہیں۔(۲)

چہارم: اس میں قبضہ نہیں ہوتا،حالاں کہ صدقہ کے لیے قبضہ شرط ہے۔(۳)

پنجم: غلے کی یہ مقدار بھی شرعاً متعین نہیں۔

ششم: یہ مقدار کافی ولازم سمجھی جاتی ہے،حالاں کہ بعض اوقات صوم،صلوۃ میت کے ذمے کچھ بھی نہیں ہوتا اور بعض اوقات اتنی مقدار ہوتی ہے کہ اعتبار سے یہ غلہ ناکافی ہوتا ہے؛ کیوں کہ ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ واجب ہوتا ہے اور یہی مقدار ہر روزے کے عوض میں ہے۔(۴)

ہفتم: عام طور پر یہ حیلہ ریاکاری اور فخر کے لیے کیا جاتا ہے؛اسی لیے حساب نہیں کیا جاتا ہے؛ بلکہ مقدار مقررہ اور قرآن کریم کے دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے اور اسی کو ضروری سمجھا جاتا ہے،خواہ میت کے ذمہ صوم وصلٰوۃ کچھ فوت شدہ باقی ہو، یا نہ ہو۔ نیز اگر ہو تو کم ہو یا زیادہ ہو،قرآن شریف کو خدا جانے کس قدر کفارہ سمجھتے ہیں، حالاں کہ اس میں قیمت کا اعتبار رہوتا ہے۔

"وفي البزازية:ويكره نقل الطعام في المواسم واتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن وجمع الصلحاء والقراء ة للختم، وأطال ذلك في المعراج وقال: وهٰذه الأفعال كها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لايريدون بها وجه الله تعالٰی،ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أوغائب،آه". (ردالمحتار)(۵)

"فيحتر ز تقسيم كردن نقد غله وغيره بعد ميت از تركه ان بمحتاجان به نيتِ ثواب جائز است بشرطيكه وارثانش كبار باشد

(۱) السعاية،باب صفة الصلاة،قبيل فصل في القراء ة:۲/۲٦۳،سهيل اكادمي لاهور

(۲) ولا (أي لا تصح الوصية) لوارثه وقاتله مباشرة ... إلا بإجازة ورثته ... وهم كبار عقلاء،فلم تجز إجازة صغيره". (الدرالمختار،كتاب الوصايا:٦/٦٥٦،سعيد)

(۳) وتمامها كرهن وصدقة؛لأن القبض شرط تمامها.(الدرالمختار،كتاب الهبة:۵/۲۹۱،سعيد)

(۴) ولومات وعليه صلوات فائتة،وأوصٰی بالكفارة،يعطی لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة،وكذا حكم الوتر والصوم،وإنما يعطی من ثلث ماله.(الدرالمختار،باب قضاء الفوائت،عند مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت:۲/۷۲-۷۳،سعيد)

(۵) رد المحتار،باب صلاة الجنازة،مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت:۲/۲٤۰-۲٤۱،سعيد

وراضی باشند بدادن، واگر ورثہ میت صغار اند، بدون تقسیم ترکہ تقصدق جائز نیست. وبدون ایں چیزہا ہمراہِ جنازہ رسم جاہلیت است، ازشرع شریف ثابت نیست، وچیزے کہ نظیرش دراصلِ شرع یافتہ نمی شود کردن آں چیز مکروہ است یا حرام. اَما دادنِ تصدق بفقراء ومساکین برائے ثوابِ میت بے آنکہ ہمراہ جنازہ برند جائز است، زیراکہ برائے ثوابِ میت چیزے کہ بمحتاجاں می دہند، مستحب آنست کہ بے روی وریاو بے تعینِ وقت وروز باشد، الا بدعت می گرددودریں صورت دادنِ ایشاں خالی ازکراہت نخواہد شد ﴿واللّٰہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم﴾ ۔(رسائل اربعین، ص:۵۱-۵۰، مطبوعہ درمطبع محمدی، ماہ صفر ۱۲۱۱ھ)

کفارۂ صوم وصلوٰۃ میت کا مشروع طریقہ یہ ہے کہ اگر اس نے مرنے سے پہلے وصیت کی تو ایک ثلث ترکے میں ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ، یا اس کی قیمت کسی فقیر کو دے دی جائے، اسی طرح ہر روزہ کے عوض اور وتر بھی شرعاً مستقل نماز ہے، اگر ایک ثلث ترکے میں سے پورا ہوجائے تب تو خیر، ورنہ سب ورثہ کی اجازت سے، بشرطیکہ وہ بالغ ہوں۔ ایک ثلث سے زائد سے بھی وصیت کو پورا کیا جاسکتا ہے، بغیر وصیت صدقہ دینا جائز نہیں؛ تاہم اگر بالغ ورثہ اپنے حصہ میں سے دے دیں، تب بھی درست ہے اور نابالغ کا حصہ صدقہ کرنا جائز نہیں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۰/۱۲/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف، ۱۳۶۰/۱۲/۱۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۱۸۱-۱۸۵)

مسافر ومریض پر فدیۂ صوم وصلوٰۃ:

سوال: اگر مریض بسببِ مرض روزہ نہ رکھ سکے اور صحت کی قطعاً نوبت نہیں آئی تو ایسی صورت میں اس پر صدقہ واجب ہوگا، یا نہیں؟ باوجودیکہ صدقہ کے لیے صحت ضروری ہے؛ تاکہ انہیں ایام کے اعتبار سے صدقہ کی وصیت کرجائے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر ایسا مریض تھا کہ روزہ نہیں رکھ سکتا تھا اور مرض ہی میں انتقال ہوگیا، روزہ رکھنے کے قابل صحت میسر نہیں ہوئی تو اس کے ذمہ فدیہ کی وصیت لازم نہیں، نہ ورثہ کو فدیۂ صوم دینا واجب ہے۔

”وکذا حکم الصوم فی شھر رمضان إن أفطر فیه المسافر والمریض وماتا قبل الاقامة

---

(۱) ولا (أی لا تصح الوصیة) لوارثه وقاتله مباشرة ... إلا بإجازة ورثته ... وهم کبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغیره“. (الدرالمختار، کتاب الوصایا: ٦٥٦/٦، سعید)

(ولو مات وعلیه صلوات فائتة، وأوصی بالکفارة، یعطی لکل صلاة نصف صاع من بر کالفطرة، وکذا حکم الوتر والصوم، وإنما یعطی من ثلث ماله“ (الدرالمختار، باب قضاء الفوائت، عند مطلب فی إسقاط الصلوٰة عن المیت: ۷۲/۲-۷۳، سعید)

والصحة،لعدم إدراكهما عدة من أيام أخر،فلا يلزمهما الايصاء به؛لأنهما عذار في الأداء،فلأن بعذرا في القضاء.أولٰى".(زيلعى)(۱)

وإذا لم يلزمهما القضاء لايلزمهما الإيصاء به".(مراقى الفلاح مختصراً،ص: ۲٦۲)(۲)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۸۵۔۱۸۶)

مریض پر فدیہ صوم:

سوال: اگر کوئی شخص اختلاطی دورہ میں مبتلا ہو، کیفیت ان کی یہ ہو کہ بغیر دوا کے صحت نہ ہوتی ہو اور نماز میں کبھی اس کی کیفیت یہ ہو کہ چار کی جگہ پانچ اور دو سجدوں کی جگہ تین سجدے، یا چار سجدے کرتا ہو اور رمضان کے رزے میں حالت اس کی غیر ہوتی ہو حتی کہ ہوش وحواس بھی مختل ہو جاتے ہیں۔ اندریں صورت اس کو رمضان کے روزوں کے متعلق کیا کرنا چاہیے؟ روزے رکھنے کی طاقت بالکل نہیں ہے اور روزوں کی ادائیگی کی کیا شکل ہونا چاہیے؟ نیز کفارہ کی کیا تفصیل ہے؟

الجواب ———————— حامداً ومصلياً

جس شخص میں بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں، اگر روزہ رکھے تو مرض کے زیادہ ہونے کا خوف ہے تو اس کے لیے شرعاً اجازت ہے کہ رمضان شریف میں روزہ نہ رکھے؛ بلکہ صحت یاب ہو کر قضا کرے،(۳) اگر حالتِ مرض میں ہی مر گیا، صحت یاب نہیں ہوا تو اس پر قضا، فدیہ کچھ واجب نہیں۔(۴) اگر صحت یاب ہو کر روزوں کی قضا نہیں کی اور مر گیا تو مرتے وقت اس پر وصیت واجب ہے، ورنہ اس کی طرف سے ایک ثلثِ ترکہ میں سے اس کے روزوں کا فدیہ دیں۔(۵) ہر روزہ کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ، یا اس کی قیمت کسی مسکین، غریب کو دیں، یا

---

(۱) تبيين الحقائق،كتاب الصوم،فصل في العوارض: ۱۹۱/۲،دار الكتب العلمية بيروت

(۲) حاشية الطحطاوى علىٰ مراقى الفلاح،ص: ٤۳۷،فصل في إسقاط الصلاة والصوم،قديمى

(۳) (منها المرض) المريض إذا خاف علىٰ نفسه التلف أوذهاب عضو،يفطر بالاجماع.وإن خاف زيادة العلة وامتداده،فكذلك عندنا،وعليه القضاء إذا أفطر،كذا في المحيط.(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الافطار: ۲۰۷/۱،رشيدية)

(۴) (فإن ماتوا فيه):أى في ذلك العذر(فلا تجب) عليهم (الوصية بالفدية،لعدم إدراكهم عدة من أيام أخر.(تنوير الأبصار مع الدر المختار،كتاب الصوم،فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ٤۲۳/۲،سعيد)

(۵) (ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت) الوصية بقدر إدراكهم عدة من أيام أخر.(وفدى) لزوماً (عنه): أى عن الميت (وليه) الذى يتصرف في ماله (كالفطرة) قدرا (بعد قدرة عليه): أى علىٰ قضاء الصوم (وفته) (بوصيته من الثلث).(الدر المختار)(قوله:من الثلث) أى ثلث ماله بعد تجهيزه وايفاء ديونه". (رد المحتار،كتاب الصوم،فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ٤۲٤/۲، سعيد)

پیٹ بھر کھانا کھلا دیں۔(۱) اگر وصیت نہیں کی، تو ورثہ کے ذمہ کچھ واجب نہیں،(۲) اور جو شخص اس قدر بوڑھا ہوگیا ہے کہ اس میں روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہیں اور یہ بھی توقع نہیں کہ آئندہ اس میں اس قدر طاقت آئے گی؛ بلکہ روز بروز حالت کمزور ہی ہورہی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ موت کا وقت قریب آگیا تو ایسے شخص کے لیے شرعاً حکم ہے کہ وہ اپنی زندگی ہی میں روزوں کا فدیہ دے دے۔(۳) اس کی ضرورت نہیں کہ مرتے وقت وصیت کرے اور بعد میں اس کے ورثہ فدیہ دیں، اگر اس نے اپنی زندگی میں فدیہ نہ دیا اور وصیت کی تو طریقۂ مذکورہ کے مطابق فدیہ دے دیا جائے۔(۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرہ، مفتی مدرسہ ہٰذا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۸۶-۱۸۷)

فدیہ اور فطرہ کس نرخ سے ادا کریں:

سوال (۱) بغرضِ ادائے فدیۂ روزہ اور فطرۂ عید نرخِ بازارا معتبر ہے، یا کنٹرول ریٹ، جس کو دیا جانا مقصود ہے، اس کو کنٹرول ریٹ سے گیہوں مل سکتا ہے، بازار میں گیہوں گراں ملتا ہے، گو اتنا گراں عامۃً نہیں ملتا اگر دیہات سے منگائی جائے؟

فدیہ دیندار عالم کو دینا افضل ہے:

(۲) فدیہ، یا فطرہ کسی عالم دیندار شخص کو جو صاحبِ حاجت ہوں؛ لیکن خرچ سے پریشان ہوں، دینا انسب ہے، یا بالکل مسکین کو؟

فدیۂ صیام شروعِ رمضان میں دے، یا اخیر رمضان میں:

(۳) آیا فدیۂ رمضان شریف شروع ہوتے ہی ادا کرنا ضروری ہے، یا رمضان کے کچھ دن گزرنے پر بھی

(۱) فیطعم عنه وليه لكل يوم الكفطرة):أی وجب على الولي يؤدی فدية ما فاتها من أيام الصيام الفكرطرة عينا أوفيمة.(مجمع الأنهرشرح ملتقى الأبحر،كتاب الصوم، فصل فی العوارض: ۳٦٧/١،غفارية كوئٹه)

(۲) وإن لم يوص فبرع به الورثة جاز وإن لم يتبرعوا،لم يلزمهم.(بدائع الصنائع،كتاب الصوم،بيان شرائط وجوبه:٢٦٣/٢،رشيدية)

(۳) (قوله:وللشيخ الفانی،هويفدی فقط):أی له الفطر،وعليه الفدية،وليست علٰى غيره من المريض والمسافروالحامل والموضع،لعدم وردو نص فيهم، وورو ده فی الشيخ الفانی،وهوالذی كجل يوم فی نقص إلٰى أن يموت،ويسمى به (أی يسمى الشخ الفانی شيخاً فانياً) أمالأنه قراب من الفناء أولأنه فنيت قوته.(البحرالرائق، كتاب الصوم،فصل فی العوارض:٢/ ٥٠١،رشيدية)

(۴) أومريض خاف الزيادة الفطروقضوا ما قدروا بلا فدية ولاء،وقدم الأداء على القضاء،فإن ماتوا فيه فلا تجب الوصية بالفدية،ولو ماتوابعد زوال العذر،وحصيت، وفدى عنه وليه كالفطرة بعد قدره عليه وفوته بوصية من الثلث وإن تبرع وليه به،جاز.وللشيخ الفانی العاجزعن الصوم الفطر ويفدی.(تنويرالأبصارمع الدرالمختار،كتاب الصوم،فصل فی العوارض المبيحة لعدم الصوم:٢/ ٤٢٢_٤٢٧،سعيد)

دے سکتے ہیں؟ نیت پہلے سے کرلی جائے کہ دوں گا؟ میرے گھر میں اور والدہ دونوں بے حد کمزور ہیں اور بیمار ہیں، صحت وقوت بہت کم ہے اور نہ اس کے عود کرنے کی کوئی امید ہے؟ (عبدالجلیل، اعظم گڑھ)

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) جس نرخ سے اپنی ضروریات پوری کی جاتی ہیں، اسی نرخ سے فطرہ اور فدیہ دے دیں۔ظاہر ہے کہ آج کل کنٹرول سے عامۃً ضروریات پوری نہیں ہوتیں؛ اس لیے بازاری نرخ سے دیں. (۱)

(۲) دیندار حاجت مند کو دینا افضل ہے۔(۲)

(۳) شیخ فانی کو فدیہ دینا شروعِ رمضان میں بھی درست ہے، اخیر میں بھی۔(۳) واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۱۳۸۵ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۸۹-۱۹۰)

ادائے فدیہ کا طریقہ اور مصرف:

سوال: اگر فدیہ کی اجازت ہو تو کیا یہ ضروری ہے کہ ہر روزہ کا فدیہ روزانہ ہی ادا کیا جائے، یا پورے ماہ کے روزوں کا فدیہ یکمشت ختم رمضان پر، یا پیشگی ہی ادا کیا جاسکتا ہے؟ اور اگر ایسا ممکن ہو تو ختمِ رمضان پر پورے ماہ کے فدیہ کے لیے کس قدر غلہ دینا ضروری ہے؟ آیا بازاری بھاؤ کے اعتبار سے اس کی قیمت ادا کی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ اگر قیمت ادا کی جاسکتی ہے تو آیا اس کا غربا کو ہی تقسیم کرنا ضروری ہے، یا کسی غریب عزیز کو بھی دیا جاسکتا ہے، یا کسی مدرسہ کو بھی دیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جس صورت میں فدیہ کا حکم ہے، تو فدیہ یکمشت قبل رمضان اور بعد رمضان اور روزانہ جس طرح دل چاہے ادا کیا جاسکتا ہے، کوئی خاص پابندی نہیں، ایک روزہ کا فدیہ ایک صدقۂ فطر کے برابر غلہ یا اس کی قیمت ہے، جو بازار کا عام بھاؤ ہو اس سے قیمت لگائی جائے(۴) واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۱۳۸۵ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۱۹۰)

---

(۱) (وجاز دفع القيمة فى زكاة وعشر و خراج وفطرة ونذر وكفارة ... ويقوم فى البلد الذى المال فيه،ولو فى مفازة ففى أقرب الأمصار إليه. (الدرالمختار، كتاب الزكاة،باب زكاة الغنم:۲/۲۸۵-۲۸۶،سعيد)

(۲) وكره نقلها إلا إلٰى قرابة أوأحوج أوأصلح،أوأروع،أوأنفع للمسلمين فى المعراج:التصدق على العالم الفقير أفضل". (الدرالمختارعلٰى تنويرالأبصار،باب المصرف:۲/۳۵۳-۳۵۳،سعيد)

(۳) وللشيخ الفانى العاجزعن الصوم الفطر ويفدى وجوبا ولو فى أول الشهر: أى يخير بين دفعها فى أوله أو آخره،كما فى البحر. (رد المحتارعلى الدرالمختار،فصل فى العوارض،إلخ:۲/۴۲۷،سعيد)

(۴) وفدى لزوماً عنه وليه الذى يتصرف فى ماله كالفطرة قدراً بعد قدرته عليه،وفوته بوصيته من الثلث، إلخ. (الدرالمختارشرح تنويرالأبصار،فصل فى العوارض المبيحة:۲/۴۲۴،سعيد)

کئی روزوں کا فدیہ ایک شخص کودینا:

سوال: کئی روزوں کے فدیہ کا اناج یا قیمت ایک فقیر کو دینا جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جائز ہے۔

"ولوما توا بعد زوال العذر وجبت،وفدى عنه وليه كالفطرة قدرا،آه".

"(قوله: قدراً):أى التشبيه بالفطرة من حيث القدر،إذ لا يشترط التمليك هنا،بل تكفى الاباحة بخلاف الفطرة،وكذا هى مثل الفطرة من حيث الجنس وجوازأداء القيمة وقال القهستانى: واطلاق كلامه يدل علىٰ أنه لودفع إلىٰ فقيرجملة، جاز،ولم يشترط العدد، ولا المقدار،لكن لودفع إليه أقل من نصف صاع لم يعتد به،وبه يفتى". (شامی: ١٦١/١)(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہرالعلوم سہارنپور۔الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، ۱۳۶۶/۲/۲۷ھ۔ صحیح:عبداللطیف، مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، ۱۳۶۶/۲/۲۷ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۹۱/۱۰)

اگر ۲۸/ہی روزے رکھے:

سوال: رمضان المبارک کے روزوں کی تعداد انتیس، یا تیس ہوتی ہے،سعودی عرب میں روزے دوروز قبل اور انڈیا میں عموماً دوروز بعد شروع ہوتے ہیں، چناں چہ حیدرآباد میں دوروز بعد روزے شروع کر کے سعودی عرب جانے والے عازمین عمرہ نے وہاں کے چاند کے لحاظ سے دوروز قبل رمضان کے روزے ختم کئے اور عید منائی، اسی طرح سال ۱۹۹۹ء میں ان عازمین عمرہ کو ۲۸/روزے رکھنے پڑے، جب کہ یہاں پر اور وہاں پر بھی تیس روزوں کا مہینہ تھا، گویا یہاں پر چاند دیکھ کر روزہ شروع کیا اور وہاں پر چاند دیکھ کر روزے ختم کئے اور عید منائی، اس سلسلہ میں دوروزوں کی کمی پر شرعی مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟　　(محمد حسین خان، سالار جنگ کالونی)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

قرآن مجید نے ایک ماہ روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے،(۲) اور ایک ماہ سے کیا مراد ہے؟ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات کے ذریعہ واضح فرمایا، انتیس یا تیس دن،(۳) لہٰذا اس سے کم روزہ رکھنا کافی نہیں ہوگا، جب

---

(۱)　ردالمحتارعلى الدرالمختار: ٤٢٤/٢،فصل فى العوارض،سعيد

(۲)　﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾(سورةالبقرة:١٨٥)

(۳)　عن ابن عمرعن النبيﷺ صلى الله عليه وسلم قال:إنا أمة أمية لا نكتب و لا نحسب الشهرهٰكذا هٰكذا يعنى مرة تسعة وعشرين ومرة ثلاثين .(صحيح البخاري،رقم الحديث:١٩١٣،باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لا نكتب ولانحسب)

ہندوستان اور سعودی عرب دونوں جگہ اس سال پورے تیس دن کا روزہ ہوا اور آپ کے روزے اٹھائیس ہی ہوئے تو اب مزید دوروزے مکمل کرنے ہوں گے؛ تا کہ تیس دن پورے ہوجائیں، یہ جو بات حدیث میں فرمائی گئی ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ شروع کیا جائے اور چاند دیکھ کر روزہ ختم کیا جائے، (۱) یعنی جب عید کا چاند دیکھ لیا جائے ،تو اس کے بعد رمضان کا روزہ نہیں، یہ حکم اس شخص سے متعلق ہے، جو ایک ہی مقام پر رمضان کا چاند بھی دیکھے اور عید الفطر کا بھی۔
(کتاب الفتاویٰ:۳/۴۱۳-۴۱۴)

۲۹/روزے:

سوال: ہندہ نے اس سال رمضان شریف کا آغاز ہندوستان میں کیا اور درمیان میں شارجہ چلی گئی اور روزوں کا اختتام وہیں ہوا، جب کہ وہاں ایک دن قبل ہی چاند نظر آ گیا اور ہندوستان میں ۳۰/رمضان بعد عید ہوئی، اس طرح ہندہ نے ۲۹/روزے رکھے، جب کہ ہندوستان والوں نے ۳۰/روزے رکھے، کیا ہندہ کو ایک روزہ کی قضا لازم ہوگی؟
(نفیس احمد، ختیل پیٹ)

الجواب

اس سال ہندوستان اور متحدہ عرب امارات میں ایک ساتھ رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوا؛ لیکن عید کا چاند امارات میں ایک دن پہلے اور ہندوستان میں ایک دن بعد نکلا، چوں کہ ماہِ رمضان کے اختتام پر ہندہ امارات میں تھی اور وہیں عید کا چاند نکلا تو اختتام کے سلسلہ میں اس پر وہیں کے احکام جاری ہوں گے، اور ۲۹/تاریخ کو اس کا رمضان مکمل سمجھا جائے گا، اب اسے ایک روزہ قضاء کرنے کی ضرورت نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۱۴-۴۱۵)

روزہ میں جلق:

سوال: روزہ کی حالت میں مشت زنی کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟ (خالد، قلعہ گولکنڈہ)

الجواب

یہ فعل ہر حال میں گناہ ہے، سوائے اس کے کہ زنا سے بچنے کے لیے اضطرار کی کیفیت ہو جائے، اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، البتہ کفارہ واجب نہیں ہوتا، صرف روزہ کی قضا کرنی ہوگی۔ (۲) (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۱۵)

---

(۱) عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ذکر رمضان فقال: لا تصوموا حتٰی تروا الهلال و لا تفطروا حتٰی تروه فإن غم علیکم فاقدروا له. (صحیح البخاري، رقم الحدیث: ۹۰۶، باب قول النبي صلی اللّٰه علیه وسلم إذا رأیتم الهلال فصوموا و إذا رأیتموه فأفطروا)

(۲) استمنٰی بکفه ... قضی. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۳۷۹، نیز دیکھئے: ص: ۳۷۱، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد)

ایک شخص کوکئی روزوں کا فدیہ:

سوال: زید روزے نہیں رکھ سکتا، وہ فدیہ ادا کرتا ہے اور کھانا کھلانے کے بجائے گیہوں دے دینا چاہتا ہے، کیا وہ ایک مسکین کوکئی روزوں کا فدیہ ادا کرسکتا ہے؟ (فخر الدین سلیم، ورنگل)

الجواب

اس صورت میں بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ ایک مسکین کوایک دن کا فدیہ ادا کرے، یا ایک ہی مسکین کوروزآنہ ایک ایک دن کا فدیہ ادا کرتا چلا جائے، اس صورت کے درست ہونے میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں؛ لیکن اگر ایک ہی دفعہ ایک محتاج شخص کوایک سے زیادہ دنوں کا فدیہ ادا کرے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، یہ صورت بھی درست ہے اور اسی پرفتوی ہے۔

(للشیخ الفانی العاجزعن الصوم الفطر ویفدی) وجوباً ولو أول الشهروبلا تعدد فقیر.(۱)

(کتاب الفتاویٰ:۳/۴۱۵-۴۱۶)

کیا قضا کے ساتھ فدیہ بھی ادا کرے:

سوال: جولوگ بیماری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ کر بعد میں افطار کرنے والے ہوں، کیا ان کوبھی فدیہ ادا کرنا ہوگا، نیز کیا دودھ پلانے والی عورت کوبھی فدیہ دینا لازمی ہے؟ (عبداللہ صدیقی)

الجواب

جولوگ وقتی بیماری کی وجہ سے روزہ قضا کررہے ہوں، ان کوآئندہ صرف قضاء کرنا ہوگا، فدیہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں، جوعورت بچہ کودودھ پلاتی ہو، روزہ رکھنے کی صورت میں بچہ کا دودھ متاثر ہوسکتا ہو، یا خود اس کونقصان پہونچنے کا اندیشہ ہوتو فی الحال روزہ نہ رکھنے اور بعد میں اس کی قضا کرنے کی گنجائش ہے اور آئندہ قضا کرنا ہی ضروری ہے، فدیہ ادا کرنا نہ ضروری ہے اور نہ کافی۔(۲) (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۱۶)

حالت حیض کے روزوں کی قضا:

سوال: اگرعورت سے حالتِ حیض میں روزے چھوٹ جائیں تو کیا اس کی قضا رکھنا کافی ہے، یا کفارہ بھی ادا کرنا ہوگا؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب

صرف قضا کرنا واجب ہے، کفارہ واجب نہیں؛ (۳) اس لیے کہ ان دنوں روزہ ترک کرنے میں عورت کے فعل کو

---

(۱) ردالمحتار، فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم: ۲/۴۲۷، انیس

(۲) بدائع الصنائع: ۲/۲۵۲

(۳) إنما یکفرإن نویٰ لیلاً ولم یکن مکرهاً ولم یطرأ مسقط کمرض و حیض.(الدر المختارعلیٰ ردالمحتار: ۳/۳۹۰)

دخل نہیں؛ بلکہ طبعی مجبوری اور شریعت کی طرف سے اس حالت میں روزہ رکھنے کی ممانعت کی وجہ سے اس کے روزے قضاء ہوئے ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۱۷)

حائضہ کا کھانے پینے سے رُکا رہنا:

سوال: اگر کسی عورت کو آدھا روزہ رکھنے کے بعد حیض آئے تو کیا روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر نفلی روزہ ہے تو کیا اس کی قضا بھی کرنی ہوگی؟ نیز کیا ایسی عورت کو کھانے پینے سے رکا رہنا چاہیے؟ (ایک بہن، جگتیال)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر روزہ شروع کرنے کے بعد حیض آجائے، تب بھی روزہ فاسد ہوجائے گا اور اس دن کی قضا واجب ہوگی، اگر نفل روزہ تھا تو چوں کہ شروع کرنے کی وجہ سے وہ واجب ہو چکا؛ اس لیے اس کی قضا بھی ضروری ہوگی، جو عورتین نفاس کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتیں، ان کو کھانا پینا چاہیے، کھانے پینے سے رک جانا جائز نہیں۔ علامہ طحطاوی نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس حالت میں روزہ رکھنا حرام ہے اور کھانے پینے سے رک جانا روزہ رکھنے کی مشابہت اختیار کرنا ہے اور حرام کی مشابہت اختیار کرنا بھی حرام ہے۔ (۱) (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۱۷-۴۱۸)

کفارہ اور فدیہ کے کھانے کے عوض میں قیمت دینا:

سوال: یہ کہ کفارہ اور فدیہ کے کھانے کے عوض میں، قیمت دینا جائز ہے، یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ چند صیام کا فدیہ آیا، ایک بار ایک شخص کو دینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

کفارہ میں قیمت دینا بھی درست ہے، جس قدر ایک آدمی کو دیا جاتا ہے کہ ایک صاع یا نصف صاع ہے، اس کی قیمت دے دیوے درست ہے اور فدیہ صوم وصلوٰۃ میں بھی قیمت دینا درست ہے؛ مگر کفارہ کا طعام و قیمت ایک کی ایک کو ملے گی اور فدیہ کے طعام و قیمت کو چاہے، سب ایک کو دے دیوے تو درست ہے۔

(فرخ آباد، ص۲۴، ۲۵، ۲۷) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ: ص۲۰۸)

کسی ظالم کے خوف سے روزہ قضا کرنا:

سوال: ایک ظالم ایک شخص سے کہتا ہے کہ اگر تو اس ماہ رمضان میں روزہ رکھے گا تو میں تجھ سے تیرا سب مال چھین لوں گا اور اس شخص کو اس مال کے جانے سے بہت دقت اور تکلیف ہوگی اور وہاں کوئی ایسا شخص نہیں ہے، جو اس کو اس ظلم سے بچائے اور اس کے پاس ایسا سامان اور حمایت بھی نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ حاکم سے فریاد کرکے،

(۱) طحطاوی علی المراقی: ص: ٤٤٧، فصل یجب الإمساک

اس مال کو جو ظالم غصب کرتا ہے، وصول کر سکے۔ اس صورت میں مظلوم کو دفعِ ظلم کے واسطے، اس رمضان میں افطار کرنا اور اس کی قضا دوسرے مہینے میں جائز ہے، یا نہیں؟

زید کہتا ہے کہ جائز نہیں ہے، اس واسطے کہ یہ شخص نہ مریض ہے، نہ مسافر اور بکر کہتا ہے کہ یہ افطار اور قضا جائز؛ بلکہ اولیٰ ہے، مرض اور سفر میں افطار کی علت قرآن سے ثابت ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا اور صورت مذکورہ میں روزہ رکھنے میں ایسی سختی ہے کہ اکثر اوقات مرض اور سفر میں بھی نہیں ہوتی۔

اس مسئلہ میں زید کا قول ٹھیک ہے، یا بکر کا؟ ان مسائل کا جواب شافی دوسرے ورق پر روانہ فرمائیں اور اپنی خیریت سے اطلاع دیجئے۔ فقط والسلام　　(عریضہ ادب: نظیر حسن عفی عنہ)

الجواب

اکراہ جان پر ہوسکتا ہے، نہ کہ مال پر، اگر مال لینے کی تخویف کرے اور روزہ فرض سے روکے تو مال اگر چہ جاوے، ترک فرض درست نہیں ہے اور غرض سفر کی تخفیف سے مال کو بچانا نہیں ہوسکتا، (۱) مال خرچ کے واسطے ہے، جان کی راحت کے واسطے ہوتا ہے۔

ہنوز طبع میری درست نہیں ہوئی، اسی واسطے سبق طلبا کا شروع کرایا نہیں گیا۔ فقط

(فرخ آباد، ص: ۱۱-۱۵) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ: ص ۲۰۹)

کفاروں کی ادائیگی میں دیر کرنا:

سوال: جس کے ذمہ روزہ کفارہ کے ہوں طلب علم میں ہو، یا حفظ کلام اللہ میں اگر روزہ رکھتا ہے تو طلب علم میں نقصان ہوتا ہے اور اگر نہیں رکھتا ہے تو اس کا مواخذہ سخت ہوتا ہے کہ کفارہ کے روزے اس کے ذمہ ہیں، اگر بعد طلب علم کے رکھ لے تو درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

کفارہ کے روزوں میں تاخیر نہ چاہیے، اگر چہ حفظ قرآن و تحصیل علم میں حرج لازم آوے۔ (تالیفات رشیدیہ، ص: ۴۷۴)

کئی رمضان کے کئی روزوں کا کفارہ:

سوال: اگر قضا چند صوم رمضان کے سبب کفارات ہوں، خواہ دو رمضان کے جمع ہوں تو کفارہ ایک ہی کافی ہوگا، یا ہر ایک صوم کا علاحدہ اور اگر طالب علمی میں کفارہ ادا نہ کر سکتے تو بعد فراغ علم درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

کفارات میں تداخل ہو جاتا ہے، اگر دس روزے رمضان کے خواہ ایک ماہ، خواہ چند سال کے جمع ہوں تو ایک

(۱) یعنی سفر کی رخصت پر، حفاظت مال کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ [پالن پوری]

کفارہ کافی ہے اور اگر بعد فراغ طالب علمی کے کفارہ دیوے تو بھی درست ہے؛ مگر جب تک طاقت صوم کی ہے، اطعام جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص:۴۷۵)

کئی روزے توڑنے کے کفارے کتنے ہوں گے:

سوال: جس شخص نے چند روزہ رمضان بعد بلوغ کے توڑے ہوں اور یاد نہ ہوں کہ کتنے روزوں کا کفارہ دینا ہوگا تو کیا ایک کفارہ سب کے لیے کافی ہے؟

الجواب

کئی روزے توڑنے کا کفارہ ایک ہی ہے، خواہ رمضان ایک ہی کے روزے توڑے ہوں، یا کئی رمضان کے توڑے ہوں۔ فقط (تالیفات رشیدیہ، ص:۴۷۵)

عید کی خبر دوسری جگہ سے آنے پر روزہ رکھنے والے کیا کریں:

سوال: جوانب واطراف سے خبریں عید ہونے کی بروز پیر کے معتبر ویقینی سن کر چند آدمیوں نے روزہ ظہر کے وقت توڑ دیا، زید کہتا ہے کہ ان آدمیوں کے ذمہ کفارہ روزہ کا لازم ہوگیا، بکر کہتا ہے کہ کفارہ لازم نہیں ہوا، قضا واجب ہوگئی کہ جن آدمیوں نے روزہ توڑا، اس نیت سے توڑا کہ عید کے دن روزہ منع ہے، کچھ خواہش نفس سے نہیں توڑا، جن شخصوں نے روزا توڑا شریعت کا کیا حکم ہے؟ آیا کفارہ لازم ہوگیا، یا قضا کا روزہ رکھے، یا نہ رکھے؟

الجواب

جب دلیل شرعی سے ثابت ہوگیا کہ اتوار کے دن چاند ہوگیا تو پیر کے دن افطار واجب ہوگیا، افطار کرنے والوں پر نہ قضا ہے، نہ کفارہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص:۴۷۵) ☆

☆ ملفوظات:

(۱) کسی شخص نے رمضان شریف کا مٹی سے روزہ توڑ دیا تو اس پر کفارہ نہ آوے گا اور اگر غیر رمضان میں توڑا ہے تو کفارہ نہیں آتا، خواہ مٹی سے توڑے، یا کسی اور شے سے، البتہ رمضان میں کسی غذا ودوا سے رمضان کا روزہ توڑے تو اس سے کفارہ آتا ہے۔ فقط

(۲) اگر کسی پر دس بیس روزے رمضان کے عمداً توڑنے کے سبب کفارات ہوں، اگرچہ چند رمضان کے ہوں تو سب کا ایک کفارہ آتا ہے، ہر ایک روزہ کا جدا نہیں ہوتا، بعد ختم قرآن کے دعا مانگنا مستحب ہے، خواہ تراویح میں ختم ہوا ہو، خواہ نوافل میں خواہ خارج نماز پڑھا ہو، یا کہ بعد عبادت کے، نماز ہو، یا ذکر ہو، اجابت کی توقع ہے اور جو کچھ کنز العباد وغیرہ میں لکھا ہے، وہ قابل اعتبار نہیں۔ حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ بعد تلاوت قرآن کے اور بعد ختم قرآن کے وقت اجابت کا ہے، لہٰذا ختم بعد تراویح بھی اس میں داخل ہے۔ اگر اس وقت کی دعا کو واجب اور ضروری جانے تو بدعت ہے، اس کو ہی شاید کنز العباد وغیرہ میں بدعت کہا ہو۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

اور ایک دفعہ بسم اللہ کا پکار کر پڑھنا ختم میں چاہیے، حنفیہ کے نزدیک خواہ فاتحہ کے ساتھ پڑھ لے، خواہ کسی اور صورت کے ساتھ۔ (تالیفات رشیدیہ، ص:۴۷۵)

شہادت معتبرہ سے اگر ثابت ہوجائے کہ جس دن روزہ رکھنا چاہیے تھا، نہیں رکھا گیا، کیا کیا جائے:

سوال: یہاں پر پہلا روزہ رمضان شریف کا جمعرات کے روز ہوا، رؤیت ہلال شوال کی جمعرات کی ہوئی اور عید بروز جمعہ ہوئی انتیس روزے ہوئے، بعض مقامات شملہ وکوہ منصوری و نینی تال و بھوپال میں سنا گیا کہ روزہ بدھ کا ہوا اور ان مقامات مذکورہ کے باشندگان کے پورے تیس روزے ہوئے زیادہ تر خارجاً یہاں یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت مولانا صاحب عم فیضہ نے بدھ کے روز کی بابت تحقیق فرمالی ہے اور انتیس روزے رکھنے والوں کو ایک روزہ رکھنے کے واسطے حکم فرمادیا ہے، لہٰذا گزارش ہے کہ آیا ہم لوگوں کو جنہوں نے انتیس روزے رکھے ہیں، ایک روزہ رکھنا چاہیے، یا نہیں؟ اور کوہ شملہ ومنصوری و نینی تال جو بلندی پر آباد ہیں، وہاں کی رؤیت ہلال ہمارے واسطے لازم ہے، یا نہیں؟ اور یہ بھی ظاہر کرنا ضروری ہے کہ ہم نے جب کہ یہ خبر سنی کہ پہلا روزہ بدھ کا ہوا ہے تو یہاں علی العموم منگل کے روز اپنی ۱۳ر رمضان کو اور ان لوگوں کی ۱۴ر رمضان کو چاند شام کے وقت اس نیت سے دیکھا کہ اگر چاند منگل کو ہوا ہے تو ضرور ہے کہ منگل کے روز ۱۴ر تاریخ کو چاند بیٹھ جاوے گا اور دیر سے نکلے گا؛ مگر چاند ۱۳ر تاریخ ہی کے موافق نظر آیا اور دن سے موجود تھا، اگلے روز ہم نے اپنے حساب کے موافق ۱۴ر تاریخ بروز بدھ کے چاند کو دیکھا تو فی الواقع بدھ کے ہی روز مضان کی ۱۴ر تاریخ تھی اور اس بدھ کے دن چاند بیٹھ گیا تھا؛ یعنی دیر سے نکلا صورت ہائے مفصلہ ومعروضئ بالا میں ہر ایک بات پر خیال فرما کر جو حکم شرعی ہو فوراً آگاہی بخشیں۔ چاند کے بیٹھنے کی طرف ضرور خیال فرمالیا جاوے۔ ہمیشہ چاند ۱۴ر تاریخ کو بیٹھتا ہے اور ۱۴ر تاریخ بدھ کو ہوئی اور شملہ ومنصوری وغیرہ مقامات کی رؤیت ہمارے واسطے قابل تسلیم ہے، یا نہیں؟

الجواب

شہادت معتبرہ سے یہ امر پورے طور سے ثابت ہوگیا ہے کہ پہلا روزہ چہار شنبہ کو ہوا، یہاں بھی اس روزہ کی قضا کی گئی ہے، وہ لوگ کہ جنہوں نے چہار شنبہ کو روزہ نہیں رکھا، وہ لوگ ایک روزہ بہ نیت قضائے رمضان رکھ لیویں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۷۳-۳۷۴) ☆

☆ ملفوظ:

(۱) چاند کی خبر تحریر خط سے دریافت ہوسکتی ہے، جب مکتوب الیہ کو غالب گمان یہ ہے کہ فلاں کاتب عدل کا خط ہے، اس میں کوئی انحراف نہیں ہوا تو اس پر عمل درست ہے۔ کتاب القاضی جیسی تو کید وتوثیق ضروری نہیں اور امام ابو یوسفؒ نے خود وہ قیود کتاب القاضی میں بھی کم کردی تھیں، بعد تحریر کے فقط دلیل اعتبار خط کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دحیہ کلبی ہاتھ (معرفت) اپنا نامہ (خط) ہرقل کو بھیجا تو ہرقل نے یہ نہ کہا کہ ایک آدمی کا اعتبار نہیں ہے اور نہ آپ کو یہ خیال ہوا کہ قاصد کا کیا اعتبار ہوگا، علیٰ ہذا، ارسال نامہ جات پر آپ کے زمانے میں اور خلفا کے زمانے میں دو دو گواہ کہیں نہیں گئے۔ فقط والسلام

(۲) ہزاری روزہ جو رجب کا مشہور ہے، اس کی اصل احادیث سے کچھ نہیں نکلتی؛ مگر شیخ عبدالقادر قدس سرہ کی غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے، وہ احادیث محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔ اگر ضعیف پر عمل کرلیوے فضائل میں، درست کہتے ہیں۔ فقط والسلام (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۷۴)

بحالت روزہ جانوروں سے وطی کی صورت میں قضالازم ہے،ایسے جانور کے دودھ وگوشت کاحکم:

سوال: اگر کوئی شخص رمضان المبارک کے روزوں میں (العیاذ باللہ) بہیمہ سے اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو اس جانور کے گوشت ودودھ کے استعمال میں کوئی کراہت شرعی تونہیں ہے اور اس شخص پر روزے کی قضا وکفارہ دونوں واجب ہیں، یاایک اس کے علاوہ اور کوئی شرعی تعزیر ہوتو تحریر فرمائیں؟ (احقر محمد امین کشمیری)

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

یہ جرم شدید معصیت اور گناہ ہے،اس پر توبہ واستغفار کے ساتھ ان روزوں کی قضاواجب ہے،جن میں یہ قبیح وشنیع فعل سرزد ہوا،(۱) اور اس جانور کا دودھ وگوشت سب حرام ہو چکا اس جانور کو ذبح کرنا اگر قانون وقت کے خلاف نہ ہو اس کو ذبح کر کے دفن کر دیا جائے اور اگر قانون وقت کے خلاف ہو تو بلانیت ثواب اس کو کسی کو اس طرح صدقہ کر دیا جائے کہ اس کے سامنے نہ آسکے۔(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی،مفتی دارالعلوم دیوبند،سہارنپور ۲۵/۱۰/۱۴۰۱ھ (منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۵۵۰)

حائضہ پاک ہوجائے تو اس کے روزہ کاحکم:

سوال: اگر عورت اپنے حیض سے صبح ۱۱/ بجے سے قبل پاک ہوجائے،تو کیا اس دن روزہ سے رہنا اس کے لیے واجب ہوگا اور اس دن کے روزہ کی قضاء ہوگی ماہ رمضان میں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اس دن کا روزہ نہیں ہوا،بعد میں قضا رکھے،البتہ اس دن بھی شام تک روزہ دار کی طرح کچھ کھائے پیئے نہیں۔(۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۳۹)

فرض روزہ ذمہ میں رہتے ہوئے نفلی روزہ رکھنا:

سوال: ایک شخص جس کے ذمہ زکوۃ واجبہ،یافرض روزہ باقی ہے،اس کے باوجود وہ عطیہ،یانفلی روزہ رکھتا ہے تو

(۱) وإذا جامع بهيمة أو ميتة أوجامع فيما دون الفرج ولم ينزل لا يفسد صومه وإن أنزل في هٰذه الوجوه كان عليه القضاء دون الكفارة، هٰكذا في فتاویٰ قاضي خان.(الفتاویٰ الهندية، كتاب الصوم،باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده: ۲۰۵/۱، نیز دیکھئے:فتاوی قاضيخان علٰى هامش الهنديه: ۲۱۷/۱)

(۲) ولايحد بوطء بهيمة بل يعزروتذبح ثم تحرق ويكره الانتفاع بها حية وميتة.(الدرالمختارمع ردالمحتار: ۳٦/٦)

(۳) "يجب الإمساك بقية اليوم علٰى من فسد صومه وعلٰى حائض ونفساء طهرتا بعد طلوع الفجر".(مراقي الفلاح، كتاب الصوم،باب ما يفسد الصوم،فصل: يجب الإمساك،ص: ٦٧٨،قديمي)

اس کا یہ فعل درست ہے، یانہیں؟ نیز اگر کسی نے ایسا کیا تو فرض میں وضع ہوگا، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

عطیہ دینے سے ثواب ملے گا،(۱) نفلی روزہ سے بھی ثواب ملے گا؛(۲) لیکن فرض ووجب کی فکر نہ کرنا اور نفل میں مشول ہونا ناسمجھی اور کم عقلی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۳۹)

متعدد مسائل فدیہ صوم:

سوال: ایک شخص اتنا بوڑھا ہوگیا ہے کہ روزہ نہیں رکھ سکتا تو رمضان گزرجانے کے بعد سب روزوں کا فدیہ ایک ہی فقیر کو دینا درست ہے، یانہیں؟ اور رمضان ختم ہونے سے پہلے تمام رمضان کا فدیہ دے سکتا ہے، یانہیں؟ اور قسم کا کفارہ ایک دن میں ایک آدمی کو سب دے دیں تو درست ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

فی الدرالمختار: (وللشیخ الفانی العاجزعن الصوم الفطر ویفدی) وجوباً ولوفی أول الشهروبلا تعدد فقیر کالفطرة لوموسراً وإلا فیستغفرالله.

فی رد المختار: (قوله: وبلا تعدد فقیر) أی بخلاف نحو کفارة الیمین للنص فیها علی التعدد فلوأعطی منها مسکیناً صاعاً عن یومین جاز، لکن فی البحرعن القنیة عن أبی یوسف فیه روایتین وعند أبی حنیفة لایجزیه کما فی کفارة الیمین وعن أبی یوسفؒ لوأعطی نصف صاع من برعن یوم واحد لمساکین یجوز قال الحسن وبه نأخذ، آه، ومثله فی القهستانی.(۳)

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے:

اول: ایسے بوڑھے کو فدیہ دینا درست ہے۔

---

(۱) عن سهل بن معاذ، عن أبیه عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أنه قال: "من أعطی لله تعالیٰ، ومن لله تعالیٰ، وأحب لله تعالیٰ، وأبغض لله تعالیٰ، وأنکح لله تعالیٰ، فقد استکمل إیمانه". (مسند الإمام أحمد: ۲٤-۳۸۳، رقم الحدیث: ۱٥٦۱۷)

(۲) عن أبی هریرة رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: الصیام جنة فلا یرفث ولا یجهل فإن امرؤ قاتله أوشاتمه فلیقل: إنی صائم مرتین" والذی نفی بیده! لخلوف فم الصائم أطیب عند الله تعالیٰ من ریح المسک، یترک طعامه وشرابه و شهوته من أجلی الصیام لی وأنا أجزی به، والحسنة بعشر أمثالها. (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب فضل الصوم: ۱/۲٥٤، رقم الحدیث: ۱۷۹٥، قدیمی)

(۳) ردالمحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لایفسده، فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم: ۳/٤۱۰، دارعالم الکتب، ریاض، انیس

ثانی: رمضان شروع ہونے کے بعد بعد تمام رمضان کا فدیہ ایک مسکین کو دینا بھی درست ہے خواہ رمضان ختم ہوا ہو، یا نہ ہوا ہو۔

ثالث: کئی روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینا بھی درست ہے؛ لیکن خاص اس مسئلہ میں اختلاف بھی ہے، اس لیے احتیاط تو یہی ہے کہ کئی روزوں کا ایک کو نہ دے؛ لیکن دینے میں گنجائش بھی ہے

رابع: ایک روزے کا فدیہ کئی مسکینوں کو دے دینا درست ہے۔

خامس: پورا کفارہ یمین ایک کو دینا درست نہیں۔

۱۶/ جمادی الاخری ۱۳۵۳ھ (النور، ص: ۹، جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ) (امداد الفتاوی: ۲/۱۵۱)

تعریف شیخ فانی:

سوال: شیخ فانی کی جس کو روزہ معاف ہے، کیا تعریف ہے؟ یعنی کس عمر اور حالت میں شیخ فانی سمجھا جاوے گا۔

الجواب

فی الدر المختار: (وللشيخ الفانی العاجز من الصوم الفطر ويفدى)، إلخ.

وفی رد المختار: أی الذی فنيت قوته أو أشرف على الفناء، ولذا عرّفوه بأنه الذی كل يوم فی نقص إلٰى أن يموت، نهر.

ومثله ما فی قهستانی عن الكرمانی: المريض إذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض، اه.

وكذا أما فی البحر لو نذر صوم الأبد فضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة له أن يطعم ويفطر لأنه استيقن أنه لا يقدر على القضاء. (۱)

ان روایات سے ملخص شیخ فانی کے مفہوم کا یہ نکلا کہ اس کی موجودہ حالت سے یہ معلوم ہو کہ اس کو نہ فی الحال روزہ پر قدرت ہے، نہ آئندہ امید ہے اور اس عدم قدرت کی وجہ خواہ پیرانی سالی ہو، خواہ مرض۔

۲۵/ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (امداد الفتاویٰ: ۲/۱۵۱)

حکم وجوب کفارہ بر افطار کردن قبل الغروب بسبب روایت ہلال قبل از غروب:

سوال: گزشتہ رمضان روز جمعرات سے شروع ہو کر تیس تاریخ جمعہ کو ختم ہونے کے بعد سنیچر کی رات کو چاند عید الفطر کا نظر آیا اور تمام ہندوستان میں شنبہ کو عید کی؛ مگر کہیں اتفاق سے ایسا ہو گیا کہ بوجہ جہل، یا نادانی کے جمعہ کو دو پہر

---

(۱) **ردالمحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، فصل فی العوارض المبيحة لعدم الصوم: ۳/ ٤١٠، دار عالم الكتب الرياض، انيس**

کے بعد، یا اس سے پہلے ہی ہو، چاند نظر آنے پر دن ہی کو؛ یعنی تیس تاریخ میں افطار کر دیا تو اس صورت میں ان پر فقط قضا آوے گی، یا کفارہ بھی دینا پڑے گا۔ عبارت کتب معتبرہ جواب میں تحریر فرما کر مشرف فرمادیں اور دو پہر سے پہلے اور بعد دیکھنے سے دونوں کا ایک ہی حکم ہے، یا کچھ فرق ہے، اگر فرق ہے تو کیا؟

الجواب ــ

فی الدر المختار: ورؤیته با لنهار للیلة الآتیه مطلقاً علی المذهب، ذکره الحداوی.

فی رد المختار: أی سواء رؤی قبل الزوال أوبعده (قوله علی المذهب) أی الذی هوقول أبی حنیفه ومحمد قال فی البدائع: فلایکو ن ذالک الیوم من رمضان عند هما قال أبو یوسف إن کان بعد الزوال فکذا لک وإن کان قبله فهو للیلة الماضیة ویکون الیوم من رمضان.

وعلٰی هٰذا الخلاف هلال شوال فعند هما یکون للمستقبلة مطلقاً ویکون الیوم من رمضان و عند ه لوقبل الزوال یکون الماضیة ویکون الیوم یوم الفطرإلخ ... لأن الخلاف علٰی ما صرح به فی البدائع والفتح. إنماهو فی رؤیته یوم الشک وهویوم الثلا ثین من شعبان أومن رمضان.

فإذا کان یوم الجمعة المذکور یوم الثلاثین من الشهورروٴی فیه الهلال نهاراً فعند أبی یوسف ذلک الیوم أول الشهر (أی بالقید المذکور) وعند هما لاعبرة لهٰذه الرویة ویکون أول الشهریوم السبت سواء وجد ت هٰذه الرویة أولاً، إلخ.(۱)

وفی الدرالمختار: (أواحتجم) ... (فظن فطره به فأکل عمداً قضی) ... (وکفر) لأنه ظن فی غیر محله، حتٰی لوأفتاه مفت یعتمد علٰی قوله أوسمع حدیثاً ولم یعلم تأویله لم یکفر للشبهة وإن أخطاء المفتی، ولم یثبت الأثر إلا فی الأدهان وکذاالغیبة عند العامة. زیلعی. لکن جعلها فی الملتقی کالحجامة ورجحه فی البحر للشبهة.

فی رد المختار: (قوله: یعتمد علٰی قوله) ... ویشترط أن یکون المفتی ممن یؤخذمنه الفقه و یعتمد علٰی فتواه فی البلدة، وح وتصیر فتواه شبهة ولامعتبرلغیره اه، وبه یظهرأن یعتمد مبنی للمجهول فلا یکفی اعتماد المستفتی وحده، فافهم ... قوله (وکذاالغیبة) لأن الفطربها یخالف القیاس والحدیث، وهوقوله صلی اللّٰه علیه وسلم "ثلاث تفطرالصائم" مؤول بالاجماع بذهاب الثواب، بخلاف حدیث الحجامة فإن بعض العلماء أخذ بظاهره مثل الأوزاعی وأحمد إمداد. ولم یعتد بخلاف الظاهریة فی الغیبة؛ لأنه حدیث بعد مامضی السلف علٰی تأویله بما قلنا. فتح.

وفی الخانیة: قال بعضهم: هٰذا والحجامة سواء وعامة المشائخ قالوا علیه الکفارة علٰی کل

---

(۱)　ردالمحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لایفسده، فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم: ۳/ ۴۲۰، دارعالم الکتب الریاض، انیس

حال؛ لأن العلماء أجمعوا علیٰ ترک العمل بظاهر الحديث وقالوا: أراد به ثواب الآخرة وليس في هٰذا قول معتبر، فهٰذا ظن ما استند إلیٰ دليل فلايورث شبهة، آه. (۱)

ان (فقہی) روایات سے مستفاد ہوا کہ زوال کے بعد جو ۳۰؍ تاریخ کو چاند نظر آیا، وہ بالا جماع آئندہ شب کا ہے اور کسی کے نزدیک وہ دن یکم شوال نہیں ہے۔ پس نہ تو کوئی کسی عالم کا مذہب ہے اور نہ حدیث ''**صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته**'' کے کسی کے نزدیک یہ معنی ہیں۔ پس یہ فعل نہ کسی حدیث کی طرف مستند ہوا، نہ کسی فتویٰ کی طرف، پس کوئی ایسی دلیل شرعی اس کے لیے نہیں پائی گئی، جس سے شبہ معتبرہ پیدا ہو؛ اس لیے ان لوگوں پر قضا وکفارہ دونوں لازم ہیں، البتہ اگر قبل زوال چاند نظر آتا تو اس میں یہ تفصیل ہوتی کہ اگر افطار حدیث موصوف کی بنا پر ہوتا تو یہی حکم ہوتا؛ کیوں کہ حدیث کے یہ معنی کسی کے نزدیک نہیں اور اگر ابو یوسفؒ کے قول پر ہوتا تو اگر اس قول کی اطلاع مفطر کو ہوتی، یا کوئی معتبر مفتی کا فتویٰ دیتا تو صرف قضا لازم آتی اور اگر یہ دونوں امر بھی نہ ہوتے تو تب بھی قضا وکفارہ دونوں لازم آتے، اگر چہ وہ فعل ابو یوسفؒ کے موافق ہوتا؛ کیوں کہ اس شخص کے شبہ کی تو کوئی وجہ نہ تھی۔

۸؍ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۱۶۲) (امداد الفتاوی: ۲؍۱۴۴)

حکم دادن کفارہ نماز میت بہ بنی ہاشم:

سوال: فوت شدہ نمازوں کے کفارہ کے مصرف میں ایک شبہ پیدا ہوا ہے کہ اگر مرحومہ وصیت کر جاتی، تب تو ثلث مال سے اس کا نکالنا واجب ہوتا اور یہ کفارہ صدقہ واجبہ میں شمار ہو کر مثل زکوٰۃ وعشر وصدقہ فطر وکفارہ صوم ہاشمیوں کو نہ دینا چاہیے تھا؛ لیکن جب کہ وصیت نہ تھی تو یہ فعل تبرع ہوا اور یہ صدقہ نافلہ ہوا، لہٰذا مثل دیگر صدقات نافلہ کے ہاشمیوں کو دینا جائز ہونا چاہیے، میں نے اس مسئلہ کو تلاش کیا کہیں نہیں ملا۔ بہشتی زیور کی عبارت سے کہ اگر کفارہ نکالیں تو اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمالیں اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ کفارہ تبرع ہے؟

الجواب

بالکل تبرع ہے اور اس کا مقتضا ظاہراً بیشک یہی ہے کہ بنی ہاشم کے لیے جائز ہو؛ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خود فدیہ کے احکام لازمہ سے یہ ہے کہ بنی ہاشم اس کا مصرف نہ ہوں اور راز اس میں یہ ہے کہ اگر یہ تبرع ملحق ہے واجب کے ساتھ بوجہ فدیہ ہونے کے، ورنہ اس میں اس اثر کی امید نہ ہوگی جو فدیہ میں ہے، پس اس کی مثال نفل نماز کی ہوگئی کہ وضو وغیرہ اس کے لیے بھی شرط ہے۔ اس کی نظیر فقہا کے کلام میں یہ ہے کہ عقیقہ کے احکام مثل قربانی کے لکھے ہیں، حالاں کہ عقیقہ واجب نہیں؛ بلکہ خود قربانی ہی اگر نفل ہو، اس کے بھی وہی احکام وشرائط ہیں، جو واجب کے ہیں غور فرمایا جائے، دوسرے علما سے بھی مراجعت مناسب ہے۔

جمادی الاول ۱۳۳۸ھ (امداد الفتاویٰ: ۲؍۱۳۳۸)

---

(۱) ردالمحتار، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ۳؍۴۸۸-۴۸۹، دارعالم الكتب الرياض، انيس

ادائے کفارہ صوم میں تعین سال کا اور صوم کفارہ میں تتابع ضروری ہے:

سوال: ایک شخص پر دو رمضان کے دو روزوں کے کفارے تھے چند سال ہوئے کہ اس نے بلا تعین اس سال کے کہ جس میں روزہ توڑا تھا، ایک روزہ کا کفارہ دیا تو یہ کفارہ کسی رمضان کا صحیح ہوا یا نہیں اور کون سے رمضان کا ہوا، پہلے کا، یا بعد کا؟ اب دوسرے رمضان کا کفارہ بتعیین سال اب دے رہا تھا، پندرہ روزے رکھے تھے کہ سولھویں روزے کو رات سے نیت کرنا بھول گیا اور بعد از زوال یاد آیا کہ میں فلاں سال کے روزے کا کفارہ دے رہا ہوں اور آج نیت کرنا تمام شب مجھ کو یاد آیا، غرض وہ بھی روزہ پورا کیا اور آئندہ روزہ رکھ رہا ہے تو اب یہ فرمائیے کہ جب ساٹھ روزے رکھ لیوے تو کفارہ پورا ہو جاوے گا، یا نہیں؟ کیوں کہ کفارہ میں رات سے نیت کرنا ضروری ہے کہ جو اس نے سہواً ترک کی اور اگر اول کے روزے میں نیت شرط ہو تو معلوم نہیں اور اگر اس کی بیوی نے حسب معمول روزمرہ کے خواب سے اس کو جگا کر کھانا سحر کا کھلایا ہو اور اس کو کھانا کھاتے میں روزے کا خیال نہ آیا، یا قریب صبح کے پانی پینے کی ضرورت ہوئی اور اس نے بخیال اس کے کہ اب صبح ہوگی؛ اس لیے پانی نہ پیا ہو، مگر روزے کا خیال نہ آیا ہو تو بھی وہ کفارہ صحیح ہو جاوے گا، یا نہیں؟ اگر نہ ہوگا تو اس ایک روزے کی اگر قضا ادا کرے تو صحیح ہوگا، یا نہیں؟ یا از سر نو ساٹھ روزے رکھے؟

الجواب

فی الدر المختار: والشرط للباقی من الصیام (قول منھا صوم الکفارة) قران النیة للفجر ولو حکماً وھو تبییت النیة للضرورة وتعیینھا، آہ.

وفیہ: ولو تکرر فطرہ ولم یکفر للأول یکفیہ واحدة ولو فی رمضا نین عند محمد وعلیہ الاعتماد.

فی رد المختار: قولہ وعلیہ الاعتماد ونقلہ فی البحر عن الأسرار ونقل قبلہ عن الجوھرة لو جامع فی رمضانین فعلیہ کفارتان وإن لم یکفر للأولیٰ فی ظاھر الروایة وھو الصحیح، آہ، قلت: فقد اختلف الترجیح کما تریٰ ویتقوی الثانی بأنہ ظاھر الروایة، آہ. (۱)

وفی الدر المختار، باب الظھار: والأصل نیة التعیین فی الجنس المتحد سببہ لغو وفی المختلف سببہ مفید.

وفی رد المختار: ولذا کان صوم رمضان من قبیل الأول والصلوٰة من الثانی، وکذا صوم یومین من رمضانین. (۲) (أی ھو من قبیل المختلف السبب)

ان (فقہی) روایات سے ثابت ہوا کہ جب اول کفارہ میں اس نے سال کی تعیین نہیں کی تو کسی سال کا بھی کفارہ

---

(۱) ردالمختار، کتاب الصو، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ: ۳۹۱/۳، دار عالم الکتب الریاض، انیس

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، باب الظھار: ۲۵۷/۱۲

نہیں ہوا، (۱) اگر ایک کی تعیین کرلیتا تو اس کا ادا ہوجاتا، خواہ وہ اول ہوتا، خواہ دوسرا؛ مگر دوسرا کفارہ بوجہ اس کے کہ درمیان میں ایک روزہ صحیح نہیں ہو، درست نہیں ہوا۔ اب ازسرنو دونوں روزوں کے کفارے ادا کرنا پڑیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ شوال ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۵۹) (امداد الفتاوی: ۱۳۴/۲)

روزہ کے کفارہ میں گھر کے ملازم کو آزاد کرنا:

سوال: اگر کسی نے روزہ فاسد کرلیا تو اس کو روزہ کی قضا کرنا اور کفارہ ادا کرنا ضروری ہے؟ اب اس کو ایک غلام آزاد کرنا ضروری ہے؟ اس میں ایک صورت یہ ہے کہ اگر زید نے روزہ فاسد کرلیا اور کفارہ ادا کرنا چاہتا ہے اور اس کے پاس غلام تو ہے نہیں، البتہ اس کے گھر ایک کام کرنے والا نوکر جیسا کہ عام طور پر گھروں میں ہوتا ہے تو اب وہ یہ چاہتا ہے کہ اس نوکر کو کام سے نکال دے اور ہر مہینہ اس کو تنخواہ دیتا رہے، (جتنی تنخواہ وہ پہلے اسے دیتا تھا) تو اس صورت میں اس کا کفارہ ادا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

گھروں میں کام کرنے والا ملازم آزاد ہے، غلام نہیں ہے؛ اس لیے سوال میں مذکورہ طریقہ اختیار کرنے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا، ہمارے دور میں غلام نادر الوجود ہے؛ اس لیے اب اداءِ کفارہ کی صورت یہ ہے کہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے۔ (شامی: ۱۱۹/۲) (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ رصفر المظفر ۱۴۱۱ھ۔ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ (محمود الفتاویٰ ۳۲۰/۴)

---

(۱) یہ حکم جب ہے کہ روزہ جماع سے توڑا ہو، اگر غیر جماع سے توڑا، تو قول راجح پر ایک ہی کفارہ واجب ہوگا، لہٰذا تعیین کی ضرورت نہ رہی اور دونوں سالوں کا کفارہ ادا ہوگیا۔ (رشید احمد عفی عنہ)

(۲) (قَوْلُهُ: كَكَفَّارَةِ الْمُظَاهِرِ) مُرْتَبِطٌ بِقَوْلِهِ: وَكَفَّرَ أَيْ مِثْلُهَا فِي التَّرْتِيبِ فَيُعْتِقُ أَوَّلًا فَإِنْ لَمْ يَجِدْ، صَامَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَطْعَمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا لِحَدِيثِ الْأَعْرَابِيِّ الْمَعْرُوفِ فِي الْكُتُبِ السِّتَّةِ فَلَوْ أَفْطَرَ وَلَوْ لِعُذْرٍ اسْتَأْنَفَ إلَّا لِعُذْرِ الْحَيْضِ وَكَفَّارَةُ الْقَتْلِ يُشْتَرَطُ فِي صَوْمِهَا التَّتَابُعُ أَيْضًا وَهَكَذَا كُلُّ كَفَّارَةٍ شُرِعَ فِيهَا الْعِتْقُ نَهْرٌ، وَتَمَامُ فُرُوعِ الْمَسْأَلَةِ فِي الْبَحْرِ وَفِيهِ أَيْضًا وَلَا فَرْقَ فِي وُجُوبِ الْكَفَّارَةِ بَيْنَ الذَّكَرِ وَالْأُنْثَى وَالْحُرِّ وَالْعَبْدِ وَالسُّلْطَانِ وَغَيْرِهِ، وَلِهَذَا صَرَّحَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ بِالْوُجُوبِ عَلَى الْجَارِيَةِ فِيمَا لَوْ أَخْبَرَتْ سَيِّدَهَا بِعَدَمِ طُلُوعِ الْفَجْرِ عَالِمَةً بِطُلُوعِهِ فَجَامَعَهَا مَعَ عَدَمِ الْوُجُوبِ عَلَيْهِ وَبِأَنَّهُ إذَا لَزِمَتْ السُّلْطَانَ، وَهُوَ مُوسِرٌ بِمَالِهِ الْحَلَالِ وَلَيْسَ عَلَيْهِ تَبِعَةٌ لِأَحَدٍ يُفْتَى بِإِعْتَاقِ الرَّقَبَةِ وَقَالَ أَبُو نَصْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ: يُفْتَى بِصِيَامِ شَهْرَيْنِ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْ الْكَفَّارَةِ الِانْزِجَارُ وَيَسْهُلُ عَلَيْهِ إفْطَارُ شَهْرٍ وَإِعْتَاقُ رَقَبَةٍ فَلَا يُجْعَلُ الزَّجْرُ، آه. (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب في الكفارة: ٤١٢/٢، دارالفكر بيروت، انيس)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: هَلَكْتُ، فَقَالَ: وَمَا ذَاكَ؟ قَالَ: وَقَعْتُ بِأَهْلِي فِي رَمَضَانَ، قَالَ: «تَجِدُ رَقَبَةً» قَالَ: لاَ، قَالَ: هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ « قَالَ: لاَ، قَالَ: فَتَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا، قَالَ: لاَ، قَالَ: فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ بِعَرَقٍ (وَالعَرَقُ المِكْتَلُ) فِيهِ تَمْرٌ، فَقَالَ: اذْهَبْ بِهَذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ، قَالَ: أَعَلَى أَحْوَجَ مِنَّا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالحَقِّ، مَا بَيْنَ لاَبَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ مِنَّا، ثُمَّ قَالَ: اذْهَبْ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ. (صحيح البخاري، باب من أعان المعسر في الكفارة، رقم الحديث: ٦٧١٠، انيس)

کفّارۂ صوم میں بہت بوڑھے اور بڑھیا کو کھلانا جائز ہے، یا نہیں:

سوال: بہشتی زیور میں روزہ کے کفّارہ کے لیے ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کے متعلق لکھا ہے، اگر بعضے بالکل چھوٹے بچے ہوں تو جائز نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر بالکل بوڑھا بوڑھی ہوں تو جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

بہت بوڑھا اور بوڑھی کو کفّارہ میں کھلانا جائز ہے۔

قال فی الهداية: فإن غداهم وعشاهم جاز قليلاً كان ما أكلوا أو كثيراً، آه. (الهداية، فصل فی الكفارة: ۲۲/۲)

قال صاحب النهاية: لأن المعتبر هو الشبع لا المقدار، آه.

وقال الشامی عن البحر والمنح: ولو كان فيمن أطعمهم صبی فطيم لم يجزه، لأنه لايستوفی كاملاً، آه.

وفی التاتر خانية: إذا دعا مساكين وأحدهم صبی فطيم أو فوق ذلک لايجزيه، كذا ذكر فی الأصل.

وفی المجرد: إذا كانوا غلماناً يعتمد مثلهم يجوز آه وبه ظهر أيضاً أن المراد بالفطيم و بغير المراهق من لايستوفی الطعام المعتاد.

وفيه أيضاً: ولو كان فيهم شبعان قبل الأكل أو صبی لم يجز، آه. (ردالمحتار، باب كفارة الظهار: ۹۵۹/۲-۹۶۰)

قلت: والكبير والكبيرة ممن يستوفی الطعام عادة وخلافه نادر. والله أعلم

مورخہ ۴/ رمضان ۱۳۴۵ھ۔ (امدادالاحکام: ۱۳۵/۳-۱۳۶)

کفارۂ صوم:

سوال: ایک عرض ہے کہ عیدالاضحیٰ کی تعطیل میں احقر جناب کا قدم بوس ہوا تھا، جناب سے اپنے توڑے ہوئے روزوں کے متعلق دریافت کیا تھا، آنحضور نے فرمایا تھا کہ اقصرِ ایامِ شتا میں کفارہ ادا کریں، سو اب سردی کا زمانہ آ گیا ہے اور احقر کا ارادہ ہے کہ ۱۵/ جمادی الاولیٰ سے روزے شروع کردوں۔ اول تو جناب والا سے دوبارہ اجازت چاہتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ ۱۵/ رجب تک رکھنے چاہئیں، یا ۱۵/ جمادی الاولیٰ سے شمار کرکے ۶۰ روزے رکھنے چاہئیں؟ تیسرے یہ کہ اگر کسی رات کو نیت کرنی بھول جاؤں، یا صبح صادق کے بعد آنکھ کھلے تو کیا کرنا چاہیے؟ اس کے علاوہ بھی جوبات قابلِ عمل ہو تحریر فرمادیں؟

الجواب

فی الدر المختار: (صام شهرين ولو ثمانية وخمسين) بالهلال وإلا فستين يوماً.

وفی الشامی: (قوله: (بالهلال) حال من لفظ الشهرين المقدرين بعد "لو"، وفی بعض النسخ: "لو بالهلال"

وحاصله أنه اذا ابتدأ الصوم فی أول الشهر كفاه صوم شهرين تامين أو ناقصين وكذا لو كان

أحدهما تاماً والاٰخر ناقصاً. (قوله: وإلا) أی وان لم يكن صومه فی أول الشهر برؤية الهلال بأن غم أو صام فی أثناء شهر فإنه يصوم ستين يوماً وفی كافی الحاكم: وإن صام شهراً بالهلال تسعة وعشرين وقدصام قبله خمسة عشر وبعده خمسة عشر يوماً أجزأه.(۱)

وفی البحروغيره كالدرالمختار، قلت: وفيه الاحتياط.

پس صورتِ مسئولہ میں پورے ساٹھ روزے رکھے جاویں اورروزۂ کفارہ کی نیت غروبِ شمس وطلوعِ فجر کے درمیان ضروری ہے، اگراس وقت میں نیت نہ ہوئی تو استیناف کرنا پڑے گا؛ اس لیے بہت اہتمام کیا جاوے۔

فی تنويرالأبصار: (والشرط للباقی) ... (تبييت النية) ... (وتعيينها).

وقال الشامی: تحت (قوله: للباقی) وهوقضاء رمضان إلیٰ قوله كفارة الظهار والقتل واليمين والافطار.(۲)

كتبہ الأحقر عبدالكريم ۔ الجواب صحيح: ظفراحمد عفاعنہ، ۴/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ھ ۔ (امدادالاحکام: ۳/۱۳۷-۱۳۸)

قضا اور نفل:

سوال: ایک شخص کے ذمے دو رمضانوں کے روزے ہیں، اس نے رات کو قضاء رمضان کا روزہ رکھنے کی نیت کی؛ لیکن پہلے رمضان، یا دوسرے رمضان کی تعیین نہیں کی، مطلق قضاءِ رمضان کی نیت کر لی تو وہ روزہ قضا کی جانب سے صحیح ہوجائے گا، یا نفل ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں وہ روزہ قضاءِ رمضان میں محسوب ہوجائے گا، نفل نہ ہوگا۔

قال فی الهندية: إذاوجب عليه قضاء يومين من رمضان واحد ينبغی أن ينوی أول يوم وجب عليه قضائه من هٰذاالرمضان، وإن لم يعين الأول يجوزوكذالوكان عليه قضاء يومين من رمضانين هوالمختار ولونوٰی القضاء لاغير يجوزوإن لم يعين، كذا فی الخلاصة، آه.(۳) والله أعلم

۶/ شوال ۱۳۴۰ھ (امدادالاحکام: ۳/۱۴۱)

کفارہ کے روزے اگر چاند کے حساب سے رکھے تو دو ماہ ضروری ہے، اگرچہ ساٹھ سے کم ہو:

سوال: روزہ رمضان کے کفارہ میں دو مہینے پے درپے روزہ چاند کی پہلی تاریخ سے شروع کرے تو دو مہینے چاند

(۱) ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب كفارة الظهار: ۵/۱۴۰، دارعالم الكتب الرياض، انيس

(۲) ردالمحتار، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان: ۲/۱۹۳

(۳) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصوم، الباب الأول فی تعريفه وتقسيمه وسببه: ۱/۱۲۶

کے حساب سے کافی ہیں، یا دنوں کے حساب سے ساٹھ روزے رکھنا ضروری ہے؟

الجواب

اگر چاند دیکھ کر کفارہ رمضان کے روزے رکھے جائیں تو ساٹھ روزے پورے کرنا ضروری نہیں؛ بلکہ پورے دو مہینے کے روزے رکھنا کافی ہے، خواہ وہ ساٹھ ہوں، یا ساٹھ سے کم ہوں۔

(فإن لم يجد) المظاهر (ما تعتق) ... (صام شهرين ولو ثمانية وخمسين) بالهلال وإلا، فستين يومًا... (متتابعين) ... وكذا كل صوم شرط فيه التتابع. (الدر المختار ملتقطًا)

(قوله: وكذا كل صوم، إلخ) ككفارة قتل أو إفطار، الخ. (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۴۱/۴)

کفارہ میں مساکین کو طعام دینا:

سوال: اگر روزہ کے کفارہ میں غلام آزاد کرنا اور روزہ رکھنا ناممکن ہوجائے تو ساٹھ مسکینوں کو طعام کس طرح دینا چاہیے؟

الجواب

اگر عمر کی زیادتی، یا کسی مرض کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا تو اس کو اختیار ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو اگر خام غلہ دے تو گندم اور اس کا آٹا نصف صاع اور جو، انگور، چھوہارہ، ہر ایک مسکین کو ایک صاع دے اور اگر چاہے تو اس غلہ کی قیمت دے دے، یا کھانا پکا کر ساٹھ مسکینوں کو دو وقت شکم سیر کھلائے، یا ایک وقت کھانا کھلا دے اور ایک وقت کے کھانے کی قیمت دے دے اور یا ایک ہی مسکین کو ساٹھ روز تک دونوں وقت کھلائے؛ لیکن اگر ساٹھ آدمیوں کا کھانا پکا کر ایک ہی مسکین کو دے دیا تو کفارہ ادا نہ ہوگا؛ بلکہ ایک ہی مسکین کا کھانا شمار کیا جائے گا۔ (كذا في الدر المختار) اور اگر ساٹھ مسکینوں کے حصہ کا خام غلہ ایک مسکین کو ایک ہی دن میں متفرق طور پر دے، اس صورت میں بھی بعض کے نزدیک کفارہ ادا نہ ہوگا اور ایک ہی مسکین کا حصہ شمار ہوگا اور بعض کے نزدیک کفارہ ادا ہوجائے گا۔ (كذا قال البرجندي) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۳۸)

کفارہ رمضان اگر متعدد ہوں تو کس صورت میں تداخل ہوگا:

سوال: ایک ہی رمضان کے دو کفارے اور دونوں جماع کے ایک دوسرے میں مدغم ہوجائیں گے، یا الگ الگ اور دو رمضان کے دو کفارے بھی مدغم ہوسکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں مشائخ کا اختلاف ہے اور صحیح ومختار للفتویٰ یہ ہے کہ اگر دونوں کفارے جماع ہی کے ہیں تو تداخل

(۱) ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب الكفارة: ۱۳۸/۵-۱۴۰، دارعالم الكتب الرياض، انيس

وادغام نہ ہوگا،خواہ ایک ہی رمضان کے ہوں،یادو رمضانوں کے اوراگر دونوں کفارے جماع کے نہیں تو تداخل ہوجائے گا، خواہ ایک ہی رمضان کے ہوں،یادو رمضانوں کے،بشرطیکہ دوسرا کفارہ واجب ہونے سے پہلے پہلا کفارہ ادانہ کردیا ہو۔

قال في الدرالمختار: ولوتكرّرفطره ولم يكفرللأول يكفيه واحدة ولوفي رمضانين عند محمد وعليه الاعتماد بزازية ومجتبى وغير هما واختار بعضهم للفتوى أن الفطر بغيرالجماع تداخل وإلا لا.

قال الشامي:فقد اختلف الترجيع ويتقوى الثاني بأنه ظاهر الرواية. (۲)(امدادالمفتین:۲/۴۱۶)

دوا، یاغذا کے علاوہ دوسری چیز کھانا:

سوال: غذااور دوا کے علاوہ اگر مٹی، یاکنکری ڈھیلہ، یاروئی اور کاغذ وغیرہ حلق سے نیچے اتر جائیں تو قضالازم ہوگی، یاکفارہ؟

الجواب

قضالازم آئے گی، کفارہ نہ ہوگا۔

عالمگیریہ میں ہے:**وإذا ابتلع ما لا يتغذى به ولايتداوى به عادة كالحجر والتراب،لايوجب الكفارة، كذا في التبين،إنتهىٰ.** (۲)

اورخلاصہ میں ہے:**لو ابتلع حصاة أونواة أوحجراً أومدراً أو قطنا أوخشباً أوكاغذة فعليه القضاء ولا كفارة.** (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۳۸-۲۳۹)

نیتِ معلق سے صوم متحقق نہیں ہوتا،تحققِ صوم کے لیے قصدِ جازم شرط ہے:

سوال: ایک عورت نے رمضان شریف کے قضاروزہ رکھنے کا رات کوارادہ کیا، یہ عورت رمضان شریف کے علاوہ اورروزہ خواہ وہ رمضان شریف کا قضاشدہ کیوں نہ ہو،اپنی ساس سے اجازت لےکررکھا کرتی تھی،اس روزبھی اس نے یہ ارادہ کیا کہ نمازِ صبح کے وقت اپنی ساس سے دریافت کرلوں گی،اگرساس نے اجازت دی رکھوں گی،ورنہ نہیں؛لیکن گمان یہی تھا کہ ساس ضروراجازت دےگی،صبح کی نماز کے وقت دریافت کیا توساس نے انکارکردیا،اس عورت نے روزہ نہیں رکھا۔دریافت طلب یہ ہے کہ آیااس روزہ کی قضارکھنی چاہیے،یا کفارہ دیناپڑےگااورکفارہ کیا ہوگا،اگرساٹھ روزے رکھنے کے بجائے ساٹھ آدمیوں کو پیٹ بھرکر کھانا کھلادے تو کفارہ ادا ہوجاوے گا،یانہیں؟ایک بات اوراظہارطلب ہے کہ یہ عورت ہمیشہ اپنی ساس سے روزہ کے متعلق رات کودریافت کرلیا کرتی تھی،اگراس نے اجازت دی توروزہ رکھاورنہ نہیں، اس روزرات کودریافت کرنایادنہیں رہاتھااورصبح کی نماز کے بعد دریافت کیا تھا،جیسا کہ میں پیشترتحریرکرچکاہوں۔

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصوم،باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده،مطلب الكفارة:۳۹۱/۳،دارعالم الكتب الرياض،انيس

(۲) الفتاوىٰ الهندية،النوع الأول مايوجب القضاء دون الكفارة:۲۰۲/۱،دارالفكربيروت،انيس

الجواب

صورت مسئولہ میں نہ قضا واجب ہوئی نہ کفارہ؛ کیوں نکہ روزہ کا تحقق ہی نہیں ہوا تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ روزہ کو توڑا گیا؛ کیوں کہ تحقق صوم کے لیے نیت شرط ہے اور نیت کی حقیقت قصد جازم ہے، جو صورت مسئولہ میں نہیں پایا گیا؛ بلکہ نیت معلق تھی ساس کی اجازت پر اور ایسی نیت سے صوم کا تحقق نہیں ہوتا، پس افساد صوم بھی نہیں پایا گیا۔

قال فی مراقی الفلاح: وحقیقة النّیّة قصده عازماً بقلبه صوم غد، الخ. (ص: ۳۷٤)

وفیه أیضاً: وأما القسم الثا نی وهوما یشترط له تعیین النّیة وتبییتها فهوقضاء رمضان وقضاء ما أفسده من نفل وصوم الکفارات بأنواعها ککفارة الیمین وصوم التمتع والقران والنذرالمطلق، آه. (ص: ۳۷٦)

۴رشعبان ۱۳۴۷ھ (امدادالاحکام: ۳/۱۰۸-۱۰۹)

حکم نیتِ کفّارۂ رمضان بالتعلیق:

سوال: ایک شخص نے رات کو کفارۂ صوم کی نیت اس طرح کی کہ اگر کل کو یہ محقق ہوگیا کہ شروع ماہ سے روزہ شروع کرنے سے ساٹھ روزے پورے کرنے نہ پڑیں گے؛ بلکہ دو مہینہ کا روزہ رکھنا کافی ہو جائے گا۔ نیز شیخ نے بھی روزہ رکھنے کی اجازت دے دی تو کل کو میں ضرور کفارہ کا روزہ رکھوں گا، اس طرح نیت درست ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں نیت صحیح نہیں ہوئی؛ کیوں کہ جزم نہیں پایا گیا؛ بلکہ نیت معلق ہے اور تعلیق کے ساتھ نیتِ قضا وکفارات صحیح نہیں ہوتی۔

قال فی مراقی الفلاح: وأما القسم الثانی، وهومایشترط له تعیّن النیة وتبییتها فهوقضاء رمضان وقضاء ما أفسده من نفل وصوم الکفارات بأنواعها إلٰی أن قال: ولاتبطل النیة بقوله: أصوم غداً إن شاء اللّٰه تعالی لأنه بمعنی الاستعانة وطلب التوفیق الا أن یرید حقیقة الاستثناء، آه.

قال الطحطاوی: والتعلیل یفید أن المشیئة لاتبطل مطلقاً ولوقصد حقیقة(أی لکونه بمعنی الاستعانة)ولکن لکلام المؤلف وجه وهوأنه اذا قصد التعلیق کان غیرجازم بالنیة وهوظاهر. (۱)

واللہ اعلم (امدادالاحکام: ۳/۱۳۶)

☆☆☆

(۱) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فیمالا یشترط تبییت النیة وتعیینها، ص: ٦٤٣-٦٤٤، دارالکتب العلمیة بیروت، انیس

اعتکاف کے احکام ومسائل

عشرہ اخیرہ کامل کا اعتکاف سنّتِ مؤکدہ ہے:

سوال: زید کہتا اعتکافِ رمضان المبارک عشرہ اخیرہ کامل کا سنّتِ مؤکدہ ہے، اس سے کم مدت میں سنت ادا نہ ہوگی، حوالہ مولانا عبدالحی صاحب کے رسالہ "الإنصاف فی حکم الإعتکاف" کا دیتا ہے، عمرو کہتا ہے کہ کامل دس روز شرط نہیں؛ بلکہ اقل عشرہ سے بھی شرط ادا ہوجاوے گی۔ اپنے قول کے ثبوت میں "خلاصة الفتاویٰ" کی یہ عبارت پیش کرتا ہے:

"**قال القاضی الإمام: الاعتکاف فی المسجد الجامع أفضل إذاکان یصلی فیه الصلوات الخمس بالجماعة ما إذا لم یکن فالاعتکاف فی مسجده أفضل کیلایحتاج إلی الخروج عن معتکفه فإن أراد أن یعتکف أقل من سبعة أیام یعتکف فی مسجد حیه وإن أراد أن یعتکف فی الجامع،إلخ**".

نیز مولانا بحرالعلوم کے "رسائل الأرکان" کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعتکافِ مذکور سنتِ مؤکدہ نہیں؛ بلکہ مندوبِ محض ہے، جس پر ان کی یہ عبارت شاہد ہے:

"**واعلم أنه لاشک فی مواظبة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علیٰ اعتکاف العشر الأواخر من شهر رمضان،لٰکن قد ثبت من الصحابة العظام ترک الاعتکاف،ومنهم الخلفاء الراشدون، فللاعتکاف نوع اختصاص به صلی اللّٰه علیه وسلم وهوأنه یلقی جبرئیل فیدارسه القرآن ومدارسة القرآن جبرئیل کانت مختصة به صلی اللّٰه علیه وسل،فلهٰذا کان للاعتکاف اختصاصاً به صلی اللّٰه علیه وسلم،فتارک الاعتکاف من الأمة لایلحقهم الإساء ة،ولذاکان صلی اللّٰه علیه وسلم لایؤکد فی الاعتکاف تأکیده فی غیره من السنن ولایعیب واحداً من الصحابة علیٰ ترک الاعتکاف،فالاعتکاف أما سنته مختصة به صلی اللّٰه علیه وسلم غیر، مؤکدة علی الأمة بل بقی فی حقهم مثل السنن الغیرالمؤکدة أوکان واجباً علیه صلی اللّٰه علیه وسلم مختصاً ففعله لامتثال الوجوب،فلایکون علی الأمة سنة بل مندوباً محضاً وهٰذا غیربعید،الخ**".

حضور والا کے نزدیک اقوالِ مذکورہ میں سے کون سا قول راجح ہے؟

الجواب

صحیح یہی ہے کہ تمام عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے؛ مگر علی الکفایۃ، جیسا کہ مراقی الفلاح، عالمگیریہ، شامی

وغیرہ میں ہے اور خلاصۃ الفتاویٰ کی عبارت مندرجہ سوال سے عمرو کا مقصود کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتا ہے، اس عبارت کو مقصودِ عمرو سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس عبارت کا تو محض یہ منشا ہے کہ اگر سات یوم سے کم کا اعتکاف کرے (اور ان ایام میں جمعہ نہ واقع ہوتا ہو، **کما ھو الظاھر**، تب تو مسجد محلّہ میں اعتکاف افضل ہے اور اگر سات روز، یا اس سے زائد کا اعتکاف کرنا ہو (یا سات روز سے کم کا اعتکاف ہو؛ مگر ان ایام میں جمعہ واقع ہوتا ہو) تو جامع مسجد میں اعتکاف کرنا افضل ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں مسجدِ محلّہ سے جمعہ کے لیے جانا پڑے گا اور معتکف سے نکلنا خلافِ اولیٰ ہے، اس عبارت میں اس کا ذکر بالکل نہیں کہ کتنے دن کا اعتکاف سنت ہے، اس سے یہ کیسے سمجھ لیا کہ سات روز سے کم کا اعتکاف کرنے سے سنت ادا ہوجاوے گی اور ''رسائل الارکان'' کی تقریر کا جواب شامی نے عنایہ سے نقل کیا ہے کہ مواظبت بلا تاکید سے بھی سنت ثابت ہوجاتی ہے اور اگر مواظبت مع الانکار علی التارک ہو، تب تو اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ (۳۰۸/۲)

اور جب سنتِ کفایہ کہا جاوے تو یہ اعتراض بالکل ہی عائد نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ نہ ایسا ہوا کہ کسی نے بھی اعتکاف نہ کیا ہو، نہ تاکید کی نوبت آئی۔ **واللہ أعلم بالصواب**

احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ، خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۸ھ۔

للہ در المجیب فقد أوتی من الفقہ أوفر نصیب. ظفر احمد عفا اللہ عنہ، ۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۱۴۶/۳-۱۴۸)

خواتین کا اعتکاف:

سوال: خواتین کے اعتکاف کرنے کا کیا حکم ہے؟ انہیں کہاں اعتکاف کرنا چاہیے اور اگر اعتکاف کے درمیان ماہواری شروع ہوگئی تو اعتکاف جاری رہے گا، یا ختم ہوجائے گا؟ (شفیق احمد، اکبر باغ)

الجواب

عورتوں کے لیے بھی اعتکاف مسنون ہے، فقہا نے اسے مطلقا مسنون قرار دیا ہے اور مرد وعورت کا کوئی فرق ذکر نہیں کیا ہے، البتہ اعتکاف کے سلسلہ میں مسجد کا جو حق ہے، وہ خواتین کے اعتکاف سے ادا نہیں ہوسکے گا؛ کیوں کہ وہ گھر میں اعتکاف کریں گی، عورتوں کے لیے مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

''ویکرہ فی المسجد أی تنزیہا''. (۱)

اگر گھر میں نماز کے لیے کسی جگہ کو مخصوص کر رکھا ہو تو اسی جگہ عورت کو اعتکاف کرنا چاہیے۔

''...لبث امراۃ فی مسجد بیتہا''. (۲)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۴۲۹/۳

(۲) الدر المختار علی ھامش رد المحتار: ۱۵۵/۱

عورت کے اعتکاف کرنے سے چوں کہ شوہر کا حق استمتاع متاثر ہوتا ہے؛ اس لیے عورت کو شوہر سے اجازت لے کر ہی اعتکاف کرنا چاہیے اور جب شوہر اجازت دے چکا ہو تو اب اس کے لیے درست نہیں کہ اعتکاف شروع ہونے کے بعد اس سے صحبت کرے۔

"وليس لزوجها أن يطأها إذا أذن لها ... ولا ينبغي لها الاعتكاف بلا إذنه". (۱)

اگر اعتکاف کے درمیان ماہواری آئی تو اعتکاف کی مخصوص جگہ سے باہر آجائے اور جوں ہی پاک ہو، غسل کر کے اعتکاف گاہ میں واپس آجائے، جتنے دنوں ناپاکی کی حالت میں گزرے، بعد کو اتنے دنوں کی قضا کر لینی چاہیے۔ (۲)

سوال: کیا عورت کے لیے بھی اعتکاف ضروری ہے؟ اگر ضروری ہے تو شرائط وغیرہ کی وضاحت کیجئے؟

(ارفع شاداں، محبوب نگر)

الجواب

عورتوں کے لیے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا مستحب ہے، البتہ وہ اپنے گھر کے ایک حصہ ہی میں اعتکاف کریں گی، اگر گھر کے کسی حصہ کو نماز کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہو تو وہاں اعتکاف کریں اور اگر ایسا نہ ہو تو گھر کے کسی حصہ کو اعتکاف کے لیے مخصوص کر لیں، اگر اس جگہ سے بلا عذر نکل جائیں تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا، نذر ماننے کی وجہ سے اعتکاف واجب ہو جاتا ہے، اگر اعتکاف کی نذر خواتین مان لیں تو ان پر بھی اعتکاف واجب ہو جائے گا اور اسی طرح گھر کے ایک حصہ میں اعتکاف کرنا ہوگا، اگر بلا عذر اس جگہ سے نکل پڑیں تو اعتکاف واجب تو فاسد ہو جائے گا؛ لیکن نفل کی حیثیت سے باقی رہے گا، عورتوں کے لیے مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ ہے۔ (۳) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۶۰-۴۶۱)

معتکف کے لیے روزہ کی شرط:

سوال: زید نے عشرہ اخیرہ رمضان میں بحالتِ اعتکاف سحری کھائی؛ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ اس وقت صبح ہو چکی تھی تو قضا لازم ہوگی اور تمام دن کھانے پینے سے امساک کرے، جن لوگوں نے اعتکاف کے لیے روزہ کو شرط قرار دیا ہے تو کیا یہ امساک کافی ہوگا، یا نہیں؟ اور کافی نہ ہونے کی صورت میں ایک مکمل عشرہ کے اعتکاف کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب

جب کہ یہ امساک روزہ کے حکم میں نہیں اور قضا واجب ہے تو یہ امساک اعتکاف کے لیے کافی نہ ہوگا اور یہ اعتکاف مکمل عشرہ کا اگر نذری ہے تو قضا کرے اور نفلی ہے تو قضا نہیں۔

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصوم، باب الإعتكاف: ۳/ ۴۲۹

(۲) جامع الرموز: ۱/۱۶۵

(۳) حاشية الطحطاوی، ص: ۳۸۲

درمختار میں ہے:

(فلو نذر اعتكاف شهر رمضان لزمه،أجزأه) صوم رمضان (عن صوم الاعتكاف) ... (وإن لم يعتكف) رمضان المعين (قضٰى شهراً) غيره (بصوم مقصود) ... (وأقله نفلاً ساعة) ... (فلو شرع فى نفله ثم قطعه لايلزمه قضاءه) ... (على الظاهر).انتهٰى ملخصاً وكذا فى الجامع الرموز.(۱)

اور یہ حکم روزہ کے شرط نہ ہونے کی صورت میں ہے اور اگر روزہ شرط ہوتو اس کی کم ازکم مدت ایک دن کی ہوگی اور قطع وفساد کی صورت میں قضالازم ہوگی۔(وكذا فى جامع الرموز) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۴۰)

بغیر روزہ کے اعتکاف:

سوال: میں ذیابطیس کا مریض ہوں، روزہ رکھنے کی کوشش کرتا ہوں، بہت کم روزے ادا ہو پاتے ہیں، جو چھوٹتے ہیں، ان کا فدیہ دے دیتا ہوں، آخری عشرہ میں اعتکاف میں بیٹھنے کا بھی ارادہ ہے، بغیر روزہ کے اعتکاف ہوسکتا ہے، یانہیں؟ (حسن پاشا، مستعد پورہ)

الجواب

اعتکاف سنت کی ادائیگی کے لیے روزہ رکھنا ضروری ہے؛ اسی لیے اعتکاف سنت رمضان کے اخیر عشرہ سے متعلق ہے؛ اس لیے اگر بیماری کی وجہ سے بھی روزہ نہ رکھ سکے تو اعتکاف سنت نہیں کرسکتا، البتہ یہ اس کے حق میں اعتکاف نفل ہوجائے گا اور اعتکاف نفل کا ثواب ان شاء اللہ اسے حاصل ہوگا۔

"ومقتضى ذلک أن الصوم شرط أيضا فى الاعتكاف المسنون، لأنه مقدر بالعشر الأخير حتى لو اعتكفه بلا صوم لمرض أولسفر ينبغي أن لايصح عنه، بل يكون نفلاً، فلا تحصل به إقامة سنة الكفاية".(۲)

پس آپ بغیر روزہ کے بھی نفل اعتکاف کرسکتے ہیں۔(کتاب الفتاویٰ:۳/۴۵۴-۴۵۵)

اعتکاف مسنون کی مدت:

سوال: اعتکاف مسنون کے روز کا ہے اور کب سے ہے؟

الجواب

اعتکاف مسنون اکیسویں سے آخر رمضان تک ہے؛ مگر نفل اعتکاف تین روز کا بھی درست ہے۔فقط (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۷۷)

---

(۱) الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۲۴۳، انیس

(۲) ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۳/۴۳۱، انیس

بعض جزئیات متعلق اعتکاف:

سوال (۱) اگر کوئی ضعف جسمانی کی وجہ سے عشرۂ اخیرہ کاملہ کا اعتکاف نہ کر سکے اور ۳، یا ۵/ یوم کا ۲۱ و ۳۰ کے مابین اعتکاف کرے تو سنیت کا کچھ اجر ملے گا، یا دیگر ایام رمضان کے اعتکاف کی طرح محض نفل سمجھا جاوے؟

(۲) عشرۂ اخیرہ رمضان کے اعتکاف مسنون میں جمعہ کے لیے، یا تبرید کے لیے غسل کرنے کی غرض سے خروج عن المسجد مفسد اعتکاف ہے، یا متمم، یا جائز غیر مفسد اور خروج عن المسجد سے مراد احاطہ مسجد ہے، یا وہ حصہ جو نماز کے لیے حکم مسجد میں ہے، اگر غسل خانہ صدر دروازہ کے اندر ہو تو اس میں غسل کرنا اور باہر کرنا مساوی ہے، یا کیا؟

الجواب

سنت بقید عشر ہے، جب قید نہیں مقید نہیں اور وہی سنت تھا، پس سنت نہیں اور جز وسنت بحال انفراد کے لیے جزو سنت بحالت اجتماع مع سائر الاجزاء کے حکم میں ہونا لازم نہیں اور نہ ثابت، جس یوم کا اعتکاف شروع ہو گیا ہے، اس کے لیے مفسد ہے، بقیہ ایام کے لیے منہی ومتمم ہے، البتہ منذور کے لیے مجموعہ کا بھی مفسد اور مسجد وہی موضع ہے، جہاں نماز پڑھی جاتی ہے، نہ کہ کل احاطہ۔

۵/شوال ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ، ص: ۵۵) (امداد الفتاوی: ۲/۱۵۵)

ڈیوٹی کے ساتھ اعتکاف:

سوال: میں ایک سرکاری ملازم ہوں اور میری ڈیوٹی اچم پیٹھ کے قریب ایک گاؤں میں رہتی ہے، اسی گاؤں کی مسجد کے کمرے میں میرا قیام ہے، گاؤں میں مسلمانوں کی کثیر تعداد ہے، بروز جمعہ مسجد بھر جاتی ہے؛ بلکہ تنگ دامنی کی شکایت کرتی ہے، گاؤں میں بزرگ احباب بھی ہیں؛ لیکن گزشتہ دوسال سے میرا مشاہدہ ہے کہ کوئی بھی شخص ماہ رمضان کے آخری دہے میں اعتکاف کرنے کو تیار نہیں ہوتا، حالاں کہ کئی طرح سے کئی بار اعتکاف کی اہمیت بتلائی گئی، جو شاید فرض کفایہ ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ میں کم از کم آخری دہے گاؤں کی مسجد میں اعتکاف کرلوں، چوں کہ میں ملازم ہوں اور اپنے عہدہ کے لحاظ سے روزانہ دفتر حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے، کیا میں دن میں دو چار گھنٹے آفس کا کام دیکھتے ہوئے نماز ظہر سے قبل روزآنہ داخل مسجد ہو کر اعتکاف پورا کر سکتا ہوں، کیا اس طرح اعتکاف درست ہوگا؟

(سید انوار الحسن، اچم پیٹھ)

الجواب

یہ بات بہت افسوس ناک ہے کہ مسلمانوں کی کثیر تعداد ہونے کے باوجود گاؤں میں کوئی شخص اعتکاف کے لیے تیار نہیں، اعتکاف سنت کفایہ ہے اور اگر محلّہ میں کوئی شخص بھی مسجد میں معتکف نہ ہو تو سب کے سب ترک سنت کے

گنہگار رہوں گے؛ اس لیے گاؤں کے مسلمانوں کو اس سلسلہ میں متوجہ کرنا چاہیے، آپ نے اعتکاف کی جو صورت لکھی ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ صورت درست نہیں؛ کیوں کہ امام صاحب کے یہاں کسی شرعی، یا طبعی ضرورت کے بغیر ایک لمحہ کے لیے بھی مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں اور نکل جائے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ سہولت ہے کہ اگر آدھے دن سے کم مقدار مسجد سے باہر رہا تو اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، آدھے دن سے زیادہ دن مسجد سے باہر رہے تو اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

"وقالا: لايفسد إلا بأكثر من نصف يوم وهو الاستحسان... وهويقضي ترجيح قولهما". (۱)

لہٰذا اگر آپ دس روز کی مکمل رخصت نہیں لے سکتے تو بہ درجہ مجبوری یہی صورت اختیار کرلیں، ان دونوں فقہا کے قول پر آپ کا اعتکاف درست ہو جائے گا اور بعض اہل علم نے ان ہی حضرات کے رائے پر فتوی دیا ہے۔ (۲)

(کتاب الفتاویٰ: ۳/ ۴۵۵-۴۵۶)

زنجیری اعتکاف:

سوال: اعتکافِ سنت اکیس رمضان سے شوال کے چاند دیکھنے تک ایک ہی شخص کے بیٹھنے کے بجائے کئی احباب یکے بعد دیگرے زنجیری طور پر بیٹھیں تو کیا محلّہ والوں پر سے اعتکاف کی ذمہ داری ادا ہو جائے گی؟

(محمد عبدالحفیظ، مولاعلی)

الجواب

اعتکافِ سنت یہ ہے کہ ایک ہی شخص بیس رمضان کو غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں داخل ہو جائے اور ہلال عید طلوع ہونے تک اعتکاف کی حالت میں رہے، (۳) مختلف دنوں میں مختلف لوگ بیٹھیں تو یہ اعتکاف نفل ہوگا، اس سے اعتکاف سنت ادا نہیں ہوگا اور اہل محلّہ پر اس کی ذمہ داری باقی رہے گی۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/ ۴۵۱-۴۵۲)

کسی عذر کی بنا پر اعتکاف نہ کرنے کا حکم:

سوال: ایک مسافر مولوی صاحب شمار دو سال سے یہاں سکونت فرماتے تھے، اعتکاف کے بارے میں وعظ میں یوں فرمایا: "رمضان شریف میں لوگوں کا اعتکاف میں بیٹھنا بہت اچھی بات ہے، یہ نہ ہو سکے تو ایک آدمی بیٹھے تو بھی سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ خود کیوں نہیں بیٹھتے، ہاں ضرور بیٹھ سکتا ہوں، مجھے تو بہت

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/ ۳۰۳

(۲) الهداية مع فتح القدير: ۲/ ۳۱۰-۳۱۱

(۳) وعند الأئمة الأربعة أنه يدخل قبل غروب الشمس إن أراد اعتكاف شهر أوعشر. (مرقاة المفاتيح، باب الاعتكاف: ۴/ ۳۲۹، ط: مكتبة أشرفية ديوبند)

خواہش ہے، کیا کروں، چند وجوہات کے سبب سے نہیں بیٹھ سکتا ہوں، میرے مکان میں ہمراہ رہنے کے لیے کوئی نہیں ہے، یہاں میرے خویش واقارب میں سے بھی کوئی نہیں، میرے گھر کے تلاٹے ایک خالی میدان ہے، گھر میں عورت بچّے بہت گھبراتے ہیں؛ اس لیے میں اعتکاف میں نہیں بیٹھ سکتا، سائل بھی ان وجوہات کو جو مولوی صاحب نے بیان فرمائے ٹھیک سمجھتا ہے اور ان کے گھر میں راتوں کو کبھی کبھی پتھر آ کر گرنا بھی سائل کو معلوم ہے۔ آیا مولوی صاحب نے جو عذر بیان کئے شرع میں یہ مقبول ہوں گے، یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

یہ عذر مقبول ہے۔ (واللہ اعلم) بلکہ اس حالت میں ان کو اعتکاف مناسب بھی نہیں۔

۲۵ر شعبان ۱۳۴۲ھ (امداد الاحکام: ۳/۱۴۳-۱۴۴)

بیڑی پینے سے روکنے پر اعتکاف چھوڑ دیا گنہگار کون ہوگا:

سوال: موضع پونا، ہمارے محلّہ کی مسجد میں ماہِ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں بہت سے حضرات اعتکاف کیا کرتے تھے، اس درمیان مسجد کے امام صاحب نے کہا کہ اعتکاف کرنے والے بیت الخلاء وغیرہ جگہوں میں جا کر بیڑی سگریٹ وغیرہ ہرگز نہیں پی سکتے، جس کے نتیجہ میں جماعت والوں نے دو سال سے اعتکاف کرنا ہی چھوڑ دیا تو بیڑی وغیرہ پینے میں شرعی کیا حکم ہے؟ اور اعتکاف ترک کر دینے سے گنہگار کون ہوں گے؟ جس کی رہبری فرما کر کرم فرمائیں؟ بڑی عنایت ہوگی۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیڑی بلاضرورت پینا مکروہ ہے، بہ ضرورت درست ہے اور کراہت بھی بدبو کی وجہ سے ہے اور درجۂ حرام میں نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۱۱۲) یہ تو بیڑی پینے کا مطلق حکم ہوا، چاہے معتکف ہو، یا غیر معتکف، اب اگر کوئی معتکف آدمی بیڑی پینے کا عادی ہے تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اعتکاف کرنے سے پہلے ہی بیڑی چھوڑنے کی کوشش کرے، اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو تعداد اور مقدار کم کر دے اور اگر کچھ پینی ہی پڑے تو جس وقت استنجا اور طہارت کے لیے نکلے، اس وقت بیڑی کی حاجت پوری کرے، خاص بیڑی پینے کے لیے نہ نکلے؛ مگر جب مجبور ہو جائے اور طبیعت خراب ہونے کا خوف ہو تو اس کے لیے بھی نکل سکتا ہے کہ ایسی اضطراری حالت کے وقت یہ طبعی ضرورت میں شمار ہوگا اور مخل ومفسد اعتکاف نہ ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/۲۰۲)

معلوم ہوا کہ اعتکاف کرنے والا مذکورہ بالا طریقہ سے بیڑی پی سکتا ہے؛ اس لیے امام صاحب نے مطلق ممانعت کا جو حکم بتلایا، وہ درست نہیں ہے اور اسی کے نتیجہ میں اس مسجد میں عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کی سنت جو سنتِ کفایہ ہے، چھوڑی جا رہی ہے، جس کا ذریعہ امام صاحب بنے؛ اس لیے وہ اس گناہ کا ذریعہ بننے پر گنہگار ہوئے اور سنتِ کفایہ

چھوڑنے کا جو گناہ ہے، اس میں امام صاحب کے ساتھ تمام محلّہ والے بھی داخل ہیں۔ آئندہ کے لیے توبہ واستغفار کر کے دوبارہ اس سنت کو جاری کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاویٰ:۳۸۸/۴-۳۸۹)

جو حجرہ جزوِ مسجد نہ ہو اس میں اعتکاف باطل ہے:

سوال: مسجد کی چہار دیواریوں کے اندر کوئی حجرہ میں عشرۂ اواخر کے اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے، یا نہیں؟ یا جامع مسجد کے اندر ہی اعتکاف کر لینا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اعتکاف کے لیے مسجد شرط ہے، بدونِ مسجد اعتکاف صحیح نہیں ہوتا۔

فی العالمگیریة: ومنها (أی من الشرائط) مسجد الجماعة فیصح فی کل مسجد له أذان وإقامة، هو الصحیح، کذا فی الخلاصة. (۱)

البتہ جامع مسجد شرط نہیں؛ بلکہ ہر مسجد میں ہو سکتا ہے، جب کہ جماعت ہوتی ہو، **کما مرّ**۔ فقط

پس حجرہ میں جو کہ مسجد کا جزو نہیں، اعتکاف باطل ہے، البتہ حجرہ جزوِ مسجد ہو تو اس میں اعتکاف صحیح ہوگا؛ یعنی محض احاطہ میں ہونا کافی نہیں؛ بلکہ جزئیت ضروری ہے۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۰/شوال ۱۳۴۳ھ، الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ، ۱۰/شوال ۱۳۴۳ھ۔ (امداد الاحکام:۱۴۵/۳)

بقعۂ مدخولہ میں اعتکاف:

سوال: مسجد (جماعت خانہ) کی دیوار منہدم کر کے وسیع کر دی گئی تو بقعۂ مدخولہ کا کیا حکم ہے؟ آیا وہاں اعتکاف درست ہے، یا نہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

توسیع کا مقصد ظاہر ہے کہ رقبۂ مسجد میں اضافہ کرنا ہے، گویا بقعۂ مدخولہ کو مسجد میں شامل کرنے کی نیت موجود ہے اور جب بقعۂ مدخولہ بھی حصۂ مسجد بن گیا تو اس میں اعتکاف درست ہونے میں کیا تردد ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ۔ (محمود الفتاویٰ:۳۹۰/۴)

اعتکاف کی افضل جگہ:

سوال: اعتکاف کی افضل جگہ کون سی ہے؟　　(زاہد مرزا، یاقوت پورہ)

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف: ۲۱۱/۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

الجواب

اعتکاف یوں تو کسی بھی مسجد میں ہوسکتا ہے، جس میں نمازِ پنجگانہ ادا کی جاتی ہو؛ لیکن سب سے افضل مسجد حرام (مکہ مکرمہ) میں، پھر مسجدِ نبوی میں، اس کے بعد مسجدِ اقصیٰ میں اور ان مساجد کے بعد جامع مسجد میں اعتکاف کرنا ہے:

"فأفضل الاعتكاف أن يكون في المسجد الحرام،إلخ". (۱) (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۵۱)

ایک محلّہ میں کئی مسجدیں ہوں:

سوال: ایک محلّہ جیسے فرض کر لیجئے مغلپورہ ہے، اس محلّہ میں قریب قریب چار پانچ مساجد ہیں، کیا ان مساجد میں سے ایک مسجد میں بھی دس دن کا اعتکاف کرلیا تو سنت مؤکدہ کا حق ادا ہوجائے گا، یا پھر ہر مسجد کے مستقل مصلیوں میں سے کسی ایک کو ہر مسجد میں دس دن میں اعتکاف بیٹھنا سنت ہے؟ (نادرالمسدوسی، مغلپورہ)

الجواب

اعتکاف سنت کفایہ ہے؛ یعنی ایک یا چند اشخاص اعتکاف کرلیں تو سب بریٔ الذمہ ہوجائیں گے اور اگر کسی نے اعتکاف نہیں کیا تو سبھی تارکِ سنت کہلائیں گے، البتہ یہ سوال اہم ہے کہ ایک ہی محلّہ میں کئی مسجدیں ہوں تو کیا سنتِ اعتکاف کی ادائیگی کے لیے ہر مسجد میں اعتکاف ضروری ہے، یا محلّہ کی ایک مسجد میں اعتکاف کرلینا کافی ہے؟ اس سلسلہ میں اعتکاف کی نسبت سے کوئی صراحت نہیں ملتی، البتہ جیسے اعتکاف سنت کفایہ ہے، اسی طرح مسجد میں تراویح کی جماعت بھی سنت کفایہ ہے اور تراویح کے بارے میں فقہاء نے اس سوال کو اٹھایا ہے کہ پورے شہر میں ایک مسجد میں جماعت تراویح سنت کی ادائیگی کے لیے کافی ہے، یا ہر محلّہ میں، ایک مسجد میں تراویح کافی ہے؟ یا محلّہ کی ہر مسجد میں تراویح ضروری ہے؟ فقہا کے یہاں اس سلسلہ میں تینوں اقوال موجود ہیں، علامہ طحطاویؒ نے شہر کی ایک مسجد میں کافی قرار دیا ہے، علامہ حصکفیؒ نے ہر مسجد کے لیے ضروری قرار دیا ہے اور خاتم الفقہاء علامہ شامیؒ نے محلّہ کی ایک مسجد میں تراویح کی ادائیگی کو کافی سمجھا ہے اور اس سلسلہ میں فقہا کی بعض عبارتوں سے اپنے نقطۂ نظر کی تائید وتوثیق بھی نقل کی ہے، (۲) علامہ شامی ہی کا قول زیادہ درست اور مبنی بر اعتدال معلوم ہوتا ہے۔ پس جو حکم تراویح کا ہے، وہی حکم

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل وأما ركن الاعتكاف ومحظوراته ... :۲/۲۸۱

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى. (صحيح البخارى، فضل الصلاة فى مسجد مكة ومدينة، رقم الحديث: ۱۱۸۸، انيس)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلاَةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلاَةٍ فِيمَا سِوَاهُ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ. (صحيح البخارى، فضل الصلاة فى مسجد مكة ومدينة، رقم الحديث: ۱۱۹۰، انيس)

(۲) دیکھئے: رد المحتار: ۲/۴۹۵

اعتکاف کا بھی ہونا چاہیے؛ یعنی اگر ایک محلّہ میں کئی مسجدیں ہوں تو بہتر یہ ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف ہو؛ لیکن اگر ان میں سے ایک مسجد میں بھی اعتکاف کرلیا جائے تو پورے محلّہ کے لوگ ترک سنت کے گناہ سے ان شاء اللہ بری ہوجائیں گے۔ (کتاب الفتاویٰ:۳؍۴۵۳-۴۵۴)

حکم سکوت دراعتکاف:

سوال: علم الفقہ وبہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ چپ اعتکاف میں بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے، لہذا کتنی دیر چپ رہنا مکروہ تحریمی ہوگا؟ خادم کی عادت ہے کہ بعد عشا تراویح وغیرہ جب سوتا ہے تو پاس انفاس کا ذکر کرتا رہتا ہے، جو ابتدا میں حضور نے تعلیم فرمایا ہے تو یہ چپ میں تو نہ شمار ہوگا اور کتب دینیات کا دیکھنا، یا وعظ وغیرہ سننا یہ بھی تو چپ رہنے میں شمار ہوگا اور معتکف بات چیت کرسکتا ہے؛ یعنی ضروری بات ضرورت کے مطابق میں اس وقت قصداً اپنے نفع کے لیے بالکل خاموش ہوں، اشارہ سے کام لیتا ہوں، یا تحریر سے تو یہ کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب

فی الدرالمختار: (و)یکره تحریماً (صمت) إن اعتقده قربة وإلا لا، لحدیث: ''من صمت نجا'' ویحب أی الصمت، کما فی غررالأذکارعن شر ... (وتکلم إلا بخیر). (۲؍۲۱۷)(۱)

اس روایات سے معلوم ہوا کہ سکوت آپ کا ہے یہ مکروہ ہے۔

۲۵؍رمضان ۱۳۳۷ (تتمہ خامسہ،ص:۹۴) (امدادالفتاوی:۲؍۱۵۴)

معتکف مسجد میں جہاں چاہے اٹھ بیٹھ سکتا ہے:

سوال: معتکف جو گوشہ اپنے لیے مقرر کرے، اس کو علاوہ ضروری حاجت کے ہر وقت اس میں ہی رہنا چاہیے، یا مسجد اور فرشِ مسجد میں بلاضرورت کھانا پینا اور تلاوتِ قرآن شریف اور نماز پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

ہروقت گوشہ میں رہنا ضروری نہیں؛ بلکہ عبادتِ نافلہ وذکر کے لیے اس میں رہنا بہتر ہے، باقی اوقات میں مسجد کے اندر جہاں چاہے، اٹھے بیٹھے۔

۱۸؍ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ (امدادالاحکام:۳؍۱۴۵)

معتکف کا علاج کرنا:

سوال: معتکف کو مسجد میں علاج مریضوں کا اللہ واسطے درست ہے، یا نہیں؟

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲؍۴۴۹، انیس

الجواب ــ

معتکف کا مریضوں کو دوا بتلا دینا درست ہے۔فقط (تالیفات رشیدیہ،ص:۴۷۸)

اعتکاف میں بیوی سے ملاقات:

سوال: کیا حالت اعتکاف میں بیوی مسجد آ کر شوہر سے ملاقات کر سکتی ہے؟ (عبدالمقیت، چندرائن گٹہ)

الجواب ــ

معتکف کے لیے صرف جماع اور دواعی جماع کی ممانعت ہے، ملاقات اور بات چیت میں قباحت نہیں، اگر مسجد کے اندر ہو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا کا حالت اعتکاف میں جا کر ملاقات کرنا ثابت ہے اور خود بخاری میں ایک سے زیادہ مواقع پر یہ روایت آئی ہے۔(۱) (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۵۹-۴۶۰)

معتکف کا مسجد میں چہل قدمی کرنا:

سوال: اعتکاف کی حالت میں مسجد کے اندر کیا چہل قدمی کی جا سکتی ہے؟ یہ مسجد کے احترام کے خلاف تو نہیں؟ (مخلص الدین،محبوب آباد)

الجواب ــ

چہل قدمی ایک تو تفریحا کی جاتی ہے،اس نقطۂ نظر سے مسجد میں ٹہلنا مناسب نہیں، البتہ بعض لوگوں کو طبی اغراض کے تحت چہل قدمی کرنی ہوتی ہے، خاص کر ریاحی تکلیف، یا شوگر وغیرہ کی وجہ سے، اس مقصد کے تحت چہل قدمی کرنا درست ہے؛ کیوں کہ یہ علاج کے قبیل سے ہے اور انسان کی بنیادی حاجات میں داخل ہے اور معتکف کے لیے مسجد میں ضروری امور انجام دینے کی اجازت ہے۔(کتاب الفتاویٰ:۳/۴۵۹)

اعتکاف میں مسجد کی خدمت کرنا:

سوال: حالتِ اعتکاف میں مسجد کی خدمت کرنا اور اذان واقامت کہنا کیسا ہے؟

الجواب ــ

معتکف کو مسجد کی خدمت کرنا اور اذان وتکبیر کہنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ غیر معتکف کو؛ لیکن خدمت ایسی نہ ہو، جس میں مسجد سے باہر جانا پڑے۔

۱۵/رمضان (امدادالاحکام:۳/۱۵۰)

---

(۱) صحيح البخاري، رقم الحديث:۲۰۳۸، باب زيارة المرأة زوجها في اعتكافه

حالتِ اعتکاف میں ورزش اور خط کا جواب تحریر کرنا:

سوال: جو شخص ورزش کرنے کا عادی ہے، حالتِ اعتکاف میں کرسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

باہر جانا جائز نہیں اور مسجد میں ورزش خلافِ ادب ہے، لہٰذا زمانۂ اعتکاف میں اس کو ترک کردیں، اگر تکلیف نہ ہو اور اگر تکلیف زیادہ نا قابلِ برداشت ہو تو بہ مجبوری خلوت کے وقت کرلیا کریں۔

سوال: اپنے خطوط یا دیگر شخص کا خط تحریر کرانا چاہیں تو تحریر کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

خط لکھنے میں مضائقہ نہیں، خواہ اپنا ہو، یا دوسرے کا۔

احقر عبدالکریم، الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ، ۱۵؍رمضان (امداد الاحکام: ۳؍۱۵۰)

معتکف کا جمعہ کے لیے نکلنا:

سوال: (فتاویٰ ماہِ رمضان المبارک) زید جس مسجد میں معتکف ہے، وہاں سے ایک جامع مسجد تو قریب ہے اور دوسری کچھ فاصلہ پر ہے اور زید کا معمول پہلے سے بعید کی مسجد میں نمازِ جمعہ پڑھنے کا تھا۔ کیا زید اب حالتِ اعتکاف میں قریب کی مسجد کے ہوتے ہوئے اپنی کسی مصلحت سے بعید کی مسجد میں نمازِ جمعہ کے لیے جاسکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اس کا جزئیہ تو نظر سے نہیں گزرا؛ لیکن عالمگیریہ میں ہے:

"وإن كان له بيتان قريب وبعيد قال بعضهم لايجوز أن يمضى (أى للخلاء) إلى البعيد فإن مضٰى بطل اعتكافه، كذا فى السراج الوهّاج". (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ مسئولہ میں اختلاف ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ مسجدِ قریب میں جاوے۔

سوال: اور کیا زید کو وعظ سننے کی غرض سے جامع مسجد میں کچھ دیر ٹھہر جانا جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

مکروہ ہے اور بہتر یہ ہے کہ **بعد فراغ عن السنن البعدية** اپنی مسجد میں چلا آوے۔

السوال: وما الحكم إن نوىٰ ذلک (أى صلاة الجمعة فى المسجد البعيد واستماع الوعظ) وقت اعتكافه؟ (۲)

---

(۱) الفتاویٰ الهندیه، کتاب الصوم، الباب السابع فى الاعتكاف: ۲؍۲۱۲، دار الکتب العلمية بيروت، انيس

(۲) خلاصہ سوال: اگر اعتکاف کے وقت ہی مسجدِ بعید میں نمازِ جمعہ پڑھنے اور وعظ سننے کی نیت کرلی ہو تو کیا حکم ہے؟ انیس

الجواب

اگر نیت کر لی ہو تو پھر مسجدِ بعید میں جمعہ پڑھنے اور وعظ کے لیے ٹھہرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم

۷؍رمضان ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۳؍۱۴۸-۱۴۹)

معتکف کا پانی لانے کے لیے مسجد سے نکلنا:

سوال: معتکف علاوہ فرض نماز کے نوافل اور تلاوتِ قرآن وذکر کے لیے سقاوہ سے جو مسجد کے اندر نہیں، یا کنویں سے پانی لا سکتا ہے، یا نہیں؟ ۱۳۴۵ھ میں میں نے دریافت کیا تھا تو آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ ''فرض نماز کے لیے تو وضو کے لیے باہر جا کر پانی لا سکتا ہے، تلاوت اور نفل نماز کے لیے باہر نہیں جا سکتا، اگر جائے گا تو اعتکاف ناقص ہو جائے گا'' اور دیوبند کے مفتی صاحب نے اس طرح پانی لانے کو ضرورت میں داخل فرمایا ہے؟

الجواب

مفتی صاحب کا جواب صحیح ہے اور میں بھی یہی فتویٰ دیتا ہوں، نہ معلوم آپ کو اس کے خلاف کس طرح جواب دیا گیا۔ (**فأستغفر الله وأتوب إليه**)

۲۲؍رمضان ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۳؍۱۴۵-۱۴۶)

سوال: مجھے خیال پڑتا ہے کہ جب میں تھانہ بھون حاضر ہوا تھا تو مسجد میں جو ہدایات معتکف کے لیے تحریر تھیں، اس میں تحریر کیا تھا کہ ریح خارج کرنے کے لیے مسجد سے باہر جانا چاہیے، دیوبند کے مفتی صاحب دریافت کرنے پر تحریر فرماتے ہیں کہ ''اخراجِ ریح کے لیے معتکف کو مسجد سے نکلنا جائز نہیں ہے'' اس مسئلہ میں جو محقق حکم ہو، تحریر فرمایا جاوے، اگر میری سمجھ میں نہ آیا ہو تو توضیح فرمادی جاوے؟

الجواب

علماء دیوبند وسہارنپور سب کا وہی خیال ہے، جو مفتی صاحب نے تحریر فرمایا؛ مگر میں ایک جزئیہ کی بنا پر مسجد میں اخراجِ ریح کی اجازت معتکف وغیر معتکف کسی کے لیے نہیں سمجھتا؛ لیکن اس وقت مجھے بھی اس مسئلہ میں تردّد ہو گیا ہے، تحقیق کر رہا ہوں؛ اس لیے احوط یہی ہے کہ مفتی صاحب کے قول پر عمل کیا جائے۔

معتکف کا بال کٹوانا:

سوال: معتکف کو مسجد میں خط بنوانا، یا بال کٹوانا کیسا ہے؟

الجواب

جائز ہے؛ جب کہ حجّام باہر رہے۔

۲۲؍رمضان ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۳؍۱۴۶)

معتکف کا غسل، یا پانی کے لیے مسجد سے باہر جانا:

سوال: اور غسل کے لیے جانا، جب کہ حالتِ جنابت میں نہ ہو جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جائز نہیں۔

سوال: معتکف کی طبیعت دوسرے سے پانی لینے کو نہیں چاہتی تو خود مسجد سے باہر ہو کر پانی لینا بہتر ہے، یا دوسرے ہی شخص سے لینا؟

الجواب

اگر دوسرے شخص سے بے تکلفی نہ ہو؛ بلکہ خدمت لینے سے اپنے اوپر، یا اس پر گرانی کا شبہ ہو تو مسجد سے باہر جا کر پانی لینا اولیٰ ہے۔ ہاں بے تکلفی ہو تو خروج جائز نہیں۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ، ۲۲/ رمضان ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۱۴۶/۳)

معتکف کا اپنے گھر جانا:

سوال: معتکف اپنے گھر آکر کھانا کھا سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

معتکف کو کھانے کے واسطے گھر جانا جائز نہیں ہے؛ بلکہ مسجد ہی میں منگا کر کھانا چاہیے، البتہ اگر کوئی لانے والا نہ ہو، مجبوری کو (مجبوری میں) خود جا کر کھانا لے آئے؛ مگر فوراً واپس آجاوے اور مسجد ہی میں کھاوے، بدون سخت مجبوری کے کھانا لانے کے واسطے بھی ہرگز نہ جاوے۔

سوال: معتکف ضرورۃً اپنے گھر آرہا ہو اور راستہ میں کوئی آدمی اس سے بات کرنا چاہے تو جواب دے سکتا ہے، یا نہیں، یا خاموش چلا جاوے؟

الجواب

جب استنجا وغیرہ کی ضرورت سے باہر نکلا ہو تو بولنے میں مضائقہ نہیں؛ مگر بات چیت کے لیے کھڑا نہ ہو، البتہ رفتار سست کر دینے کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم

سوال: کیا معتکف اپنے گھر آکر نہا سکتا ہے؟

الجواب

غسل اگر واجب ہو گیا ہو تو مسجد ہی کے غسل خانہ میں نہاوے اور ویسے بدونِ احتلام کپڑے بدلنے وغیرہ کے واسطے نہانے کی اجازت نہیں۔

سوال: نوافل وغیرہ کے لیے بار بار وضو کے لیے وضوخانہ میں جانا جائز ہے، یانہیں؟

الجواب

نوافل کے لیے بھی وضوکرنے کے واسطے باہر جاسکتا ہے؛ لیکن یہ جب ہے کہ فرش کے کنارہ پر وضوممکن نہ ہو، اگر وہاں وضو کی جگہ ہواور پانی بھی کنارہ پر گھڑے وغیرہ میں وہاں رکھ سکتا ہوتو فرض اور نفل سب کے واسطے یہی انتظام کرنا چاہیے۔

سوال: اپنے گھر ضرورۃً آیا ہوتو اپنی ڈاک کا بکس کھول کر خطوط لے سکتا ہے، یانہیں؟

الجواب

گھر فقط استنجے کی ضرورت سے جاسکتا ہے، وہ بھی جب کہ گھر سے قریب تر کوئی جگہ ایسی نہ ہو، جہاں یہ استنجا کرسکے اور استنجے سے قبل، یابعد کسی کام کے واسطے ٹھہرنے کی بالکل اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

احقر عبدالکریم گمتھلوی، الأجوبۃ صحیحۃ، ظفر احمد عفاعنہ، ۱۲/رمضان ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۱۴۹/۳-۱۵۰)

معتکف کا پانی گرم ہونے تک ٹھہرنا:

سوال (۱) رمضان میں اعتکاف کی حالت میں نہانے کی حاجت ہوگئی، ٹھنڈے پانی سے نہانے میں طبیعت خراب ہونے کا اندیشہ ہے تو معتکف مسجد کے صحن میں پانی گرم کرنے تک ٹھہر سکتا ہے؟

مسجد کے باہر ٹھہرنا:

(۲) معتکف نے مسجد سے باہر کسی سے بات کرلی، یا سلام کا جواب دیا تو کیا اعتکاف فاسد ہوگیا؟

ناپاک کپڑا دھونا:

(۳) معتکف اپنے کپڑے دھوسکتا ہے، یانہیں؟

غسل جمعہ کے لیے نکلنا:

(۴) معتکف جمعہ کا غسل کرسکتا ہے، یانہیں؟

الجواب　حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) دوسرے کو پانی گرم کرنے کے لیے کہہ دے اور وہاں تک خود تیمّم کرکے مسجد میں ٹھہرا رہے۔

(۲) چلتے چلتے بات کرلی تو اعتکاف نہیں ٹوٹا، اگر اس غرض سے ٹھہر گیا تو ٹوٹ جاوے گا۔

(۳) کپڑا ناپاک ہوگیا ہوتو دھوکر پاک کرسکتا ہے۔

(۴)　غسل جمعہ کے لیے مسجد سے باہر نہیں نکل سکتا؛ البتہ جمعہ سے قبل ضرورتِ شرعیہ وطبعیہ کے لیے باہر گیا تو واپسی میں غسل جمعہ کرسکتا ہے، جلدی غسل سے فارغ ہوکر مسجد آجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاویٰ: ۴/۳۸۷-۳۸۸)

خروج معتکف بسوئے صحن مسجد کہ بر سقف دکانہا باشد:

سوال: جن مساجد کا اندر کا درجہ تو بھراؤ پر تنا ہوا اور صحن دوکانوں پر ہو، یہ تو معلوم ہے کہ صحن میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب تو نہیں ملے گا۔ دریافت کرنا یہ ہے کہ جو شخص اندر کے درجے میں اعتکاف کرے، اس کو جماعت سے نماز ادا کرنے کو صحن میں آنا (کیوں کہ جماعت اکثر اوقات آج کل باہر ہی ہوتی ہے) مفسد اعتکاف ہوگا، یا نہیں؟ اور صاحبین اور امام صاحب سے جو اختلاف مفسد اعتکاف مسجد سے نکلنے میں ایک ساعت اور ایک وقت نماز کامل خارج مسجد سے رہے، اس میں کون سا قول راجح تر ہے؟

الجواب

اول تو اگر دوکانیں مسجد کے لیے وقف ہوں تو بعض روایات فقہیہ کی رو سے اس سطح کو مسجد کہنے کی گنجائش ہے، ضرورت جماعت میں اس روایت پر عمل جائز ہے اور دوسرے اگر قول راجح ہی لیا جاوے کہ اس کا حکم مسجد کا نہیں؛ تاہم معتکف کو ضرورت کی وجہ سے خروج عن المسجد جائز ہے، خواہ وہ ضرورت طبعی ہو، یا دینی اور ادراک جماعت مثل ادراک جمعہ ضرورت دینیہ ہے؛ اس لیے خروج جائز ہے۔ تیسرے جب پہلے سے معلوم ہے کہ مجھ کو یہاں تک آنا پڑے گا تو گویا نیت استثنا کی ہوگئی اور استثنا کے وقت خروج جائز ہے، چوتھے صاحبین کے قول کو بعض نے ترجیح دی ہے۔ (کمافی الدرالمختار) فقط

۲۰/رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد: ۱/۱۸۳) (امداد الفتاوی: ۲/۱۵۲)

جس کو ریح اور بواسیر کا عارضہ ہو، مسجد میں اعتکاف کرسکتا ہے، یا نہیں:

سوال: زید ہمیشہ آخر عشرۂ رمضان میں معتکف ہوا کرتا ہے؛ مگر ریحی بواسیر کا عارضہ ہونے سے وضو قائم نہیں رہتا اور مسجد میں بعض وقت ریح کو خارج نہ کرنا تکلیف دہ ہوتا ہے، کیا ایسے شخص کو اعتکاف بمسجد جائز ہے؟

الجواب

ہاں جائز ہے؛ مگر ریح خارج کرنے میں اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ مسجد میں خارج کرنا مضائقہ نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ جب ضرورت ہو مسجد سے باہر چلا جاوے، (جیسا کہ پیشاب پاخانہ کے واسطے جاتا ہے۔)

كما في العالمگيرية (٦/٢١٥): واختلف في الذي يفسو في المسجد فلم ير بعضهم بأساً وبعضهم قالوا لايفسو ويخرج إذا احتاج إليه وهو الأصح، كذا في التمرتاشي، آه. (۱)

اس لیے اخراجِ ریح کے واسطے باہر جانا بھی معتکف کو جائز ہے اور جب دونوں طرف گنجائش ہے تو حسب موقع

(۱)　الفتاویٰ الهندية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة: ٥/٣٢١، انيس

دونوں قول پر عمل کی گنجائش ہے؛ یعنی جب اخراجِ ریح فی المسجد سے لوگوں کی ایذا احتمال ہوتو باہر چلا جانا چاہیے اور جب بار بار جانے میں دقّت ہوتو باہر نہ جانا بھی جائز ہے، اس طرح دونوں روایتیں جمع بھی ہوگئیں۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، مورخہ ۲/شعبان ۱۳۵۱ھ۔ (امداد الاحکام: ۱۵۰/۳-۱۵۱)

خروج ریح کے مریض کا اعتکاف کرنا:

سوال: اگر کسی شخص کو گیسٹک کی بیماری ہو اور بار بار خروج ریح کی نوبت آتی ہو تو کیا ایسے شخص کو اعتکاف کرنا چاہیے، یا اس کا اعتکاف کرنا جائز نہیں؟ (عبدالمتین، گشن باغ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر کوئی دوسرا شخص اعتکاف کر رہا ہو تو خیال ہوتا ہے کہ ایسے شخص کا اعتکاف میں نہ بیٹھنا بہتر ہے؛ کیوں کہ اعتکاف سنت کفایہ ہے؛ یعنی اگر ایک شخص نے بھی اعتکاف کرلیا تو سب لوگ ترک سنت کے گناہ سے بچ جائیں گے اور ایسے شخص کے اعتکاف کرنے میں بظاہر مسجد کی بے احترامی معلوم ہوتی ہے اور اس سے اجتناب زیادہ اہم ہے، ویسے یہ اس حقیر کی ذاتی رائے ہے، دوسرے اہل علم سے بھی دریافت کرلیا جائے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴۵۷/۳)

حکم اخراج ریح معتکف را در مسجد:

سوال: اعتکاف کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے کہ حدث اندر مسجد کے کیا جاوے یا باہر مسجد کے، بعض شاگرد استاذ مولانا خلیل احمد صاحب مدرس اول مدرسہ سہارن پور و دیگر مفتیین مولانا گنگوہی علیہ الرحمۃ حدث کو اندر مسجد کا رائے فرماتے ہیں و بعض شاگردان حضرات اس کو پیشاب پاخانہ پر قیاس کرتے ہیں اور اس کو عذر شرعی قرار دیکر باہر مسجد کے اجازت دیتے ہیں اور حضرت مولانا صاحب مذکور رسے بھی اندر مسجد کے جواب پایا گیا اور مولانا گنگوہی علیہ الرحمۃ کی طرف قول کو نسبت کرتے ہیں اور حدث کو عذر شرعی پر قیاس کرنا بوجہ عدم نقل تسلیم نہیں کرتے، اس واسطے امید قوی ہے کہ بندہ کو جواب شافی سے ممنون فرماویں اگر دلیل موجود ہو تو بحوالہ کتب عنایت فرمانا ہو تو نور علی نور ہے تاکہ مخالفین ہمارے ساکت ہوویں۔ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــ

فی ردالمحتار: وكذا لايخرج فيه الريح من الدبر، كما فى الأشباه.

واختلف فيه السلف، فقيل: لا بأس، وقيل: يخرج إذا احتاج إليه وهو الأحوط، حموى عن شرح الجامع الصغير للتمرتا شی. (۱)

---

(۱) رد المحتار، فروع، اشتمال الصلاة على الصماء: ۶۸/۱، انیس

اس سے معلوم ہوا کہ گنجائش تو مسجد کے اندر بھی ہے؛ مگر زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ مسجد سے باہر نکل جانا چاہیے اور روایت اپنے اطلاق سے معتکف وغیر معتکف دونوں کو شامل ہے۔

۱۴/رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ،ص:۶۹) (امداد الفتاوی:۲/۱۵۳)

معتکف کے لیے مسجد میں ریح صادر کرنے کا حکم:

سوال: معتکف کو اگر ریح صادر کرنے کی ضرورت ہو تو وہ کیا کرے، آیا مسجد ہی میں ریح صادر کرے، یا مسجد سے باہر نکل کر صادر کرے؟

الجواب

اصح یہ ہے کہ مسجد سے باہر نکل کر صادر کرے۔

قال فی الهندية:سئل أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ عن المعتكف إذا احتاج ملی الفصد والحجامة هل يخرج؟ فقال:لا،وفی اللآلی:واختلف فی الذی يفسو فی المسجد فلم ير بعضهم بأساً وبعضهم قالوا: لايفسو ويخرج إذا احتاج إليه وهو الأصح،كذا فی التمرتاشی، آه.(۱۵۲/۲)(۱)والله أعلم

۹/جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ (امداد الاحکام:۳/۱۴۱)

عدم جواز خروج معتکف بعذر مرض، یا دوا:

سوال: معتکف مسجد میں اکیلا ہے اور رات کو بیمار ہو گیا ہے تو اس وقت اس کو دوا لا کر دینے والا شخص اس کے پاس موجود نہیں تو کیا وہ خود گھر جا کر دوا منگانے کا انتظام کرا سکتا ہے، یا خود ہسپتال جا کر دوا لا سکتا ہے؟

(۱) الفتاویٰ الهندية،الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة:۳۲۰/۵-۳۲۱،انیس

☆ **حالت اعتکاف میں خروج ریح:**

سوال: اگر اعتکاف کی حالت میں خروج ریح کی نوبت آئے تو کیا مسجد ہی میں اس ضرورت کو پورا کر لینا چاہیے، یا مسجد سے باہر نکلنا چاہیے؟ (عبد المتین، گلشن باغ)

الجواب

عام حالات میں فقہا نے مسجد میں اخراج ریح کو منع کیا ہے؛ کیوں کہ اس سے بدبو پھیلتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں بدبو دار چیزوں کے لانے کو منع فرمایا ہے اور معتکف کو طبعی حوائج کے لیے باہر نکلنا جائز ہے اور یہ بھی طبعی حوائج میں داخل ہے؛ اس لیے بہتر یہی ہے کہ اگر پہلے سے اس کا تقاضا ہو تو استنجا کے بہانے باہر آ جائے؛ تاہم یہ حکم از راہ استحباب ہے، واجب نہیں؛ اس لیے جس شخص کو عذر ہو، اس کے لیے مسجد سے باہر نہ آنے کی بھی گنجائش ہے۔ (واختلف فی الذی يفسو فی المسجد فلم ير بعضهم بأسا و بعضهم قالوا لا يفسو ويخرج إذا احتاج إليه و هو الأصح. (الفتاویٰ الهندية،الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة:۳۲۱/۵،انیس)

(کتاب الفتاویٰ:۳/۴۵۶-۴۵۷)

الجواب

فی الدرالمختار:(وحرم علیه) ... (الخروج إلا لحاجة الإنسان) طبعیة کبول وغائط وغسل لو احتلم ولایمکنه الاغتسال فی المسجد کذا فی النهر(أو)شرعیة کعید وأذان لومؤذنا وباب المنارة خارج المسجد و(الجمعة،إلخ) ... (و)إن خرج (بعذر،ویغلب وقوعه) وهوما مرلا غیرلایفسد.

وفی رد المحتار: قوله وهوما مرای من الخارجة الطبعیة والشرعیة ثم فیه ولأن الخروج لمرض وحیض ونسیا ن إذا کان مفسداً،الخ.(۲/۱۱ ۲-۲۱۶)(۱)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ اس صورت میں خروج جائز نہیں۔

۴/محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ،ص:۵)(امدادالفتاوی:۲/۱۵۳)

معتکف کن وجوہ کی بنا پر مسجد سے نکل سکتا ہے:

سوال: معتکف کو شرکت جنازہ وعیادت مریض اگر ضرورت ہو تو جائز ہے، یا نہیں؟ اگر آتش زدگی ہو تو اس کو بجھانا جب کہ اپنے گھر کے جلنے کا بھی خوف ہو تو جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

معتکف کو عیادت اور شرکت نماز جنازہ وغیرہ ضروریات درست ہیں، ایسے ہی آگ لگ جائے تو اس کو بجھانے جانا درست ہے۔فقط (تالیفات رشیدیہ،ص:۳۷۸)

معتکف کے لیے خارجِ مسجد نماز ادا کرنے کا حکم:

سوال: مسجد کے سامنے جو صحن ہے، جس میں موسمِ گرمی میں نمازِ مغرب وعشا ادا کرتے ہیں؛ لیکن اس لوگ نہ

---

(۱) الدرالمختارمع رد المحتار، کتاب الصوم،باب الاعتکاف:۲/٤٤٤-٤٤٧،انیس

☆ سوال: هل للمعتکف الخروج من معتکفه للوضوء للنوازل؟ (خلاصہ سوال: کیا معتکف کے لئے اپنے مقام اعتکاف سے بوقتِ ضرورت وضو کے لئے نکلنا جائز ہے؟انیس)

الجواب

بلاضرورتِ فرض خروج خلافِ احتیاط ہے،(حضرتِ تھانوی مدّظلہ العالی اس صورت سے بھی منع فرماتے ہیں، وهو الأقرب الی الاحتیاط، واللہ اعلم منہ) ہاں جو حیلہ غسلِ جمعہ میں آئندہ لکھا ہے، وہ یہاں بھی ہوسکتا ہے۔

بقیہ سوال: غسلِ جمعہ ضرورتِ شرعیہ میں داخل ہے، یا نہیں؟

الجواب

غسلِ جمعہ کے لیے خروج من المسجد جائز نہیں، فقط غسلِ احتلام کے واسطے باہر جانا جائز ہے، البتہ غسلِ جمعہ کے لیے (بعض علما کے نزدیک) یہ صورت جائز ہے کہ جب استنجا وغیرہ کے لیے باہر نکلے تو طہارت کیوقت طہارتِ کاملہ؛ یعنی غسل کرلے۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ، از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ۷/رمضان ۱۳۴۸ھ۔

الجواب صحیح،ظفر احمد عفا اللہ عنہ، ۸/رمضان ۱۳۴۸ھ۔(امدادالاحکام:۴/۱۴۹)

داخلِ مسجد سمجھتے ہیں، نہ اس کی حرمت مسجد کی سی کرتے ہیں اور بانی کے طرزِ عمل سے بھی خارجِ مسجد ہونا معلوم ہوتا ہے، جب ایسی جگہ جماعت ہو معتکفین تراویح وفرائض ادا کرنے کے لیے وہاں آ سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب

جب بانی کے طرزِ عمل سے وہ جگہ مسجد سے خارج ہے تو معتکفین اس جگہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے، ورنہ اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ (امدادالاحکام:۱۴۲/۳)

معتکف اذان کہنے کے لیے باہر جا سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: معتکف کے لیے اذان کہنے کو اور کوئی جگہ نہ ہونے کی تقدیر پر مسجد سے باہر جانا اعتکاف میں کسی قسم کی خرابی ہے یا نہیں اس کا جواب صرف نفی اثبات میں لکھ دینا، دلیل کی ضرورت نہیں؟

الجواب

اس ضرورت کے لیے مسجد سے نہ نکلے، مسجد میں ہی اذان کہہ دے۔ **ولا یکرہ لہ الأذان داخل المسجد للضرورۃ کما لا یکرہ لہ أی للمعتکف البیع والشراء فیہ.** (۱) پس اگر اذان کے لیے مسجد سے نکلے گا تو اعتکافِ نفل ومسنون ناقص ہو جائے گا اور اعتکافِ واجب باطل ہو جاوے گا۔

۲۷ رجب ۱۳۴۶ھ (امدادالاحکام:۱۴۵/۳)

سحری کھانے کے بعد کلّی کرنے کے واسطے معتکف کا مسجد سے باہر جانا:

سوال: اعتکاف کی حالت میں سحری کھانے کے بعد کلّی کے لیے مسجد سے باہر معتکف گیا، اس وقت مسجد کے اندر بھی پانی تھا؛ مگر نہ تو یہ خیال تھا کہ پانی ہے اور نہ اعتکاف کا خیال رہا؛ مگر کلّی کرتے ہی فوراً اپنی جگہ آ گیا، اس صورت میں اعتکاف رہا، یا نہیں؟ اور سحری کھانے کے بعد کلّی کرنا ضرورتِ طبعی ہے، یا نہیں؟ اگر اعتکاف ٹوٹ گیا تو اب اس کی قضا ہو سکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

سحری کے بعد صائم کے لیے کلّی کرنا ضرورتِ شرعیہ ہے، **لما فیہ من صیانۃ الصوم عن بقایا الطعام فی**

---

(۱) ألا تری أن سطح المسجد منہ حتی حرم علی الجنب والحائض الوقوف علیہ ولم یبطل الاعتکاف بالصعود علیہ کذا فی (الشرح) وغیرہ. (النہر الفائق،باب الیمین:۶۶/۳،دارالکتب العلمیۃ بیروت،انیس)

وَلَا بَأْسَ لِلْمُعْتَكِفِ أَنْ يَبِيعَ وَيَشْتَرِيَ وَيَتَزَوَّجَ وَيُرَاجِعَ وَيَلْبَسَ وَيَتَطَيَّبَ وَيَدَّهِنَ وَيَأْكُلَ وَيَشْرَبَ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ إلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ. (بدائع الصنائع،کتاب الصوم،فصل فی بیان حکم الاعتکاف إذا فسد:۱۱۷/۲،دارالکتب العلمیۃ بیروت،انیس)

الـفـم ؛ اس لیےاس ضرورت کے لیےاس کومسجد سے باہر نکلنا جائز ہے،بشرطیکہ مسجد میں پانی نہ ہو، یاکلّی کا موقع صحنِ مسجد سے متصل نہ ہواوراگر پانی مسجد کے اندر ہےاورکلّی کی جگہ بھی صحنِ مسجد سے متصل ہے،اس صورت میں خروج سےاعتکاف نفل ختم ہوجائے گا،(۱)اوراعتکافِ واجب یعنی منذورفاسد ہوجائے گا۔

قال في مراقي الفلاح: (فإن خرج ساعة بًلاعذر)معتبر–في عدم الفساد–(فسد الواجب) ... (وانتهٰي به) (غيره) أي غيرالواجب وهوالنفل اذ ليس له حد،آه. (۲)

پس کلّی کے لئے نکلنا خروج بعذر رہے،اورمسجد کےاندر پانی کا موجود ہونااس عذرکوجب زائل کرتا ہے،جبکہ صائم کو معلوم ہوکہ پانی یہاں موجود ہے،اگرمعلوم نہ ہویایاد نہ ہوتواس خروج سےاعتکافِ منذور باطل نہ ہوگا،اوراعتکافِ نفل ومسنون ختم نہ ہوگا۔**هٰذا ما فهمته ولم أره صريحاً. والله أعلم**

۱۴/شوال ۱۳۴۲ھ (امدادالاحکام:۳/۱۴۴)

عدم جواز دخول معتکف روزانہ درغسل خانہ ووجوب قضادرغسل:

سوال: گرمی کی وجہ سے غسل خانہ میں جا کرروزانہ نہانا جائز ہے، یانہیں؟

الجواب

نہیں۔(امدادالفتاوی جدید:۲/۱۵۳)

سوال: اگر بوجہ ناواقفیت کے نہایا ہوتواس کےاعتکاف ہوئے، یانہیں؟

الجواب

جتنے دن ایسا کیا ہےاتنے دن کےاعتکاف کی قضا کرے۔

۱۵/رمضان ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ،ص:۹۲) (امدادالفتاویٰ جدید:۲/۱۵۴)

معتکف کاٹھنڈک کے لیےغسل کی خاطرمسجد سے باہر نکلنا جائزنہیں:

سوال: معتکف کومحض تبریداوردفع گرمی کی وجہ سےغسل خانہ مسجد میں غسل کرنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب

معتکف کومحض تبریداوردفع گرمی کے واسطےغسل خانہ مسجد میں جوخارج مسجد ہوتا ہے جانا درست نہیں اگر جائے گا تو اس کااعتکاف جاتا رہے گا۔

---

(۱) قلت:وفي حكمه الاعتكاف المسنون

(۲) مراقي الفلاح،كتاب الصوم،باب الاعتكاف: ۲٦٢/۱، انيس

”ثم إن أمكنه الاغتسال في المسجد من غير أن يتلوث المسجد فلا بأس وإلا فيخرج ويغتسل و يعود إلى المسجد“. (الفتاویٰ الهندية: ۲۲۶/۱)(۱)

اور یہ حکم غسل واجب کا ہے کہ اس کے لیے بھی نکلنا اس شرط سے جائز ہے کہ مسجد میں کوئی برتن وغیرہ رکھ کر اس میں غسل نہ کر سکے اور اگر کوئی ٹب، یا لگن ایسی میسر ہو کہ اس میں غسل کرنے سے مسجد ملوث نہ ہوتی ہو تو غسل واجب بھی مسجد میں ہی کرنا ضروری ہے۔ (کفایت المفتی: ۲۴۳/۴-۲۴۴)

معتکف اگر حاجتِ ضروریہ سے باہر جائے اور وہاں جمعہ کا غسل کرلے تو کیا حکم ہے:

سوال: معتکفین غسلِ مالابد منہ کے سوائے دوسرا غسل خارجِ مسجد میں کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ حاجتِ ضروریہ طبعیہ، یا شرعیہ کے لیے باہر ہونے سے آتے وقت غسل غیر ضروری کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

قال في ردالمحتار: وليس كالمكث بعدها ما لوخرج لها (۲)،ثم ذهب لعيادة مريض أوصلاة جنازة من غير أن يكون خرج لذلك قصداً فإنه جائز كما في البحرعن البدائع،آه. (۳)

وفيه أيضاً: ويجوز حمل الرخصة علىٰ ما لوخرج لوجه مباح كحاجة الإنسان أوالجمعة وعاد مريضاً أوصلّى علىٰ جنازة من غير أن يخرج لذلك قصداً وذلك جائز آه وبه علم أنه بعد الخروج لوجه مباح انما يضرّ المكث لوفي غير مسجد لغيرعبادة،آه. (۴)

قلت: ولايخفى أن غسل الجمعة عبادة فلايضره إذا خرج لحاجة الإنسان أن يمكث لغسل الجمعة فافهم.

حاجتِ ضروریہ کے لیے نکلنے کے بعد غسلِ جمعہ معتکف کرسکتا ہے؛ مگر اس کو چاہیے کہ پہلے کسی خادم، یا دوست کے ذریعہ سے غسل کا پانی بھروا کر رکھ دے؛ تاکہ زیادہ دیر نہ ہو اور اگر کوئی کام کرنے والا نہ ہو تو خود بھی گھڑا بھر سکتا ہے؛ مگر جہاں تک ممکن ہو جلدی کرے۔

۳رشعبان (امدادالاحکام: ۱۴۲/۳)

غسل جمعہ کے لیے مسجد سے باہر نکلنا:

سوال: معتکف کیا غسل جمعہ کے لیے مسجد کے باہر نکل سکتا ہے؟ یا اسے مسجد کے اندر ہی غسل کرنا چاہیے؟

(حبیب الرحمان ہَل گنڈہ)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصوم،الباب السابع في الاعتكاف: ۲۱۳/۱ ،مكتبة رشيدية، كوئٹة

(۲) أي للحاجة الطبعية

(۳) رد المحتار، كتاب الصوم،باب الاعتكاف: ۲۱۲/۱ ،انيس

(۴) رد المحتار، كتاب الصوم،باب الاعتكاف: ۲۱٤/۱ ،انيس

الجواب

جمعہ کے لیے غسل کرنا سنت ہے، حدیث میں اس کی تاکید آئی ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ابتداء اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل جمعہ کو واجب قرار دیا تھا، (۱) فقہا کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل فرض ہو، یا نفل دونوں کے لیے معتکف کو مسجد سے نکلنا جائز ہے، ظاہر ہے کہ غسل جمعہ بھی غسل نفل میں شامل ہے، چناں چہ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''غسل جمعہ کے بارے میں کتب اصول میں مجھے کوئی صریح قول نہیں ملا، سوائے اس کے کہ شرح امداد میں کہا گیا ہے کہ غسل فرض ہو، یا نفل، اس کے لیے معتکف باہر نکل سکتا ہے''۔ (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۵۸-۴۵۹)

معتکف غسل کے لیے مسجد سے باہر جائے تو پانی وغیرہ بھی لا سکتا ہے:

سوال (۱) معتکف کو جنابت لاحق ہوئی، اس نے غسل خانے میں جا کر غسل کیا اور ساتھ ساتھ اس ناپاک کپڑے کو بھی جو جنابت کے وقت ناپاک ہو گیا تھا، اسی غسل خانے میں نہایت عجلت کے ساتھ صاف کر لیا اور فراغت کے بعد واپس آتے وقت پانی کے اس مٹکے سے جو غسل خانہ کے متصل موجود ہے، لوٹا بھر کر اپنی ضروریات کے لیے لایا۔ اب اس صورت میں معتکف مذکور کا اعتکاف فاسد ہو گیا، یا باقی رہا اور فاسد ہونے کی تقدیر پر مابقی ایام کو اعتکاف کے ساتھ گزارے تو اس کے ذمے سے اعتکاف ساقط ہو جائے گا، یا دوبارہ اس کی قضا لازم آئے گی؟

مسجد میں غسل خانہ نہ ہو تو قریب تالاب میں غسل کے لیے جا سکتا ہے:

(۲)　اگر ایسی مسجد میں اعتکاف کرے جہاں غسل خانہ نہیں ہے؛ بلکہ اس کے قریب تالاب ہے، اس تالاب میں ناپاک کپڑا پہن کر اتر کر غسل کرتے وقت پانی کے اندر کھڑے ہو کر اس ناپاک کپڑے کو پاک کر سکتا ہے، یا نہیں؟

مدرسے کے طلبا ضرورت کے وقت کھانا لانے کے لیے مطبخ جا سکتے ہیں:

(۳)　اگر طلبہ دارالعلوم مسجد دارالعلوم میں اعتکاف کریں اور دوسرا بغیر کہے ان کو مطبخ دارالعلوم سے ان کا کھانا نہیں پہنچاتا ہے تو ایسی صورت میں دوسرے کو تکلیف نہ دے کر معتکفین خود مطبخ میں حاضر ہو کر اپنا کھانا لا سکتے ہیں، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۰۷۵، محمد اظہر الاسلام نوا کھالی، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/رمضان ۱۳۵۶ھ، ۲۹/نومبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

اگر اعتکاف واجب النذر تھا تو اس میں صرف غسل کرنے کی مقدار مسجد سے باہر گزارنے کی اجازت ہے، کپڑا

(۱)　عن أبي سعيد الخدري أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: غسل يوم الجمعة واجب علىٰ كل محتلم. (صحيح البخاري، رقم الحديث: ۸۷۹، باب فضل الغسل يوم الجمعة، وهل على الصبي شهود يوم الجمعة أو على النساء)

(۲)　أشعة اللمعات: ۲/۱۲۸

دھونا یا پانی بھرنے کے لئے ٹھہرنا جائز نہیں ہے اور اس صورت میں اس کو اعتکاف واجب کی قضا کرنی پڑے گی، (۱) یہ اس صورت میں ہے، جب اس کے پاس دوسرے کپڑے موجود ہوں اور اگر اس کے پاس دوسرے کپڑے موجود نہ ہوں تو اس کے لیے کپڑے صاف کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ یہ حاجت انسان میں داخل ہے) اور اگر اعتکاف نفل ہو، (اس میں اعتکاف مسنون عشرہ اخیرہ رمضان بھی شامل ہے) تو اس میں کپڑا دھولینے اور لوٹا بھر لینے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ خروج من المسجد غسل کے لیے ہوا ہو۔ (۲)

(۲) یہی حکم سوال دوم میں بھی سمجھا جائے گا۔

(۳) اگر مسجد میں کھانا پہنچانے والا کوئی نہ ہو تو کھانا لینے کے لیے جانا اور کھانا لے کر فوراً واپس آجانا چاہیے، (۳) مسجد کے اندر کھانا کھایا جائے، باہر کھانا نہ کھایا جائے، (۴) اور مسجد میں کھانا پہنچنے کی سبیل ہو تو پھر کھانا خود لینے بھی نہ جائے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۲۴۶/۴-۲۴۷)

گاؤں میں اعتکاف کرنے والے کے لیے نمازِ جمعہ کا حکم:

سوال: عرض یہ ہے کہ بندہ کا گھر دیہات میں ہے، یہاں کی مسجد میں علاوہ نمازِ پنج گانہ کے جمعہ کی نماز بھی پڑھائی جاتی ہے، گزشتہ رمضان میں بندہ اسی مسجد میں معتکف تھا، چوں کہ نمازِ جمعہ کیوقت عدمِ مشارکت سے مشابہت منافقین لازم آتی ہے، اس خوف سے ابتدا سے اعتکاف ہی میں روزِ جمعہ کو ساڑھے گیارہ بجے سے تین بجے تک استثنا کرلیا تھا، اس وقت جا کر اپنے گھر میں بیٹھ رہتا تا اور بعد اس کے پھر مسجد میں آحاضر ہوتا، یہ ایک مولوی صاحب کی مشورت ہی سے کیا تھا؛ مگر تردد ہے کہ اعتکافِ مسنونہ ہوا ہے کہ نہیں؛ کیوں کہ پورے عشرہ میں تو کچھ نقص رہ گیا ہے۔ ازروئے مہربانی اطلاع فرما کر ممنون فرماویں؟

دوسری عرض یہ ہے کہ ہماری دیہات سے شہر کی بڑی جامع دواڑھائی میل کی مسافت پر ہے، کیا میں اپنی دیہاتی مسجد میں معتکف رہ کر شہر میں جا کر جمعہ پڑھ سکتا ہوں، بلا استثناء مذکور الصدر کے؟

---

(۱) ویرجع إلی المسجد کما فرغ من الوضوء ولومکث فی بیته ساعة فسد اعتکافه عند أبی حنیفة. (الهندیة، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲۱۲/۱، ط: کوئٹة)

(۲) ولیس کالمکث بعد مالوخرج لها ثم ذهب لعیادة المریض أوصلاة جنازة من غیرأن یکون خرج قصدا، فإنه جائز. (رد المحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۴۴۵/۲، سعید)

(۳) (قوله: إلا لحاجة الإنسان، إلخ) ولایمکث بعد فراغه من الطهور، إلخ. (ردالمحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۴۴۵/۲، طبع سعید)

(۴) وأما الاکل والشرب والنوم فیکون فی معتکفه. (الهندیة، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲۱۲/۱، کوئٹة)

تیسری عرض یہ ہے کہ حالتِ اعتکاف میں وقتِ جمعہ میں گھر نہ جا کر ان کے ساتھ بہ نیتِ نفل جمعہ ادا کرسکتا ہوں، یا نہیں؟ مگر اس سے ایک مضحکہ پیدا ہو جاوے گا کہ دیکھو اب ہمارے ساتھ جمعہ پڑھ رہا ہے، خیر جو مصلحت ہو، حضور والا ارشاد فرماویں؟ بندہ ہمیشہ اگر عذر نہ ہو شہر ہی میں جا کر جمعہ ادا کرتا ہے، ہمارا گاؤں فنائے شہر کے بھی باہر ہے؛ اس لیے وہاں جمعہ خود بھی نہیں پڑھتا ہوں اور دوسروں کو بھی منع کرتا ہوں؛ مگر لوگ اس طرف کم التفات کرتے ہیں؟

الجواب

قال في الخلاصة: ولايخرج المعتكف من المسجد إلا لحاجة طبعية، الخ. (۱)

وفي الدرالمختار: وفي التاتارخانية عن الحجة: لوشرط وقت النذر أن يخرج لعيادة مريض وصلاة جنازة وحضورمجلس علم جاز ذلك فليحفظ.

قال الشامي: يشير اليه قوله في الهداية و غيرها عند قوله ولايخرج الا لحاجة الانسان لأنه معلوم وقوعها فلابد من الخروج فيصير مستثنى، والحاصل أن مايغلب وقوعه يصير مستثنى حكماً وإن لم يشترطه وما لا فلا إلا إذا شرطه، آه. (۲۱۶/۱)(۲)

عبارتِ خلاصہ سے معلوم ہوا کہ گاؤں میں اعتکاف کرنے والے کو جمعہ کے لیے شہر میں جانا جائز نہیں؛ کیوں کہ وہ حاجتِ لازمہ نہیں؛ لیکن اگر مستثنیٰ کرلے تو جائز ہے اور اس صورت میں یہ خروج ویسا ہی ہوگا، جیسا **خروج لحاجة الانسان** اور وہ مفسد نہیں تو یہ بھی مفسد نہیں اور جب اعتکاف فاسد نہ ہوا اور اکثر عشرہ بحالتِ اعتکاف گزرا تو اعتکافِ مسنون ادا ہوگیا؛ **لأن للأكثر حكم الكل**، گاؤں میں بہ نیتِ نفل جمعہ ادا کرنا مقتدی کو جائز نہیں، بہتر یہ ہے کہ جمعہ کے کچھ وقت مستثنیٰ کرلیں اور شہر میں جا کر جمعہ ادا کرلیا کریں۔ واللہ اعلم

۲۲ رمضان ۱۳۴۱ھ۔ (امداد الاحکام: ۱۴۲/۳-۱۴۳)

معتبر شہادت سے معلوم ہو جائے کہ انتیس کو چاند ہو گیا تھا تو اعتکاف اسی حساب سے شروع کریں:

سوال (۱) مظفر نگر کی رویت ہلال سے روزہ سہ شنبہ کا ہوا کیا، اسی حساب سے اعتکاف شروع کیا جائے؟

معتکف کو جمعہ کی نماز کے لیے جانا:

(۲)　اگر معتکف کسی ایسے موضع کی مسجد میں اعتکاف کرے، جہاں جمعہ نہیں ہوتا تو کیا وہ جمعہ پڑھنے کے لیے قصبہ میں، یا کسی ایسے قریبی مقام پر جا سکتا ہے، جہاں جمعہ بھی ہوتا ہو، یا کیا حکم ہے، یا اس جمعہ کا وجوب ہی نہیں ہوتا، یا کسی ایسی جگہ اعتکاف کرنا چاہیے، جہاں جمعہ ہوتا ہو، یا کیا بہرحال افضلیت بھی ظاہر فرمادی جائے۔

---

(۱)　خلاصة الفتاویٰ، كتاب الصوم: ۲۶۷/۱

(۲)　الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۴۴۸/۲، انیس

معتکف کو سگریٹ یا حقہ پینے کے لیے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں:

(۳)　　معتکف اگر حقہ، یا سگریٹ کا آدی ہے' وہ مسجد سے باہر اس ضرورت کو رفع کرنے کے لیے جا سکتا ہے، یا نہیں؟ یا مسجد ہی کے بیرونی فرش پر اس صورت سے کہ حقہ باہر رکھا ہو، اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہے، یا حقہ پینے کی اسے قطعاً اجازت نہیں؟

معتکف اگر مریض دیکھنے کے لیے مسجد سے باہر گیا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا:

(۴)　　معتکف طبابت پیشہ ہے اور کسی ایسے اہم اور ضروری مریض کو وہ دیکھنے مسجد سے باہر جا سکتا ہے، یا نہیں؟ خصوصاً جب کہ وہاں کوئی دوسرا شخص اس کام کو کرنے والا نہ ہو، یا مریض کا دوسرے پر اطمینان نہ ہو؟

اعتکاف کے دورانِ تلاوت نماز اور درود شریف بہترین اشغال ہیں:

(۵)　　معتکف کو دوران اعتکاف میں زیادہ تر کس ورد کو کرنا چاہیے، یا کثرت تلاوت کافی ہوگی، یا کوئی خاص دعا جس کا ورد رکھا جانا نافع ہو؟

(المستفتی: ۱۲۴۸، حکیم محمود الحسن صاحب مظفر نگر، ۱۹/رمضان ۱۳۵۵ھ، مطابق ۵/دسمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

(۱)　　پیر کے پہلے روزے، یعنی اتوار کی رویت کی خبریں اب اتنی جگہ سے آگئی ہیں کہ ان سے ظن غالب حاصل ہو گیا ہے کہ اتوار کی رویت درست اور پیر کا پہلا روزہ صحیح ہوا، اس لیے اگر چہ یہاں سہ شنبہ کا پہلا روزہ ہوا ہے اور ابھی تک اتوار کی رویت کا حکم عام نہیں دیا گیا؛ مگر اعتکاف شروع کرنے میں احتیاط یہ ہے کہ اتوار کی رویت کے حساب سے شروع کیا جائے۔(۱)

(۲)　　اعتکاف ایسی مسجد میں کرنا بہتر ہے کہ اس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہو، (۲) اگر ایسے گاؤں میں اعتکاف کیا جائے کہ اس گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا تو معتکف کو دوسرے قصبہ میں جہاں جمعہ ہوتا ہو، جانا جائز نہیں، مقامی مسجد جامع میں جمعہ کے لیے جانا جائز ہے۔(۳)

---

(۱)　　یعنی اعتکاف ۲۰ تاریخ کی شام سے شروع ہوتا ہے تو پیر کو پہلے روزہ کے حساب سے ۲۰ تاریخ سے اعتکاف کیا جائے اگر چہ مقامی روزہ کے اعتبار سے انیسویں تاریخ بن جائے۔ فقط

(۲)　　وأما أفضل الاعتكاف ففى المسجد الحرام، ثم فى مسجده صلى الله عليه وسلم، ثم فى المسجد الأقصى، ثم فى الجامع قيل، إذا أن يصلى فيه، بجماعة فإن لم يكن ففى مسجده أفضل، لئلا يحتاج إلى الخروج، ثم ما كان أهله أكثر. (رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۱، سعيد)

(۳)　　وحرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعية كبول، وغائطٍ، أو شرعية، كعيد، وإذان لو موذنًا، وباب المنارة خارج المسجد، والجمعة وقت الزوال إلخ. (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۴، سعيد)

(۳) حقہ اور سگریٹ مسجد میں بیٹھ کر پینا جائز نہیں اور معتکف کے لیے مسجد سے باہر جانا بھی جائز نہیں، اگر معتکف ان چیزوں کا عادی ہے تو اسے مدت اعتکاف میں ان چیزوں کو ترک کر دینا چاہیے۔(۱)

(۴) مریض کو دیکھنے کے لیے معتکف مسجد سے باہر نہیں جاسکتا؛ یعنی اگر ضرورۃً جانا پڑے تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور ضرورت کی وجہ سے ابطال اعتکاف کا گناہ نہ ہوگا۔(۲)

(۵) تلاوت ٗنماز ٗدرود شریف بہترین اشغال ہیں۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۲۴۴/۴-۲۴۵) ☆

معتکف کا غسل کے لیے نکلنا:

سوال (۱) اعتکاف کی حالت میں غسل کرنے کے متعلق کیا حکم ہے؟ یہ جو مشہور ہے کہ استنجا کے بہانہ سے جا کر غسل کر کے آئے۔ درست ہے، یا نہیں؟

معتکف کا نماز جنازہ کے لیے نکلنا:

(۲) یہ نیت کر کے اعتکاف کرے کہ اگر کوئی رشتہ دار کا انتقال ہو تو میں جنازہ میں شریک ہوں گا، وہ رشتہ دار اسی گاؤں میں، یا دوسری جگہ رہتا ہو تو جا سکتا ہے کہ نہیں؟

معتکف کا بیڑی پینے کے لیے نکلنا:

(۳) بیڑی، سگریٹ پینے کے لیے جانے کے متعلق کیا حکم ہے؟

---

(۱) حقہ اور سگریٹ وغیرہ کو فقہاء نے اعذار میں شمار نہیں کیا، لہذا اس کے لیے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں ہے۔

(۲) عیادۃ المریض کی طرح علاج المریض بھی حوائج میں داخل نہیں اس لئے فاسد ہوگا۔

"ولو خرج لجنازة يفسد اعتكافه، وكذا لصلاتها ولو تعيينت عليه، أو لإنجاء الغريق أو الحريق الخ. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲۱۲/۱، كوئٹة)

(۳) ان سے کی بڑی بڑی فضلتیں وارد ہوئی ہیں قرآن میں بھی اور احادیث میں بھی۔

ويلازم التلاوة، والحديث، والعلم، وتدريسه، وسير النبى صلى الله عليه وسلم، الخ. (الهندية. كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲۱۲/۱، كوئٹة)

☆ **معتکف حقہ کہاں پیئے:**

سوال: خاکسار نے اپنے ایک بھائی کو اپنے ساتھ اعتکاف میں بیٹھنے کی ترغیب دی ہے؛ لیکن وہ یہ فرماتے ہیں کہ حقہ پینے کی عادت ہے اور حقہ مسجد میں پینا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب

معتکف کو جائز ہے کہ بعد نماز مغرب مسجد سے باہر جا کر حقہ پی کر کے اور کلی کر کے بو زائل کر کے مسجد میں چلا آوے۔

(تالیفات رشیدیہ، ص: ۴۷۸)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) حالت اعتکاف میں فرض غسل کے لیے نکل سکتا ہے، ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرنے کے واسطے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں، اگر چلا گیا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا، غسل جمعہ کرنے کے لیے بھی معتکف کو مسجد سے باہر جانا جائز نہیں، البتہ غسل جمعہ سے قبل ضرورت طبعیہ، مثلاً: پیشاب، پاخانہ کے لیے باہر گیا تو واپسی میں غسل کرسکتا ہے؛ لیکن جلدی غسل سے فارغ ہوکر مسجد میں آجائے۔ (فتاویٰ محمودیہ جدید ۱۰/۲۸۱)

(۲) اس نیت سے کوئی فرق نہیں پڑے گا اور جنازہ میں شرکت کے لیے جائے گا تو اعتکاف فاسد ہو جاوے گا، البتہ نذر کے اعتکاف میں بوقت نذر یہ استثنا کیا ہو تو معتبر ہوگا۔

لو شرط وقت النذر أن یخرج لعیادة مریض وصلاة جنازة وحضور مجلس علم جاز. (۱)

(۳) اگر مجبور ہو جائے اور نہیں پینے کی صورت میں طبیعت خراب ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو نکل سکتا ہے، ورنہ نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ جدید: ۱۰/۲۳۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ۔ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ۔ (محمود الفتاویٰ ۴/۳۸۹-۳۹۰)

سگریٹ پینے کے لیے معتکف کا باہر نکلنا:

سوال: اعتکاف میں بیٹھنے کے بعد کیا مسجد کے باہر نکل کر بیڑی، سگریٹ، یا گٹکھا استعمال کرسکتا ہے؟

(محمد اسماعیل، وقار آباد)

الجواب ــــــــــــــــــــ

بیڑی، سگریٹ اور گٹکھا استعمال کرنا عام حالات میں بھی کراہت سے خالی نہیں؛ تاہم اگر اس کا ایسا عادی ہو چکا ہو کہ اس کے استعمال کے بغیر چین نہ آتا ہو، یا کوئی شخص ایسا خوگر ہو کہ اس کے بغیر اجابت نہ ہوتی ہو تو اب اس کی حیثیت کھانے پینے کی طرح طبعی ضرورت کی ہوگی اور طبعی ضرورت کے لیے معتکف مسجد سے باہر جاسکتا ہے۔

"وحرم علیه ... الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعیة، کبول، وغائط، وغسل". (۲)

اس لیے اس مقصد کی غرض سے باہر نکل سکتا ہے، البتہ پھر اچھی طرح منہ صاف کر کے مسجد میں آئے؛ کیوں کہ بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت ہے۔ (۳) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۵۷، ۴۵۸)

---

(۱) الدر المختار مع رد الحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۴۴۸

(۲) الدر المختار علی رد المحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۳/۴۳۵

(۳) عن ابن عمر رضی اللہ عنهما أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال في غزوة خیبر: من أکل من هٰذه الشجرة؛ یعنی الثوم، فلا یقربن مساجدنا. (صحیح البخاري، رقم الحدیث: ۸/۱۲۴۸، باب ماجاء في الثوم النسيئ والبصل والکراث)

حکم دیوار مسجد درحق معتکف:

سوال: معتکف کو مسجد کے کنارے پر جو دیوار ہے۔اس میں بیٹھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

معلوم نہیں بانی نے اس کو اپنی نیت سے مسجد میں داخل کیا ہے، یا نہیں۔

(تتمہ خامسہ،ص:۹۲)(امدادالفتاوی:۲/۱۵۳)

خارج بودن فصیل از مسجد:

سوال: مسجد کی فصیل؛ یعنی منڈیر مسجد کے اندر داخل ہے، یا خارج؟

الجواب

مسجد کے اندر کسی جزو کے داخل، یا خارج ہونے کا مدار بانی وواقف کی نیت پر ہے، اگر وہ موجود نہ ہوتو قرائن پر ہے تو میرے نزدیک قرائن عرفیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے خارج ہے، اگر کسی کو اس کا خلاف قرائن سے محقق ہوجاوے تو داخل سمجھنا چاہیے؛ لیکن خارج ہونے کی صورت میں بھی وہاں بیٹھ کر کوئی ایسا فعل نہ کرے، جس کا اثر مسجد میں پہنچ کر موجب تفویت اس کے احترام کا ہو، مثلاً حقہ وغیرہ وہاں بیٹھ کر پینا حدیث میں ہے۔

"من أكل الثوم فلا يقربن مصلانا"(۱) اس میں "لا یقربن" کا لفظ اس دعویٰ مذکور کا موید ہے۔

۱۵/شوال ۱۳۲۱ھ (امداد ثالث،ص:۱۳۹)(امدادالفتاوی:۲/۱۵۳)

اعتکاف فاسد ہوجائے تو کیا کرے:

سوال: اگر اکیسویں روز اعتکاف کیا، بعدہ کسی وجہ سے اعتکاف فاسد ہوگیا تو روز دوم، یا سوئم پھر کرنے سے اعتکاف رمضان میں شامل ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

اعتکاف مسنون دہ روزہ تو اس سے فوت ہوگیا، باقی جتنے روز کا اعتکاف کرے گا، اس کا ثواب ملے گا۔فقط

(تالیفات رشیدیہ،ص:۴۷۸)

(۱) عن ابن عمر رضی الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في غزوة خيبر من أكل من هذه الشجرة يعني الثوم فلا يقربن مساجدنا.(صحيح البخاري،باب ماجاء في الثوم النيئ والبصل والكراث،رقم الحديث:۸۴۸، انیس)

☆ **ملفوظ:**

اعتکاف مسنون میں اگر فساد ہوجائے تو اس کی قضا نہیں آتی۔سحری کھانے کے اندر تاخیر مستحب ہے اور ایسی تاخیر کہ جس سے شک واقع ہوجاوے، اس سے بچنا واجب ہے۔(تالیفات رشیدیہ،ص:۴۷۸)

اگر اعتکاف فاسد ہوجائے:

سوال: عشرۂ اخیرہ میں کوئی شخص اعتکافِ سنت کی نیت سے بیٹھا، پھر اس سے اعتکاف فاسد ہوگیا، ایسی صورت میں اس پر قضا ہے، یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنے دنوں کی کیا پورے عشرہ کی یا چوبیس گھنٹے کی؟

(ضیاء الاسلام، سری رنگاورم)

الجواب

اگر رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کا مسنون اعتکاف ٹوٹ گیا تو اب یہ اعتکاف سنت باقی نہ رہا؛ بلکہ اعتکاف نفل ہوگیا؛ اس لیے اسے پورے دس دن کے اعتکاف کی قضا کرنی ضروری نہیں، ایک دن کی قضا کرلے تو یہ کافی ہے، اسی رمضان میں کرلے، یا رمضان کے بعد کبھی ایک دن نفل روزہ رکھ کر اعتکاف کرلے، دونوں صورتیں درست ہیں، یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول پر ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پورے دس دنوں کی قضا کرنی ہوگی۔

" **متقضی النظر أنه لو شرع فی المسنون أعنی العشر الأواخر بنیته ثم أفسده أن یجب قضاءه تخریجا علی قول أبي یوسف ... لا علیٰ قولهما** ". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۴۵۲/۳-۴۵۳)

آخری عشرہ میں ممسکِ حیض دوائیں:

سوال: رمضان المبارک کے پہلے اور دوسرے دہے میں روزہ چھوٹ بھی جائے تو ان شاء اللہ بعد میں قضا کرلی جائے گی؛ لیکن آخری عشرہ میں روزہ کے ساتھ مقدس رات چھوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو کیا اس سے بچنے کے لیے خواتین اس آخری عشرہ میں ممسکِ حیض دوائیں استعمال کرسکتی ہیں؟ اور دوا کے استعمال کی وجہ سے خون نہ آئے تو کیا اس کا روزہ درست ہوجائے گا؟ (شمع، یاقوت پورہ)

الجواب

(الف) جب شریعت نے حالتِ حیض میں روزہ توڑنے کا حکم دیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بات شارع کے علم میں تھی کہ بہت سی خواتین کو آخری عشرہ میں بھی حیض کی نوبت آسکتی ہے تو بہتر یہی ہے کہ ممسکِ حیض ادویہ استعمال نہ کی جائیں، جو صحت کے لیے مضر ہیں کہ شریعت کی رخصتوں سے گریز اور اس کے لیے تکلف اختیار کرنا دین میں ایک طرح کا غلو ہے اور دین میں غلو کو منع فرمایا گیا ہے، (۲) جہاں تک اخیر عشرہ کی طاق راتوں کے اعمال کی بات ہے تو ان راتوں

---

(۱) فتح القدیر، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۳۹۳/۲

(۲) عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم : یا أیها الناس إیاکم والغلو في الدین، فإنما أهلک من کان قبلکم الغلو في الدین. (سنن ابن ماجة، رقم الحدیث: ۳۰۲۹، باب قدر حصی الرمي)

کے افعال میں سے دعا اور ذکر بھی ہے اور دعا وذکر حالتِ حیض میں بھی کیا جا سکتا ہے، نیز نیت کی بنیاد پر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نماز اور تلاوت کا اجر بھی عطا فرما دے۔

(ب) تاہم اگر کسی عورت نے ایسی دوا استعمال کر لی، خون نہیں آیا اور روزہ رکھ لیا تو روزہ ادا ہو جائے گا۔

(کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۲۱)

شب قدر مقامی روزوں کے حساب سے سمجھی جائے:

سوال: دہلی میں اتوار کا روزہ ہوا ہے اور دوسرے بعض مقامات پر ہفتہ کا تو شب قدر یہاں کے روزوں کے حساب سے شمار کی جائے گی، یا دوسرے مقامات کے بیسویں روزہ اکیسویں شب، یا انیسویں روزہ اور بیسویں شب؟

(المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

یہاں کے حساب سے ہی شب قدر سمجھی جائے اور اگر کوئی احتیاطاً دوسری جگہ کی رؤیت کا حساب کر کے ان راتوں کو بھی جاگے اور عبادت کرے تو بہتر ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۴/۲۴۵)

ستائیسویں رات کو شب قدر کی تعیین:

سوال: شب قدر کو رمضان شریف کے اخیر دس دنوں کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کا حکم ہے تو پھر ہمیشہ اور ہر سال رمضان شریف کی ستائیسویں شب کو ہی شب قدر منانا اور اسی شب کو قرآن شریف کا ہر سال ختم کرنا بدعت ہوگا، یا نہیں؟ صرف اسی رات کو زیادہ عبادتیں کرنا، تلاوت قرآن شریف اور خصوصا حافظوں کا ختم قرآن کرنا اسلاف اور کسی حدیث سے ثابت ہے کیا؟ اور کیا حکم ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

شب قدر عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے؛ مگر بہت سے علما نے قرائن سے ستائیس کو ترجیح دی ہے کہ ظنِ غالب یہ ہے کہ ستائیسویں شب ہے؛ لیکن اس پر یقین نہیں، اس طرح کہ دوسری راتوں کی نفی کر دی جائے، ظنِ غالب کی بنا پر اگر ستائیس کو ختم قرآن پاک تراویح میں کیا جائے تو یہ افضل ومستحب ہے۔(کذا فی البحر الرائق)(۲)

---

(۱) جیسے روزے میں مقامی رویت کا اعتبار کیا جاتا ہے، ایسے ہی شب قدر کے لیے بھی مقامی رویت کا اعتبار ہوگا؛ الا یہ کہ شرعی شہادت سے دوسرے مقام کی رؤیت ثابت ہو جائے۔

(۲) والجمهور علیٰ أن السنة الختم مرة، فلا يترک لکسل القوم، ويختم فی الليلة السابع والعشرين لکثرة الأخبار أنها ليلة القدر". (البحر الرائق، کتاب الصلوٰة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲۰، رشيدية)

یقینی طور پر اسی رات کو شب قدر کہنا اور دوسری راتوں کی نفی کردینا غلط ہے، ختم کا بھی اس شب میں التزام نہ کیا جائے، عبادت، تلاوت، نماز وغیرہ کے لیے مساجد میں اس رات، یا کسی اور رات میں جمع ہونا، یا جماعت سے اہتمام کے ساتھ نوافل پڑھنا بدعت ومکروہ ہے۔ (کذا فی مراقی الفلاح)(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۹/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۹/۱۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۶-۳۷)

جمعۃ الوداع:

سوال: ماہ رمضان المبارک میں جمعہ تو آتا ہے؛ مگر جمعۃ الوداع کی کیا اہمیت وفضیلت ہے؟

(محمد غوث الدین قدیر، سلاخ پوری، کریم نگر)

الجواب ——————

جمعہ کے دن کی خصوصی فضیلتیں ہیں، جو احادیث سے ثابت ہیں، (۲) رمضان المبارک چونکہ خود بھی برکت اور دعا کی قبولیت کا مہینہ ہے؛ اس لیے اس ماہ کے جمعہ میں برکت اور قبولیت کی توقع زیادہ ہے؛ لیکن اس اعتبار سے رمضان کے تمام جمعہ برابر ہیں، آخری جمعہ کی خصوصیت نہیں اور خاص اس جمعہ کی مستقل طور پر فضیلت ثابت نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۲۲)

اعتکاف واجب، سنت اور نفل کب ہے:

سوال: فرض اعتکاف، سنت اعتکاف، نفلی اعتکاف کی وضاحت فرمائیے؟

الجواب —————— حامداً ومصلیاً

فرض اعتکاف کوئی نہیں، نذر مان لینے سے واجب ہوتا ہے، رمضان میں ایک عشرہ کا اعتکاف سنت ہے، بقیہ جب دل چاہے، نفلی ہے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۱۹)

---

(۱) ویکره الاجتماع علیٰ إحياء ليلة من هٰذه الليالي) ... (في المساجد) وغيرها؛لأنه لم يفعله النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم والصحابة،فأنكر أكثر العلماء من أهل الحجاز ... وقالوا:ذلک كله بدعة.(مراقي الفلاح علیٰ نور الإيضاح،فصل في تحية المسجد، الخ،ص: ٤٠٢،قديمي)

(۲) سنن أبي داؤد،رقم الحديث:١٠٥٢،سنن ابن ماجة،رقم الحديث:١١٢٦،سنن الترمذي،رقم الحديث:١٠٥٢

(۳) وينقسم إلیٰ واجب وهو المنذور تنجيزاً أوتعليقاً،وإلیٰ سنة مؤكدة وهو في العشر الأخير من رمضان،وإلیٰ مستحب وهو ما سواهما". (الفتاویٰ الهندية،الباب السابع في الإعتكاف: ١/ ٢١١،رشيدية)

کیا عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں روزہ ضروری ہے:

سوال: رمضان شریف کے آخری عشرہ کا اعتکاف مستحب ہے، یا سنتِ مؤکدہ؟ اگر سنتِ مؤکدہ ہے تو اس میں روزہ رکھنا شرط ہے، یا نہیں؟ اگر شرط ہے تو اب دریافت طلب یہ ہے کہ اگر معتکف نے رات سمجھ کر سحری کھالی، پھر معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی ہے تو مسئلہ یہ ہے کہ اس روزہ کا روزہ نہ ہوگا، اب جب کہ روزہ نہ ہوا تو کیا اعتکاف بھی فاسد، یا ختم ہو جائے گا؟ اس پر اعتکاف کی قضا لازم ہوگی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

یہ اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے، (۱) اگر بغیر روزہ کے یہ اعتکاف کیا تو یہ اعتکاف مسنون نہیں ہوگا؛ بلکہ نفل بن جائے گا، البتہ اگر ایک دن روزہ نہ رکھا تو صرف ایک دن کے اعتکاف کی قضا لازم ہوگی۔ (شامی: ۱۲۹/۲-۱۳۱) (۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنوہی غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۱۹/۱۰-۲۲۰)

اعتکاف کے لیے شرائطِ جمعہ کا پایا جانا ضروری ہے، یا نہیں:

سوال: جس گاؤں میں جمعہ کے شرائط نہیں، وہاں اعتکاف اخیر عشرہ میں علی الکافیہ مؤکدہ ہے، یا نہیں؟ اگر مؤکدہ ہے تو جمعہ کے لیے جس قصبہ میں جمعہ ہوتا ہے، معتکف وہاں جا کر جمعہ پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟ اعتکاف فاسد تو نہ ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اعتکاف کے لیے جمعہ کی شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں؛ بلکہ وہ ہر جگہ شہر ہو، یا گاؤں میں مسنون علی الکافیہ ہے، البتہ مسجد ایسی ہو، جس میں جماعت ہوتی ہو، (۳) گاؤں والوں پر نہ جمعہ فرض ہے، نہ سنتِ مؤکدہ ہے، لہٰذا اس کو جمعہ کے لیے شہر میں آنا جائز نہیں، اگر آوے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۲۰/۱۰-۲۱۲)

---

(۱) وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان) اىٔ سنة كفية، كما في البرهان. (الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ٤٤٢/٢، سعيد)

(۲) ومقتضى ذلک أن الصوم شرط أيضاً في الاعتكاف المسنون؛ لأنه مقدر بالعشر الأخير، حتٰى لو اعتكفه بلا صوم لمرض أو سفر ينبغي أن لايصح عنه، بل يكون نفلاً، فلا تحصل به اقامة سنة الكفاية ... أما علٰى قول غيره، فيقضي اليوم الذى أفسده، لاستقلال كل يوم بنفسه. (رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ٤٤٢/٢-٤٤٥، سعيد)

(۳) هو لبث ذكر في مسجد جمعة، هو ما له إمام ومؤذن أديت فيه الخمس، أو لا، وعن الإمام اشتراط أداء الخمس فيه". (الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ٤٤٠/٢، سعيد)

(۴) معتکف صرف حاجتِ شرعیہ اور حاجتِ طبعیہ کے لیے نکل سکتا ہے، جب کہ جمعہ اس پر فرض نہیں تو جمعہ کے لیے نکلنا بغیر حاجت کے نکلنا ہے اور بغیر حاجت کے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

کیا اعتکاف ہر مسجد ہر شہر میں ضروری:

سوال: کتنی آبادی پر ایک آدمی کا اعتکاف کافی ہوگا، مثلاً: ایسے مدراس، کلکتہ، دہلی، بمبئی وغیرہ میں ایک آدمی کا اعتکاف کافی ہوگا، یا کئی آدمیوں کو بیٹھنا پڑے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اعلیٰ بات یہ ہے کہ ہر مسجد میں کم از کم ایک آدمی اعتکاف کرے، (۱) اس سنت علی الکفایہ کی طرف سے بہت غفلت ہے جو کہ بہت بڑی محرومی ہے، اگر محلّہ یا شہر میں ایک بھی معتکف ہے تو کافی ہو جائے گا۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۲۱/۱۰)

عورت کا اعتکاف گھر پر نفلی ہے، یا سنت:

سوال: گھر پر عورت کا اعتکاف نفل ہوگا، یا سنت؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

وہ نفلی اعتکاف بھی کر سکتی ہے، سنت بھی۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۲۲/۱۰)

ترکِ اعتکاف سے کیا عورت بھی گنہگار رہے:

سوال: اگر کسی بستی سے کوئی صاحب معتکف نہ ہوئے تو صرف بالغ مرد گناہ گار رہوں گے، یا مرد، عورت، بالغ، نابالغ لڑکے بھی گنہگار رہوں گے؟

---

(۱) اس مسئلہ کے متعلق کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، البتہ علامہ شامی کی ایک تشبیہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اعتکاف ہر مسجد میں ہونا چاہیے، انہوں نے اعتکاف کو تراویح کے ساتھ تشبیہ دی ہے، لہٰذا جیسا کہ تراویح ہر مسجد میں ہوتی ہے، ایسے ہی اعتکاف ہونا چاہیے۔

"وسنة مؤكده) ... أى سنة كفاية".

(قوله: أى سنة كفاية) نظيرها اقامة التراويح بالجماعة فإذا قام بها البعض سقط الطلب عن الباقين". (الدر المختارمع ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۴۴۲/۲، سعيد)

وقال تحت (قوله: والجماعة فيها سنة على الكفاية): أفاد أن أصل التراويح سنة عين ... وهل المراد أنها سنة كفاية لأهل كل مسجد من البلدة أو مسجد واحد منها، أومن المحلة ؟ ظاهر كلام الشارح الأول ... حتىٰ لو ترك أهل محلة كهم الجماعة، فقد تركوا السنة وأسائوا. (ردالمحتار، باب التراويح: ۴۴/۲، سعيد)

(۲) الاعتكاف سنة مؤكدة مطلقاً، وقيل: سنة على الكافية حتىٰ لوترك فى بلدة لأساؤ. (جامع الرموز: ۳۷۶/۱، فصل فى الاعتكاف، مطبع كريمية)

(۳) وللمرأة الاعتكاف فى بيتها، وهومحل عينته) المرأة (للصلاة فيه). (مراقى الفلاح، باب الاعتكاف، ص: ۶۹۹، قديمى)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

نابالغ مکلّف نہیں،(۱)اس پر گناہ نہیں،عورت مسجد میں اعتکاف نہ کرے؛ بلکہ اپنے مکان میں ایک جگہ متعین کرکے وہیں اعتکاف کرے،(۲)کسی نے بھی نہ کیا تو سب بالغ ترکِ سنت کے وبال میں گرفتار ہوں گے۔(۳)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۲۲-۲۲۳)

نابالغ کا اعتکاف:

سوال: نابالغ بچہ معتکف ہوا، کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

وہ اعتکاف کرے گا تو اس کو بھی ثواب ملے گا۔(۴)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۲۳)

اعتکافِ مسنون میں ایک روز کا استثنا:

سوال: زید رمضان المبارک کے اخیر عشرہ اعتکافِ مسنون کرتا ہے،اگر اعتکاف کرنے سے قبل یہ نیت کرلے کہ رمضان کی فلاں تاریخ کو ایک روز، یا ایک شب کے لیے باہر سفر میں جاؤں گا اور جائے اعتکاف سے نکلوں گا تو کیا اس صورت میں اعتکافِ مسنون ادا ہوجائے گا اور اعتکاف سے باہر نکلنا جائز ہوگا، یا نہیں؟ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اس طرح اعتکاف مسنون ادا نہیں ہوگا،(۵)اور باہر نکلنے سے اعتکاف باقی نہیں رہے گا۔(۶)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۴/۷/۱۳۸۹ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۲۳-۲۲۴)

---

(۱) وأما شروطه:ومنها الإسلام،والعقل،والطهارة عن الجنابة والحيض.(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،الباب السابع فى الاعتكاف:۱/۲۱۱،رشيدية)

(۲) (وللمرأة الاعتكاف فى بيتها، وهو محل عينته المرأة) للصلاة فيه.(مراقى الفلاح، باب الاعتكاف، كتاب الصوم، ص:۶۹۹،قديمى)

(۳) الاعتكاف سنة مؤكدة مطلقاً،وقيل:سنة على الكافية حتىٰ لوترك فى بلدة، لأساؤ. (جامع الرموز،فصل الاعتكاف:۱/۳۷۶،مطبع كريمية)

(۴) وأما البلوغ فليس بشرط لصحة الاعتكاف، فيصح من الصبى العاقل؛لأنه من أهل العبادة،كما يصح منه صوم التطوع.(بدائع الصنائع:۳/۵،فصل:شرائط صحته،دارالكتب العلميه، بيروت)

(۵) والصحيح أنه سنة مؤكدة؛لأن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واظب عليه فى العشر الأخيرمن رمضان، والمواظبة دليل السنة.(تبيين الحقائق،باب الاعتكاف:۲/۲۲۰،دارالكتب العلمية بيروت)

(۶) وإن خرج من غير عذرساعة،فسد اعتكافه فى قول أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ سواء كان الخروج عامداً أوناسياً.(الفتاوى الهندية،كتاب الصوم،الباب السابع فى الاعتكاف:۱/۲۱۲،رشيدية)

ایسی مسجد میں اعتکاف جس میں رات کو رکنے کی اجازت نہ ہو:

سوال: مسجد سرکاری احاطہ میں ہے؟ صرف نماز اذان کی اجازت ہے، وہاں رات کو رکنے کی اجازت نہیں ہے، ایسی صورت میں اعتکاف ہو، یا نہ ہو؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جب وہاں رات کو رہنے کی اجازت نہیں تو اعتکاف کیسے کرے گا (تمام تر احکامِ شرعیہ کے لیے اپنا اپنا محل متعین ہے؛ لیکن جب محل صالح نہ ہو تو احکامِ شرعیہ (جو کہ حال ہیں) ان کا وقوع اور لزوم متعذر ہو جاتا ہے، مثلا: صومِ نذر وغیرہ کے لیے ماہ رمضان کے علاوہ تمام سال صالح ہے؛ لیکن اگر کسی نے رمضان کے مہینہ میں روزہ کی نذر مانی تو وہ صحیح نہیں؛ کیوں کہ ماہِ رمضان صومِ رمضان کا محل نہیں؛ بلکہ اس کا اپنا وظیفہ ہے کہ اس میں روزہ اصالۃ فرض ہے، اسی طرح جب مسجد میں رات گزارنے کی اجازت نہیں تو وہ صالح للا عتکاف نہیں؛ کیوں کہ اعتکاف میں دن کی طرح رات کا بھی مسجد کے اندر گزارنا ضروری ہے۔

"هو لغة: اللبث، وشرعا: (لبث) ... (ذكر) ... في (مسجد جماعة) ... فاللبث هو الركن والكونُ في المسجد والنية شرطان". (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۲۴)

اعتکاف سے روکنا:

سوال: کوئی جاہل معتکف صاحب کو ممانعت کرے اور کہے کہ اس مسجد سے چلے جاؤ، یہاں اعتکاف کی ضرورت نہیں تو ایسے نامعقول کے لیے شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اس سے وجہ دریافت کر کے اس کا شبہ رفع کر دیا جائے، اگر محض عناداً کہتا ہو تو اس کی طرف التفات کی ضرورت نہیں، اس کا شرعی حکم آپ نے خود ہی لکھ دیا کہ وہ جاہل نامعقول ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۲۵)

مسجد کی ایک جانب سے دوسری جانب منتقل ہونا:

سوال: اعتکاف میں مسجد کے دائیں رخ پر کھڑکی دریچہ نہیں ہے، جہاں ہوا اور روشنی کی تنگی ہے اور بائیں طرف

(۱) الدر المختار، باب الاعتکاف: ۲/۴٤٠، سعید

بڑے بڑے دروازے موجود ہیں، جہاں ہوا اور روشنی کی کافی سہولت ہے تو معتکف دائیں سمت کو چھوڑ کر بائیں جانب اپنا حصار کا پردہ باندھنے میں افضل واولیٰ کا معاملہ رہتا ہے۔

الجواب ______________ حامداً ومصلیاً

اس میں کافی توسیع ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۲۵)

بستی کی مختلف مسجدوں میں سے کسی ایک جگہ اعتکاف:

سوال: موضع کرست ایک بڑی بستی ہے، زیادہ مسلم آبادی ہے، البتہ اس کے مزرعہ جات کافی ہیں، جو اکثر ہندو آبادی ہے، بعض مزرعوں میں مسلم آبادی ہے اور وہ بھی مخلوط ہے، نیز یہ مزرعہ کرست سے کوئی ۶/۷ فرلانگ، کوئی چار فرلانگ، کوئی دو فرلانگ پر آباد ہیں، اگر کرست میں کوئی معتکف ہو تو مسلم آبادی مزرعہ جات کی رمضان المبارک کے اعتکاف سے سبکدوش ہو سکتی ہے، یا نہیں؟ اور اگر کوئی مزرعہ میں معتکف ہو تو خاص کرست اور مزرعہ جات سبکدوش ہو سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب ______________ حامداً ومصلیاً

اگر یہ سب آبادیاں دیکھنے میں جداگانہ معلوم ہوتی ہیں تو ایک آبادی کا اعتکاف دوسری کے لیے کافی نہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۲۶)

جو مسجد وقف نہ ہو اس میں اعتکاف:

سوال: جو مسجدیں وقف نہیں ہیں، ان میں رمضان المبارک کا اعتکاف کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ بہشتی زیور میں اعتکاف کے لیے مسجد کی شرط کیسی ہے؟(۳)

الجواب ______________ حامداً ومصلیاً

اعتکاف موقوفہ مسجد ہی میں کیا جائے۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۲۶-۲۲۷)

---

(۱) أما تفسيره فهو اللبث في المسجد مع نية الاعتكاف. (الفتاویٰ الهندية، الباب السابع في الاعتكاف: ۱/۲۱۱، رشيدية)

(۲) الاعتكاف سنة مؤكدة مطلقا، وقيل: سنة على الكفاية، حتىٰ لو ترك في بلدة، لأساؤ. (جامع الرموز، فصل الاعتكاف: ۱/۳۷۶، مطبع كريمية)

(۳) بہشتی زیور، حصہ یازدہم، اعتکاف کے مسائل، ص:۸۲۲، دارالاشاعت کراچی

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿وأنتم عاكفون في المساجد﴾. (سورة البقرة: ۲/۱۸۷)

ویران مسجد اور عیدگاہ میں اعتکاف:

سوال: ویران مسجد، یا عیدگاہ میں ایک صاحب نے اعتکاف کیا، مسجد میں کوئی نہ بیٹھا۔ کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اعتکاف ایسی مسجد میں کیا جاتا ہے جہاں اذان، جماعت پنجگانہ کا اہتمام ہو، اگر ویران مسجد میں بھی اعتکاف کیا تو ہوجائے گا، عیدگاہ میں کافی نہیں۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۲۷-۲۲۸)

مسجد سے متصل حجرہ میں اعتکاف:

سوال: ایک مسجد جو نوتعمیر ہے اس کے پیچھے حصہ میں شمال کی جانب ایک تین کھونٹا (۲) چھوٹا کمرہ ہے، جس کا دروازہ مسجد کے اندر ہی کو ہے۔ متولی مسجد نے بیان کیا: یہ مسجد تعمیر ہوتے وقت یہ حصہ مسجد ہی کی نیت سے تعمیر ہوا؛ مگر صف سیدھی کرنے کی وجہ سے مشیران کمیٹی نے اس حصہ کو علاحدہ کردیا اور طے ہوا کہ اس میں مسجد وغیرہ کا سامان رکھ دیا جایا کرے گا۔ اس حجرہ میں معتکف اعتکاف کے لیے بیٹھ سکتا ہے، یا نہیں؟ اس کا کوئی دروازہ باہر کو نہیں ہے۔

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

مسجد کے کسی حصہ کو جو نماز کے لیے ہو، کسی دوسرے کام کے لیے مخصوص کردینا اور نماز کو وہاں سے ختم کردینا جائز نہیں، حجرہ کی بظاہر ہیئت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد سے خارج ہے، مسجد نہیں ہے۔ امام، یا متولی، یا سامان کے لیے

"قال العلامة الآلوسی رحمه اللّٰه تعالٰی: وفی تقیید الإعتکاف بالمساجد دلیل علٰی أنه یصح إلا فی المسجد؛ إذ لو جاز شرعاً فی غیره، لجاز فی البیت وهو باطل بالاجماع ... وروی عن الإمام أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی أنه مختص بمسجد له إمام ومؤذن رات". (روح المعانی: ٦٨/٢، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنهما: أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یعتکف العشر الأواخر من رمضان، قال نافع: وقد أرانی عبد اللّٰه رضی اللّٰه تعالٰی عنه المکان الذی کان یعتکف فیه رسول اللّٰه: صلی اللّٰه علیه وسلم من المسجد". (أبو دائود، کتاب الصیام، باب: أین یکون الاعتکاف: ٣٣٤/١، دار الحدیث)

"وأما شروطه: ومنها مسجد الجماعة، فیصح فی کل مسجد له أذان واقامة، هو الصحیح". (الفتاوی الهندیة، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف: ٢١١/١، رشیدیة)

"أما حقیقته الشرعیة، فهی اللبث المخصوص: أی فی المسجدین". (ردالمحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ٤٤١/٢، سعید)

(۱) روی الحسن بن زیاد عن أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی: أنه لایجوز إلا فی مسجد تصلی فیه الصلوات کلها. (بدائع الصنائع، فصل فی شرائط صحته: ١٨/٣، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "کھونٹا: کونہ، گوشہ، زاویہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۶۵، فیروز سنز، لاہور)

بنایا گیا ہے؛اس لیے حجرہ میں اعتکاف نہ کیا جائے۔(۱)ہاں!اگر دروازہ یا دیوار توڑ کر مسجد میں شامل کرلیں تو پھر وہاں اعتکاف کرنے میں مضائقہ نہیں۔فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیو بند،۱۳۹۰/۹/۱۶ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیو بند،۱۳۹۰/۹/۱۶ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۲۲۸/۱۰)

مسجد بارش سے ٹپکتی ہو تو معتکف کیا کرے:

سوال: مسجد بارش سے بے حد ٹپکتی ہے جب کہ نماز پڑھنا ہی دشوار ہے،لوگوں کو ٹھیک کرانے کی کوئی فکر نہیں ہے،اذان نماز ہوتی ہے؛لیکن نماز ہوتی ہے؛لیکن زور سے بارش ہوتی ہو تو معتکف کا سونا کجا گھنٹہ دو گھنٹہ بیٹھنا دوبھر ہے۔کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اصلی علاج تو یہ ہے کہ چھت درست کرائی جائے اور ہر مسجد وہر محلّہ میں اعتکاف کا انتظام کیا جائے،مسجد مذکور میں اعتکاف کی گنجائش نہ ہو تو دوسری مسجد میں منتقل ہوجائے،بحالتِ عذر اس کی اجازت ہے۔(۲)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیو بند۔الجواب صحیح:بندہ نظام الدین غفرلہ،دارالعلوم دیو بند۔(فتاویٰ محمودیہ:۲۲۹/۱۰)

دوسرے محلّہ کے آدمی کے ذریعہ اعتکاف کی ادائیگی:

سوال(۱)ایک محلّہ کا کوئی آدمی اگر دوسرے محلّہ کی مسجد میں عشرۂ اخیرۂ رمضان کا اعتکاف کرے تو کیا اس کے اعتکاف کرنے سے اس مسجد کے محلّہ والوں سے اعتکافِ مسنون ادا ہوجائے گا،یا اس مسجد کے محلّہ والوں ہی میں سے کسی کا معتکف بننا ضروری ہے؟

---

(۱) (وإذا جعل تحته سردا بالمصالحه): أی المسجد (جاز) کمسجد القدس(ولو جعل لغیرها أوجعل فوقه بیتا وجعل باب المسجد إلٰی طریق وعزله عن ملکه، لا)یکون مسجدا. (الدر المختار)

(قوله: أوجعل فوقه بیتاً،إلخ) ظاهره أنه لا فرق بین أن یکون البیت للمسجد أو لا،إلا أنه یؤخد من التعلیل أن محل عدم کونه مسجدا فیما إذا لم یکن وقفا علی مصالح المسجد، وبه صرح فی الاسعاف، فقال: وإذا کان السرداب أو العلو لمصالح السمدج أوکان وقفاً علیه، صاح مسجداً.(ردالمحتار،کتاب الوقف: ۳۵۷/٤،سعید)

فی الهدایة: الاعتکاف مستحب،والصحیح أنه سنة ... وهو اللبث فی المسجد مع الصوم بنیة الاعتکاف، أما اللبث فرکنه،والنیة شرطه ... وجوازه یختص بالمساجد.(الفتاویٰ التاتارخانیة،کتاب الصوم،الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف،إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة: ٤١٠/٢،کراتشی)

(۲) فإن خرج من المسجد بعذر بأن انهدم المسجد أو أخرج مکرها،فدخل مسجداً آخرمن ساعة،لم یفسد اعتکافه استحساناً.(الفتاوی الهندیة، کتاب الصوم،الباب السابع فی الاعتکاف: ٢١٢/١،رشیدیة)

امام کے ذریعہ سنت اعتکاف کی ادائیگی:

(۲)　ایک محلّہ کا کوئی آدمی دوسرے محلّہ کا امام ہو تو ان امام صاحب کو اپنی امامت کے محلّہ والوں میں سے شرعاً شمار کیا جائے، یا نہیں؟ نیز ان کے لیے امام کی مسجد میں اعتکاف کرنے سے اس محلّہ والوں سے اعتکاف مسنونہ ادا ہو جائے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱)　جس محلّہ کی مسجد میں اعتکاف کرے گا اس مسجد سے متعلق سنت اعتکاف ادا ہو جائے گی؛ مگر اہلِ محلّہ کو چاہیے کہ خود ہی اعتکاف کریں، دوسرے محلّہ سے بلا کر اعتکاف کرا کے خود محروم نہ رہیں۔(۱)

(۲)　یہ امام صاحب جس محلّہ کی مسجد کے امام صاحب ہیں، بحقِ اعتکاف اسی محلّہ کے شمار ہوں گے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۹/۱۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۳۰/۱۰)

معتکف بیت الخلاء کے لیے نکل کر کتنا کام کر سکتا ہے:

سوال:　معتکف کا بیت الخلا کر کے گھر میں جانا، بیوی بچوں سے بات چیت کرنا، کوئی کتاب اٹھا کر لانا، کاغذات حساب وغیرہ کے اٹھا کر لانا، باہر سے آئی ہوئی ڈاک پر پڑھنا، مہمانوں سے بات چیت کرنا، جو باہر سے آئے ہوں، سلام، دعا، خیر وعافیت دریافت کرنا، کپڑے بدلنا، نہانا اور کپڑے دھونا، خطوط کے جواب لکھنا وغیرہ پر عمل کر سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

بیت الخلا سے فارغ ہو کر ان کاموں کے لیے مستقلاً مکان پر نہ ٹھہرے، چلتے چلتے ضروری بات سلام ودعا مہمان سے کر سکتا ہے، بقیہ اشیا مکان سے لا سکتا ہے،(۳) ڈاک مسجد میں لا کر پڑھے، مسجد میں ہی جواب لکھے۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۳۱/۱۰)

---

(۱)　الاعتكاف سنة مؤكدة مطلقاً، وقيل: سنة على الكفاية، حتى لو ترك في بلدة، لأساو. (جامع الرموز، فصل الاعتكاف: ۳۷٦/۱، مطبع كريميه)

(۲)　هذا كله لبيان الصحة ... وأما أفضل الاعتكاف ففي المسجد الحرام، ثم في مسجده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم في المسجد الأقصىٰ، ثم في الجامع. قيل: إذا كان يصلى فيه بجماعة، فإن لم يكن في مسجده أفضل، لئلاً يحتاج إلى الخروج، ثم ما كان أهله أكثر، آه. (رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ٤٤/۲، سعيد)

(۳)　لو خرج لحاجة الإنسان، ثم ذهب لعيادة المريض أو لصلاة الجنازة من غير أن يكوم لذلك قصد، فإنه جائز. (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲٥۹/۲، رشيدية)

(۴)　وأكله وشربه ونومه ومبايعته فيه: يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد، فإن خرج لأجلها، بطل اعتكافه؛ لأنه لاضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه". (البحر الرائق، باب الاعتكاف: ٥۳۰/۲، رشيدية)

معتکف کا کن مجبوریوں کی وجہ سے مسجد سے نکلنا درست ہے:

سوال: بعض حالتوں میں معتکف کا مسجد سے نکلنا ضروری ہوجاتا ہے، ان حالتوں میں سنتِ مؤکدہ کی ادائیگی کی کیا سبیل ہوگی؟ معتکف کا انتقال ہوگیا، پاگل ہوگیا، پولیس پکڑ لے گئی، مسجد میں آگ لگ گئی، فساد ہوگیا، جان کے خوف سے مسجد سے بھاگ گیا، طبیعت خراب ہوگئی، پیشی مقدمات کی آگئی، بیوی، یا بچہ کا انتقال ہوگیا؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر ہر مسجد ومحلّہ میں اعتکاف کا اہتمام ہو اور کسی ایک کو اس قسم کا حادثہ پیش آجائے تو بقیہ کا اعتکاف تو پورا ہوجائے گا اور سنت علی الکفایہ ادا ہوجائے گی۔ مسجد میں آگ لگنے، یا فساد ہونے سے اگر وہاں سے نکل کر فوراً دوسری مسجد میں چلا گیا تو اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ (۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۳۱-۲۳۲)

معتکف کا ضرورت کے لیے مسجد سے نکل کر کسی سے بات چیت کرنا:

سوال: معتکف بیت الخلا کے لیے گھر جارہا تھا، راستہ میں دوستوں سے ہنسی مذاق کی بات چیت کھڑے ہوکر کی، یا چلتے چلتے کی۔ کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

لغو ہنسی مذاق کہیں بھی نہ کرے، ضروری بات چلتے ہوئے کرلے، خارجِ مسجد بات کرنے کے لیے کھڑا نہ ہو۔ (۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۳۲)

معتکف کا خارجِ مسجد تراویح کے لیے جانا:

سوال (۱) جس مسجد کا صحن مسجد میں داخل نہ ہو تو اگر سخت گرمی کی وجہ سے مصلی پریشان ہو تو اس صورت میں اس صحن میں تراویح پڑھتے وقت معتکف تراویح کے لیے صحن میں جاسکتا ہے، یا نہیں؟ اگر اعتکاف کے وقت نیت کی ہو تو نکل سکتا ہے، ورنہ نہیں۔ آیا صحیح ہے، غلط؟

(۲) اور اگر نہیں نکل سکتا ہو تو تمام مصلی مسجد میں پڑھیں، یا صحن میں؟ حالاں کہ سخت گرمی کی حالت ہے اور مصلی اندر پڑھنے کی حالت میں بہت بے چین رہتے ہیں تو باہر پڑھنے میں کسی قسم کا نقص تو نہیں ہوگا؟

(غلام محمد، حاجی یوسف، نورگت، موضع ترکیسر پوسٹ خاص، ضلع سورت)

---

(۱) فإن خرج من المسجد بعذر بأن انهدم المسجد أو أخرج مكرهاً فدخل مسجداً آخر من ساعة، لم يفسد اعتكافه استحساناً. (الفتاوٰی الهندية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف: ۲۱۲/۱، رشيدية)

(۲) وأما التكلم بغير خير، فلا يجوز لغير المعتكف ... والظاهر أن المباح عند الحاجة إليه خير لا عند عدمها. (حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ۷۰۵، قديمي)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) اگر اعتکاف واجب ہے تو تراویح کے لیے ایسی جگہ جانے سے فاسد ہو جائے گا۔(۱) ہاں! اگر بوقتِ نذر ایسی جگہ جانے کی نیت کر لیتا ہے تو پھر اجازت ہے،(۲) اور نفلی اعتکاف اس سے منتہی ہو جاتا ہے۔ اعتکافِ مسنون کو بھی بعض فقہا نے واجب کے ساتھ ملحق کیا ہے۔(۳)

(۲) تمام مصلی اگر صحن میں (جو کہ خارج مسجد قرار دیا ہے) پڑھیں گے تو ۲۷/درجہ ثواب میں کمی رہے گی، مسجد میں پڑھنے سے نفسِ نماز کا ثواب مستقلا ۲۷/درجہ زیادہ ملے گا۔(۴) تراویح کا مسجد میں پڑھنا سنت علی الکفایہ ہے۔(۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۹/۶۲ ۱۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۳۳-۲۳۵)

---

(۱) (وحرم عليه): أی علی المعتكف اعتكافاً واجباً (الخروجُ،إلا لحاجة الإنسان ... اهـ". (تنوير الأبصار مع الدر المختار،باب الاعتكاف: ۲/٤٤٥، سعيد)

(۲) لو شرط وقت النذر أن يخرج لعيادة مريض وصلاة جنازه وحضور مجلس علم،جاز ذلک، فليحفظ. (الدر المختار،باب الاعتكاف: ۲/٤٤٨، سعيد)

(۳) سنت اعتکاف کا واجب اعتکاف کے ساتھ الحاق کا مطلب یہ ہے کہ فقہا نے نیت میں واجب کے ساتھ ملحق کیا ہے، جیسے سوال کے جملہ: "اگر اعتکاف کے وقت نیت کی ہو تو نکل سکتا ہے، ورنہ نہیں" اور حضرت مفتی صاحبؒ کے جواب میں اسی مذکورہ جملہ کے جواب کہ: "ہاں! اگر بوقتِ نذر ایسی جگہ کی نیت کر لیتا ہے تو پھر اجازت ہے" سے معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اگر اعتکاف مسنون میں کسی جگہ کے لیے نکلنے کی نیت کرے تو بظاہر گنجائش ہے۔

(وحرم عليه): أی على المعتكف اعتكافاً واجباً،أما النفل فله الخروج؛لأنه من لا مبطل كما مر(الخرج إلا لحاجة الإنسان). (الدر المختار)(قوله:أما النفل): أی الشامل للسنة المؤكدة،قلت: قد منا ما يفيد اشتراط الصوم فيها بناء على أنها مقدر بالعشر الأخير،ومفاد التقدير أيضاً اللزوم بالشروع،تأمل.ثم رأيت المحقق ابن الهمام قال: ومتقضى النظرلو شرع فى المسنون أعنى العشر الأواخر بنيته،ثم أفسده أن يجب قضائه ... وعلى كل فيظهر من بحث ابن الهمام لزوم الاعتكاف المسنون بالشروع وان لزوم قضاء جمعيه أو باقيه مخرج على قول ابى يوسف. (رد المحتار، كتاب الصوم،باب الاعتكاف: ۲/٤٤٤-٤٤٥،سعيد)

ولو شرط وقت النذر والالتزام أن يخرج إلى عيادة المريض وصلاة الجنازه وحضور مجلس العلم،يجوز له ذلک. (الفتاوى التاتارخانية،كتاب الصوم، الفصل الثانى عشر فى الاعتكاف: ۲/۳۱۲، قديمى)

(۴) (وإن صلّى) أحد (فى بيته بالجماعة) حصل لهم ثوابها، وأدركوا فضلها،ولكن (لم ينالوا فضل الجماعة) التى (فى المسجد) لزيادة فضيلة المسجد وتكثير جماعته و إظهار شعائر الاسلام. (وهكذا فى المكتوبات): أى الفرائض لو صلى جماعة فى بيت على هيئة الجماعة فى المسجد، نالو فضيلة الجماعة، وهى المضاعفة بسبع وعشرين درجة، لكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة فى المسجد. (الحلبى الكبير،كتاب الصلاة،: ٤٠۲،سهيل اكادمى لاهور)

(۵) وأما سننها:فمنها الجماعة والمسجد؛لأن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم قدر ما صلى من التراويح صلّى بجماعة فى المسجد، فكذا الصحابة رضى الله تعالى عنهم صلوها بجماعة فى المسجد،فكان أدائوها بالجماعة فى المسجد سنة.ثم اختلف المشائخ فى كيثية سنة الجماعة والمسجد أنها سنة عين أم سنة كفاية: قال بعضهم:أنها سنة على سبيل الكفاية،إذا قام بها بعض أهل المسجد فى المسجد بجماعة،سقط عن الباقى. (بدائع الصنائع،كتب الصلاة، مبحث الصلوٰة التراويح: ۲/٦٥٤،رشيدية)

معتکف کا وضو کے لیے گھر جانا:

سوال: اگر معتکف کا وضوٹوٹ جائے اور پانی مسجد سے باہر ہواور کوئی شخص بھی موجود نہ ہوتو کیا کرے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

گھر جا کر وضو کرے اور فوراً واپس آجائے۔

"ولا بأس بأن يدخل بيته للوضوء، ولا يمكث بعد الفراغ". (مجمع الأنهر)(۱)

"لابأس بأن يدخل بيته،ويرجع إلى المسجد كما فرغ من الوضوء". (۲)

لیکن یہ حکم واجب وضو کا ہے، مستحب وضو کے لیے نکلنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۳۵/۱۰)

کیا معتکف سحر وافطار، استنجا اپنے مکان پر کرے:

سوال: معتکف کا مکان مسجد سے چندقدم پر ہے، معتکف سحر وافطار، چھوٹا بڑا استنجا، غسل وغیرہ گھر کرسکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

چھوٹا بڑا استنجا تو بہر حال مسجد سے باہر ہی ہوگا۔ (۳) غسل جنابت بھی باہر کرے گا۔ (۴) سحر وافطار کی مسجد میں اجازت ہے اس کے لیے باہر نہ جائے، (۵) کوئی لانے والا نہ ہوتو مکان سے جا کر لے آئے، (۶) استنجا کے لیے اگر اپنے گھر ہی کا عادی ہوتو وہاں چلا جایا کرے۔ (۷) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۳۶/۱۰-۲۳۷)

---

(۱) مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲۵۶/۱،دارإحياء التراث العربى،بيروت

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصوم، الباب السابع فى الاعتكاف: ۲۱۲/۱،رشيدية

(۳) وحرم عليه الخرج إلا لحاجة الإنسان طبيعة كبول وغائط وغسل.(الدرالمختار)لأن الإنسان قد لايألف غير بيته،فإذا كان لا يألف غيره بأن لا يتيسر له إلا فيه بيته،فلا يعد الجوازبلا خلاف.(رد المحتار،باب الاعتكاف: ۴۴۵/۲،سعيد)

(۴) ولواحتلم المعتكف،لايفسد اعتكافه؛لأنه لاصنع له فيه،فلم يكن جماعاً ولا فى معنى الجماع،ثم إن أمكنه الاغتسال فى المسجد من غيرأن يتلوث المسجد فلا بأس به،ولافيخرج فيغتسل،ويعود إلىٰ مسجد.(بدائع الصنائع، فصل فى ركن الاعتكاف:۳۲/۳،دارالكتب العلمية بيروت)

(۵-۶) وأكله وشربه ونومه ومبايعته فيه يعنى يفعل المعتكف هذه الأشياء فى المسجد،فإن خرج لأجلها بطل اعتكافه؛لأنه لا ضرورة إلىٰ الخرج حيث جازت فيه ... وقيل: يخرج بعد الغروب للأكل والشرب،وينبغى حمله علىٰ ما إذا لم يجد من يأتى له به،فحينئذٍ يكون من الحوائج الضرورية كالبول والغائط.(البحرالرائق،باب الاعتكاف:۵۳۰/۲،رشيدية)

(۷) وحرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبيعة كبول وغالط وغسل.(الدرالمختار)لأن الإنسان قد لا يألف غير بيته، فاذا كان لا يألف غيره كأن لا يتيسر له الا فى بته، فلا يعد الجواز بلا خلاف.(ردالمحتار،باب الاعتكاف:۴۴۵/۲،سعيد)

مسجد میں وضو کا انتظام نہ ہو تو معتکف ندی پر وضو کرلے:

سوال: مسجد میں وضو کے لیے پانی کا انتظام نہیں، قریب ۵۰، ۶۰/قدم پر ندی ہے، سب لوگ ندی سے وضو کر کے آتے ہیں۔ معتکف بھی ہر نماز کا وضو کرنے، غسل کرنے، کپڑے دھونے جا سکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلياً

ایک دفعہ جائے، آئندہ کے لیے پانی لیتا آئے، فرشِ مسجد کے کنارے پر بیٹھ کر وضو کرلیا کرے، جب پانی ختم ہو جائے اور کوئی لانے والا نہ ہو تو خود چلا جائے، کپڑے بھی لاکر مسجد کے کنارے بیٹھ کر دھوئے۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۳۷)

وضو، اذان، سگریٹ کے لیے معتکف کا مسجد سے باہر نکلنا:

سوال (۱) معتکف اذان دینے کے لیے مسجد کی حد سے باہر جا سکتا ہے، یا نہیں؟

(۲) اور مسجد میں کسی برتن میں اس طرح وضو کرنے پر قادر ہونے کے باوجود کہ تلویث مسجد لازم نہ آئے، معتکف وضو کرنے کے لیے باہر جا سکتا ہے، یا نہیں؟

(۳) اور جو سگیرٹ پینے کا عادی ہو، وہ سگریٹ پینے کے لیے باہر جا سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلياً

(۱) مؤذن مینارہ پر چڑھ کر اذان دے اور اس کا دروازہ خارج مسجد ہو تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، كذا في البدائع: ۱۱۵/۲، وردالمحتار: ۱۸۱/۲، والبحر: ۳۰۳/۲، والفتح: ۱۱۱/۲ (۲) لیکن حدِ مسجد سے

---

(۱) وأكله وشربه ونومه و مبايعته فيه يعني يفعل المعتكف هٰذه الأشياء في المسجد، فإن خرج لأجلها بطل اعتكافه؛ لأنه لا ضرورة إلى الخرج حيث جازت فيه ... وقيل: يخرج بعد الغروب للأكل والشرب، وينبغي حمله علىٰ ما إذا لم يجد من يأتي له به، فحينئذٍ يكون من الحوائج الضرورية كالبول والغائط. (البحر الرائق، باب الاعتكاف: ۵۳۰/۲، رشيدية)

(۲) ولو صعد المئذنة لم يفسد اعتكافه بلا خلاف وإن كان باب المئذنة خاج المسجد؛ لأن المئذنة من المسجد. (بدائع الصنائع: ۲۹/۳، فصل في ركن الاعتكاف، دار الكتب العلمية بيروت)

وحرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعية كبول، أو شرعية كعيد، وأذان لو مؤذنا وباب المنارة خارج المسجد ... والصحيح أنه لا فرق بين المؤذن وغيره. (ردالمحتار، باب الاعتكاف: ۴۴۵/۲، سعيد)

وصعود المئذنة إن كان بابها في المسجد، لا يفسد الاعتكاف، وإن كان الباب خارج المسجد، فكذالك في ظاهر الرواية. (البحر الرائق، باب الاعتكاف: ۵۲۹/۲، رشيدية)

وصعود المئذنة إن كا بابها من خارج المسجد، لا يفسد في ظاهر الراوية، وقال بعضهم: هٰذا في حق المؤذن؛ لأن خروجه للأذان معلوم، فيكون مستثنى، أز غيره فيفسد اعتكافه، وصحح قاضي خان أنه قال قول الكل في حق الكل. (فتح القدير، باب الاعتكاف: ۳۹۶/۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

باہر جاکر اذان دینے کا حکم میں نے نہیں دیکھا، البتہ سکب الأنهر (۲۵۲/۱) میں خروج للأذان کی اجازت دی ہے اور منارہ کی قید نہیں لگائی۔(۱)

(۲) مسجد میں اس طرح وضو کرنے کے متعلق ''لابأس بہ'' کا لفظ مذکور ہے،جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واجب نہیں؛ بلکہ باہر بھی جاسکتا ہے۔(۲)

(۳) اگر بغیر سگریٹ کے گزارہ نہیں تو اس کے لیے بھی جاسکتا ہے؛مگر بہتر یہ ہے کہ پیشاب پاخانہ کے لیے جائے تو یہ کام بھی کرے، پھر منہ خوب مسواک سے صاف کر کے آجائے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۲/۲/۱۳۸۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۲۳۸/۱۰-۲۳۹)

بار بار بیت الخلا جانے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا:

سوال: معتکف کو دست لگنے لگے،اس وجہ سے ۱۵،۲۰/ بار دن میں گھر جانا پڑتا ہے۔کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔(۴) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔الجواب صحیح :بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۲۳۹/۱۰)

معتکف کا جنازہ میں شرکت کرنا، یا عیادت کرنا:

سوال: معتکف کو شرکتِ جنازہ وعیادتِ مریض کے لیے اگر ضرورت ہو تو جائز ہے، یا نہیں؟ اگر آتشزدگی ہو تو اس کو بجھانا جب کہ اپنے گھر کے جلنے کا بھی خوف ہو تو جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) ولايخرج المعتكف من معتكفه إلا لحاجة الإنسان طبعية كالبول والغائط ... أو شرعية كالعيد والأذان.(سكب الأنهر علىٰ هامش مجمع الأنهر، باب الاعتكاف: ٢٥٦/١،بيروت)

(۲) فلو أمكنه من غير أن يتلوث المسجد ، فلا بأس به.(رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ٤٤٥/٢،سعيد)

(۳) عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :''من أكل هٰذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى، مما يتأذى منه الانس''.(مشكاة المصابيح،باب المساجد ومواضح الصلاة: ٦٨/١، قديمى)

ويحرم فيه السوال ... وأكل ونوم الا لمعتكف وغريب،وأكل نحو ثم يمنع منه.(الدرالمختار)ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ما له رائحة كريهة مأكولا أوغيره ... وكذا لك ألحق بعضهم بذلک من بفيه َحر أوبه جر له رائحة.(رد المحتار،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،مطلب فى فى الغرس فى المسجد: ٦٦١/١،سعيد)

(۴) (وحرم عليه) ... (الخروج إلا لحاجة الإنسان) طبعية كبول وغائط وغسل ...(أو)شريعة كعيد.(الدر المختار،باب الاعتكاف: ٤٤٥/٢،سعيد)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

حالتِ اعتکاف میں شرکتِ جنازہ اور عیادتِ مریض کے لیے اگر مسجد سے نکلے گا تو اعتکاف باقی نہیں رہے گا، البتہ بغیر اس کے جائے کام نہ چلے تو گنہگار نہیں ہوگا۔

يفسد لو لعيادة مريض أو شهود جنازة وإن تعين عليه،إلا أنه لايأثم كما فى المرض. (شامي: ۱۳۳/۲)(۱)

اس کی مثال اس طرح سمجھئے جیسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ سامنے کوئی نابینا ہے، جو کنویں میں گرنے کے قریب ہے اور کوئی خبر دار کرنے والا نہیں تو یہ نمازی فوراً جا کر بچائے، یا آواز دے کہ کہہ دے تو یہ گناہ گار نہیں ہوگا، البتہ نماز فساد ہو جائے گی، وہ باقی نہیں رہے گی۔ (۲)

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔ ۱۳۹۲/۱۰/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیو بند، ۱۳۹۲/۱۰/۲۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۰/۱۰)

دیہاتی معتکف کو نماز جمعہ کے لیے شہر جانا:

سوال: جس گاؤں میں جمعہ کے شرائط نہیں، وہاں اعتکاف اخیر عشرہ میں علی الکفایہ موکدہ ہے، یا نہیں؟ اگر موکدہ ہے تو جمعہ کی نماز کے لیے معتکف جس قصبہ میں جمعہ ہوتا ہے، وہاں جا کر نماز جمعہ پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟ موکدہ اعتکاف ساقط نہیں ہوگا؟ (فرزند علی سہارنپور)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اعتکاف کے لیے شہر، یا شرائط جمعہ کا پایا جانا ضروری نہیں؛ بلکہ وہ ہر جگہ شہر ہو، یا گاؤں مسنون علی الکفایہ ہے، البتہ مسجد ایسی ہو، جس میں جماعت ہوتی ہو۔ (۳) گاؤں والے پر نہ جمعہ فرض ہے نہ سنتِ موکدہ، لہٰذا اس کو جمعہ کے لیے شہر میں آنا جائز نہیں، اگر آئے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ (۴) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۷/۱۱/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/ ذی قعدہ/ ۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۱/۱۰)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۴۴۷/۲، سعيد

"ولو خرج لجنازة يفسد اعتكافه، وكذا صلاتها ول وتعينت عليه". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصوم، الباب السابع فى الاعتكاف: ۲۱۲/۱، رشيدية)

(۲) وكذا الأجنبى إذا خاف أن يسقط من سطح أو تحرقه النار، أو يغرق فى الماء، و استغاث بالمصلى، وجب عليه قطع الصلاة. (الفتاوى الهندية، الفصل الثانى فيما يكره فى الصلاة: ۱۰۹/۱، رشيدية)

(۳-۴) هو لبث ذكر فى مسجد جماعة هو ما له إمام ومؤذن أديت فيه الخمس أولا، و عن الإمام اشتراط أداء الخمس فيه. (الدر المختار على التنوير، باب الاعتكاف: ۴۴۰/۲، سعيد)

معتکف صرف حاجتِ شرعیہ اور حاجتِ طبعیہ کے لیے نکل سکتا ہے، جب کہ جمعہ اس پر فرض نہیں تو جمعہ کے لیے نکلنا بغیر حاجت کے نکلنا ہے اور بغیر حاجت کے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

معتکف کو نماز جنازہ کے لیے باہر نکلنا:

سوال: معتکف مسجد میں اعتکاف کررہا ہے، اتفاقاً جنازہ حاضر ہوا، اب محلّہ والے بوجۂ تبرک معتکف صاحب سے نماز پڑھوانا چاہتے ہیں، ان میں سے کوئی اچھی طرح نماز پڑھنا نہیں جانتا، شرعی اعتبار سے معتکف نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ فقط (محمد یونس سلہٹی ۴؍رجب ۱۳۵۶ھ)

الجواب ـــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

صلوٰۃ جنازہ کے لیے مسجد سے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے۔

"**ولو خرج لجنازة، يفسد اعتكافه، وكذا صلاتها ولو تعينت عليه**". (الفتاویٰ الهندية: ۱/ ۲۱۱)(۱)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱؍رجب ۱۳۵۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۱-۲۴۲)

جمعۃ الوداع میں معتکف کہاں تک جاسکتا ہے:

سوال: جمعہ، الوداعی، جمعہ، عیدین کی نماز بالا خانوں، چھتوں، سیڑھیوں اور سڑکوں تک پر ہوتی ہے، معتکف کہاں کہاں تک چل پھر کر آجاسکتا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جو جگہ نماز کے لیے مخصوص کردی گئی ہے وہ مسجد ہے، معتکف کو اس جگہ میں رہنے کا حکم ہے، (۲) اور عید کی نماز سے تو پہلے ہی اعتکاف ختم ہوجاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/ ۲۴۲)

غسلِ سنت وتبرید کے لیے معتکف کا خروج:

سوال: معتکف کو غسلِ سنت، یا غسلِ تبرید کے لیے مسجد سے نکلنے کی اجازت ہے، یا نہیں؟ مع حوالہ کتب تحریر فرمایا جائے؟

(ناکارہ خلائق کمترین: نجم الحسن غفرلہ، از تھانہ بھون، ۲۳؍جمادی الثانیہ ۱۳۶۶ھ)

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف: ۱/ ۲۱۲، رشيدية

(۲) ثم الاعتكاف لايصح إلى في مسجد الجماعة لقول حذيفة رضى الله تعالىٰ عنه "لا اعتكاف إلا في مسجد جماعة" وعن أبي حنيفة رحمه الله: أنه لا يصح إلى في مسجد يصلى فيه الصلوٰة الخمس؛ لأنه عبادة انتظار الصلوٰة فيختص بمكان تؤدى فيه. (الهداية، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۱/ ۲۲۹، شركة علمية، ملتان)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

یہ جزئیہ صراحۃً نہیں ملا۔ اشعۃ اللمعات (۱) میں ''اورادا حسانی'' سے مطلقاً خروج للغسل کو نقل کیا ہے، غسل واجب ہو، یا سنت ہو؛ لیکن ''اورادا حسانی'' بذات خود ایک مجموعہ موضوعات ہے۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غسل تبرید، یا غسل مسنون کے لیے مستقلاً نہ نکلے؛ بلکہ قضائے حاجت کے لیے نکلے، استنجا کرتے وقت غسل بھی کرلے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/۱جمادی الثانیہ ۱۳۶۶ھ۔ صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۳۶۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۳/۱۰)

اعتکاف میں غسل:

سوال: حالت اعتکاف میں آرام وٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرنا جائز ہے؟ اگر غسل کرلے تو مسجد کے اندر، یا باہر؟

(الف) کنواں، غسل خانہ، وضو کی جگہ مسجد کے حدود میں ہے، یا باہر؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

غسل کرنا درست ہے، مسجد ہی میں کسی ٹب وغیرہ بڑے برتن میں لے کر، (۲) اگر غسل خانہ میں استنجا کرنے جائے تو وہاں بھی جلدی سے کرسکتا ہے۔ (۳)

(الف) عامۃً یہ چیزیں حدود مسجد سے خارج ہوتی ہیں، بلاضرورت معتکف کو وہاں جانا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۳/۱۰-۲۴۴)

اعتکاف میں حدث:

سوال: اعتکاف میں جاگتے اور سوتے بار بار حدث ہوتا ہو تو بار بار وضو کرنا ہوگا اور ایسی حالت میں تفسیر وفقہی کتب کا دیکھنا کیسا ہے؟

---

(۱) وکان لایدخل البیت إلا لحاجة الإنسان وبود آنحضرت صلی اللّٰه علیه وسلم که برنمی آمداز مسجد، مگر برائے حاجتِ انسانی از بول وغائط، وهمچنین غسل جنابت از جهت وجوب خروج از مسجد نزد جنابت، وهمچنیں برائے نماز جمعه، غسل جمعه روایتے صریح درآن از اصول نمی یابم جز آنکه در شرحِ اوراد گفته است که بیرون می آمد برائے غسل فرض باشد یا نفل، متفق علیه. (أشعة اللمعات، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۱۲۰/۲، مکتبة نوریة رضویة)

(۲) وحرم علیه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعیة کبول وغائط وغسل لو احتلم، ولا یمکنه الاغتسال فی المسجد. (الدر المختار) فلو أمکنه من غیر أن یتلوث المسجد، فلا بأس به: أی بأن کان فیه برکة ماء ... أو اغتسل فی انساء بحیث لا یصیب المسجد الماء المستعمل. (رد المحتار، باب الاعتکاف: ۴۴۵/۲، سعید)

(۳) ثم إن أمکنه الاغتسال فی المسجد من غیر أن یتلوث المسجد، فلا بأس به، وإلا فیخرج ویغتسل ویعود إلی المسجد". (الفتاوی الهندیة، الباب السابع فی الاعتکاف: ۲۱۳/۱، رشیدیة)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

باوضو رہنا مستحب ہے۔(۱) واجب نہیں، تفسیر وفقہ کی کتب کا مطالعہ بھی باوضو مستحب ہے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۴۴)

بحالتِ اعتکاف اخراجِ ریاح:

سوال: مجھے خروجِ ریح کا مرض ہے، خروجِ ریح آواز اور بغیر آواز دونوں طرح سے ہوتا ہے تو اس حالت میں کیا میں اعتکاف کرسکتا ہوں؛ ؟ اگر اس بستی میں ایسے شخص کے سوا کوئی اور شخص اعتکاف سنت علی الکفایہ میں معتکف ہونے والا نہ ہو، تب بھی اس کو اعتکاف کرنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جس چیز سے انسانوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے ملائکہ کو بھی اذیت ہوتی ہے۔ (۳) مسجد میں احداث مکروہ ہے، (۴) جس کا یہ حال ہو کہ اس کو ریاح سے نجات نہ ہو، تو اس کو احترام مسجد کے پیش نظر اعتکاف سے احتیاط چاہیے، خاص کر جب کہ کوئی دوسرا اعتکاف کرنے والا موجود ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱۰/۱۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۴۵)

معتکف کا اخراجِ ریح کے لیے بیت الخلا جانا:

سوال: معتکف اگر ہوا خارج کرنے کے لیے بیت الخلا جائے تو کیا اعتکاف فاسد ہوجائے گا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔(۵) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۱/۲۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۴۵)

---

(۱) (الوضوء) مندوب فی نیف وثلاثین موضعاً ... فمنها عند استیقاظ من نوم والمداومة علیه.(الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة: ۱/۸۹، ۸۹،سعید)

(۲) "مندوب فی أحوال کثیرة کمس الکتب الشرعیة". قال الطحطاوی: "(قوله: کمس الکتب الشریعیة) نحو الفقه والحدیث والعقائد، فیتطهر لها تعظیما، قال الحلوانی: إنما نلنا هٰذا العلم بالتعظیم، فإنی ما أخذت الکاغذ إلا بطهارة.(حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح، ص: ۸۳، فصل فی أوصاف الوضوء، قدیمی)

(۳) قال رسول الله صلی الله علیه و سلم: "من أکل من هٰذه الشجرة المنتنة فلا یسربن مسجدنا، فإن الملائکة تتأذی ممایتأذی منه الإنس". (مشکوٰة المصابیح، باب المساجد ومواضح الصلاة: ۱/۶۸، قدیمی)

(۴-۵) وإذا فسا فی المسجد لم یر بعضهم به بأساً، وقال بعضهم: إذا احتاج إلیه یخرج منه، وهو الأصح. (رد المحتار، کتاب الطهارة، مطلب: یوم عرفة أفضل من یوم الجمعة: ۱/۱۷۲، سعید)

معتکف کے لیے تمبا کو کھانا:

سوال: معتکف تمبا کو پان مسجد میں کھا سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

کھا سکتا ہے جب کہ بد بو دار نہ ہو۔ (۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۶/۱۰)

معتکف کا بیڑی سگریٹ پینا:

سوال: زید بیڑی سگریٹ کا بہت ہی عادی ہے، بغیر پیے رہ نہیں سکتا تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بہ حالتِ اعتکاف مسجد کے باہر بیڑی سگریٹ استعمال کرے، یا مسجد میں رہ کر ہی؟ اور زید کے علاوہ مسجد میں معتکف بننے کو کوئی تیار نہیں ہے تو اس صورت میں اس کو معتکف بنایا جائے، یا ترک کر دیا جائے؟ نیز حاجتِ انسانی کے اندر کیا کیا چیزیں داخل ہیں؟ تفصیل درکار ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اعتکاف کی فضیلت بھی بہت ہے اور منفعت بھی بہت ہے، اس کی طرف اہتمام سے توجہ کی جائے۔ جب قضائے حاجت (پاخانہ پیشاب) کے لیے رات کے وقت مسجد سے باہر جائے تو وہاں یہ حاجت (بیڑی سگریٹ) بھی پوری کرتا آئے۔ (۲) وضو اور مسواک وغیرہ سے منہ خوب صاف کرے، بد بو دار منہ لے کر مسجد میں نہ آئے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳۹۲/۱۱/۱۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۶/۱۰)

---

(۱) ویکرہ ... وأکل ونو م إلا لمعتکف وغیرہ، وأکل نحوثوم یمنع منه. (الدر المختار) ویلحق بما نص علیه فی الحدیث کل ماله رائحة کریهة مأکولا أوغیرہ، إلخ. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، أحکام المساجد: ۶۶۱/۱، سعید)

جابر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من أکل من هٰذه الشجرة المنتنة فلا یقربن مسجدنا؛ فإن الملا ئکة مما یتاذی منه الإنس. (مشکٰوة المصابیح، باب المساجد ومواضح الصلاة: ۶۸/۱، قدیمی)

(۲) (وحرم علیه) الخروج (إلا لحاجة الانسان) طبعیة کبول وغائط، وغسل لواحتلم ... و شرعیة کعید، وأذان. (الدر المختار، باب الاعتکاف: ۴۴۸/۲، سعید)

(۳) (وأکل، ونوم (أی یکرہ)، إلا لمعتکف وغیرهب، وأکل نحو ثوم یمنع منه. (الدر المختار) ویلحق بما نص علیه فی الحدیث کلما له رائحة کریة ما کولا أوغیرہ ... وکذلک ألحق بعضهم بذلک من بفیه بخر، أو به جرح له رائحة. (ردالمحتار، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیها، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۶۶۱/۱، سعید)

عن جابر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه سال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم "من أکل من هٰذه الشجرة المنتنة، فلا یقربن مسجدنا فإن الملائکة تتأذی مما یتأذی منه الإنس. (مشکاة المصابیح، باب المساجد ومواضع الصلاة: ۶۸/۱، قدیمی)

معتکف کے لیے امورِ مباحہ:

سوال: معتکف کو کبھی پردہ سے باہر یعنی مسجد کے جماعت خانہ میں بھی نماز سنت ونفل وتلاوت قرآن، یا کسی کتاب کا دیکھنا کیسا ہے اور جماعت خانہ میں کتاب کا سنانا، اذان دینا، تکبیر کا کہنا، وعظ کہنا، عمدہ اخبار کا دیکھنا اور دینی مضامین کا ترجمہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

یہ سب درست ہے، البتہ اذان بلند مقام پر کہنا مستحب ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۷/۱۰)

ہڈی یا کھجور کی گھٹلی پھینکنے کے لیے مسجد سے نکلنا:

سوال: اعتکاف کی حالت میں ہاتھ دھونے کا پانی اور دسترخوان پر ہڈی، یا کھجور کی گھٹلی وغیرہ مسجد کے باہر پھینک سکتا ہے، اسی طرح بوریا بستر وغیرہ دھوپ میں رکھ سکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

مسجد ہی سے گھٹلی پانی وغیرہ باہر پھینک سکتا ہے اور مسجد ہی سے سے بوریا بستر وغیرہ دھوپ میں رکھ سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۸/۱۰)

معتکف کا ملاقاتیوں سے بات چیت اور خیریت دریافت کرنا:

سوال: باہر کے حضرات ملاقات کے لیے آئیں تو ان سے بات چیت خیریت اور دوسرے غائب حضرات کے حالات معلوم کرسکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

کرسکتا ہے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۸/۱۰)

معتکف کا بیت الخلا جاتے ہوئے ملاقاتیوں سے بات چیت کرنا:

سوال بیت الخلا جاتے ہوئے کسی کی خیریت پوچھ سکتے ہیں، اگر کوئی اپنی خیرت معلوم کرے، سلام کا اشارہ

(۱-۲) ویکرہ تحریماً صمت وتکلم إلا بخیر کقرأة قرآن. وحدیث وعلم وتدریس فی سیر الرسول علیه السلام وقصص الأنبیاء علیهم السلام وحکایات الصالحین و کتابة أمور الدین. (الدر المختار، باب الاعتکاف: ۴۵۰/۲، سعید)

کرے تو جواب دینا وغیرہ کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

آتے جاتے سلام کرنا جواب دینا خیریت بتانا پوچھنا درست ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۴۸-۲۴۹)

معتکف کا صحنِ مسجد میں حجامت بنوانا:

سوال: معتکف مسجد کے فرش پر بیٹھ کر حجامت بنواسکتا ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

بنواسکتا ہے، البتہ بال وہاں نہ گرنے پائیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۴۹)

اعتکاف کی حالت میں تقبیل وجہ:

سوال: معتکف نے محض دلداری کی خاطر بلاشہوت اپنی بیوی کے رخسار کو چوم لیا تو مطلق بوسہ لینا مفسد اعتکاف ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

ایسا کرنا درست نہیں، لیکن اس سے نہ اعتکاف فاسد ہوا نہ روزہ فاسد ہوا، قضا بھی واجب نہیں۔(۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۰/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۴۹)

معتکف کا مسجد میں چارپائی بچھانا:

سوال: معتکف مسجد میں چارپائی بچھا سکتا ہے، یانہیں؟ نیز چارپائی پر لیٹ سکتا ہے، یانہیں؟ اور مکانوں میں جو

---

(۱) ويكره تحريماً صمت وتكلم إلا بخير وهو مالا إثم فيه، ومنه المباح عند الحاجة إليه لا عند عدمها، إلخ. (الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ٢/٤٥٠، سعيد)

(۲) مفتی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں: ''اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے، حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل اگر وہ بدونِ عوض کام کرتا ہے تو مسجد کے اندر جائز ہے اور اگر بالعوض ہے، تو معتکف مسجد کے اندر رہے مگر حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنوائے، مسجد کے اندر اجرت سے کام کرنا جائز نہیں''۔ (احسن الفتاوی: ۴/۵۰۶، باب الاعتکاف، سعید)

(۳) وحرم الوطء ودواعيه، لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تباشروهن وأنتم عاكفون في المساجد﴾ فالتحق به اللمس، والقبلة؛ لأن الجماع محظور فيه، فيتعدى إلىٰ دواعيه ... ولو أمنى بالتفكر أو بالنظر لا يفسد اعتكافه''. (مراقي الفلاح، باب الاعتكاف، ص: ٧٠٥، سعيد)

عورتیں اعتکاف کرتی ہیں، وہ اپنے اعتکاف کرنے کی جگہ پر چارپائی بچھاسکتی ہیں، یا نہیں؟ اور بقیہ پورے مکان میں بغرضِ ضرورت آجاسکتی ہی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

معتکف اپنے اعتکاف کی جگہ چارپائی بچھاسکتا ہے اوراس پر لیٹ سکتا ہے؛(۱) مگر آج کل عرفاً مسجد میں چارپائی بچھانا خلافِ احترام سمجھا جاتا ہے؛ اس لیے احتیاط چاہیے۔ عورت کو اپنی اعتکاف کی جگہ یہ اشکال نہیں، عورت اگر بلاضرورتِ شرعیہ وطبعیہ اپنے اعتکاف کی جگہ سے نکل کر مکان میں کسی اور جگہ جائے گی تو اس کا اعتکاف باقی نہیں رہے گا۔

"وللمرأة الاعتكاف فی مسجد بیتها،وهومحل الصلاة فیه،ولا تخرج منه إذا اعتكفت،فلو خرجت بغیرعذر،یفسد واجبه،وینتهی نفله".(كذا فی مراقی الفلاح والطحطاوی)(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱/۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۵۰)

عورت کا حالتِ اعتکاف میں کھانا پکانا:

سوال: امرأۃ معتکفہ مسجدِ بیت میں کھانا پکاسکتی ہے، یا نہیں؟ اذان اور وضو کے لیے باہر جانے کی اجازت ہے تو ''کافی'' کی اس عبارت کے خلاف ہے:

"ویخرج لغائط أوبول أوجمعة". (شامی، جلد ثانی)

جواب مع حوالات دیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگراس کا کوئی کھانا پکانے والا نہ ہو تو مسجدِ بیت میں کھانا پکاسکتی ہے، مسجدِ بیت پر تمام احکام مسجد کے جاری نہیں ہوتے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۱۲/۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۵۱)

---

(۱) **عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما عن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم أنه كان إذا اعتكف،طرح له فراشه،أویوضعه له سریره وراء أسطوانة العوبة.(سنن ابن ماجة،باب ما جاء فی الاعتكاف،باب فی المعتكف یلزم مكانا، ص: ۱۲۸،میرمحمد)**

(۲) **حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۴۹۹، باب الاعتكاف، قدیمی**

(۳) چوں کہ مسجدِ بیت دوسرے احکام میں مسجدِ شرعی کے حکم میں نہیں ہے اور چوں کہ مسجدِ شرعی میں سونا، کھانا پینا وغیرہ معتکف کے لیے جائز ہے، اسی طرح اگر مسجدِ بیت میں کھانا پکایا جائے تو اس میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں۔

"وأكله وشربه ونومه ومبایعته فیه،یعنی یفعل المعتكف هٰذه الأشیاء فی المسجد".(البحرالرائق،باب الاعتكاف:۵۳۰/۲،رشیدیة)

معتکف کا حوض سے پانی لینا:

سوال: اگر حمام مسجد کے فرش سے الگ ہوتو معتکف وضو کے لیے حوض سے پانی لے سکتا ہے، یا نہیں، جب کہ مسجد کے اندر کوئی آدمی ہی نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر کوئی پانی لانے والا نہیں ہے تو لاسکتا ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۵۱)

معتکف کا مسجد میں بذریعۂ مائیک باہر مجمع کو خطاب کرنا:

سوال: کیا معتکف مائیک کے ذریعہ باہر کے جلسۂ عام میں مسجد میں بیٹھے بیٹھے خطاب کرسکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

کرسکتا ہے، جب کہ وہ خطاب دینی واصلاحی مضامین سے متعلق ہو۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۵۲)

مسجد میں کاروبار اور طبیب کا مریضوں کو نسخہ لکھنا:

سوال: کیا وجہ ہے کہ معتکف اگر کاروبار کی، یا دنیاوی باتیں کرتا ہے تو اعتکاف نہیں ٹوٹتا؛ لیکن حکیم صاحب مریضوں کو نبض دیکھ کر نسخے لکھتے ہیں تو ٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

مسجد دنیاوی باتوں، کاروبار، معاملات کے لیے نہیں بنائی گئی، نہ مطب کے لیے بنائی گئی ہے؛ اس لیے یہ سب چیزیں مسجد میں مکروہ ہیں؛ مگر ان سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔ ضرورت کے موقع پر کوئی دوسرا آدمی کام کرنے والا نہیں اور مثلاً دوکاندار مسجد میں نماز کے لیے آیا، اس سے معتکف نے کہہ دیا کہ فلاں چیز اپنی دکان سے ہمارے مکان پر بھجوادو تو اس کی اجازت ہے، اسی طرح کوئی مریض اتفاقیہ آیا، اس کو حکیم صاحب نے دوا تجویز کردی، جو ان کے مطب سے

---

(۱) ويخرج للوضوء والاغتسال فرضاً كان أو نفلاً. (الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف: ۲/۳۱۳، قديمي)

(۲) لكنه يلازم القرآن، والذكر والحديث والعلم و دارسته وسير النبي صلى الله عليه وسلم وقصص الأنبياء عليهم السلام وحكايات الصالحين. (مراقي الفلاح، باب الاعتكاف، ص: ۷۰۴، قديمي)

مل گئی تو مضائقہ نہیں؛ مگر مستقل یہ مشغلہ وہاں اختیار نہ کیا جائے۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۵۲-۲۵۳)

معتکف کا خارجِ مسجد بات چیت کرنا:

سوال: کیا معتکف کا مسجد میں پیشاب، یا پاخانہ کی جگہ تک راستہ میں بات کرنا جائز نہیں، اگر بات کرے گا تو اعتکاف باطل ہوجائے گا اور اس طریقہ پر سلام کا جواب دینا بھی جائز نہیں، اگر ایک آدھ بات کرلی تو کیا اس صورت میں بھی اعتکاف کا بطلان لازم آئے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوگا۔

"ولایخرج من معتکفه إلا لحاجة شریعة، أو طبعیة: أی یدو إلیها طبع الإنسان، لوذهب بعد إن خرج إلیها لعیادة مریض، أو صلاة جنازه من غیر أن یکون لذلک قصا، جاز بخلاف ما إذا خرج لحاجة الإنسان ومکث بعد فراغه، فإنه ینتقض إعتکافه عند الإمام، آه". (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲/۴۳۳) (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۵۳)

معتکف کا قرآن پاک پڑھانا:

سوال: معتکف قرآن مجید ناظرہ پڑھا سکتا ہے، یا نہیں، جب کہ بچے پہلے سے بھی پڑھتے ہوں؟

(محمد عاصم، مکتبہ اسلامیہ، ڈاکخانہ گھیز کچہری، کانپور)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

پڑھا سکتا ہے؛(۳) لیکن اگر بچے اتنے چھوٹے ہوں کہ پاکی ناپاکی کو نہ سمجھتے ہوں تو ان کو مسجد نہ میں بٹھایا جائے۔(۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۵۴)

---

(۱) والکلام المباح، وقیده فی الظهیریة بأن یجلس لأجله، فإنه حینئذٍ لایباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بنی لأمور الدنیا، وفی صلاة الجلالی: الکلام المباح من حدیث الدنیا یجوز فی المساجد وإن کان الأولیٰ أن یشتغل بذکر اللّٰه تعالیٰ. (الدرالمختار مع رد المحتار، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها: ۱/۶۶۲، سعید)

(۲) حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتکاف، قدیمی

(۳) وأما آدابه ... ویلازم التلاوة والحدیث والعلم وتدریسه وسیر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، آه". (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف: ۱/۲۱۲، رشیدیة)

(۴) ویحرم داخل صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسهم، وإلا فیکره. (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلوٰة وما یکره فیها: ۱/۶۵۶، سعید)

اعتکافِ مسنون توڑ دینے سے اس کی قضا:

سوال: رمضان المبارک میں بالخصوص عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف شروع کردینے کے بعد لازم ہوتا ہے، یانہیں؟ اگر چھوڑ دے تو قضا لازم ہوگی، یانہیں؟ صلوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے کہ نوافل شروع کردینے کے بعد لازم ہوجاتا ہے، چھوڑ دینے پر قضا لازم ہوتی ہے، یانہیں؟ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل کہ عشرۂ اخیرہ میں جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وحضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اعتکاف کے لیے خیمے مسجد میں لگادئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام خیموں کو مسجد سے باہر کردیا اور توڑ دیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**ما أنا بمعتكف**" چناں چہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شوال میں دس دن اعتکاف کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قضا لازم ہوتی ہے۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

ظاہر نظیر کا یہی تقاضا ہے، جو آپ نے کہا؛ تاہم "**الأشباه والنظائر**" سے معلوم ہوتا ہے کہ سنتِ مؤکدہ کو شروع کرکے آگے توڑ دے تو اس کی قضا لازم نہیں۔ (۱) عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف بھی سنتِ مؤکدہ ہے، گو علی الکفایہ ہے۔

"**ومقتضى النظير: أنه لو شرع في المسنون أعني العشر الأواخر بنيته، ثم أفسده أن يجب قضاءه تخريجا علىٰ قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ في الشروع في نفل الصلاة ناويا أربعا، لا علىٰ قولهما**". (فتح القدير: ۱۰۸/۲) (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۹/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۹/۱۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۵۴/۱۰-۲۵۵)

عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کو توڑنے کی وجہ سے قضا وادا اعتکاف ایک ساتھ:

سوال: زید نے رمضان شریف میں آخری عشرہ کا اعتکاف کیا، تین دن اعتکاف کے بعد اچانک خبر آگئی کہ حج بیت اللہ سے سفر میں جانا ہے، جس کی وجہ سے مجبوراً اعتکاف توڑ کر جانا پڑا تو اب اس عشرہ کی قضا کرنا لازم ہے، یانہیں؟ نیز قضا کی کیا صورت ہوگی؟ اور اگر امسال رمضان کے اخیر عشرہ میں قضا وادا کو مدغم کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، یانہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

احوط تو یہی ہے کہ بعد رمضان پورے عشرہ کا اعتکاف کرلے اور اس عشرہ کے روزے بھی رکھے؛ لیکن یہ حکم وجوبی نہیں،

---

(۱) **إذا شرح في صلاة وقطعها قبل اكمالها، فإنه يقضيها إلا الفرض و السنن. (الأشباه والنظائر)**

قال الحموي: "وأما في السنة، فلأنها وإن وجبت بالشروع إلا أنه أفسدها في الوقت فيؤديها ... أنه لو شرع في سنة من السنن أو التراويح، لايلزمه المضي ولا قضائه إذا أفسدن. (شرح الحموي، كتاب الصلاة: ۱۹/۲، إدارة القرآن كراتشي)

(۲) **فتح القدير، باب الاعتكاف: ۳۹۳/۲، مصطفى البابي الحلبي مصر**

جس دن اعتکافِ مسنون توڑا ہے، اس دن کی قضا بھی کافی ہے۔(۱) گزشتہ رمضان کے عشرۂ اخیرہ کو توڑے ہوئے مسنون اعتکاف کی قضا کے لیے امسال رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف کافی نہیں، وہ اس میں ادا نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۹/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۹/۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۵۵/۱۰-۲۵۶)

اعتکاف میں غسل میت کے لیے نکلنا، مستورات کا اعتکاف ٹوٹ جانے پر قضا کا حکم:

سوال: میں ۲۰/ رمضان المبارک کو اعتکاف میں بیٹھ گئی، ۲۲/ رمضان المبارک کو ۱۱/ بجے دن میں میری بھتیجی کی وفات ہوگئی جس میں اپنے بھائی کے گھر جو چند گز کے فاصلہ پر ہے، چلی گئی اور بھتیجی کو غسل دے کر کفن وغیرہ پہنا کر جب جنازہ گھر سے چلا گیا، واپس میں اپنے گھر چلی آئی اور پھر اعتکاف میں بیٹھ گئی، اپنے بھائی کے گھر جب تک رہی ان لوگوں کو صبر دلاتی رہی اور سمجھاتی رہی۔

اب سوال یہ ہے کہ میرا اعتکاف صحیح ہوا کہ نہیں؟ یہاں کے امام صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ اعتکاف صحیح نہیں ہوا۔

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

بھتیجے کے انتقال پر وہاں جا کر غسل وکفن کرنا اور ان لوگوں کو صبر دلانا بہت اجر وثواب کی چیز ہے؛ لیکن اعتکاف سے نکلنا اس مقصد کے لیے بھی درست نہیں؛(۲) تاہم اعلیٰ بات یہ ہے کہ آپ دس روز کا اعتکاف مستقل کرلیں، اس میں روزہ بھی رکھیں، حالات اس کی اجازت نہ دیں تو جس روز وہاں جانا ہوا، صرف ایک روزہ کا اعتکاف اور روزہ رکھ کر کرلیں۔(۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۱۳۱۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۵۶/۱۰-۲۵۷)

---

(۱) ولو شرع فيه ثم قطع،لايلزمه القضاء في رواية الأصل،وفي رواية الحسن: يلزمه.وفي الظهيرية:عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ:أنه يلز يومان.(الفتاویٰ التا تارخانية،الفصل الثاني عشرفي الاعتكاف:٤١٤/٢،إدارة القرآن كراتشي)

فلو شرع في نفله ثم قطعه،لايلزمه قضائه ... وما في بعض المعتبرات:أنه يلزم بالشروع مفرغ على الضعيف.(الدر المختار،باب الاعتكاف:٤٤٤/٢،سعيد)

(۲) فإن خرج ساعة بلا عذر فسد ... وعن هٰذا فسد إذا عاد مريضاً،أوشهد جنازة تعينت إلا أنه لايأثم،بل يجب عليه الخروج ... فالظاهرأن العذر الذي لايغلب مسقط لاثم لا البطلان.(النهر الفائق،باب الاعتكاف:٤٧/٢،إمدادية ملتان)

(۳) ولو شرع فيه ثم قطع،لايلزمه القضاء في رواية الأصل،وفي رواية الحسن: يلزمه.وفي الظهيرية:عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ:أنه يلز يومان.(التفاویٰ التا تارخانية،الفصل الثاني عشرفي الاعتكاف:٤١٤/٢،إدارة القرآن كراتشي)

"فلو شرع في نفله ثم قطعه،لايلزمه قضائه ... وما في بعض المعتبرات:أنه يلزم بالشروع مفرغ على الضعيف".(الدر المختار،باب الاعتكاف:٤٤٤/٢،سعيد)

نفلی اعتکاف:

سوال: رمضان المبارک کے مہینہ کے علاوہ دوسرے ایام میں نفلی اعتکاف کی نیت سے مسجد میں قیام کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــ حامداً ومصلیاً

نفلی اعتکاف بغیر رمضان کے بھی ہوسکتا ہے اور ایسے معتکف کو بھی مسجد میں قیام کرنا درست ہے۔ (شامی:۲/۱۲۹)(۱)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۵۷)

نفلی اعتکاف کے حقوق اور پابندیاں:

سوال: اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ میں جو پابندی، یا حقوق ہیں، وہ مستحب اعتکاف میں بھی ہیں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــ حامداً ومصلیاً

وہ پابندیاں نفلی اعتکاف میں بھی ہیں؛ مگر ایک تو اس میں روزہ کی قید نہیں اور اعتکافِ مسنون رمضان شریف کے اخیر عشرہ میں ہوتا ہے، اس میں روزہ بھی ہوتا ہے، دوسرے بلاضرورت جب مسجد سے معتکف نکلے گا تو نفلی اعتکاف جس کی کوئی مدت معین نہیں کی تھی، وہ ختم ہوجائے گا، فاسد نہیں ہوگا، اعتکافِ مسنون ایسی حالت میں فاسد ہوجاتا ہے۔ (شامی:۲/۱۳۰)(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۵۷)

نفلی اعتکاف تھوڑی دیر کے لیے لفظوں میں اعتکاف کی نیت:

سوال: نفلی اعتکاف گھنٹے آدھ گھنٹے کا بھی ہوجاتا ہے، یا نہیں؟ اور اگر ہوجاتا ہے تو مسجد میں جاتے وقت؛ یعنی داخل ہوکر کیا نیت کرنی چاہیے، جو روزانہ اعتکاف کا ثواب مل جایا کرے؟ لفظوں میں نیت کا طریقہ بتلا دیجئے؟

الجواب ــــــــــــ حامداً ومصلیاً

''میں جتنی دیر تک مسجد میں ٹھہروں اللہ کے لیے معتکف ہوں''۔ اس نیت سے مسجد میں داخل ہوجایا کرے، بس جتنی دیر تک وہاں رہے گا، اعتکاف کا ثواب ملے گا، گھنٹہ بھر ٹھہرے، یا کم وبیش۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۲/۶۷ ۱۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۲/۶۷ ۱۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۵۸)

---

(۱) (هو) ... (لبث) ... (ذكر) ... (في مسجد جماعة) ... (بنية) ...(وهو ثلاثة أقسام) ... (مستحب في غيره من الأزمنة)، هو بمعنى غير المؤكدة. (الدر المختار، باب الاعتكاف: ۲/ ۴۴۰ـ۴۴۲، سعيد)

(۲) (وشرط لصوم) لصحة (الأول): أن النذر اتفاقا (فقط) ... (وحرم عليه): أي على المعتكف اعتكاف واجباً، أكان النفل فله الخروج؛ لأنه منه له لا مبطل (الخروج إلا لحاجة الإنسان. (رد المحتار، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۲، سعيد)

(۳) وأقله نفلاً ساعةً من ليل أو نهار عند محمد، وهو ظاهر الرواية عن الإمام، لبناء النفل على المسامحة، وبه يفتى''. (الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۳، سعيد)

نفلی اعتکاف مسجد میں نہ کہ گھر میں:

سوال: کیا اعتکاف نفلی بھی ہوتا ہے؟ اگر کوئی آدمی مسجد میں جاوے اور نیت کرلے کہ میں جب تک مسجد میں رہوں گا، میرا اعتکاف ہے، کیا اس کو نفلی اعتکاف کا ثواب ملے گا؟ کیا نفلی اعتکاف گھر میں بھی کیا جا سکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

مسجد میں اس طرح نیت کرنے سے نفلی اعتکاف کا ثواب ملے گا، (۱) مرد کو اس طرح گھر میں ثواب نہیں ملے گا۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمو گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۵۹/۱۰)

فجر کی سنت پڑھ کر اعتکاف کی نیت کر کے لیٹنا:

سوال: میں کبھی کبھی کھانا کھا کر اور کبھی قبل فجر تھوڑی دیر جب جماعت میں دیر ہوتی ہے تو بوجۂ کمزوری لیٹ جاتا ہوں، مسجد میں اعتکاف کی نیت سے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جماعت کے انتظار میں سنتیں پڑھ کر، یا پہلے مسجد میں جب کہ کمزوری کی وجہ سے بیٹھنا دشوار ہو، کچھ دیر کے لیے لیٹ جانے میں مضائقہ نہیں، (۳) خاص کر اعتکاف کی نیت کر کے، مگر اسی طرح ہو کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۲۵۸/۱۰)

اعتکاف کے چند ضروری مسائل:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائلِ ذیل میں کہ:

---

(۱) وأقله نفلاً ساعةً من ليل أو نهار عند محمد، وهو ظاهر الرواية عن الإمام، لبناء النفل على المسامحة، وبه يفتى. (الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۴۴۳/۲، سعيد)

(۲) ومقتضاه أنه يندب للرجل أيضا أن يخصص موضعاً من بيته لصلوٰته النافلة، أما الفريضه والاعتكاف فهو في المسجد كما لايخفى، إلخ. (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۴۴۱/۲، سعيد)

(۳) وقولنا في ذلك (أي الاضطجاع بعد ركعتي الفجر) مثل قول مالك: ٲن هٰذ الاضطجاع من سنن العادة له صلى الله عليه وسلم لا من سنن العبادة، فلا ترى به بأساً لمن فعله راحة، ولو فعله اقتفاء بعادتة الشريفة صلى الله عليه وسلم، رجونا له الأجر في ذلك كما هو حكم سائر عاداته صلى الله عليه وسلم أنه لو فعله أحد القتفائبه في عاداته كان مأجوار ونكراه لمن فعله استانا وتجتما. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب النوافل والسنن في حكم الاضطجاع بعد ركعتي الفجر: ۲۲/۷، إدارة القرآن كراتشي)

معتکف ایک ہی جگہ بیٹھے، یا کسی دوسری جگہ بھی بیٹھ سکتا ہے:

سوال (۱) معتکف مسجد میں مخصوص ایک ہی جگہ بیٹھے یا ہر جگہ بیٹھ سکتا ہے؟

معتکف کا خارجِ مسجد اذان پڑھنا:

(۲)　معتکف مسجد میں یا خارج مسجد اذان پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟

معتکف کا نمازِ جمعہ کے لیے شہر جانا:

(۳)　معتکف ایسے گاؤں میں ہے، جس میں شرعاً جمعہ درست نہیں تو وہ نماز جمعہ کے لیے شہر جا سکتا ہے، یا نہیں؟

ایضا:

(۴)　اگر کوئی شخص شہر میں ایسی جگہ معتکف ہے، جہاں جمعہ نہیں ہوتا تو اسی شہر میں دوسری جگہ نمازِ جمعہ کے لیے جا سکتا ہے، یا نہیں؟

اعتکاف ہر مسجد میں ہو، یا کسی ایک مسجد میں کافی ہے:

(۵)　گاؤں اور شہر کی ہر مسجد میں اعتکاف ضروری ہے، یا فقط ایک ہی مسجد میں کافی ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱)　ایک جگہ بیٹھنا لازم نہیں، مسجد کے کسی بھی حصہ میں جانے کی اجازت ہے، مثلاً اندر گرمی ہو تو صحن میں بھی آ سکتا ہے۔(۱)

(۲)　معتکف کو اذان پڑھنے کی اجازت ہے، اگر وہ مؤذن ہے تو اذان کی متعینہ جگہ (خارج مسجد) بھی اذان پڑھ سکتا ہے۔(۲)

---

(۱)　مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں: ''معتکف جس مسجد میں معتکف ہے، اس تمام مسجد میں جس جگہ چاہے وہ رہ سکتا ہے اور ہو سکتا ہے''۔ (فتاوی دار العلوم: ۶/۵۰۳، باب الاعتکاف)

''ہر وقت گوشہ میں رہنا ضروری نہیں۔۔۔باقی اوقات میں جہاں چاہے اٹھے بیٹھے''۔ (امداد الاحکام: ۲/۱۴۵، باب الاعتکاف، مکتبۃ دار العلوم کراچی)

(۲)　ولو صعد المئذنة لم يفسد اعتكافه بلاخلاف، وإن كان باب المئذنة خارج المسجد، والمؤذن وغيره فيه سواء. (الفتاوٰى الهندية، الباب السابع فى الاعتكاف: ۱/۲۱۲، رشيدية)

(وحرم عليه) الخروج إلالحاجة الإنسان طبعية كبول أوغائط ... أوشريعة كعيد وأذان، لومؤذناً وباب المنارة خارج المسجد. (الدرالمختارمع رد المحتار، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۵، سعيد)

(۳) جب کہ اس پر جمعہ فرض نہیں ہے تو اس کو اعتکاف کی جگہ سے نکل کر شہر میں جمعہ کے لیے جانے کی اجازت نہیں۔(۱)

(۴) جوشخص شہر کی کسی مسجد میں معتکف ہو جہاں جمعہ نہیں ہوتا، وہ جمعہ والی مسجد میں جمعہ کے لیے جائے اور نماز پڑھ کر واپس آجائے، بلاضرورت دیر نہ لگائے۔(۲)

(۵) اچھا تو یہ ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف کیا جائے، ہر محلّہ میں کسی مسجد میں اعتکاف کرلیا جائے، تب بھی کافی ہوگا۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۳۹۰/۳/۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۳۹۰/۳/۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۶۰-۱۶۲)

اعتکاف اور مسجد کے متعلق ضروری مسائل:

اعتکاف سے متعلق مندرجہ ذیل مسائل کا شرعی حکم کیا ہے، تحریر فرمائیں:

اخراجِ ریح معتکف مسجد میں کرے یا باہر جائے:

سوال (۱) اگر ریح کا غلبہ ہو تو اس کو خارج کرنے کے لیے معتکف مسجد سے باہر جائے یا احاطہ مسجد ہی میں کرے؟

---

(۱) (هو) ... (لبث) ... (ذكر) .... (في مسجد جماعة)، هو ما له إمام ومؤذن أديت فيه الخمس، أولا، وعن الإمام اشتراط أداء الخمس فيه. (الدر المختار، باب الاعتكاف: ۲/ ٤٤٠، سعيد)

معتکف صرف حاجتِ شرعیہ اور حاجتِ طبعیہ کے لیے نکل سکتا ہے، جب کہ جمعہ اس پر فرض نہیں تو جمعہ کے لیے نکلنا بغیر حاجت کے نکلنا ہے اور بغیر حاجت کے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

(۲) ويخرج لجمعة حين تزول الشمس، إن كا معتكفه قريباً من الجامع بحيث لو انتظر زوال الشمس، لا تفوته الخطبة والجمعة. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصوم، الباب السابع فى الاعتكاف: ۱/ ۲۱۲، رشيدية)

(۳) اس کے لیے صریح جزئیہ تو نہیں ملا، البتہ علامہ شامیؒ کی ایک تشبیہ سے بظاہر پتہ چلتا ہے کہ اعتکاف بھی تراویح کی طرح ہر مسجد میں ہونا چاہیے۔

قال العلامة ابن عابدين: (قوله: سنة على الكفاية) نظيرها اقامة التراويح بالجماعة، فإذا قام بها البعض، سقط الطلب عن الباقين، فلم يأثموا بالمواظبة على الترك بلا عذر. ولو كان سنة عين، لأثموا بترك السنة إثماً دون إثم ترك الواجب. (رد المحتار، باب الاعتكاف: ۲/ ٤٤٢، سعيد)

وقال أيضاً: (قوله: والجماعة فيها سنة على الكفاية) أفاد أن أصل التراويح سنة عين ... وهل المراد أنها سنة كفاية لأهل كل مسجد من البلدة، أو مسجد واحد منها، أو من المحلة؟ ظاهر كلام الشارح الأول، واستظهر الثاني، و يظهر لي الثالث، لقول المنية: حتىٰ لو ترك أهل المحلة كلهم الجماعة، فقد تركو السنة، وأساؤن. (رد المحتار على الدر المختار، مبحث صلاة التراويح: ۲/ ٤٥، سعيد)

ایک قدم مسجد کے اندر، دوسرا باہر ہو تو اعتکاف کا حکم:

(۲)　اگر ایک قدم ہے، مسجد کے اندر اور ایک دوسرا باہر تو اعتکاف ٹوٹے گا، یا نہیں؟

کتاب، یا قرآن پاک پڑھنے کے لیے معتکف کا مسجد کا تیل جلانا:

(۳)　معتکف مسجد کا تیل کتاب، یا کلام مجید پڑھنے کے لیے جلا سکتا ہے، یا نہیں؟

ایضا:

(۴)　معتکف مسجد میں دیا سلائی سے چراغ روشن کرے، یا چراغ جلانے کو باہر جائے؟

معتکف کا کھانا کھانے کے لیے گھر جانا:

(۵)　معتکف اپنا کھانا مکان پر جا کر کھا سکتا ہے، یا نہیں، جب کہ لانے والا موجود نہ ہو؟

گرم پانی لینے کے لیے معتکف کا باہر جانا:

(۶)　اگر گرم پانی دور ہے اور سرد پانی نزدیک تو گرم پانی لے جا ستا ہے، یا نہیں؟

گرمی، یا سردی کی وجہ سے وضو کے لیے معتکف کا خارجِ مسجد جانا:

(۷)　احاطۂ مسجد میں گرمی زیادہ ہے، یا سردی زیادہ ہے تو وضو کے لیے باہر سایہ میں جا سکتا ہے، یا نہیں؟

(۸)　مسجد کی چٹائی، یا دیواروں پر تیمّم کر سکتا ہے، یا نہیں؟

پانی لانے کے لیے معتکف کا خارجِ مسجد جانا:

(۹)　اگر پاس موجود ہو تو پھر بھی خود پانی لا سکتا ہے، یا نہیں؟

حالتِ اعتکاف میں حجامت بنانا:

(۱۰)　کیا حالتِ اعتکاف میں حجامت بنوا سکتا ہے، یا نہیں؟

ابتدائے اعتکاف کا وقت:

(۱۱)　۲۰/تاریخ کو اذان مغرب ہو جائے، تب بھی اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے، یا نہیں؟

(سعید احمد خان کھیڑوی)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) حدودِ مسجد سے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ (کذا فی الدر المختار: ۱/ ٦٨٧)(۱)

(۲) نہیں۔ "قوله: الخروج الخ المراد بالخروج انفاصل قدميه". (طحطاوی، ص: ٤٧٥)(۲)

(۳) اوقاتِ نماز میں جب تک چراغ جلنے کا عرف ہو، جلا سکتا ہے اور اس کے بعد تیل دینے والوں کی اجازت سے جلا سکتا ہے۔ (۳)

(۴) مسجد میں دیا سلائی جلانے کو فتاوی رشیدیہ: ۲/۱۱۳ میں حرام لکھا ہے، (۴) اگر بدبودار نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔ (فتاوی رشیدیہ، ص: ٦)(۵)

(۵) کھا سکتا ہے، کذا فی البحر: ۲/۳۰۳، شرط مذکور کے ساتھ۔ (٦)

(٦) اگر سرد پانی سے وضو کرنے میں زیادہ دقت ہوتی ہے اور حدوث مرض، یا ازدیادِ مرض کا اندیشہ ہے تو جا سکتا ہے۔ (۷)

(۷) زیادہ وقت کی حالت میں جا سکتا ہے جب کہ تحمل نہ ہو۔ (۸)

(۸) چٹائی پر اگر غبار ہو تو اس سے تیمّم درست ہے، (۹) دیوارِ مسجد سے بعض کتبِ فقہ میں مکروہ لکھا ہے۔ (۱۰)

---

(۱) وإذا فسا فی المسجد لم یر بعضهم به بأساً، وقال بعضهم: إذا احتاج إليه يخرج منه، وهو الأصح. (رد المحتار، كتاب الطهارة، مطلب: يعرفة أفضل من يوم الجمعة: ١/ ١٧٢، سعيد)

(۲) حاشية الطحطاوی علی الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ٤٧٥، دار المعرفة، بيروت

(۳) ولا بأس بأن يترك سراج المسجد فی المسجد إلى ثلث الليل، ولا يترك أكثر من ذلك، إلا إذا شرط الواقف ذلك، أو كان ذلك معتاداً فی ذلك الموضع. (الفتاویٰ الهندية، الفصل الثانی فيما يكره فی الصلاة، وما لا يكره: ١/ ١١٠، رشيدية)

(۴) فتاوی رشیدیہ، ص: ۲۱۰، باب: مسجد کے احکام کا بیان، سعید

(۵) مفتی رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "چراغ خارجِ مسجد روشن کر کے لے جاوے، یا موم کی دیا سلائی سے روشن کرے"۔ (فتاوی رشیدیہ، ص: ۲۱۸)

(٦) وفی الفتاوی الظهيرية: وقيل: يخرج بعد الغروب للأكل والشرب، وينبغی حمله علٰی ما إذا لم بجد من يأتی له به، فحينئذٍ يكون من الحوائج الضرورة كالبول والغالط. (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ٢/ ٥٣٠، رشيدية)

(۷-۸) فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلاً ولا نهاراً إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعة، فسد اعتكافه. (الفتاویٰ الهندية، الباب السابع فی الاعتكاف: ١/ ٢١٢، رشيدية)

(۹) فيجوز التيمم بالتراب وأرمل والسجنة المنعقدة من الأرض ... وبالحجر عليه غبار. (الفتاویٰ الهندية، الباب الرابع فی التيم: ١/ ٢٦-٢٧، رشيدية)

(۱۰) ويكره مسح الرجل من طين والردغه باسطوانة المسجد أوبجائطه. (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی الهندية، باب التيمم، فصل فی المسجد: ١/ ٦٥، رشيدية)

(۹) نہیں، (هٰكذا يفهم مما في البحر: ۲/۳۰۳) اگر دوسرے منگا سکتا ہے تو خود جانا جائز نہیں۔(۱)

(۱۰) بال بنوا سکتا ہے۔(۲) حجامت بنوانا، جس میں خون نکلتا ہے، منع ہے۔(۳)

(۱۱) غروب آفتاب سے کچھ پہلے اعتکاف کی جگہ میں آجانا چاہیے؛ کیوں کہ عین غروب کے وقت مہینہ ختم ہونے پر اعتکاف ختم ہوجائے گا، پس اگر کوئی ۲۰/تاریخ کو بعد غروب بنیتِ اعتکاف مسجد میں آیا تو جس قدر دیر کر کے آیا ہے، اتنا وقت ایک عشرہ میں سے کم ہوجائے گا اور ایک عشرہ کا اعتکاف مسنون ہے۔(۴) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲/رجب ۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۶۲-۲۶۶)

اعتکاف کے ۶۴/مسائل:

برائے کرم حسبِ ذیل مسائل میں شرعی حکم سے آگاہ کریں، تمام سوالات ماہِ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے اعتکاف کے بارے میں ہیں:

عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کا حکم:

سوال (۱) رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف فرض ہے، یا سنت؟

معتکف کون کون ہوسکتا ہے:

(۲) معتکف، نیچے لکھے آدمیوں میں سے کون کون ہوسکتا ہے؟

(۱) غلام، (۲) کوڑھی، (۳) اندھا، (۴) اجہل، (۵) مخنث (ہیجڑا)، (۶) سدا سہاگن، (۷) بے نمازی، (۸) بے روزہ دار، (۹) گونگا، بہرا، (۱۰) نیم پاگل، (۱۱) فقیر، (۱۲) مجذوب، (۱۳) مقروض، فاسق وفاجر، (۱۵) حاملہ جب کہ دن قریب ہوں۔

---

(۱) وأكله وشربه و نومه ومبنايعته فيه يعني يفعل المعتكف هٰذه الأشياء في المسجد،فإن خرج لأجلها بطلع اعتكافه؛ لأنه لا ضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه ... وقيل: يخرج بعد الغروب للأكل والشرب، وينبغي حمله علىٰ ما إذا لم يجد من يأيت له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورة كالبول والغائط. (البحر الرائق، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۰، رشيدية)

(۲) مفتی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں: اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے، حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل اگر وہ بدونِ عوض کام کرتا ہے تو مسجد کے اندر جائز ہے اور اگر بالعوض ہے تو معتکف مسجد کے اندر رہے؛ مگر حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنوائے، مسجد کے اندر اجرت سے کام کرنا جائز نہیں''۔ (احسن الفتاوی: ۴/۵۰۶، باب الاعتکاف، سعید)

(۳) فلايجوز الاستصباح بدهن نجسن فيه ولا البول الفصد. (الدر المختار) وأما الفصد فيه في إناء، فلم أره، وينبغي أن لا فرق اھ: أي لا فرق بينه وبين البول. (ردالمختار، باب ما يفسد الصلاة: ۱/۶۵۶، سعيد)

(۴) وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان: أي سنة كفاية. (الدر المختار، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۲، سعيد)

معتکف کا گھر میں بیٹھنے کا حکم:

(۳) معتکف کا مسجد میں بیٹھنا ضروری ہے، یا مسجد ہوتے ہوئے گھر میں بھی بیٹھ سکتا ہے؟

عورت کے اعتکاف سے مردوں سے سقوطِ اعتکاف:

(۴) کوئی صاحب مسجد میں معتکف نہ ہوئے ایک عورت گھر پر معتکف ہوگئی۔کیا حکم ہے؟

مسجد میں عورتوں کے لیے مخصوص کی گئی جگہ میں عورت کا اعتکاف:

(۵) مسجد میں عورتوں کی نماز پڑھنے کی جگہ ایک مقرر ہے، اس حصہ میں ایک عورت معتکف ہوسکتی ہے، یا نہیں؟ اور اس کے اعتکاف سے بستی کا بوجھ اتر جائے گا، یا نہیں؟

کیا اعتکاف کے لیے مسجد، اذان اور جماعت شرط ہیں:

(۶) اعتکاف کے لیے مسجد، اذان، نماز جماعت شرط ہے، یا جس مقام میں نہ ہو، یا چند مسلمان نمازی روزہ دار ہوں، یا گاؤں میں چند مکان مسلمانوں کے ہوں، نہ نماز پڑھتے ہوں، نہ روزہ رکھتے ہوں، وہاں بھی اعتکاف ضروری ہے، یا نہیں؟

۲۴ ر رمضان کو معتکف کا انتقال ہوجائے:

(۷) معتکف کا ۲۴ ر رمضان المبارک کو انتقال ہوگیا، کیا حکم ہے؟

دو آدمیوں کے پانچ پانچ دن اعتکاف سے ادائے سنت:

(۸) بغرض مجبوری دو صاحب پانچ پانچ یوم معتکف ہوئے، کیا حکم ہے؟

معتکف کی چہل قدمی کے لیے احاطۂ مسجد میں حدود:

(۹) مسجد کا احاطہ کافی لمبا چوڑا ہے، معتکف کہاں تک چل پھر سکتا ہے؟

قضائے حاجت کے لیے نکلتے وقت معتکف کی بات چیت:

(۱۰) پاخانہ آتے جاتے معتکف لوگوں سے بات چیت کرسکتا ہے، یا نہیں، اگر کرسکتا ہے تو کتنی دیر تک اور کس قسم کی بات چیت کرسکتا ہے؟

معتکف کا احاطۂ مسجد میں پھلو، سبزیوں کی دیکھ بھال کرنا:

(۱۱) مسجد کے احاطہ میں پھل، پھول، سبزی لگی ہے، معتکف اس کی دیکھ بھال کرسکتا ہے، یا نہیں؟

مسجد سے ملحق باغ کی نگرانی کرنا:

(۱۲) مسجد سے ملحق باغ ہے، معتکف مسجد میں بیٹھے بیٹھے چلتے پھرتے باغ کی نگرانی کرسکتا ہے؟ پرندوں کو بھگانے کے لیے ڈوری کھینچ چلاسکتا ہے، یانہیں؟

مسجد کی تعمیر میں معتکف کا کام کرنا:

(۱۳) تعمیرِ مسجد کا کام مسجد میں جاری ہے، معتکف مزدوری سے یافی سبیل اللہ کام کرسکتا ہے، یانہیں؟

حالتِ اعتکاف میں ماہواری، یاشوہر کی ہمبستری کا حکم:

(۱۴) عورت گھر پر معتکف تھی، ماہواری خون جاری ہوگیا، یاشوہر نے جبراً صحبت کرلی، پھر معتکف ہوگئی، کیاحکم ہے؟

قضائے حاجت کے لیے گھر جاکر ہمبستری سے اعتکاف کا حکم:

(۱۵) معتکف گھر پاخانہ کرنے گیا، پاخانہ میں اس کی عورت تھی اس کو دیکھ کر دماغی توازن کھو بیٹھا اور صحبت کرلی، بعد فراغت غسل کرکے معتکف ہوگیا۔ کیاحکم ہے؟ جب کہ دوسرا کوئی معتکف نہیں ہے۔

حالتِ اعتکاف میں بیوی کا بوسہ لینا:

(۱۶) معتکف کی بیوی کھانا دینے مسجد میں آئی، معتکف نے بوسہ لے لیا۔ کیاحکم ہے؟

حالتِ اعتکاف میں پاگل ہوجانے اور مسجد سے بمجبوری نکلنے کا حکم:

(۱۷) معتکف ۲۴؍رمضان کو پاگل ہوگیا، کیاحکم ہے؟ معتکف پاخانہ، پیشاب کے علاوہ بہ حالتِ مجبوری کن کن حالات میں مسجد سے نکل سکتا ہے؟

حالتِ اعتکاف میں نمازِ جنازہ میں شرکت:

(۱۸) معتکف کے قریبی عزیز کا انتقال ہوگیا، جنازہ میں شرکت کرسکتا ہے، یانہیں؟ یا نماز جنازہ مسجد کے باہر ہورہی ہے، شرکت کرسکتا ہے، یانہیں؟

معتکف کا بیوی، یابچے کی تجہیز وتکفین کا انتظام کرنا:

(۱۹) معتکف کی بیوی، یابچے کا انتقال ہوگیا، تجہیز وتکفین کا انتظام کرتا ہے، کیاحکم؟

معتکف کا شادی میں شرکت کرنا:

(۲۰) معتکف کی، یاکسی عزیز کی، یالڑکی کی شادی ہے، شرکت کرسکتا ہے، جاسکتا ہے، یانہیں؟

معتکف کا پانی لینے تالاب، ندی یا کنویں پر جانا:

(۲۱) مسجد میں پانی نہیں، معتکف وضو کرنے، یا پانی لینے تالاب، ندی، یا کنویں پر جا سکتا ہے، یا نہیں؟

پانی ہو تو غسلِ جنابت میں تیمّم کرے، یا باہر جا کر غسل کرے:

(۲۲) معتکف کو غسل کی حاجت ہوگئی مسجد میں پانی نہیں ہے، کیا حکم ہے، تیمّم کرے یا باہر جا کر غسل کرے؟

معتکف کا سحری، یا افطاری لینے گھر جانا:

(۲۳) ۲۸ر رمضان کو معتکف کی مقدمہ کی پیشی آ گئی، کیا حکم ہے؟ کسی دوسرے کو بٹھا کر جا سکتا ہے، یا نہیں؟

معتکف کا علاج کے لیے باہر جانا:

(۲۵) معتکف سخت بیمار ہو گیا علاج کو باہر جاتا ہے، کیا حکم ہے؟

حافظ معتکف کا تراویح پڑھانے کے لیے دوسری مسجد جانا:

(۲۶) حافظ صاحب معتکف ہو گئے، تراویح پڑھانے دوسری مسجد میں جا سکتے ہیں، یا نہیں؟

وعظ کے لیے معتکف کا کسی مجلس میں جانا:

(۲۷) عالم صاحب معتکف ہو گئے، وعظ کہنے دوسری مسجد، یا دینی مجلس میں، یا شارع عام پر جا سکتے ہیں، یا نہیں؟

معتکف کا میٹنگ میں جانا:

(۲۸) معتکف سیاسی آدمی ہیں، ایک میٹنگ ہے، کلام کرنا ہے اور ضروری ہے، کیا حکم ہے؟

معتکف کا ووٹ ڈالنے کے لیے جانا:

(۲۹) کیا معتکف رائے شماری میں ووٹ دینے جا سکتا ہے، یا نہیں؟

معتکف کا اپنے پیر سے مصافحہ کے لیے جانا:

(۳۰) معتکف کے پیر صاحب پاس والے گاؤں ریل، یا موٹر سے گزر رہے ہیں، معتکف کا سلام ومصافحہ کو جا سکتا ہے، یا نہیں؟

معتکف کا اپنے پیر کی ملاقات کے لیے جانا:

(۳۱) معتکف اپنے مقامی پیر صاحب سے ملاقات کو روزانہ، ہفتہ میں، یا عشرہ میں جا سکتا ہے؟

معتکف کا اپنی بیوی کو علاج کے لیے جانا:

(۳۲) معتکف کی بیوی کی طبیعت خراب ہوگئی، علاج کو لے جاتا ہے، کیا حکم ہے؟

معتکف کی حکومت کی طرف سے طلبی ہونے پر کیا کرے:

(۳۳) معتکف کو حاکم، یا افسر نے طلب کیا، کیا حکم ہے؟

صلح کرانے کے لیے معتکف کہاں تک جاسکتا ہے:

(۳۴) لڑائی جھگڑے میں صلح وصفائی کو جاسکتا ہے، یا نہیں؟ اگر جاسکتا ہے تو کتنی دور اور کتنی دیر کو جاسکتا ہے؟

معتکف کا دم کرانے کے لیے دوسرے گاؤں جانا:

(۳۵) معتکف سانپ کے کاٹے کو جھاڑنے کا عمل جانتا ہے، پاس والے گاؤں میں کسی کے سانپ نے کاٹ لیا، لوگ بلانے آئے، جاسکتا ہے، یا نہیں؟

معتکف کا روزانہ دوا لینے شفاخانہ جانا:

(۳۶) معتکف روزانہ صبح اپنی بیوی کی دوا لینے شفاخانہ جاسکتا ہے، یا نہیں؟

معتکف کا مسجد کے پڑوس میں لگی ہوئی آگ بجھانے جانا:

(۳۷) مسجد کے پڑوس میں آگ لگ گئی، معتکف آگ بجھانے جاسکتا ہے، یا نہیں؟

مسجد میں لگی آگ بجھانے کے لیے معتکف کا کنویں پر پانی لینے جانا:

(۳۸) مسجد میں آگ لگ گئی معتکف پانی ڈھونے آگ بجھانے کو کنویں پر جاسکتا ہے، یا نہیں؟

مسجد شہید ہونے پر معتکف بقیہ دن کہاں گزارے:

(۳۹) مسجد کی حادثہ میں شہید ہوگئی، معتکف باقی دن دوسری مسجد یا مسجد نہ ہو تو گھر پورے کرسکتا ہے؟

گم شدہ چیز کو تلاش کرنے مسجد سے واپس نکلنا:

(۴۰) معتکف پاخانہ کرنے گیا، راستہ میں نقدی، یا ضروری کاغذات گر گئے، تلاش کرنے جاسکتا ہے؟

معتکف کا جوتے اٹھانے مسجد سے باہر جانا:

(۴۰) معتکف پاخانہ کرنے گیا، راستہ میں نقدی، یا ضروری کاغذات گر گئے، تلاش کرنے جاسکتا ہے؟

معتکف کا جوتے اٹھانے مسجد سے باہر جانا:

(۴۱) معتکف نے جوتے مسجد سے باہر اتار دیئے، چوری کیے جانے کا ڈر ہے، اب اٹھانے باہر جاسکتا ہے؟

معتکف کا ہوٹل، یا گھر چائے پینے جانا:

(۴۲) معتکف چائے کا شدت سے عادی ہے، ایک دن گھر سے نہیں آئی، ہوٹل، یا گھر چائے پینے جاسکتا ہے؟

معتکف کا وعظ سننے کسی مجلس میں جانا:

(۴۳) معتکف علمائے کرام کا وعظ سننے دوسری مسجد، یا دینی مجلس، یا شارع عام پر جاسکتا ہے؟

معتکف کا سبق سنانے مدرسہ جانا:

(۴۵) معتکف کے گھر چوری ہوگئی، رپورٹ لکھانے جاسکتا ہے؟

بیڑی پینے کے لیے بار بار نکلنے کا حکم:

(۴۶) معتکف کثرت سے بیڑی پیتا ہے بار بار جانا پڑتا ہے، کیا حکم ہے؟

معتکف کا کپڑے اٹھانے باہر نکلنا:

(۴۷) معتکف نے کپڑے سوکھنے ڈالے، ہوا میں اڑ گئے، اٹھانے جاسکتا ہے، یا نہیں؟

معتکف کا روزہ نہ رکھنا اور نماز نہ پڑھنا:

(۴۸) معتکف نہ تو روزہ رکھتا ہے نہ نماز پڑھتا ہے، کیا حکم ہے؟

کاروبار کے سلسلہ میں معتکف کا بات چیت کرنا:

(۴۹) معتکف دن بھر اپنے کاروبار کے سلسلہ میں لوگوں سے مسجد میں بات چیت کرتا ہے، ویسے نماز روزہ کا پابند ہے۔ کیا حکم ہے؟

معتکف کا کاروبار سے باخبر رہنے کے لیے مسجد میں فون لگانا:

(۵۰) معتکف نے مسجد میں فون لگوالیا ہے، دن بھر اپنے کاروبار، بیوی بچوں سے باخبر رہتا ہے۔ کیا حکم ہے؟

قضائے حاجت کے لیے جاتے وقت بالٹی بھر کر گھر لے جانا:

(۵۱) معتکف گھر پاخانہ جاتے ہوئے دو بالٹی پانی گھر لے جاتا ہے، واپسی پر دو بالٹی مسجد میں لیتا آتا ہے؟

قضائے حاجت کے لیے جاتے وقت معتکف کا دوکان کا تالا کھولنا:

(۵۲) معتکف صبح پاخانہ کرنے جاتا ہے تو راستہ میں اپنی دوکان کا تالہ کھول دیتا ہے اور پاخانہ کرکے مسجد آجاتا ہے، نوکر دن بھر کاروبار چلاتے ہیں، شام کو جب پاخانہ کرنے جاتا ہے تو نقدی سنبھال کر ڈال دیتا ہے اور پاخانہ کرکے مسجد آجاتا ہے؟

معتکف کا پڑھانے کے لیے مدرسہ جانا:

(۵۳) مولانا صاحب معتکف ہیں؛ لیکن بچوں کو عربی سبق دینے روزہ مدرسہ ایک گھنٹہ کو جاتے ہیں۔

معتکف کا مسجد میں بیٹھ کر مریضوں کو نسخے لکھوانا:

(۵۴) حکیم صاحب معتکف ہیں؛ لیکن مسجد میں روزانہ صبح ایک گھنٹہ کے قریب مریضوں کو دیکھ کر نسخہ لکھتے ہیں؟

ٹیوشن پڑھانے کے لیے معتکف کا نکلنا:

(۵۵) ماسٹر صاحب معتکف ہیں، دو بچوں کو ٹیوشن پڑھانے ایک گھنٹہ کو جاتے ہیں؟

معتکف کا مسجد میں بچوں کو انگریزی پڑھانا:

(۵۶) ماسٹر صاحب معتکف ہیں، مسجد میں چند بچوں کو ہندی، یا انگریزی پڑھاتے ہیں؟

معتکف کا قضائے حاجت کے لیے جاتے وقت بیلوں کی دیکھ بھال کرنا:

(۵۷) معتکف صبح پاخانہ کرکے گھر سے واپس آیا تو بیلوں کو کھولتا لے آیا اور کھلیان میں رات میں بند کرکے مسجد آگیا، شام کو پاخانہ جاتے وقت کھلیان سے لے گیا اور گھر باندھ کرکے پاخانہ کرکے مسجد آگیا، کیا حکم ہے؟

مسجد کے بیت الخلا کے باوجود قضائے حاجت کے لیے گھر جانا:

(۵۸) مسجد میں پاخانہ ہے، معتکف کا کہنا ہے کہ مجھے اپنے گھر کے پاخانہ کے علاوہ کہیں پاخانہ نہیں اترتا، کیا معتکف اپنے گھر پاخانہ کرنے جاسکتا ہے؟

قضائے حاجت سے واپسی پر ہر مرتبہ دعا پڑھے، یا ایک مرتبہ کافی ہے:

(۵۹) معتکف پاخانہ پیشاب کو جب جب مسجد سے باہر نکلے، واپسی پر ہر مرتبہ اعتکاف کی دعا پڑھے، یا پہلے دن داخل ہوتے وقت کی دعا آخر تک کافی ہے؟

بھول کر معتکف کے نکلنے کا حکم:

(۶۰)　معتکف بھول سے مسجد سے باہر چلا گیا، کیا حکم ہے؟

معتکف کا نمازِ جمعہ کے لیے نکلنا:

(۶۱)　معتکف اپنے محلّہ کی مسجد میں بیٹھ گیا، نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے جامع مسجد جا سکتا ہے، یا نہیں؟

ایضا:

(۶۲)　معتکف اپنے گاؤں کی مسجد میں بیٹھ گیا، وہاں جمعہ نہیں ہوتا؛ بلکہ جمعہ پاس والے دوسرے گاؤں میں ہوتا ہے، نماز جمعہ ادا کرنے جا سکتا ہے، یا نہیں؟

پولیس کا معتکف کو جبراً لے جانے سے اعتکاف کا حکم:

(۶۳)　معتکف کو پولیس، یا کوئی آدمی کسی چکر میں جبرا پکڑ لے گیا، بعد دو گھنٹہ کے چھوڑ دیا، کیا حکم ہے؟

جان کے خوف سے مسجد کو چھوڑ کر فرار اختیار کرنے سے اعتکاف کا حکم:

(۶۴)　مسجد کے قریب میں جھگڑا ہو گیا، معتکف کو جان کا خوف ہے، مسجد چھوڑ کر بھاگ سکتا ہے، یا نہیں؟ اور دوسرے دن امن ہو گیا تو معتکف اب معتکف رہا، یا اعتکاف ٹوٹ گیا؟ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱)　سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ (۱)

(۲)　بدن سے اگر رطوبت نکلتی، یا بدبو آتی ہے، یا لوگ اس سے کراہت کرتے ہیں تو اس کو مسجد میں نہیں آنا چاہیے، نہ وہ مسجد میں اعتکاف کرے۔(۲) (۵) اپنی حالت بدل کر توبہ کرے تو اعتکاف بھی مسجد میں کرے۔ (۶) کا بھی یہی حکم ہے۔(۳) (۷) جب مسجد میں اعتکاف کرے گا تو نماز بھی پڑھے گا۔ (۸) جب مسجد میں عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف

(۱)　وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان: أي سنة كفاية، كما في البرهان. (الدر المختار، باب الاعتكاف: ۲/ ٤٤٢، سعيد)

(۲)　قال العلامة الحصكفي: ويحرم فيه السواء ... ورفع صوت بذكر وأكل ونوم ... وأكل نحو ثوم، ويمنع منه. قال الشامي: وكذلك ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر أو به جرح له رائحة، وكذلك القصاب والسماك والمجذوم، والأبرص أولىٰ بالالحاق. (ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب الغرس في المسجد: ۱/٦٥٩ـ ٦٦١، سعيد)

فيهم منه حكم النبات الذى شاع فى زماننا المسمى بالتتن فتنبه، وقد كرهه شيخنا العمادى فى هديته إلحاقاً له بالثوم والبصل بالأولىٰ. (الدر المختار، كتاب الأشربة: ٦/ ٤٦٠، سعيد)

(۳)　هل يصح (الاعتكاف) من الخنثى فى بيته؟ لم أره، والظاهر لا، لاحتمال ذكوريته؛ لأنه علىٰ تقدير أنوثته يصح فى المسجد مع الكراهة، وعلىٰ تقدير ذكورته لايصح فى البيت بوجه. (الدرالمختار مع رد المحتار، باب الاعتكاف: ۲/ ٤٤١، سعيد)

کرے گا تو روزہ بھی رکھے گا۔(۱) (۱۰) اگر مسجد کا احترام نہ کرے تو مسجد میں نہ آئے، نہ وہاں اعتکاف کرے۔(۲) (۱۲) کا بھی یہی حکم ہے۔(۱۴) مسجد میں فسق وفجور نہ کرے تو اعتکاف بھی کرلے۔(۱۵) گھر میں اعتکاف کرسکتی ہے، باقی لوگوں کے اعتکاف میں کیا اشکال ہے۔(۳)

(۳) مرد کا اعتکاف گھر میں نہیں ہوتا وہ مسجد ہی میں ہوتا ہے۔(۴)

(۴) عورت کا اعتکاف صحیح ہوجائے گا؛ لیکن مردوں کے ذمہ سے سنت ادا نہیں ہوگی۔(۵)

(۵) عورت مسجد میں اعتکاف نہ کرے؛ بلکہ گھر میں کرے؛ لیکن اس کے ساتھ سے مردوں کے ذمہ سے سنت ادا نہ ہوگی۔(۶)

(۶) اعتکاف ایسی مسجد میں کیا جائے، جہاں اذان اور پنج گانہ جماعت کا اہتمام ہو، ویران جنگل کی مسجد، یا عیدگاہ میں نہیں، جہاں بھی مسلمان ہوں، ان کو اذان وجماعت کا اہتمام لازم ہے، جہاں مسجد نہ ہو، وہاں اعتکاف مسنون نہیں۔(۷)

(۷) اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، اس کی نیت پورے عشرہ کے اعتکاف کی تھی، اس کو اجر ملے گا۔(۸)

---

(۱) ومقتضى ذلک،أن الصوم شرط أيضاً فى الاعتكاف المسنون؛ لأنه مقدر بالعشر الأخير.(رد المحتار،باب الاعتكاف: ۴۴۲/۲،سعيد)

(۲) أخرجه المنذرى مرفوعاً:جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم،وبيعكم وشراء كم،ورفع أصواتكم، وسل سيوفكم، واقامة حدودكم،آه.(ردالمحتار،باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها،مطلب فى أحكام المساجد: ۶۵۶/۱،سعيد)

قال الفقيه:إنما يصير للعبد منزل عند اللّٰه تعالىٰ إذا عظم أوأمره،وعظم بيوته وعباده،والمساجد بيوت اللّٰه، فينبغى للمؤمن أن يعظمها،فإن فى تعظيم المساجد تعظيم اللّٰه تعالىٰ.(تنبيه الغافلين،باب حرمة المساجد، ص:۱۶۷،حقانية)

(۳) والمرأة تعتكف فى مسجد بيتها.(الفتاوىٰ الهندية،الباب السابع فى الاعتكاف: ۲۱۱/۱،رشيدية)

(۴) الاعتكاف ... وهواللبث فى المسجد مع الصوم بنية الاعتكاف ... والأفضل اعتكاف الرجل فى الجامع. (الفتاوىٰ التاتارخانية،فصل فى الاعتكاف: ۴۱۰/۲-۴۱۱،إرادة القرآن كراتشى)

(۵) ولوخرجت واعتكفت فى مسجد الجماعة، جازاعتكافها ... وعن أبى حنيفة: إن شاء ت اعتكفت فى مسجد بيتها،وإن شائت فى مسجد جماعة،إلا أن مسجد بيتها أفضل من مسجد حيها.(الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴۱۱/۲، الفصل الثانى عشرفى الاعتكاف،إدارة القرآن كراتشى)

(۶) هو (أى الاعتكاف) لُبث ذكر،الخ.(الدرالمختار)(قوله:ذكر) قيد به،وإن تحقق اعتكاف المرأة فى المسجد ميلاً إلىٰ تعريف الاعتكاف المطلوب؛لأن اعتكاف المرأة فيه مكروه كما يأتى،بل ظاهرما فى غاية البيان أن ظاهرالرواية عدم صحتة،الخ.(رد المحتار،باب الاعتكاف: ۴۴۰/۲،سعيد)

(۷) وأما شروطه ... ومنها مسجد الجماعة، فيصح فى كل مسجد له أذان واقامة،هوالصحيح.(الفتاوى الهندية،الباب السابع فى الاعتكاف: ۲۱۱/۱،رشيدية)

(۸) عن ابن عباس رضى اللّٰه عنهما أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال فيما يروى عنه ربه تبارك وتعالىٰ: ”إن ربكم عزوجل رحيم، من هم بحسنة فلم يعملها، كتبت له حسنة،فإن عملها كتبت له عشرإلىٰ سبع مأة أضعاف كثيرة ومن هم بسيئة فلم يعملها كتبت له حسنة،فإن عملها كتبت له واحدة أويمحو ها اللّٰه عزوجل،ولا يهلک على اللّٰه إلا هالک.(تفسير ابن كثير،جمعية إحياء التراث: ۲۶۳/۲،ومكتبة دارالفيحاء دمشق)

(۸) اس طرح سنت ادانہیں ہوئی۔(۱)

(۹) جوحصہ نماز کے لیے متعین ہے، وہاں تک اجازت ہے، بلاوجہ وہاں بھی تفریح کرتا نہ پھرے۔(۲)

(۱۰) جب ضرورت ہو بات کرسکتا ہے، بات کرنے کے لیے نہ نکلے، نہ ٹھہرے، ایسی بات بھی نہ کرے، جو مقصدِ اعتکاف کے خلاف ہو۔(۳)

(۱۱) جوحصہ نماز کے لیے ہے، وہ مسجد ہے، وہاں سے پانی وغیرہ دے دے تو مضائقہ نہیں، باہر نہ نکلے۔(۴)

(۱۲) مسجد میں چلانا منع ہے،(۵) بغیر چلائے نگرانی کرسکتا ہے۔(۶)

(۱۳) اگر مسجد سے باہر نہ جانا پڑے تو کرسکتا ہے۔(۷)

(۱۴) پہلا اعتکاف ختم ہوگیا۔(۸) دوسرا شروع ہوا، اگر عشرۂ اخیرہ میں ایسا ہوا تو سنت ادا نہ ہوئی۔(۹)

(۱۵) یہ بھی نمبر:۱۴ر کی طرح ہے۔

---

(۱) وینقسم (أی الاعتکاف) إلٰی واجب ... وإلٰی سنة مؤکدة،وهو فی العشر الأخیر من رمضان.(الفتاوٰی الهندیة،الباب السابع فی الاعتکاف: ۲۱۱/۱،رشیدیة)

(۲) (ولایخرج منه) من معتکفه،فیشمل المرأة المعتکفة،إلا لحاجة شرعیة کالجمعة والعیدین ... أوحاجة طبعیة کالبول والغائط". (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح،باب الاعتکاف،ص:۷۰۲،قدیمی)

(۳) وأما التکلم بغیر خیر،فلا یجوز لغیر المعتکف،والکلام المباح مکروه ... والظاهر أن المباح عند الحاجة إلیه خیر لاعند عدمها.(حاشیة الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح،باب الاعتکاف،ص:۷۰۴_۷۰۵،قدیمی)

(۴) وأکل المعتکف وشربه ونومه وعقده البیع لما یحتاجه لنفسه أوعیاله،لا تکون إلا فی المسجد لضرورة الاعتکاف،حتٰی لو خرج لهٰذه الأشیاء،یفسد اعتکافه.(مراقی الفلاح،باب الاعتکاف،ص:۷۰۳_۷۰۴،قدیمی)

(۵) أخرجه المنذری مرفوعاً: "جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم،وبیعکم وشراءکم،ورفع أصواتکم، وسل سیوفکم، واقامة حدودکم ... آه.(رد المحتار،باب ما یفسد الصلاة ومایکره فیها مطلب فی أحکام المساجد: ۶۵۶/۱،سعید)

قال الفقیه:إنما یصیر للعبد منزل عند اللّٰه تعالٰی إذا عظم أوأمره،وعظم بیوته وعباده،والمساجد بیوت اللّٰه، فینبغی للمؤمن أن یعظمها،فإن فی تعظیم المساجد تعظیم اللّٰه تعالٰی.(تنبیه الغافلین،باب حرمة المساجد،ص:۱۶۷،حقانیة)

(۶) والمرأة تعتکف فی مسجد بیتها.(الفتاوٰی الهندیة،الباب السابع فی الاعتکاف: ۲۱۱/۱،رشیدیة)

(۷) وأکل المعتکف وشربه ونومه وعقده البیع لما یحتاجه لنفسه أوعیاله،لا تکون إلا فی المسجد لضرورة الاعتکاف،حتٰی لوخرج لهٰذه الأشیاء،یفسد اعتکافه.(مراقی الفلاح،باب الاعتکاف،ص: ۷۰۳_۷۰۴،قدیمی)

(۸) یحتمل أن تکون الزوجة معتکفة فی مسجد بیتها،فیأتیها فیه زوجها،فیبطل اعتکافها.(البحر الرائق،باب الاعتکاف: ۵۳۲/۲،رشیدیة)

(۹) وینقسم (أی الاعتکاف) إلٰی واجب ...وإلٰی سنة مؤکدة،وهو فی العشر الأخیر من رمضان.(الفتاوٰی الهندیة،الباب السابع فی الاعتکاف: ۲۱۱/۱،رشیدیة)

(۱۶) ایسا کرنا ممنوع ہے، مگر صرف اتنی بات سے اعتکاف ختم نہیں ہوا۔(۱)

(۱۷) وہ مکلّف نہیں رہا، اللہ تعالیٰ اس کو صحت دے۔(۲)

(۱۸) شرکتِ جنازہ کے لیے مسجد سے نکلنے سے اعتکاف ختم جائے۔

(۱۹) اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اعتکاف باقی نہ رہے گا، اگرچہ ضرور کی بنا پر ایسا کرنا اس کے ذمہ لازم ہو اور اس سے گنہگار نہ ہو۔(۳)

(۲۰) نہیں۔(۴)

(۲۱) جاسکتا ہے۔(۵)

(۲۲) تیمّم کرکے باہر نکلے اور غسل کرے۔(۶)

(۲۳) اگر کوئی لانے والا نہ ہو، تو جاسکتا ہے۔(۷)

(۲۴) اگر جائے گا تو اعتکاف باقی نہ رہے گا اور دوسرے شخص کے بٹھانے سے اس کے اعتکاف میں پیوند نہیں لگے گا۔(۸)

---

(۱) وحرم الوط ودواعيه ... فالتحق به المس والقبلة.(مراقی الفلاح،باب الاعتكاف،ص:۷۰۵،قديمی)

(۲) وأما شروطه ... ومنها الإسلام والعقل والطهارة عن الجنابة والحيض.(الفتاوٰی الهندية،كتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتكاف:۲۱۱/۱،رشيدية)

(۳) وعن هٰذا فسد إذا عاد مريضاً أوشهد جنازه تعينت،إلا أنه لأنه ياثم،بل يجب عليه الخروج.(النهر الفائق، باب الاعتكاف:۴۷/۲،إمدادية،ملتان)

(۴) (ولا يخرج منه) من معتكفه،فيشمل المرأة المعتكفة،إلا لحاجة شرعية كا الجمعة والعيدين ... أو حاجة طبعية كا البول والغائط.(مراقی الفلاح شرح نورالايضاح،باب الاعتكاف،ص: ۷۰۲،قديمی)

(۵) فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلاً ولانهارإلا بعذر،وإن خرج من غيرعذرساعة،فسد اعتكافه.(الفتاوٰی الهندية،كتاب الصوم،الباب السابع فی الاعتكاف:۲۱۲/۱،رشيدية)

(۶) ولواحتلم المعكتف،لايفسد اعتكافه؛لأنه لاصنع له فيه،فلم يكن جماعاً ولا فی معنى الجماع،ثم إن أمكنه الاغتسال فی المسجد من غيرأن يتلوث المسجد،فلا بأس به،وإلا فيخرج، فيغتسل،ويعود الی المسجد.(بدائع الصنائع، فصل فی ركن الاعتكاف: ۳۲/۳،دارالكتب العلمية بيروت)

(۷) وأكله وشربه ونومه ومبايعته فيه،يعنی يفعل المعتكف هٰذه الأشياء فی المسجد،فإن خرج لأجلها بطل اعتكافه؛ لأنه لا ضروه إلی الخروج حيث جازت فيه ... وقيل:يخرج بعد الغروب للأكل والشرب،وينبغی حمله علٰی ما إذا لم يجد من يأتی له به،فحينئذٍ يكون من الحوائج الضرورة كالبول و الغائط.(البحرالرائق،باب الاعتكاف:۵۳۰/۲،رشيدية)

(۸) وأما مفسداته:فمنها الخروج من المسجد،فلا يخرج جالمعتكف من معتكفه ليلاً ونها إلا بعذر،وإن خرج من غيرعذرساعة،فسد اعتكاف.(الفتاوٰی الهندية،كتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتكاف: ۲۱۲/۱،رشيدية)

(۲۵) باہر جانے سے اعتکاف ختم ہو جائے گا۔(۱)

(۲۶) ان کا بھی اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

(۲۷) ان کا بھی یہی حال ہے۔

(۲۸) اس کا اعتکاف بھی ختم ہو جائے گا۔

(۲۹) مثل جواب نمبر: ۲۸۔

(۳۰) ایضاً

(۳۱) ایضاً

(۳۲) ایضاً

(۳۳) ایضاً

(۳۴) ایضاً

(۳۵) ایضاً

(۳۶) ایضاً

(۳۷) ایضاً

(۳۸) ایضاً

(۳۹) دوسری مسجد میں اعتکاف پورا کرے۔(۲)

(۴۰) اس کی بھی گنجائش ہے۔

(۴۱) صحن کے متصل ہی تو ہوں گے، اٹھالے۔

(۴۲) گنجائش ہے اگر کوئی اور انتظام نہ ہو، بہتر یہ ہے کہ وہاں سے لاکر مسجد میں پیئے۔(۳)

(۴۳) مثل جواب نمبر: ۲۸۔

(۴۴) ایضاً

(۴۵) ایضاً

(۴۶) گنجائش ہے، اگر بغیر اس کے گزارہ نہیں۔(۴)

---

(۱) وأما مفسداته: فمنها الخروج من المسجد، فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلا ونهاراً إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعة، فسد اعتكاف. (الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب السابع فى الاعتكاف: ۲۱۲/۱، رشيدية)

(۲) فإن خرج من المسجد بعذر بأن انهدم المسجد، أو أخرج مكرهاً، فدخل مسجداً آخر من ساعة، لم يفسد اعتكافه استحساناً. (الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب السابع فى الاعتكاف: ۲۱۲/۱، رشيدية)

(۳) وأكله وشربه ونومه و مبايعته فيه، يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء فى المسجد، فإن خرج لأجلها بطل اعتكافه؛ لأنه لا ضروه إلى الخروج حيث جازت فيه ... وقيل: يخرج بعد الغروب للأكل والشرب، وينبغي حمله علىٰ ما إذا لم يجد من يأتي له به، فحينئذٍ يكون من الحوائج الضرورة كالبول والغائط. (البحر الرائق، باب الاعتكاف: ۵۳۰/۲، رشيدية)

(۴) صرف بیڑی سگریٹ کے لیے نکلنا درست نہیں ہے، جیسا کہ فتاوی حقانیہ: ۲۰۴/۴، فتاوی دار العلوم دیوبند: ۵۰۵/۶، میں ہے، ==

(۴۷) مثل نمبر:۲۸۔

(۴۸) معتکف ترکِ فرض کی وجہ سے سخت گناہگار ہے۔(۱)

(۴۹) اعتکاف تو ہوجائے گا؛ مگر اس کے اصلی منافع مرتب نہ ہوں گے۔(۲)

(۵۰) حسب ضرورت، یا خبر رہنے سے مضائقہ نہیں۔(۳)

(۵۱) درست ہے؛ مگر مسجد کی بالٹی کو اس طرح گھر کے لیے لیے استعمال نہ کرے۔(۴)

(۵۲) گنجائش ہے، اگر کوئی اور انتظام نہیں۔(۵)

(۵۳) مثل جواب نمبر:۲۸۔

(۵۴) ایضاً

(۵۵) ایضاً

(۵۶) اعتکاف تو فاسد نہیں ہوتا مگر منافعِ اعتکاف بھی پورے حاصل نہیں ہوتے۔(۶)

(۵۷) گنجائش ہے اگر کوئی اور انتظام نہیں۔(۷)

(۵۸) جا سکتا ہے۔(۸)

== البتہ کسی ضرورت سے نکلے راستے میں بیڑی وغیرہ کا استعمال کرے کما تقدم تخریجہ تحت عنوان: ''معتکف کو بیڑی سگریٹ پینا''۔

(۱) عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ و عنہ قال:قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:بین العبد وبین الکفر ترک الصلاۃ.(مشکوٰۃ المصابیح،کتاب الصلاۃ،ا لفصل الأول: ۵۸/۱،قدیمی)

عن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال:قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم:من أفطر یوماً من رمضان من غیر رخصۃ ولامرض،لم یقض عنہ صوم الدھر کلہ وإن صامہ.(مشکوٰۃ المصابیح،کتاب الصوم: ۱۷۷/۱،قدیمی)

(۲) وأکل المعتکف وشربہ ونومہ وعقدہ البیع لما یحتاجہ لنفسہ أوعیالہ،لا تکون إلا فی المسجد لضرورۃ الاعتکاف،حتیٰ لوخرج لھٰذہ الأشیاء،یفسد اعتکافہ.(مراقی الفلاح،باب الاعتکاف،ص: ۷۰۳-۷۰۴،قدیمی)

(۳) وأما شروطہ ... ومنھا مسجد الجماعۃ،ویصح فی کل مسجد لہ أذان وإقامۃ،ھو الصحیح.(الفتاویٰ الھندیۃ،الباب السابع فی الاعتکاف: ۲۱۱/۱،رشیدیۃ)

(۴) ولایحمل الرجل سراج المسجد إلیٰ بیتہ ویحمل من بیتہ إلی المسجد.(الفتاوٰی الھندیۃ،الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ وما لایکرہ: ۱۱۰/۱،رشیدیۃ)

(۵) لوخرج لحاجۃ الإنسان،ثم ذھب لعیادۃ المریض،أوالصلاۃ الجنازۃ،من غیرأن یکون لذلک قصد،فإنہ جائز.(البحرالرائق،کتاب الصوم،باب الاعتکاف: ۵۲۹/۲،رشیدیۃ)

(۶) ویفسق معتاد المرود:ومن علم الأطفال،الذی فی القنیۃ:أنہ یأثم،ولا یلزم منہ الفسق،ولم ینقل عن أحد القول بہ، ویمکن أنہ بناء علیٰ أنہ بالاصرارعلیہ یفسق.(رد المحتار،فصل فی البیع: ۴۲۸/۶،سعید)

(۷) فإن خرج من المسجد بعذربأن انھدم المسجد،أوأخرج مکرھاً، فدخل مسجداً آخرمن ساعۃ،لم یفسد اعتکافہ استحساناً.(الفتاویٰ الھندیۃ،کتاب الصوم،الباب السابع فی الاعتکاف: ۲۱۲/۱،رشیدیۃ)

(۸) وحرم علیہ الخروج إلا لحاجۃ الإسنان طبیعۃ کبول وغائظ وغسل.(الدرالمختار)لأن الإنسان قد لایألف غیرہ بیتہ،فإذا کان لایألف غیرہ بأن لایتیسرلہ إلا فی بیتہ،فلا یبعد الجوازبلا خلاف.(رد المحتار،باب الاعتکاف: ۴۴۵/۲،سعید)

(۵۹) پہلی دعا کافی ہے، ہر دفعہ پڑھ لینا بھی بہتر ہے۔

(۶۰) اعتکاف ختم ہوگیا۔(۱)

(۶۱) جاسکتا ہے۔(۲)

(۶۲) نہیں۔(۳)

---

(۱) وإن خرج من غير عذر ساعة،فسد اعتكافه في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ،سواء كان الخروج عامداً أو نسياناً.(الفتاوىٰ الهندية،الباب السابع في الاعتكاف: ۲۱۲/۱،رشيدية)

(۲) ولايخرج منه من معتكفه إلا لحاجة شرعية كالجمعة والعيدين،أوحاجة طبعية.(مراقي الفلاح،باب الاعتكاف،ص: ۷۰۲، قديمي)

(۳) جب معتکف کے گاؤں کی مسجد میں جمعہ ادا نہیں ہوتا،تو گویا معتکف پر جمعہ فرض نہ ہوا، جب فرض نہیں ہے،تو حاجتِ شرعیہ میں سے نہ ہوا اور معتکف کو بغیر حاجتِ شرعیہ اور طبعیہ کے نکلنا درست نہیں ہے۔

وأما مفسداته:فمنها الخروج من المسجد،فلا يخرج المعتكف،من معتكفه ليلاً ونهاراً إلا بعذر،وإن خرج من غير ذر ساعة فسد اعتكافه.(الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصوم،الباب السابع في الاعتكاف: ۲۱۲/۱،رشيدية)

اعتکاف کے مختصر فضائل ومسائل:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ.(صحيح البخاري: باب الاعتكاف في العشر الأواخر:1/271)

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دے دی، پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اعتکاف فرماتی رہیں۔)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ... مَنِ اعْتَكَفَ يَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ تَعَالٰى جَعَلَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ ثَلَاثَ خَنَادِقَ كُلُّ خَنْدَقٍ أَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ الْخَافِقَيْنِ(المعجم الاوسط للطبراني:5/279،رقم 7326)

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی رضا کے لیے ایک دن کا اعتکاف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقوں کو آڑ بنا دیں گے،ایک خندق کی مسافت آسمان وزمین کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ چوڑی ہے۔)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ هُوَ يَعْكِفُ الذُّنُوبَ، وَيَجْرِيْ لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا. (سنن ابن ماجة: باب في ثواب الاعتكاف،ص: 128)(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعتکاف کرنے والا گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی تمام نیکیاں اسی طرح لکھی جاتی رہتی ہیں، جیسے وہ ان کو خود کرتا رہا ہو۔)

مَنِ اعْتَكَفَ إِيْمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِه.(كنز العمال: كتاب الصوم، الفصل السابع في الاعتكاف و ليلة القدر:8/244)(جس نے اللہ کی رضا کے لیے ایمان واخلاص کے ساتھ اعتکاف کیا تو اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَاوِرُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ وَيَقُولُ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ.(صحيح البخاري: باب تحري ليلة القدر في الوتر من العشر الأواخر:1/270)

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے کہ لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری راتوں میں تلاش کیا کرو۔)

ماہِ رمضان کے آخری عشرہ میں کیا جانے والا اعتکاف ''سنت مؤکدہ علی الکفایہ'' ہے،یعنی بڑے شہروں کے محلے کی کسی ایک مسجد میں اور گاؤں دیہات کی پوری بستی کی کسی ایک مسجد میں کوئی ایک آدمی بھی اعتکاف کریگا تو سنت سب کی طرف سے ادا ہو جائے گی۔اگر کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب گنہگار رہوں گے۔ ==

(۶۴) ایضاً۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۱۲/۲۹ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۶۶-۲۸۶)

== اعتکاف کے چند مسائل یہ ہیں:

(۱) رمضان کے سنت اعتکاف کا وقت بیسواں روزہ پورا ہونے کے دن غروبِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور عید کا چاند نظر آنے تک رہتا ہے۔معتکف کو چاہیے کہ وہ بیسویں دن غروبِ آفتاب سے پہلے اعتکاف والی جگہ پہنچ جائے۔(۲) جس محلے، یا بستی میں اعتکاف کیا گیا ہے، اس محلے اور بستی والوں کی طرف سے سنت ادا ہو جائے گی، اگرچہ اعتکاف کرنے والا دوسرے محلے کا ہو۔(۳) آخری عشرے کے چند دن کا اعتکاف، اعتکافِ نفل ہے، سنت نہیں۔(۴) عورتوں کو مسجد کے بجائے اپنے گھر میں اعتکاف کرنا چاہیے۔(۵) سنت اعتکاف کی دل میں اتنی نیت کافی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رمضان کے آخری عشرے کا مسنون اعتکاف کرتا ہوں۔(۶) کسی شخص کو اجرت دے کر اعتکاف بٹھانا جائز نہیں۔(۷) مسجد میں ایک سے زائد لوگ اعتکاف کریں تو سب کو ثواب ملتا ہے۔(۸) مسنون اعتکاف کی نیت بیس تاریخ کے غروبِ شمس سے پہلے کر لینی چاہیے، اگر کوئی شخص وقت پر مسجد میں داخل ہو گیا؛ لیکن اس نے اعتکاف کی نیت نہیں کی اور سورج غروب ہو گیا تو پھر نیت کرنے سے اعتکاف سنت نہیں ہوگا۔(۹) اعتکافِ مسنون کے صحیح ہونے کے لیے مندرجہ ذیل چیزیں ضروری ہیں:

(۱) مسلمان ہونا، (۲) عاقل ہونا، (۳) اعتکاف کی نیت کرنا، (۴) مرد کا مسجد میں اعتکاف کرنا، (۵) مرد اور عورت کا جنابت؛ یعنی غسل واجب ہونے والی حالت سے پاک ہونا (یہ شرط اعتکاف کے جائز ہونے کے لیے ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص حالت جنابت میں اعتکاف شروع کر دیتو اعتکاف تو صحیح ہو جائے گا لیکن یہ شخص گناہ گار ہوگا)، (۶) عورت کا حیض ونفاس سے خالی ہونا، (۷) روزے سے ہونا (اگر اعتکاف کے دوران کوئی ایک روزہ نہ رکھ سکے یا کسی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے تو مسنون اعتکاف بھی ٹوٹ جائے گا۔)

(۱۰) جس شخص کے بدن سے بدبو آتی ہو، یا ایسا مرض ہو، جس کی وجہ سے لوگ تنگ ہوتے ہوں تو ایسا شخص اعتکاف میں نہ بیٹھے، البتہ اگر بدبو تھوڑی ہو جو خوشبو وغیرہ سے دور ہو جائے اور لوگوں کو تکلیف نہ ہو تو جائز ہے۔

اعتکاف کی حالت میں جائز کام:

کھانا پینا (بشرطیکہ مسجد کو گندا نہ کیا جائے)، سونا، ضرورت کی بات کرنا، اپنا یا دوسرے کا نکاح، یا کوئی اور عقد کرنا، کپڑے بدلنا، خوشبو لگانا، تیل لگانا، کنگھی کرنا (بشرطیکہ مسجد کی چٹائی اور قالین وغیرہ خراب نہ ہوں)، مسجد میں کسی مریض کا معائنہ کرنا، نسخہ لکھنا، یا دوا بتا دینا؛ لیکن یہ کام بغیر اجرت کے کرے تو جائز ہیں، ورنہ مکروہ ہیں، برتن وغیرہ دھونا، ضروریات زندگی کے لیے خرید وفروخت کرنا بشرطیکہ سودا مسجد میں نہ لایا جائے؛ کیوں کہ مسجد کو با قاعدہ تجارت گاہ بنانا جائز نہیں۔عورت کا اعتکاف کی حالت میں بچوں کو دودھ پلانا۔معتکف کا اپنی نشست گاہ کے اردگرد چادریں لگانا۔معتکف کا مسجد میں اپنی جگہ بدلنا۔بقدر ضرورت بستر، صابن، کھانے پینے کے برتن، ہاتھ دھونے کے برتن اور مطالعہ کے لیے دینی کتب مسجد میں رکھنا۔

ممنوعات ومکروہات:

بلاضرورت باتیں کرنا۔اعتکاف کی حالت میں فحش یا بیکار اور جھوٹے قصے کہانیوں یا اسلام کے خلاف مضامین پر مشتمل لٹریچر، تصویر دار اخبارات ورسائل یا اخبارات کی جھوٹی خبریں مسجد میں لانا، رکھنا، پڑھنا، سننا۔ ضرورت سے زیادہ سامان مسجد میں لاکر بکھیر دینا۔مسجد کی بجلی، گیس اور پانی وغیرہ کا بیجا استعمال کرنا۔مسجد میں سگریٹ وحقہ پینا۔اجرت کے ساتھ حجامت بنانا اور بنوانا، لیکن اگر کسی کو حجامت کی ضرورت ہے اور بغیر معاوضہ کے بنانے والا میسر نہ ہو تو ایسی صورت اختیار کی جا سکتی ہیکہ حجامت بنانے والا مسجد سے باہر رہے اور معتکف مسجد کے اندر۔

پیشاب، پاخانہ اور استنجے کی ضرورت کے لیے معتکف کو باہر نکلنا جائز ہے، پیشاب، پاخانہ کے لیے قریب ترین جگہ کا انتخاب کرنا چاہیے۔اگر مسجد سے متصل بیت الخلا بنا ہوا ہے اور اسے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے تو وہیں ضرورت پوری کرنی چاہیے اور اگر ایسا نہیں ہے تو دور جا سکتا ہے، چاہے کچھ دور جانا پڑے۔اگر بیت الخلا مشغول ہو تو انتظار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ فارغ ہونے کے بعد ایک لمحہ بھی وہاں ٹھہرنا جائز نہیں۔قضاء حاجت کے لیے جاتے وقت، یا واپسی پر کسی سے مختصر بات چیت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس کے لیے ٹھہرنا نہ پڑے۔(انیس)

یوم الشک کے روزے کے احکام

افطار درغرہ رمضان وصوم غرہ شوال بعدم رؤیت:

سوال: مشرقی بنگال میں اکثر منگل کے روز روزہ رکھ کر جمعرات کو عید کی۔اب ہم لوگ جو پیر کو روزہ نہیں رکھا اور بدھ کو عید نہ کر کے جو روزہ نہ رکھا، اس میں ہم سب گنہ گار ہوئے، یا کیا؟

الجواب

اگر پیر کے روز کی خبر معتبر طور سے آگئی تو ایک روزہ قضا کرنا ہوگا اور بدھ کے روزہ سے نہ گناہ ہوگا اور نہ پیر کے روزہ کے عوض محسوب ہوگا۔

(۹/ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ) تتمہ خامسہ، ص:۱۷) (امداد الفتاویٰ:۲/۱۴۵)

حکم روزہ یوم الشک وتر ددنیت میاں دوروزہ دراں یوم:

سوال: آج ۲۵/جولائی ۱۹۱۴ء، مطابق یکم رمضان یا ۳۰/شعبان روز شنبہ ہے، بروئے جنتری آج یکم رمضان ہے؛ لیکن ۲۹/شعبان کو آسمان پر اس قدر ابر غلیظ رہا ہے کہ چاند تو درکنار سورج بھی نظر نہیں آیا اور نہ اس وقت تک کوئی اطلاع باہر سے چاند نظر آنے کی آئی۔ایسی حالت میں روزہ کھا جاوے، یا نہیں؟ اور اگر کوئی اس پر نیت رکھے، اگر چاند نظر آ گیا ہو تو فرض، ورنہ نفل تو روزہ جائز ہے، یا نہیں؟ میں نے یہ نیت کی ہے کہ فرض روزوں کی قضا دینی ہے، اگر چاند ۳۰ کا ہو، تب تو یہ آج کا روزہ قضا روزوں میں شمار ہوگا اور اگر چاند ۲۹ کا ہو، اس رمضان شریف کا پہلا روزہ فرض ادا ہوا۔یہ صورت جائز ہے، یا نہیں؟ اور اگر بعد میں اطلاع معتبر آوے کہ چاند ۲۹/کا ہوا تو اس روزہ کی قضا دینے کی ضرورت نہیں ہے؟

الجواب

عوام کو یوم الشک میں روزہ نہ رکھنا چاہیے اور سوال میں جو دوطرح کی نیت لکھی ہے، یہ مکروہ ہے؛ لیکن اگر اس یوم کا رمضان ہونا ثابت ہوگیا تو دونوں صورتوں میں رمضان ہی کا روزہ ہوگا، قضا کی ضرورت نہیں۔

فی الدرالمختار: یصومه الخواص ویفطر غیرهم إلیٰ قوله ویصیر صائماً مع الکراهة لورود فی وصفها بأن نویٰ إن کان من رمضان فعنه وإلا فعن واجب آخر وکذا یکره لوقال: أنا صائم إن

كان من رمضان وإلا فعن نفل متردد بين مكروهين أو مكروه وغير مكروه فإن ظهر رمضانيته فعنه وإلا نفل فيهما أى الواجب والنفل، آه.(۱)

۳؍رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ، ص:۱۵۸) (امداد الفتاوی جدید:۲؍۱۰۳)

یومِ عرفہ ونحر میں شک:

سوال: اوائلِ ذی الحجہ میں مختلف جگہوں سے ۲۹؍ کے چاند کی خبر معلوم ہوئی؛ لیکن شرعی ثبوت نہ ہوا، پس اس صورت میں ۹؍ذی الحجہ جس کے متعلق یومِ عرفہ و یوم نحر ہونے کا شک ہے، نفلی روزہ رکھنا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ جائز وافضل ہے، **لما فى الفيض وغيره: "لووقع الشك فى أن اليوم عرفة أويوم النحر، فالأفضل فيه الصوم".** (شامی:۲/۸۷)(۲)

اورعمر کہتا ہے کہ مکروہ ہے، **لما فى مجالس الأبرار حكايةً عن قول ابن الهمام: ما تردد بين البدعة والسنة يتركه؛ لأن ترك البدعة لازم وأداء السنة غير لازم".** (ص:۱۲۹، المجلس الثامن عشر)(۳)

"أوكان فى شىء وجوه كثيرة يوجب الحل والجواز، ووجه وحد يوجب الحرمة وعدم الجواز، يرجح جانب الحرمة احتياطاً". (مجالس، ص:۵۵۱، رقم المجلس:۹۶)(۴)

نیز عمر یہ بھی کہتا ہے کہ قربانی اس صورت میں دو دن تک کی جائے، تیسرے دن نہ کی جائے، بخلافِ زید کے کہ وہ کہتا ہے کہ بلاتردد تین دن تک کی جائے اور خالد کہتا ہے: بہتر یہ ہے کہ عرفہ مشکوکہ میں روزہ رکھا جائے اور تیسرے دن قربانی نہ کی جائے۔ کس کا قول صحیح ہے؟ جواب مدلل بحوالۂ کتب وعبارت عنایت ہو۔ فقط

(مولوی محمد یاسین، مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

زید کا قول قوی معلوم ہوتا ہے، فقہا نے ہلالِ رمضان کے مسئلہ میں اختلاف مطالع کو معتبر نہیں مانا۔ ذی الحجہ کے

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مبحث فى صوم يوم الشك، مكتبة زكريا ديوبند:۳/۳۴۸، انيس

(۲) رد المحتار، كتاب الصوم، مبحث فى صوم يوم الشك:۲/۳۸۱، سعيد

(۳) مجالس الأبرار ومسالك الأخيار ومحائق البدعو مقامع الأشرار، المجلس الثامن عشر فى بيان أقسام البدع وأحكامها وغيرها من الأمور المهمة، ص:۲۴۰، انيس)

'إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة مع أنه يمكن التسوية قبل الشروع. (رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة، مطلب إذا تردد الحكم:۳/۶۴۲، سعيد)

(۴) القاعدة الثانية: "إذا اجمع الحلال والحرام غلب الحرام". "فمن فروعها: ما إذا تعارض دليلان، أحدهما يقتضى الحتريم والآخر الاباحة، قدم التحريم". (الأشباه والنظائر، ص:۱۲۱، النوع الثانى من القواعد، القاعدة الثانية، دار الفكر بيروت، انيس)

متعلق جو احکام ہیں، جیسے: حج، صوم، عرفہ، اضحیہ ان میں معتبر ہے، جب ثبوتِ رؤیت کے باوجود ان مسائل میں صحت کا حکم ہے تو محض شک کی صورت میں نفلی روزہ اور اضحیہ کی ممانعت نہ کی جائے گی۔

"تنبیہ" **يفهم من كلامهم في كتاب الحج أن اختلاف المطالع فيه معتبر، فلايلزمهم شيء لو ظهر أنه روى في بلدة أخرىٰ قبلهم بيوم. وهل يقال كذلك في حق الأضحية لغير الحجاج؟ لم أره، والظاهر أنها كأوقات الصلاة يلزم كل قوم العمل بما عندهم، فتجزيء الأضحية في اليوم الثالث عشر وإن كان علىٰ رؤيا غيرهم هو الرابع عشر**". (شامی: ۹۶/۲)(۱)

اگر کوئی شخص جانب احوط وتنزہ کو اختیار کرے، اس کی ممانعت نہیں؛ مگر روزہ، یا اضحیہ کی ممانعت کا حکم نہیں کیا جا سکتا، محض شک سے حلت وحرمت کے احکام صادر نہیں ہوتے۔ مجالس الابرار کی عبارت کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر مسئلہ واحدہ میں دونوں قسم کی دلیلیں موجود ہوں، تب یہ حکم ہوگا، اس قسم کی عبارات شامی وبحر وغیرہ میں بھی موجود ہیں؛(۲) مگر صورتِ مسئولہ میں تو عدمِ حرمت پہلے سے متعین ہے اور جو دلیل حرمت میں شک ہے۔

"**واليقين لايزول بالشک**". (۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۰۰/۱۰)

یوم الشک کا روزہ:

سوال: ۲۹/ شعبان کو مطلع صاف تھا بالکل اور چاند نظر نہیں آیا، ۳۰/ شعبان کو زید نے اس نیت سے روزہ رکھا کہ اگر شہادت کی بنا پر روزہ ہو گیا تو فرض، ورنہ نفل۔ بکر نے ۳۰/ شعبان کو بلا تردد نفل روزہ رکھا، کچھ روز بعد شرعی شہادت سے ۳۰/ شعبان کو یکم رمضان ہے۔ سوال یہ ہے کہ زید، بکر کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب ______________ حامداً ومصلياً

رمضان شریف کا روزہ دونوں سے ادا ہو گیا، بکر کا بلا کراہت اور زید کے روزہ میں اس تردد کی وجہ سے کچھ کراہت آ گئی، تاہم قضا کسی کے ذمہ نہیں۔

"**وإن ظهر أنه من رمضان أجزأ عنه: أي عن رمضان ماصامه بأى نية كان ... وأما كراهية**

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع، قبيل باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد: ۳۹۳/۲، سعيد

(۲) إذا اجتمع الحلال والحرام رجح الحرام. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الطهارة: ۳۱۹/۱، دارعالم الكتب الرياض، انيس)

(۳) القاعدة الثانية: اليقين لايزول بالشک. (الأشباه والنظائر، ص: ۶۰، دارالفكر، بيروت)

النفل مع التردد،فلأنه ناوٍ للفرض من وجه،وهو أن يقول:إن كان غداً من رمضان فعنه،وإلا فتطوع،إلخ". (مراقی الفلاح،ص:۳۷۷)(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۹/۱۹ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۰۰/۱۰)

صوم یوم الشک:

سوال: امسال رمضان میں جن لوگوں نے رمضان شریف کا روزہ رکھا تھا؛ یعنی ان کے زعم میں ۳۰/شعبان کو یکم رمضان ہو چکی تھی، لہٰذا اس حساب سے ان کے ۳۰/یوم کے روزے پورے ہو گئے، یا کہ نہیں، اگر نہیں تو کیا ان کو بھی ایک روزہ مثل ان لوگوں کے جنہوں نے اس روز روزہ نہیں رکھا تھا بعد میں بموجب فتویٰ دہلی رکھنا پڑے گا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

بلا چاند دیکھے محض شک کی بنیاد پر تیس شعبان کو یکم رمضان سمجھ کر روزہ رکھنا مکروہ ہے؛ تاہم جن لوگوں نے ایسا کیا، ان کے روزے مکروہ ہو گئے، اب ان کے ذمہ ایک روزہ کی قضا لازم نہیں۔

"وكره فيه:أي يوم الشك كل صوم من فرض وواجب وصوم ردد فيه بين نفل وواجب،إلا صوم نفل،جزم به بلا ترديد بينه وبين صوم آخر،فإنه لايكره،وإن ظهر أنه من رمضان أجزأ عنه: أي عن رمضان ماصامه بأى نية كانت". (مراقی الفلاح مختصراً،ص:۳۷۷)(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۰۱/۱۰)

حکمِ صوم یوم الشک:

السوال: ماقولكم رحمكم الله فى صوم يوم الشک وما الراجح فيه عندكم؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

قلت:أخرج الشيخان وغيرهما عن أبى هريرة رضى الله عنه عن النبى صلّى الله عليه وسلّم أنه قال:لايتقدمن أحدكم رمضان بصوم يوم أويومين الا أن يكون رجل كان يصوم صوماً فليصم ذلک اليوم.(۳)

---

(۱) مراقی الفلاح شرح نورالایضاح،کتاب الصوم،فصل فيما يثبت به الهلال،ص: ٦٤٧-٦٤٨، قديمی

(۲) مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح،ص:٦٤٧،كتاب الصوم،فصل فيما يثبت به الهلال،قديمی

(۳) صحيح البخارى،كتاب الصوم،باب لا يتقدم رمضان بصوم يوم ولا يومين: ٤٦٠/١،رقم الحديث: ١٩١٤، دارابن كثيردمشق،بيروت/الصحيح لمسلم،كتاب الصيام،باب لا تقدموا رمضان ... إلخ: ٤٩٦/١،رقم الحديث:١٠٨٢، دارالفكر بيروت،انيس

وللترمذی وأحمد بلفظ: إلا أن یوافق ذلک صوماً کان یصومه أحدکم، آه.(۱)

قال الحافظ ابن حجر: قال العلماء: معنی الحدیث: لاتستقبلوا رمضان بصیام علی نیّة الاحتیاط لرمضان، أی لایتقدم رمضان بصوم یوم یعد منه بقصد الاحتیاط له، فإن صومه مرتبط بالرؤیة فلا حاجة إلی التکلف، و(قیل) الحکمة فیه التقویٰ بالفطر لرمضان لیدخل فیه بقوة ونشاط، وهٰذا فیه نظر، لأن مقتضی الحدیث أنه لو تقدمه لصیام ثلٰثة أیام أو أربعة جاز، وسنذکر ما فیه قریباً، وقیل: الحکمة فیه خشیة اختلاط النفل بالفرض، وفیه نظر أیضاً، لأنه یجوز لمن له عادة کما فی الحدیث، وقیل: لأن الحکم علیٰ رمضان بالرؤیة فمن تقدمه بیوم أو یومین فقد حاول الطعن فی هٰذا الحکم، وهٰذا هو المعتمد، ومعنی الاستثناء أن من کان له ورد فقد أذن له فیه؛ لأنه اعتاده وألفه وترک المألوف شدید ولیس ذلک من استقبال رمضان فی شئ، وفیه رد علیٰ من یریٰ بتقدیم الصوم علی الرؤیة کالرافضة ورد علیٰ من قال بجواز النفل المطلق وأبعد من قال المراد بالنهی التقدم بنیة رمضان واستدل بلفظ التقدم؛ لأن التقدم علی الشئ بالشئ إنما یتحقق إذا کان من جنسه فعلیٰ هٰذا یجوز الصیام بنیة النفل المطلق لکن السیاق یأبی هٰذا التأویل ویدفعه وفیه منع إنشاء الصوم قبل رمضان إذا کان لأجل الاحتیاط، آه.(۱۱۰/٤، ملخصاً)(۲)

وأخرج الترمذی عن عماربن یاسر: من صام الیوم الذی یشک فیه فقد عصی أبا القاسم صلّی اللّٰه علیه وسلم وقال: حسن صحیح والعمل علیٰ هٰذا عند أهل العلم من أصحاب النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم ومن بعدهم کرهوا أن یصوم الرجل الیوم الذی یشک فیه، آه.(۹۱/۱)(۳)

قلت: وأخرجه البخاری تعلیقاً ووصله أصحاب السنن الأربعة وأخرجه أیضاً ابن خزیمة وابن حبان والحاکم وقال: صحیح علیٰ شرطهما ولم یخرجاه کذا فی العمدة للعینی.(۱۹۰/٥-۱۹۱)(۴)

قلت: ولایخفیٰ أنه موقوف فی حکم المرفوع قال العینی: أن فیه تفصیلاً واختلافاً للعلماء فذهب داؤد إلی أنّه لایصح صومه أصلاً ولو وافق عادةً له وذهبت طائفة إلیٰ أنه لایجوز أن یصام اٰخر یوم من شعبان تطوّعاً إلا أن یوافق صوماً کان یصومه، وأخذوا بظاهر هٰذا الحدیث رُوی ذلک عن عمر بن الخطاب وعلی وعمار وحذیفة وابن مسعود ومن التابعین سعید بن المسیب والشعبی والنخعی والحسن وابن سیرین، وهو قول الشافعی، وکان ابن عباس وأبو هریرة یأمران

---

(۱) الجامع للترمذی، باب ماجاء لا تقدموا الشهر، دار الفکر بیروت، لبنان، انیس

(۲) فتح الباری، باب لا یتقدم رمضان بصوم یوم ولا یومین: ۱۲۸/٤، دار المعرفة بیروت، لبنان، انیس

(۳) الجامع للترمذی، باب ما جاء لا تقدموا الشهر بصوم: ۲۲۱/۱، رقم الحدیث: ٦٨٦، انیس

(۴) عمدة القاری، کتاب الصوم، باب قول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إذا رأیتم الهلال ...إلخ: ۳۹۹/۱۰، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

بفصل یوم أویومین کما استحبوا أن یفصلوا بین الصلاة الفریضة والنّافلة بکلام أوقیام أوتقدم أوتأخروقال عکرمة:من صام یوم الشک فقد عصی اللّٰه ورسوله" وأجازت طائفة صومه تطوّعاً وهوقول اللیث والأوزاعی وأبی حنیفة وأحمد وإسحٰق،رُوی عن عائشة وأسماء أختها:أنهما کانتا تصومان یوم الشک،آه.(۵/۲۰۰ـ۲۰۱)(۱)

ملخصاً،وقال فی الهدایة:والمراد بقوله صلیّ اللّٰه وسلّم:لاتتقدموا رمضان بصوم یوم ولابصوم یومین الحدیث،التقدم بصوم رمضان لأنّه یؤدّیه قبل أدائه ثم إن وافق صوماً کان یصومه فالصّوم أفضل بالاجماع وکذا إذا صام ثلٰثة أیّام من اٰخر الشهرفصاعداً وإن أفرده(أی یوم الشک)فقد قیل الفطرأفضل احترازاً عن ظاهر النهی(والقائل الفقیه محمد بن مسلمة کذا فی العنایة)وقد قیل الصوم أفضل اقتداءً بعلی وعائشة رضی اللّٰه عنهما فانهما کانا یصومانه والمختارأن یصوم المفتی بنفسه أخذاً بالاحتیاط،آه.(۲)

قلت:أما تأویل صاحب الهدایة فی معنی الحدیث فما أبعده من السیاق کما قاله الحافظ ابن حجر،وأما استدلالهم بفعل علی فلایصح فإن مذهب علیٰ خلاف ذلک کمامرعن العینی و صرح به فی فتح القدیر نقلاً عن الغایة وأما بفعل عائشة فلایستقیم أیضاً؛لأن المنقول من قولها أنها قالت:لأن أصوم یوماً من شعبان أحبّ إلیّ من أن أفطریوماً من رمضان کما فی الفتح وذکره العینی أیضاً وصوم یوم الشک بنیة کذلک لا یجیزه أصحابنا،قال العلامة ابن الهمام:والأولیٰ فی التمسک علی الأفضلیة حدیث السرر،آه.(۲/۲۴۷)(۳)

قلت:وحدیث السررماأخرجه الشیخان أنه صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال لرجل:هل صمت من سرر شعبان،قال:لا،قال:فإذا أفطرت فصُم یوماً مکانه وفی لفظ:فصم یوماً،وسررالشهر اٰخره. (کذا ذکره ابن الهمام فی الفتح أیضاً:۲/۲۴۵)(۴)

قلت:ولایخفیٰ مافیه فانه یمکن حمل حدیث السررعلی صوم کان یعتاده الرجل وبعد ذلک فلا منافاة بینه وبین حدیث النهی عن التقدم علی رمضان. (ذکره الحافظ ابن حجر فی الفتح:۴/۲۰۱)(۵)

وأیضاً فقد قیل:السرروسط الشهر،حکاه أبوداؤد ورجّحه بعضهم ووجهه بان السررجمع سرة وسرة الشیٔ وسطه،ویؤیده الندب الی صیام البیض وهی وسط الشهر، (۶)وأنه لم یرد فی

(۱) عمدة القاری،کتاب الصوم،باب قول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إذا رأیتم:۱۰/۳۹۹،دارالکتب العلمیة بیروت، انیس

(۲) الهدایة بهامش فتح القدیر،کتاب الصوم،فصل فی رؤیة الهلال:۲/۳۲۳ـ۳۲۴،دارالکتب العلمیة بیروت،انیس

(۳ـ۴) فتح القدیر،کتاب الصوم،فصل فی رؤیة الهلال:۲/۳۲۴،دارالکتب العلمیة بیروت،انیس

(۵) فتح الباری،کتاب الصوم،باب الصوم من أحرم الشهر،رقم الحدیث:۱۹۸۳:۴/۲۳۰، دارالمعرفة،بیروت

(۶) والنّدب الی صوم یوم النّصف من شعبان خاصة.

صيام آخر الشهر (من شعبان) ندب بل ورد فيه نهي خاص آه قاله الحافظ أيضاً وبالجملة فدليل من منع عن صوم يوم الشک الا للمعتاد أقویٰ روايةً ودرايةً وما ذكره أصحابنا في تأويل الحديثين ومن استثناء الخواص عن هٰذا النهي مجرّد تأويل في معرض النّص هذا ولكني لاأفتي على كراهته للخواص لكوني مقلّداً للامام الأعظم أبي حنيفة وأصحابه ولكن الأولٰى عندي قول محمد بن سلمة من الحنفية أن افراد يوم الشک بصومه خلاف الأولٰى والفطر فيه أفضل للعوام والخواص جميعاً خصوصاً وقد قال أصحابنا: أن الخروج من خلا ف العلماء مستحب وفيه خلاف كما ترىٰ والله أعلم، ولاسيّما في هٰذا الزمان فإن صوم المفتي والقاضي قلّما يخفى على العامة كما هو مشاهد والحنفية انّما أجازوه للخواص بشرط الاخفاء التّام عن العوام. (كما ذكره في فتح القدير: ۲/۲۴۷-۲۴۸)(۱)

وإن كان الصوّم بشرط الاخفاء أيضاً خلا ف الأ فضل عندي وبه قال محمد بن مسلمة من أصحابنا وكفٰى به لي قدوةً إذا تأيد قوله بالحديث وتقوى روايةً ودرايةً هٰذا والله تعالٰى أعلم وعلمه أتم وأحكم

۳۰؍شعبان ۱۳۴۳ھ (امدادالاحکام: ۳/۱۰۰-۱۰۳)

کیا یوم الشک کا روزہ مکروہ ہے:

سوال: شعبان کے چاند کا پتہ نہ چلا کہ ۲۹؍کا ہوا، یا ۳۰؍کا بوجہ ابر غلیظ ہونے کے، اس وجہ سے شہادت دو ہوئی، بعض نے پیر کو ۲۹؍کا چاند شمار کر کے کیا اور بعض نے منگل کو ۳۰؍شمار کیا اور ابر کی وجہ سے رمضان میں بھی اختلاف ہوا، جس کے اعتبار سے پیر کی شب برات ہوئی ان کے اعتبار سے بدھ کی ۳۰؍ہوئی اور منگل والوں کے لیے جمعرات کی ۳۰؍ہوئی، ایک عالم کے پاس گئے جمعرات کے روزہ رکھو یا نہ رکھو اور میں بحیثیت مفتی ہونے کے لیے یوم شک میں روزہ رکھوں گا۔

اب اس شخص کو اطمینان نہ ہوا اور دوسرے عالم کے پاس گیا کہ کوئی اطمینان بخش جواب دیں، انہوں نے شعبان کا چاند بوجہ عدم رؤیت پورے ۳۰؍دن رجب کے شمار کر کے شعبان کے ایام شمار کئے گئے تو بدھ کی ۲۰؍اور جمعرات کی ۳۰؍ہوئی اور شعبان کی رویت کا ۲۹؍یا ۳۰؍کا ثبوت نہیں ملا اور نہ باہر سے شعبان کے چاند کی رؤیت کی خبر ملی، اس وجہ سے شعبان ۳۰؍دن شمار کئے، اب حساب سے بدھ کی ۲۹؍ہوتی ہے، اس عالم نے جمعرات کو یوم شک قرار دے کر اور اس چاند کو پورا تیس دن کا کرنے کا حکم دیا، چوں کہ چاند کا کوئی ثبوت نہیں بلا وجہ ابر کے، لہٰذا اس وجہ سے عالم نے جمعات کے روزے سے منع کر دیا اور اس کو مکروہ تحریمی قرار دیا، اس نے عالم سے دلیل مانگی تو عالم نے یہ عبارت پڑھی:

---

(۱) فتح القدير، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال: ۲/۳۲۴، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

وینبغی للناس أن یلتمسوا الھلال فی الیوم التاسع والعشرین من شعبان،فإن غم علیکم الھلال،أکملوا العدۃ الشعبان ثلاثین یوماً،ثم صاموا،لایصام یوم الشک،لقولہ علیہ السلام:”من صام یوم الشک فقد عصی أبا القاسم“.(۱)

فإن غم لیلۃ الشک لایصام،ولاتصوموا قبل رمضان، صوموا لرؤیتہ وأفطروا لرؤیتہ، فإن حال بینکم وبینہ سحاب، فأکملوا العدۃ ثلاثین، ولاتستحصالوا العدۃ الشھر استقبالا“.(۲)

لہٰذا ان دلائل کی وجہ سے عالم نے رمضان کا روزہ جمعرات کے دن مکروہ تحریمی قرار دیا اور حکم دیا کہ لوگوں سے منادی کرائی جائے کہ جمعرات کو روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے اور روزہ نہیں رکھا جائے گا۔اب عالم نمبر:۱، وعالم نمبر:۲، کے اختلاف کی بنا پر بعض نے روزہ رکھا اور بعض نے نہیں رکھا اور بعض نے روزہ رکھ کر دن میں توڑ دیا، عالم دوم کے کہنے پر عالم اول کا کہنا ہے کہ گناہ ہوا اور اس کی کوئی حد نہیں ہوسکتی۔عالم دوم نے کہا: نہ قضا ہے نہ کفارہ، وہ دن ہی رمضان کا نہیں۔اس حالت میں یوم الشک قرار دیا جائے گا، یا نہیں؟ فقط　　　(خاکسار عبدالحمید، ضلع بجنور)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

۲۹/تاریخ کو ابر وغیرہ کی وجہ سے جب چاند نظر نہ آئے، نہ شرعی شہادت حاصل ہو تو مہینہ ۳۰/کا شمار کرنا چاہیے، محض احتمال کی وجہ سے اگلے روز آئندہ ماہ کی یکم قرار دینا درست نہیں، یہ حکم رجب، شعبان، رمضان وغیرہ ہر ماہ کے لیے عام ہے۔عالم نمبر:۱، نے صورتِ مسئولہ میں جو مفتی ہونے کی حیثیت سے یوم الشک میں روزہ رکھا ہے، درست ہے اور یہ بھی حکم شریعت کا ہے؛لیکن یہ روزہ رمضان کا نہیں؛ بلکہ خالص نفلی روزہ ہے۔عالم نمبر:۱ سے دو قسم کی کوتاہی ہوئی ہے: اول یہ کہ انہوں نے عوام کو بتایا نہیں کہ یہ نفلی روزہ ہے، جس سے عوام سمجھے کہ یہ رمضان کا روزہ ہے کہ انہوں نے یوم الشک میں عوام کو روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار دیا، حالاں کہ عوام کے لیے یہ حکم نہیں ہے؛ بلکہ عوام کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ زوال تک انتظار کرلیں کہ ممکن ہے کہ کہیں سے شہادت آجائے، پھر اگر زوال تک شہادت نہ آئے تو اس وقت کھائیں پئیں۔ نیز عالم نمبر:۱ کو اپنے روزہ کا اولا اخفاء کرنا چاہیے تھا، اگر اظہار کی ضرورت پر اظہار کرتے تو رمضان ہونے کا شبہ نہ ہوتا۔

عالم نمبر:۲ نے یوم الشک کے روزہ کو مکروہ تحریمی فرمایا یہ صحیح ہے؛ مگر دو قسم کی کوتاہی ان سے بھی ہوئی ہے: اول یہ کہ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ کیسا روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ عالم نمبر:۱ نے جو روزہ رکھا ہے، وہ بھی مکروہ تحریمی ہے، حالاں کہ جمعرات کو زوال کے وقت تک انتظار کا حکم دینا چاہیے تھا، اگر شہادت نہ آتی تب کھانے پینے کا حکم دیتے۔ نیز عالم نمبر:۲ نے یہ بھی تفصیل نہیں کہ کہ مفتی کو روزہ رکھنا مکروہ تحریمی نہیں (کیوں کہ وہ خالص نفلی روزہ رکھتا ہے) اور عوام کو روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے؛ کیوں کہ وہ اس کو رمضان کا روزہ سمجھ کر رکھتے ہیں، جب کہ ثبوت

---

(۱) الجامع للترمذی،باب ماجاء لاتقدموا الشئ بصوم: ۱/۲۲۱،رقم الحدیث:۶۸۶،دارالفکر بیروت،انیس

(۲) صحیح البخاری،باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا رأیتم: ۱/۴۵۹،رقم الحدیث: ۱۹۰۹،دارابن کثیر دمشق، انیس

رمضان کا نہیں ہوا اور لوگوں نے روزہ توڑ دیا، خواہ خود توڑ دیا، یا عالم نمبر:۲ کے کہنے پر توڑا تو عالم نمبر:ا نے ان کے ذمہ قضاو کفارہ کا لزوم کس دلیل سے کیا، ان سے مطالبہ کیا جائے۔

”وكره فيه:أى يوم الشك كل صوم من فرض وواجب وصوم ردد فيه بين نفل وواجب،إلا صوم نفل جزم به بلا ترديد بينه وبين صوم آخر،فإنه لا يكره لحديث السرارإذا كان علىٰ وجه لايعلم العوام ذلك ليعتادواصومه.وإن ظهرأنه من رمضان أجزأ عنه:أ ى عن رمضان ما صامه بأى نية كانت،وهوما إذا ظهرأنه من رمضان فإنه يجزئ عنه،فكأنه لم يشرع ملتزما بل مسقطاً من الوجه،فلا قضاء عليه لوأفسده.والمختارأن يأمرالمفتى العامة باظهارالنداء بالتلوم:أى بالانتظاربلا نية صوم فى ابتداء يوم الشك،ثم يأمرالعامة بالافطارإذا ذهب وقت انشاء النية،و لم يتبين الحال،ويصوم فيه نفلاً المفتى والقاضى،آه“.(مراقى الفلاح وحاشية الطحطاوى مختصراً، ص:٣٥٥)(١)

”ولايصام يوم الشك إلا نفلاً،ويكره غيره،ولو جزم أن يكون عن رمضان،كره تحريماً، والتنفل فيه أحب إن وافق صوماً يعتاده،وإلا يصومه الخواص ويفطر غيرهم بعد الزوال،به يفتى، آه“.(الدرالمختار: ٣٤/٢)(٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۲/۹/۱۷ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، ۱۸/رمضان ۱۳۶۲ھ، صحیح :عبد اللطیف، ۱۸/رمضان ۱۳۶۲ھ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/ ۱۹۷-۲۰۰)

تحقیق حدیث من صام یوم الشک:

سوال: حدیث:”من صام اليوم الذى يشك فيه فقد عصى أبا القاسم صلى الله عليه وسلم“ ذكره البخارى تعليقا ووصله الخمسة وصححه بن خزيمة وابن حبان،كذا فى بلوغ المرام والمصفى شرح الموطأ (۳) کو صاحب درمختار لکھتے ہیں:”لاأصل له“ (۴) مگر چوں کہ مقابل نقاد محدثین قول فقہاء کرام قابل اعتماد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ تنقید حدیث ہر ایک کا حق نہیں ہوتا۔ اس باب میں قول محدثین ہی معتبر ہوتا ہے،”لكل من رجال“ مقولہ مشہور ہے، لہذا آپ کی تحقیق میں کیا ہے؟

الجواب

فى رد المحتارعلىٰ قول الدرالمختار:فلا أصل له ما نصه كذا قال الزيلعى، ثم قال: ويروى موقوفاً علىٰ عما ربن ياسروهوفى مثله كالمرفوع،آه.

قلت:وينبغى حمل نفى الأصلية على الرفع كما حمل بعضهم قول النووى فى حديث صلاة النهار

(۱) حاشية الطحطاوى علىٰ مراقى الفلاح،ص: ٦٤٧-٦٥٠،كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمى

(۲) الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصوم:٣٤٦/٣-٣٤٩،دارعالم الكتب،رياض،انيس

(۳) عمدة القارى،باب قول النبى صلى الله عليه وسلم إذا رأيتم الهلال: ٣٩٩/١٠،دارالكتب العلمية بيروت،انيس

(۴) الدر المختارعلىٰ هامش رد المحتار:٣٤٨/٣،دارعالم الكتب،رياض،انيس

عجماء أنه لا أصل له علىٰ أن المراد لااصل لرفعه وإلا فقد ورد موقوفاً علىٰ مجاهد وأبی عبيدة وكذا هٰذا أورده البخاری معلقاً بقوله وقال صلة عن عمارمن صام،إلخ، قال فی الفتح: وأخرجه أصحاب السنن الأربعة وغيرهم وصححه الترمذی عن صلة بن زفر،الخ. (۱۴۲/۲، مصرية)(۱)

(تتمہ ثانیہ،ص:۱۷۴)

ایضاً:

درمختار کی ایک عبارت کتاب الصوم بابت روزہ یوم الشک کے لکھتا ہوں، اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔

”**والتنفل فيه أحب أی أفضل اتفاقاً وإن وافق صوماً يعتاد وإلا يصومه الخواص يفطرغيرهم بعد الزوال به يفتی نفيا لتهمة النهی**“.(۲)

آخر کی عبارت زیر سطر سے معلوم ہوتا ہے کہ خواص جن کو کیفیت نیت یوم الشک معلوم ہو، ان کو یوم الشک کا روزہ رکھنا جائز ہے، حالاں کہ حدیث: ”**لاتقدموا رمضان بصوم يوم أويومين**“(۳) عام ہے۔ خواص کہاں سے مستثنیٰ ہوئے، پھر جب خواص کو رکھنے کی اجازت ہے تو عوام کس طرح بچیں گے۔ قواعد فقہیہ پر نظر کرتے ہوئے عوام کی ابتلا کے خوف سے خواص کو بچنا چاہیے؟

الجواب

عن أبی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: لايتقدمن أحدكم رمضان بصوم يوم أو يومين إلا أن يكون رجل كان يصوم صومه فليصم ذلک. (رواه البخاری)(۴)

اس حدیث سے اتنا تو معلوم ہوگیا کہ بعض عوارض کے سبب بعض افراد تقدم کے مستثنیٰ ہیں، پس اگر کسی دوسری دلیل سے دوسرے بعض افراد مستثنیٰ ہوں تو حدیث: ”**لاتقدموا رمضان بصوم يوم أويومين**“ کے معارض نہیں اور صوم یوم الشک کے باب میں دوسری دلیل موجود ہے اور وہ دلیل ان حضرات کا عمل ہے: علیؓ، عائشہؓ، عمرؓ وابن عمر، انسؓ بن مالک، اسماء بنت ابی بکرؓ، ابوبکرؓ، معاویہؓ، عمرو بنؓ العاص یہ اصحاب ہیں، جن کا عمل مالایدرک بالقیاس میں مرفوع حکمی ہے اور مایدرک بالقیاس میں دلیل ہے، حدیث مرفوع کے مؤل ہونے کی اور ان تابعین سے بھی یہ عمل منقول ہے؛ مجاہد طاؤس، سالم بن عبداللہ، میمون بن مہران، مطرب بن الشخیر، بکر بن عبداللہ المزنی، ابوعثمان نہدی، یہ سب نام نیل الاوطار (۴/۷۷) میں شمار کیے ہیں۔ پس حدیث ”**لا تقدموا غير صوم يوم الشک**“ غیر صوم یوم معتاد پر محمول ہوگی، یہ تو اہل علم سے منقول ہے اور احقر عرض کرتا ہے کہ اگر غور کیا جاوے تو حدیث ”**لاتقدموا،الخ**“ کو صوم یوم الشک سے کچھ

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصوم، مبحث فی يوم الشک: ۳۴۸/۳، دارعالم الكتب، رياض، انيس

(۲) الدرالمختار علىٰ رد المحتار، كتاب الصوم، مبحث فی يوم الشک: ۳۴۸/۳، دارعالم الكتب، رياض، انيس

(۳) الصحيح لمسلم، كتاب الصوم، باب لاتقوموا رمضان: ۴۹۶/۱، رقم الحديث: ۱۰۸۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۴) صحيح البخاری، كتاب الصوم، باب ما لا يتقدم رمضان: ۴۶۰/۱، رقم الحديث: ۱۹۱۴، دارابن كثير دمشق، انيس

تعلق ہی نہیں؛ کیوں کہ معنی حدیث کے یہ ہیں کہ ''رمضان سے پہلے روزہ مت رکھو'' تو ظاہر ہے کہ وہ غیر رمضان کا روزہ ہوگا اور یوم الشک پر غیر رمضان ہونے ہی کا حکم نہیں کر سکتے، جو شخص اس کا روزہ رکھتا ہے، وہ بحیثیت یوم رمضان ہونے کے رکھتا ہے، نہ کہ غیر رمضان کا تعظیم واستقبال رمضان کے لیے اور احتیاط امور دیانات میں خود منصوص ومطلوب شرعی ہے، جب تک کہ کوئی مفسدہ لازم نہ آوے اور خواص میں یہ مفسدہ محتمل نہیں اور عوام میں محتمل ہے، لہٰذا قواعد شرعیہ نے دونوں میں فرق فرمادیا۔ رہا یہ کہ اس فعل خواص سے عوام کو ابتلا ہوگا، سو یہ اس وقت محتمل ہے کہ عوام کو اس کی اطلاع ہو۔ سو وہ خواص اس کی اطلاع کیوں کریں گے، بلکہ پوچھنے پر بھی ٹال سکتے ہیں، یا انکار کر سکتے ہیں اور ایسا جحود مذموم نہیں۔

۲۹/شعبان ۱۳۳۷ھ (حوادث خامسہ، ص: ۲۸) (امداد الفتاویٰ: ۱۰۵/۲)

رویتِ ہلال اور صوم یوم الشک کے بارے میں ایک استفتا:

سوال: اس سال ہلالِ رمضان کے بابت ہمارے دیار میں سخت اختلاف پڑا ہے، چھ سات محلّہ کے آدمی بوجہ شہادت پانچ شخص کے برؤیۃ ہلال فی الصحراء نزدیک ایک فقیہ کے اور قبول ہونے شہادت ان کے بدھ کے دن سے روزہ رکھیں اور تیسویں تاریخ جمعرات کو ہلالِ شوال نہ دیکھنے کی وجہ سے جمعہ کے دن بھی روزہ رکھیں اور روزے ان کے اکتیس ہو گئے اور جمعرات کے روزہ داروں کے تیس ہو گئے، اب بعضے عالم بدھ کے دن کے صومِ یوم الشک بنیت رمضان پر حمل کر کے مکروہ تحریمی فرماتے ہیں، **لما فی الدر المختار: ولو جزم أن یکون من رمضان کرہ تحریماً.** (۱) اور بدھ کے دن کے روزہ دار کہتے ہیں، جب حسبِ عبارت: ردالمحتار، بحر، بدائع وغیرہ روایتِ حسنؒ از امام "**یصوم رمضان بشہادۃ الاثنین عند الصحو أیضاً**"، مفتیٰ بہ ہونا قرار پایا تو ہمارا روزہ رکھنا حسبِ شریعت صحیح اور درست ہے، پھر مکروہ ہونے کا کیا معنیٰ؟

فی رد المحتار: (۱۰۱/۲، مصری): قولہ: وعن الإمام أنہ یکتفی بشاہدین واختارہ فی البحر، إلخ، حیث قال: وینبغی العمل علیٰ ہٰذہ الروایۃ فی زماننا؛ لأن الناس تکاسلوا عن ترائی الأہلۃ فانتفی قولہ مع توجہم طالبین لما توجہ ہو إلیہ فکان التفرد غیر ظاہر فی الغلط ثم أید ذلک بأن ظاہر الولوالجیۃ والظہیریۃ یدل علیٰ أن ظاہر الروایۃ ہو اشتراط العدد لا الجمع العظیم والعدد یصدق بإثنین آہ، أقرہ فی النہر والمنح ونازعہ محشیہ الرملی بأن ظاہر المذہب اشتراط الجمع العظیم فیتعین العمل بہ لغلبۃ الفسق والافتراء علی الشہر، إلخ، أقول: أنت خبیر بأن کثیراً من الأحکام تغیرت لتغیر الأزمان ولو اشترط فی زماننا الجمع العظیم لزم أن لا یصوم الناس إلا بعد لیلتین أو ثلاث لما ہو مشاہد من تکاسل الناس بل کثیراً ما رأینا ہم یشتمون من یشہد بالشہر ویوذونہ وحینئذ فلیس فی شہادۃ الإثنین تفرد من بین الجمع الغفیر حتیٰ یظہر غلط الشاہد فانتفت علۃ ظاہر الروایۃ فتعین الافتاء بالروایۃ الأخریٰ، انتہی. (۲)

---

(۱) الدر المختار علیٰ رد المحتار، کتاب الصوم، مبحث فی صوم یوم الشک: ۳۴۷/۳، دار عالم الکتب، انیس

(۲) رد المحتار، کتاب الصوم: ۳۵۷/۳، دار عالم الکت، الریاض، انیس

بلکہ دیگر ممالک سے جمعہ کے دن عید ہونے کی خبر سن کے فرماتے ہیں کہ جمعرات سے روزہ داروں پر ایک روزہ قضا کرنا ضروری ہے، لما في البدائع (۸۳/۲،مصری): "ولو صام أهل بلد ثلثين يوماً و صام أهل بلد اٰخر تسعة وعشرين يوماً فإن كان صوم أهل ذلك برؤية الهلال وثبت ذلك عند قاضيهم أوعدوا شعبان ثلثين يوماً ثم صاموا رمضان فعلىٰ أهل البلد الاٰخر قضاء يوم لأنهم أفطروا يوماً من رمضان لثبوت الرمضانية برؤية أهل ذلك البلد وعدم رؤية أهل البلد الاٰخر لايقدم في رؤية أولئك اذالعدم لايعارض الوجود،الخ". (۱)

اب معرض خدمت میں یہ ہے کہ (۱) بدھ کے دن کے روزہ کا کیا حکم ہے، (۲) اور جمعرات کے روزہ رکھنے والوں پر ایک روزہ قضا ادا کرنا واجب ہے، یا نہیں؟ (۳) اور باوجود سننے خبر رویتِ ہلال کے بدھ کے دن روزہ نہ رکھنے والوں پر اور رکھ کر توڑ دینے والوں پر کفارہ واجب ہے، یا نہیں؟ حضور عالی کے دستخط نہایت ضروری ہے، بجز اس کے لوگ اعتبار نہ کریں گے۔

الجواب

(۱) بدھ کے دن سے روزہ رکھنے والوں پر کراہتِ یوم الشک کا الزام صحیح نہیں، جب کہ انہوں نے فقیہ کے سامنے شہادت گزرنے اور اس کے قبول ہوجانے کی بنا پر روزہ رکھا، گو اس فقیہ نے روایتِ متون کے خلاف حالتِ صحو میں جمِ غفیر کے بغیر ثبوتِ ہلال کا فتویٰ دے دیا؛ مگر عوام کو تو علما کا اتباع لازم ہے، جب کہ اس کا فتویٰ کسی ایک روایت کے موافق ہے۔

(۲-۳) جمعرات سے روزہ رکھنے والے دو قسم کے ہیں، ایک علما دوسرے جہلا، علما کو اگر فقیہ مذکور کا فتویٰ اس وجہ سے مسلم نہ ہوا کہ اس نے روایتِ متون کے خلاف فتویٰ دیا تو ان کو گناہ نہیں ہوا اور یہی حکم ان جہلا کا ہے، جو ان علما کے معتقد ہیں، جنھوں نے ان علما کے اختلاف کی وجہ سے فقیہ مذکور کے فتویٰ کو تسلیم نہیں کیا اور اس کی صحت میں ان کو شبہ ہوگیا، رہے وہ جہلا جن کو فقیہ مذکور کے فتویٰ کا علم ہوا اور دوسرے علما کے خلاف کا علم نہیں ہوا، ان کو بدھ کے دن نہ روزہ رکھنے سے گناہ ہوا۔

رہا یہ کہ ان لوگوں کے ذمہ ایک روزہ کی قضا اور اس کے عمداً توڑنے سے کفارہ واجب ہوگا، یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شہادتِ مذکورہ کے موافق تیس دن پورا کرنے کے بعد بھی چاند نہ ہونے سے شہادتِ مذکورہ کا کذب وغلط محقق ہوگیا؛ اس لیے بدھ کے دن ثبوتِ رمضان قطعی نہ رہا، پس وجوبِ کفارہ کی کوئی وجہ نہیں اور نہ قضا واجب ہے، البتہ جن مقامات سے جمعہ کی عید کی خبر آئی ہے، اگر وہاں سے بدھ کے دن یکم رمضان ہونے کی بھی اطلاع آجائے اور یہ اطلاع بطریقِ موجب شرعی حاصل ہو تو ان لوگوں پر بدھ کے دن کے ایک روزہ کی قضا واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔

۲۲/شوال ۱۳۴۶ھ۔ (امداد الاحکام: ۳/۱۱۷-۱۱۹)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل في شرائطها: ۵۷۹/۲، دارالکتب العلمیة بیروت، انیس

روزہ سے متعلق معذور کے احکام

فصل کی کٹائی کے واسطے روزہ افطار کرنا جائز ہے، یا نہیں:

سوال: فصل کٹائی، یا کسی ایسے ہی سخت مشقت والے کام کے لیے روزہ کا افطار جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر فصل کاٹنے میں تاخیر کرنے سے زراعت کے ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو، تب تو کاشتکار کو لازم ہے کہ فصل کو بعد رمضان کے کاٹے اور اگر تاخیر سے زراعت کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو؛ اس لیے رمضان ہی میں کاٹنا پڑے اور کٹائی کی حالت میں روزہ دشوار ہو تو کاشتکار کو اس حالت میں افطار جائز ہے اور درست ہے کہ بعد رمضان کے ان ایام کی قضا کرے کفارہ نہ ہوگا۔

قال في الفتاوى الكاملية: سئلت عن حصّاد لم يقدر علىٰ حصاد زرعه مع الصّوم وإذا أخره يهلك هل يجوز له الافطار حينئذٍ، فالجواب، نعم يجوز له ذلک حينئذٍ فقد نقل المحقق ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالىٰ في حواشيه على الدرعن الخير الرملي مانصّه: وعلىٰ هٰذا الحصاد إذا لم يقدر عليه مع الصوم ويهلك الزرع بالتأخير لاشک جواز الفطر والقضاء، آه، واللّٰه أعلم. (ص: ۱۶-۱۷)(۱)

۲۱ / رمضان ۱۳۴۱ھ (امداد الاحکام: ۳/ ۱۳۸-۱۳۹)

استفتاء عن القلب اور معذور کے لیے افطار کا حکم:

سوال: فدوی نے پہلا روزہ رکھا، دن بھر طبیعت خراب رہی، بعد افطار بہت ہی خراب ہوگئی کہ عرض نہیں کرسکتا۔ فدوی جانتا ہے، یا فدوی کا خدا جب حکم حضورِ پُر نور دل سے فتویٰ لیا، دل نے کہا کہ بموجبِ حکم اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہم کو روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔

اول حکم: اپنے کو تہلکہ میں مت ڈالو۔

دوسرا حکم: اللہ تعالیٰ جل جلالہ وجل شانہٗ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا ہے، جو وہ برداشت نہ کر سکے۔

تیسرا حکم: جان بچانی فرض ہے۔

---

(۱) الفتاویٰ الكاملية، كتاب الصوم، في الحوادث الطرابلسة، للشيخ محمد كامل بن مصطفىٰ، ص: ۱۶-۱۷

اب فدوی روزہ نہیں رکھتا ہے۔ دل کا فتویٰ صحیح ہے، یا کیا؟

الجواب

دل سے فتویٰ لینا اور اس کے فتوے پر عمل کرنا ہر شخص کو جائز نہیں اور نہ ہر مسئلہ میں جائز ہے؛ بلکہ اس کا محل وہ امور ہیں، جن میں دلیلیں متعارض ہوں اور ظاہر میں کسی دلیل کو دوسری پر ترجیح نہ ہو تو ایسے مواقع میں فتویٰ قلب پر وہ شخص عمل کرسکتا ہے، جو کامل الایمان ہو اور سلیم الفہم عارف بدقائق النفس ہو، **صرّح بأصله في رسالته التشرف.**

پس آپ کا روزہ کے معاملہ میں قلب سے فتویٰ لینا بالکل غلط تھا، جب کہ علما حکم شرعی بتلانے والے موجود تھے، جو معرفت وعلم وکمال ایمان میں آپ سے زائد ہیں، پس اوّل آپ کسی طبیبِ حاذق عادل سے نبض وغیرہ دکھلا کر دریافت کیجیے کہ روزہ رکھنا آپ کو حالتِ موجودہ میں مضر ہے، یا نہیں؟ اگر وہ صوم کو مضر بتلائے اور یہ کہے کہ روزہ سے مرض شدید ہو جائے گا، جس کا تحمل دشوار ہوگا، تو آپ کو روزہ نہ رکھنا جائز ہوگا، اور رمضان کے بعد قضا واجب ہوگی، خواہ سردیوں میں قضا کردی جاوے اور اگر روزہ کو مضر نہ بتلائے تو روزہ رکھنا فرض ہے اور قدر قلیل تعب وسوء مزاج قابلِ اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم

۱۲/رمضان ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۱۴۰/۳)

روزہ اور جسمانی نقاہت:

سوال: کسی شخص کی روزہ رکھنے کی نیت ہے؛ لیکن اپنی جسمانی کمزوری جیسے نقاہت وغیرہ کی وجہ سے عاجز ہے اور سمجھتا ہے کہ روزہ رکھوں گا تو پورے نہ کرسکوں گا، ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہیے؟

(مقصود حسین خاں، نظام آباد)

الجواب

اگر واقعی کوئی شخص اتنا کمزور ہو کہ روزہ نہیں رکھ سکتا اور یہ اس کی عارضی بیماری ہو تو اسے وقتی طور پر روزہ نہیں رکھنے اور بعد میں روزہ قضا کرلینے کی گنجائش ہے؛ لیکن یہ عجز محض وہم کے درجہ کا نہ ہو؛ بلکہ یہ کسی معتبر مسلمان ڈاکٹر کی رائے کی روشنی میں ہو، یا کم سے کم خود روزہ رکھ کر دیکھے، اگر تجربہ سے ثابت ہو کہ واقعی وہ روزہ پورا نہیں کرسکتا تو پھر اس کے لیے آئندہ دنوں میں روزہ نہ رکھنے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴۰۹/۳-۴۱۰)

بیماری کی وجہ سے روزہ کی قضا:

سوال: کس قسم کے امراض کی بنا پر روزہ نہ رکھنا جائز ہے؟ اگر ایک شخص چند روز روزہ رکھ سکتا ہو؛ لیکن چند دنوں کے بعد مسلسل روزہ رکھنے کی صورت میں اس کے مرض میں اضافہ ہو جاتا ہے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟ (شیخ داؤد، محبوب آباد)

الجواب

شریعت میں انسانی حرج اور ضرورت کی قدم قدم پر رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے،(۱) ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ مرض کی بناء پر روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، اس کی چند صورتیں ہیں:

(الف) پہلے سے مریض ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے ہلاک ہوجانے یا کسی عضو کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہو۔

(ب) پہلے سے مریض ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ہو۔

(ج) پہلے سے مریض ہو، روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض میں اضافہ کا اندیشہ نہ ہو؛ لیکن خطرہ ہو کہ یہ صحت میں تاخیر اور بیماری میں طول کا باعث ہوگا۔

(د) ابھی بیمار نہ ہو، یعنی بیماری ظاہر نہ ہو؛ لیکن معتبر و دیانت دار مسلمان ماہر معالج کی رائے ہو کہ روزہ رکھنے کی صورت میں وہ مریض ہوجائے گا۔

ان چاروں صورتوں میں رمضان المبارک کا روزہ نہ رکھنے اور بعد میں قضا کر لینے کی گنجائش ہے،(۲) البتہ محض بیماری کے وہم کی وجہ سے روزہ چھوڑنا جائز نہیں۔ شرعی احکام کی بنیاد غالب گمان پر ہوتی ہے، نہ کہ محض اوہام پر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس قدر ممکن ہو، اللہ کا حکم بجالاؤ''۔(۳)

لہٰذا اگر کوئی شخص مسلسل روزہ نہیں رکھ سکتا، چند دنوں روزہ رکھنے کے بعد چند دن روزہ توڑنا اس کے لیے ضروری ہوجاتا ہے تو جتنے دن روزہ رکھ سکتا ہو رکھ لے، جب تکلیف شروع ہوجائے، یا اس کا اندیشہ پیدا ہوجائے تو روزہ نہ رکھے اور بعد میں قضا کرلے۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۰۷-۴۰۸)

---

(۱) ﴿لايُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا الَّا وُسْعَهَا﴾(سورة البقرة:۲۸۶،انيس)

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾(سورة لمائدة:٦،انيس)

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾(سورة الحج:۷۸،انيس)

"مَا خُيِّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ الا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَالَمْ يَكُنْ اثْمًا، فَانْ كَانَ اثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ".(أبوداؤد:٦٦٠/٢، كتاب الأدب، باب فى العفو والتجاوز،انيس)

"اَلْمَشَقَّةُ تَجْلِبُ التَّيْسِيْرَ".(الأشباه والنظائر،القاعدة الرابعة،انيس)

"عَلَيْكُمْ مِنَ الأعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ فانَّ اللّٰهَ لا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا".(صحيح البخارى:١١/١،كتاب الإيمان، باب:أحب الدين إلى الله عزوجل أدومه)

(۲) أما المرض فالمرخص منه،إلخ.(بدائع الصنائع، كتاب الصوم،فصل فى حكم من أفسد صومه: ٦٠٩/٢، دارالكتب العلمية بيروت/البحرالرائق،كتاب الصوم،فصل فى العوارض:٤٩٢/٢.دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

(۳) عن ابن عمررضى الله عنهماقال:كنا إذا يابعينا رسول الله صلى الله عليه وسلم على السمع والطاعة يقول لنا:"استطعتم".(صحيح البخاري،رقم الحديث:٧٢٠٢،باب:كيف يبايع الإمام الناس)

شدید مرض کے باوجود روزہ:

سوال: اعصابی کمزوری کا دائم المریض ہمت کر کے رمضان کے روزے رہتا ہے۔ دس، بیس روزوں کے بعد قوی وہمت جواب دے جاتی ہے، جب کہ مریض کی عین تمنا یہی ہے کہ حالت روزہ میں اس کا انتقال ہو، ایسے مریض وروزہ دار کے لیے کیا احکامات ہیں؟ (ایم، ایس خان، اکبر باغ)

الجواب

اگر دس بارہ روزوں کے بعد روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہی اور معالج روزہ رکھنے سے منع کرتا ہو تو روزہ توڑ دینا چاہیے، روزہ رکھ کر جان دے دینا درست نہیں؛ کیوں کہ بیماری کی وجہ سے روزہ توڑنے کی اجازت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، (۱) اور اللہ کی دی ہوئی سہولتوں سے فائدہ اٹھانا اللہ کے سامنے اپنے عجز اور ضعف و ناطاقتی کا اظہار ہے اور یہی عبدیت و بندگی کی اصل روح ہے۔ ایسی سہولتوں سے فائدہ نہ اٹھا کر اپنی جان دے دینا کوئی محمود اور پسندیدہ عمل نہیں کہ اسلام کی خصوصیت عدل اور اعتدال ہے، وہ عبادات میں بھی اعتدال کا قائل ہے اور غلو سے منع کرتا ہے۔

(کتاب الفتاویٰ: ۴۰۹/۳)

طبیب کے مشورہ پر روزہ نہ رکھنا:

سوال: گرم مزاج آدمی کو موسم گرما کی وجہ سے طبیب نے یہ مشورہ دیا کہ روزہ رکھنے کی صورت میں مرض بہت بڑھ جائے گا اور صحت مشکل ہوگی تو اس صورت میں روزہ قضا کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

افطار کرنا جائز ہے۔ (کذا فی الدر المختار) (۱) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۳۸)

---

(۱) يـاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ o أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَـانَ مِـنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (سورة البقرة: ۱۸۳-۱۸۴، انيس)

قَـوْلـه تَـعَـالَـى: ﴿فَـمَـنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ قَالَ أَبُو بَكْرٍ: ظَاهِرُهُ يَقْتَضِي جَوَازَ الْإِفْـطَـارِ لِـمَـنْ لَـحِـقَـهُ الِاسْمُ سَوَاءٌ كَانَ الصَّوْمُ يَضُرُّ أَوْ لَا، إِلَّا أَنَّا لَا نَعْلَمُ خِلَافًا أَنَّ الْمَرِيضَ الَّذِي لَا يَضُرُّهُ الصَّوْمُ غَيْرُ مُرَخَّصٍ لَهُ فِي الْإِفْطَارِ، فَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: إذَا خَافَ أَنْ تَزْدَادَ عَيْنُهُ وَجَعًا أَوْ حُمَّاهُ شِدَّةً أَفْطَرَ. (أحكام القرآن للجصاص: ۲۱۲/۱، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) أو مرض خاف الزيادة، الخ. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ۴۰۳/۳، دارعالم الكتب، رياض، انيس)

زیادتی مرض کے خوف سے افطار کرنا:

سوال: روزہ رکھنے کے بعد کوئی شخص بیمار ہوگیا اور شام تک روزہ پورا کرنے میں مرض کی زیادتی کا ظن غالب ہے تو ایسی صورت میں افطار جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

جائز ہے۔

رسائل الارکان میں ہے:

"إذا حدث المرض فی نهار رمضان ویظن بالصوم الزیادة علی المرض، یباح له الإفطار، انتهی". (۱) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۳۸)

کسی ظالم کے خوف سے روزہ قضا کرنا:

سوال: ایک ظالم ایک شخص سے کہتا ہے، کہ اگر تو اس ماہ رمضان میں روزہ رکھے گا تو میں تجھ سے تیرا سب مال چھین لوں گا اور اس شخص کو اس مال کے جانے سے بہت دقت اور تکلیف ہوگی اور وہاں کوئی ایسا شخص نہیں ہے، جو اس کو اس ظلم سے بچائے اور اس کے پاس ایسا سامان اور حمایت بھی نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ حاکم سے فریاد کرکے، اس مال کو جو ظالم غصب کرتا ہے، وصول کر سکے۔ اس صورت میں مظلوم کو دفعِ ظلم کے واسطے، اس رمضان میں افطار کرنا اور اس کی قضا، دوسرے مہینے میں جائز ہے، یا نہیں؟

زید کہتا ہے کہ جائز نہیں ہے، اس واسطے کہ یہ شخص نہ مریض ہے، نہ مسافر اور بکر کہتا ہے کہ یہ افطار اور قضا جائز؛ بلکہ اولیٰ ہے۔ مرض اور سفر میں افطار کی علت قرآن سے ثابت ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا اور صورت مذکورہ میں روزہ رکھنے میں ایسی سختی ہے کہ اکثر اوقات مرض اور سفر میں بھی نہیں ہوتی۔ اس مسئلہ میں زید کا قول ٹھیک ہے، یا بکر کا؟

ان مسائل کا جواب شافی دوسرے ورق پر روانہ فرمائیں اور اپنی خیریت سے اطلاع دیجئے۔ فقط والسلام

عریضہ ادب: نظیر حسن عفی عنہ

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

اکراہ جان پر ہوسکتا ہے نہ مال پر، اگر مال لینے کی تخویف کرے اور روزہ فرض سے روکے تو مال اگرچہ جاوے،

---

(۱) **رسائل الأرکان للشیخ عبد العلی فرنگی محل، الرسالة الثالثة فی الصوم، فصل فی الأعذار المبیحة للافطار، ص:۲۱۶، المطبع العلوی. انیس**

ترک فرض درست نہیں ہے، اور غرض سفر کی تخفیف سے مال کو بچانا نہیں ہوسکتا،(۱) مال خرچ کے واسطے ہے، جان کی راحت کے واسطے ہوتا ہے۔

ہنوز طبع میری درست نہیں ہوئی، اسی واسطے سبق طلبا کا شروع کرایا نہیں گیا۔ فقط

(فرخ آباد، ص:۱۱-۱۵) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص:۲۰۹)

قضا کے لیے حیلہ اختیار کرنا مذموم ہے:

سوال: اگر قصداً روزہ سے بچ کر سفر، یا مرض وغیرہ کر کے روزہ قضا کرے تو جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

مسافر شرعی اور مریض کو افطار کرنا درست ہے، (۲) اور حیلہ کرنا مذموم اور قبیح ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۴۹۶)

☆☆☆

(۱) یعنی سفر کی رخصت پر حفاظت مال کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ [پالن پوری]

(۲) (المسافر) سفراً شرعياً ولو بمعصية ... أومريض خاف الزيادة) لمرضه ... الفطر ... وقضوا لزوماً ما قدروا.
(الدرالمختارعلیٰ ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة :۳/۴۰۳-۴۰۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

يـاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ o أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (سورة البقرة:۱۸۳-۱۸۴، انيس)

سحر وافطار کے احکام ومسائل

سحری کے لیے اذان:

سوال: سحری تناول کرنے سے پہلے ماہ رمضان شریف میں اذان، جگانے اور سحری کھانے کے لیے دی جائے تو کیا اذان بموجبِ شریعت جائز ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

نقارہ وغیرہ کے ذریعہ سونے والوں کو جگا دیا جائے، سحری تناول کرنے کے لیے اذان نہ دی جائے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۹/۲۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۰۵/۱۰)

نقارہ افطار وسحور کا حکم:

سوال: اگر رمضان المبارک میں سحری وافطار کے اوقات صحیحہ بتانے کے لیے جامع مسجد میں نقارہ کا انتظام کیا جاوے اور اس کے ذریعہ سے تمام مسلمانوں کو اطلاع دی جاوے اور ان کو صحیح وقت بتلا کر غلطی سے بچایا جاوے تو آیا ایسا کرنا عند الشرع جائز ہے، یا نہیں؟ بعض لوگ ناقوس وغیرہ اور ہندوؤں کی عبادات کے مشابہ ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صحابہ میں ثابت نہ ہونے سے نامشروع اور قبیح سمجھتے ہیں۔ جواب مع دلیل ارشاد ہو اور ایسی تقریر فرمائی جاوے کہ سارے شبہات برأسہ مندفع ہو جاویں، گو ہر مسئلہ کی دلیل درکار نہیں ہوتی؛ مگر صورت ہذا میں دلیل کی حاجت بوجہ شبہات مذکورہ پیدا ہوگئی ہے۔ فقط

الجواب ـــــــــــــــــــ

طبل سحور کو فقہا نے جائز لکھا ہے،(۲) اور افطار اور سحور کی مصلحت متشابہ ہے، اس کے لیے بھی کچھ حرج نہیں؛ مگر فرش مسجد سے علاحدہ ہو اور ناقوس وغیرہ سے اس کو اس لیے مشابہت نہیں کہ وہ لوگ اس طریق اعلان کی خصوصیت کو

---

(۱) ولیس لغیر الصلوات الخمس والجمعة نحو السنن والوتر والتطوعات والتراويح والعيدين أذان ولا اقامة. (الفتاویٰ الهندية، الباب الثاني في الأذان: ۵۳/۱، رشيدية)

(۲) وإن أراد أن يتسحر بضرب طبل سحرى فإن كثر ذلك الصوت من كل جانب وفى جميع أطراف البلدة فلا بأس به وإن كان يسمع صوتا واحدا فإن علم عدالته يعتمد عليه وإن عرف فسقه لا يعتمد عليه وإن لم يعرف حاله يحتاط ولا يأكل. (المحيط البرهاني: ۳۷۴/۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

عبادت بھی سمجھتے ہیں اور یہاں کوئی ایسا نہیں سمجھتا اور خیر القرن میں اس کی نظیر دَفِّ نکاح ہے کہ اس سے بھی مقصود اعلان ہے، ایک طاعت کی تحقیق کا اور اس سے بھی مقصود اعلان ہے، ایک طاعت کے وقت کے تحقیق کا؛ بلکہ عندالتامل دَف اپنی غرض میں اس قدر محتاج الیہ نہیں، جس قدر عوام کے اعتبار سے یہ اپنی غرض میں محتاج الیہ ہے۔

یکم رمضان ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولی، ص:٦٦) (امداد الفتاوی جدید:۲/۱۰۱) ☆

سحر وافطار کی اطلاع بذریعۂ سائرن:

سوال: شہر سہارنپور میں عرصۂ دراز سے رمضان المبارک میں سحر وافطار کے وقت گولے چھوڑے جاتے ہیں، اب تقریباً دس جگہ گولے چھوڑے جاتے ہیں اور ان میں تھوڑا لیٹ ٹائم میں فرق ہوجاتا ہے اور تقریبا چالیس روپے روزانہ خرچ ہوتے ہیں، جامع مسجد میں تین سو روپے ہر سال خرچ آتا ہے اور گولا سبزی منڈی میں چھوڑا جاتا ہے، ایسی صورت میں کسی کو چوٹ آجانے کا بھی خطرہ ہے، جس سے ناحق جھگڑا جائے اور سحر وافطار صحیح طریقہ پر ہوجائے اور رقم بھی بچ جائے۔ شرعاً اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر وہاں سحر وافطار کی اطلاع جامع مسجد کے ذمہ ہے تو موجودہ انتشار کا دفعیہ، جھگڑے سے تحفظ سائرن سے ہوجائے تو ذمہ دارانِ جامعِ مسجد کے مشورہ سے سائرن خرید سکتے ہیں، اس کو مسجد سے باہر کسی دری وغیرہ میں رکھا جائے، اگر رائے متفق نہ ہو تو اہلِ وسعت اس کا انتظام کرلیں۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۰۸)

☆ **ایضاً:**

سوال: سحری کے وقت روزہ داروں کی اطلاع اور نیند سے بیداری کے لیے نقارہ پیٹنا، یا ڈھول کوٹنا، گھنٹہ بجانا، یا توپ سر کرنا، یا گولہ چھوڑنا جائز ہے، یا نہ؟ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان کہا کرتے تھے، اب بھی اذان کہنا تو جائز بلکہ سنت ہے اور اس کے خلاف بدعت ہے، اس میں کیا تحقیق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

فقہا کے کلام سے اجازت معلوم ہوتی ہے بشرط عدم التطریب اور اذان موجب التباس ہے، لہٰذا امت نے ترک کردیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع تلبیس کا انتظام فرمادیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب؛ یعنی خلیفہ کو اب بھی اس کی اجازت ہے؛ کیوں کہ وہ جو کچھ کرے گا، انتظام سے کرے گا، دوسرے لوگ ایسے انتظام پر قادر نہیں؛ اس لیے ہر شخص کو اس کی اجازت نہیں۔

۱۳/شعبان ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ، ص:۱۹۳) (امداد الفتاویٰ جدید:۲/۱۰۱)

---

(۱) يتسحر بقول عدل، وكذا بضرب الطبول، واختلف في الديك، وأما الافطار فلا يجوز بقول الواحد بل المثنى، وظاهر الجواب أنه لابأس به إذا كان عدلا صدقه ... وبالأولى سماع الطبل أو المدفع الحادث في زماننا، لاحتمال كونه لغيره؛ ولأن الغالب كون الضارب غير عدل، فلا بد حينئذٍ من التحرى فيجوز. (رد المحتار، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، مطلب جواز الافطار بالتحرى: ۳۸۳/۲، دار عالم الكتب، الرياض، انيس)

سحری وافطاری کی اطلاع کے لیے گولہ چھوڑنا اور نقارہ بجانا جائز ہے:

سوال: رمضان شریف میں افطاری وسحری کے لیے نقارہ بجانا ٹھیک ہے، یا گولہ چھوڑنا بہتر ہے؛ کیوں کہ اگر گولہ چھوڑا جائے تو آٹھ میل تک دیہات کے لوگ ہیں وہ بھی سن سکتے ہیں اور نقارہ سوائے محلّہ کے سنائی نہیں دیتا، گزشتہ سال میں لوگوں کو افطاری سحری کا بذریعہ گولہ پتہ لگ جاتا تھا، اس واسطے دیہات اور شہر کے اکثر لوگوں کا خیال گولہ چھوڑنے کا ہے، کیا گولہ منگا یا جائے، یا نقارہ؟ شریعت میں تو اذان ہی کافی ہے۔

(المستفتی: ۱۹۱۱، محمد موسی صاحب امام مسجد پچن آباد، بہاولپور، ۱۷/شعبان ۱۳۵۶ھ، مطابق ۲۳/اکتوبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

سحری اور افطار کے وقت کی اطلاع کے لیے گولہ چھوڑنا جائز ہے، نقارہ بجانا بھی جائز ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۲۴۸/۴)

سحری اور افطار کے وقت ڈھول بجانا:

سوال: کیا سحری وافطار ونماز جمعہ وعیدین کے لیے جمع ہونے کے واسطے کوئی باجا، یا دَف، یا نقارہ، یا ڈھول، یا بارود کا گولہ، یا گھنٹہ بجانا درست ہے، یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو تمام باجے، یا کوئی خاص باجا، مثلاً دَف اور جملہ امور شادی بیاہ، بارات نکاح کے لیے جائز ہے، یا صرف وہی امور مثل مذکورہ بالا کے لیے جائز ہے؟ اور مسجد کی چھت، یا مسجد کے فرش، یا مینار، یا برج پر بھی جائز ہے اور افطاری کے وقت قبل اذان، یا بعد اذان بجانا چاہیے؟ بعض مقام ایسے ہی ہیں، جس جگہ اہل ہنود اس رحمتِ عظمیٰ سے منع کرتے ہیں؛ یعنی اذان بلند آواز سے نہیں ہونے دیتے ہیں، اس جگہ یہ نقارہ وغیرہ بجادیا جائے، یا عام جگہ؟ اور اس سے شبہ ہوتا ہے کہ جو موافقت کرے غیر قوم کی، وہ انہیں میں سے ہے۔تمام باجوں کے ساتھ شیطان ہے، یا تمام کاموں کے واسطے فرمان، یا منادی ہونی چاہیے؟

الجواب ــــــــــــ حامداً ومصلیاً

سحری کا ی افطاری کا وقت معلوم نہ ہوتا ہو اور روزوں کے فساد کا اندیشہ ہو تو نقارہ بجانا، یا گھنٹہ بجانا، بارود کا گولہ بنانا درست ہے۔(۲) لیکن مسجد، یا اس کی چھت پر نہیں چاہیے، بلکہ مسجد سے ہٹ کر کسی دوسرے مکان، یا بلند مقام پر

(۱) اذان کی مشروعیت نماز کے لیے ہے، افطار کے لیے نہیں؛ لیکن چوں کہ مغرب کی اذان غروب آفتاب سے پہلے درست نہیں؛ بلکہ آفتاب غروب ہونے پر دی جاتی ہے اور وہی وقت افطار کا بھی ہوتا ہے، لہذا جیسے اذان سے افطار کا اندازہ ہو جاتا ہے، ایسے ہی اگر کسی اور جائز ذریعے سے افطار کا اندازہ ہوتا ہو تو جائز ہے۔

(۲) یتسحر بقول عدل، وکذا بضرب الطبول، واختلف فی الدیک، وأما الافطار، فلایجوز بقول الواحد، بل بالمثنی، وظاهر الجواب أنه لابأس به اذا کان عدلا صدقه ...وبالأولیٰ سماع الطبل أوالمدفع الحادث فی زماننا، لاحتمال کونه لغیره؛ ولأن الغالب کون الضارب غیرعدل، فلا بد حینئذٍ من التحری فیجوز. (ردالمحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم ومالا یفسده مطلب: جوازالافطاربالتحری: ۳۸۳/۳، دارعالم الکتب، ریاض، انیس) ==

چاہیے؛ کیوں کہ یہ چیز احترام مسجد کے خلاف ہے۔(۱) نماز کے لیے شریعت نے اذان مقرر فرمادی ہے، لہٰذا اس کے لیے ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔ (۲) نماز عید کے وقت کا پہلے سے اعلان کردیا جائے، جب کہ اذان کی ممانعت اس جگہ ہے تو اس قدر بلند آواز سے نہ کہیں جائے، جس سے نا قابلِ برداشت فتنہ پیدا ہو؛ لیکن بالکل ترک کرنا بھی نہیں چاہیے؛ بلکہ کسی قدر درست آواز سے کہہ لیا کریں، آخر تکبیر بھی تو کہتے ہی ہوں گے، اس سے کچھ اور بلند آواز سے کہہ لیں۔ نکاح کے اعلان کے لیے دَف بجانا بغیر ساز کے درست ہے، (۳) اور کسی باجے کی کسی کام کے لیے قطعاً اجازت نہیں۔ (۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمد گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۲/ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ ہذا، ۲/ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۰۵-۲۰۷)

== وقد يقال: أن المدفع في زماننا يفيد غلبة الظن وإن كان ضاربه فاسقا؛ لأن العادة أن المؤقت يذهب إلى دار الحكم آخر النهار فيعين له وقت ضربه ويعينه آنفاً للوزير وغيره، وإذا ضربه يكون ذلك بمراقبة الوزير أو عوانه للوقت المعين، فيغلب على الظن بهٰذه القرائن عدالخطأ وعدم قصد الافساد، وإلا لزم تأيثم الناس وايجاب قضاء الشهر بتمامه عليهم، فإن غالبهم يفطر بمجرد سماع المدفع من غير تحرو لا غلبة ظن، والله تعالىٰ أعلم. (رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده مطلب: جواز الافطار بالتحرى: ۳۸۳/۳، دارعالم الكتب، رياض، انيس)

(۱) قال القرطبي: "وتصان المساجد أيضاً عن البيع والشراء وجميع الاشتغال؛ لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للرجل الذى دعا إلى الجمل الأحمر: "لا وجدت، إنما بنيت المساجد لما بنيت له"... وهٰذا يدل علىٰ أن الأصل إلا يعمل في المسجد غير الصلوات والأذكار وقراءة القرآن". (الجامع لأحكام القرآن، تحت قوله تعالىٰ: ﴿في بيوت اذن الله﴾، الخ، من تفسير سورة النور: ۳۶: ۱۲/ ۱۷۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"السادس أن لايرفع فيه الصوت من غير ذكر الله". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، باب اداب المسجد والقبله والمصحف: ۳۹۷/۵، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) قال العلامة النووى رحمه الله: "فقد صح في حديث عبد الله بن زيد بن عبد ربه في سنن أبي دائود والترمذى وغيرهما أنه راى الأذان في المنام، فجاء إلىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم يخبره به، فجاء عمر رضى الله تعالىٰ عنه فقال: يا رسول الله! والذى بعثك بالحق! لقد رأيت مثل الذى رأى وذكر الحديث فهٰذا ظاهره أنه كان في مجلس آخر، فيكون الواقع الإعلام أولا ثم رأى عبد الله بن زيد الأذان فشرعه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد ذلك أما بوحى وأما باجتهاده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم علىٰ مذهب الجمهور في جواز الاجتهاد وليس هو عملاً بمجرد المنام، وهٰذامالا شك فيه". (شرح النووى علىٰ الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱۶۴/۱، قديمى)

(۳) قال العلامة الملا على القارى رحمه الله تعالىٰ في شرح حديث عائشة رضى الله تعالىٰ عنها: "واضربوا عليه بالدفوف": "قال الفقهاء: المراد بالدف ما لا جلاجل له. كذا ذكره ابن الهمام". (مرقاه المفاتيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط: ۳۱۲/۶، (رقم الحديث: ۳۱۵۲)، رشيدية)

(۴) قال العلامة الآلوسى رحمه الله تعالىٰ: "ومما ذكرنا يعلم ما في الاستدلال بها علىٰ حرمة الملاهى كالرباب و الجنك والسنطير واكمنجة والمزمار وغيرها من الآلات المطربة ... أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ليكونن في أمتي قوم يستحلون الخنز والخمر والمعازف" وهو صريح في تحريم جميع الآلات للهو المطربة". (روح المعاني، دارإحياء التراث العربي: ۷۶/۲۱، بيروت)

جس لاؤڈ اسپیکر پر گانے گائیں جائیں، اس سے سحری کے لیے جگانا:

سوال: لاؤڈ اسپیکر پر فحش گانے ہوتے ہیں، کچھ قوالیاں بھی ہوتی ہیں، اس طرح سحری کے لیے جگانا جائز ہے، یا نہیں؟ شادی بیاہ کے موقع پر لاؤڈ اسپیکر لگا کر اس طرح گانے بجانا جائز ہے، یا نہیں؟ اور لاؤڈ اسپیکر سے جو روپیہ کمایا جاتا ہے، وہ حلال ہے، یا حرام؟ کوئی عالم فاضل اگر ایسے شخص کے یہاں ٹھہرے، یا کھانا کھاوے تو جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ——————— حامداً و مصلیاً

لاؤڈ اسپیکر پر اس طرح فحش گانے گا کر سحری کے لیے جگانا ممنوع ہے، احترامِ رمضان کے بھی خلاف ہے، فی نفسہ بھی نا جائز ہے، شادی بیاہ میں بھی یہ چیز منع ہے۔(۱) اس طرح روپیہ کمانا بھی منع ہے۔ اہل علم کو ایسے روپیہ سے دعوت قبول نہیں کرنا چاہیے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۳۹۰/۹/۱۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۰۸/۱۰-۲۰۹)

منتہائے وقت سحر:

سوال: ماہ رمضان المبارک کی رات میں کس قدر حصہ رات کا باقی رہتا ہے کہ اس وقت تک سحری کھانا درست ہے؟

الجواب ———————

ہیئت کے قاعدہ سے طلوع آفتاب کے وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تک (۳) سحری کھا سکتے ہیں اور فقہا نے احتیاط کی ہے کہ غروب سے طلوع تک کل وقت جتنا ہے، اس کو سات پر تقسیم کریں، چھ حصہ میں سحری کھا سکتے ہیں۔

۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد: ۷۶/۱) (امداد الفتاوی: ۹۵/۲-۹۶)

---

(۱) اختلفوا في التغني المجرد، قال بعضهم: إنه حرام مطلقاً، والاستماع إليه معصية، وهو اختيار شيخ الإسلام ... قال رحمه اللّٰه تعالىٰ السماع والقول والرقص الذي يفعله المتصوفة في زماننا حرام لايجوز القصد إليه والجلوس عليه، وهو الغناء والمزامير سواء ... وسئل أبو يوسف رحمه اللّٰه تعالىٰ عن الدف أتكرهة في غير العرس بأن تضرب المرأة في غير فسق للصبي؟ قال: لا أكره، وأما الذي يجيء منه اللعب الفاحش للغناء، فإني أكره، كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء و اللهو وسائر المعاصي والأمر بالمعروف: ۳۵۱/۵-۳۵۲، رشيدية)

(۲) أدى إلىٰ رجل شيئها أو أضافه، إن كان غالب ما له من الحلال فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام فان كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية ولا يأكل الطعام، إلا أي خبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل، كذا في الينابيع ... أكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ما له حرام لا يقبل ولا يأكل". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵-۳۴۳، رشيدية)

(۳) بعض مواسم میں اس سے بھی زیادہ گنجائش ہے، یہ احتیاطاً لکھ دیا۔ منہ

سحری کا آخری وقت:

سوال: سحری کا آخری وقت کب تک رہتا ہے؟ کس وقت سحری چھوڑ دینا چاہیے؟ (محمد واصف، مرادنگر)

الجواب ـــــــــــــــــ

صبح صادق طلوع ہونے سے روزہ کا وقت شروع ہوتا ہے، جو وقت ابتداء فجر کا ہے، وہی وقت انتہاء سحر کا ہے، دونوں اوقات کے درمیان کوئی حدِ فاصل نہیں ہے، سحری کو تاخیر سے ادا کرنا مستحب ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم فرمایا ہے؛(۱) لیکن اتنی تاخیر بھی نہ ہونی چاہیے کہ رات کا باقی رہنا ہی مشکوک ہو جائے۔

"یکرہ تأخیر السحر إلٰی وقت یقع فیہ الشک". (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۲۶)

حکم ترک سحور بسماع اذان:

سوال: ایک شخص بیدار ہو کر اس خیال سے کہ ابھی رات باقی ہے، سحری کھانے لگا کہ دفعتاً اذان کی آواز کان میں آئی، اس نے اذان سنتے ہی فوراً لقمہ منہ سے نکال کر پھینک دیا اور کلی کر ڈالی اور غروب آفتاب تک روزہ پورا کیا تو کیا یہ روزہ اس کا صحیح ہو گیا اور قضا کی ضرورت نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــ

یہ تو مستبعد ہے کہ بمجر دطلوع فجر اذان بھی شروع ہوتی ہو، عادۃً طلوع قبیل اذان ہوا ہے۔ پس اس کا اکل بعد فجر کے واقع ہوا ہے؛ اس لیے یہ روزہ نہیں ہوا، البتہ اگر اذان قبل طلوع ہوئی ہے تو روزہ درست ہو گیا۔

۸/ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص: ۷۳) (امداد الفتاویٰ: ۲/۱۰۶)

اذان سن کر سحری ختم کرنا:

سوال: ہمارے یہاں سحری عام طور پر صبح صادق سے پہلے نہیں؛ بلکہ اذان سن کر ختم کی جاتی ہے، اذان تک کھانا پینا، پان تمباکو کا سلسلہ جاری رہتا ہے، ادھر اذان شروع ہوئی اور ادھر لوگوں نے جلدی جلدی پان تمباکو تھوک دیا، کیا اس طرح روزہ ادا ہو جائے گا؟

الجواب ـــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

شرعاً روزہ کا وقت صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک ہے؛ اس لیے صبح صادق کے شروع ہونے سے کچھ پہلے

---

(۱) عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال: تسحرنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قمنا إلی الصلاۃ، قلت: کم کان قدر ما بینھما؟ قال: خمسین آیۃ. (الصحیح لمسلم، کتاب الصوم، باب فضل السحور وتأکید استحبابہ واستحباب تأخیرہ، الخ: ۱/۳۵۰، رقم الحدیث: ۲۴۴۱، دار الفکر بیروت، انیس)

(۲) الفتاوی الھندیۃ، کتاب الصوم، الباب الثالث فیما یکرہ للصائم وما لا یکرہ: ۱/۲۲۰، دار الکتب العلمیۃ بیروت، انیس

کھانا پینا بند کرکے روزہ شروع کردیا جائے؛ تاکہ شرعاً روزہ درست ہو، فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور اذان وقت کے داخل ہونے کے بعد؛ یعنی صبح صادق ہوچکنے کے بعد دی جاتی ہے، اب اگر کھانے، پینے کا سلسلہ اذان سن کر ختم کیا جائے گا تو اس کا لازمی نتیجہ صبح صادق کے بعد کھانے، پینے کی شکل میں ظاہر ہوگا اور یہ چیز روزہ کی صحت کے منافی ہے، لہٰذا آپ کے یہاں جو رواج ہے اس کو اولین فرصت میں ختم کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاویٰ: ۲/۲۰۶-۲۰۷)

اوقات سحری کے بعد کھانا جائز نہیں:

سوال (۱) زید کہتا ہے کہ ناواقف لوگ جو اوقات سحری سے خبر نہیں رکھتے، جب تک اذان نہ سنیں کھا پی سکتے ہیں، اگر مؤذن نے اذان میں دیر کی تو مؤذن کا قصور ہے؟

(۲) زید کہتا ہے کہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص کے ہاتھ میں کچھ کھانے پینے کو موجود ہے، صبح صادق ہوگئی، وہ اس ہاتھ کی خوراک کھا پی سکتا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱) صبح صادق کے بعد کھانا پینا درست نہیں ہے، خواہ اذان ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، اس بارے میں بہت احتیاط کرنی چاہیے۔ (۱)

(۲) اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ صبح صادق کا ہونا یقینی نہ ہو۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۳۴۵-۳۴۶)

صبح صادق کے ایک دو منٹ بعد سحری کھانا:

سوال: سحری کا آخری وقت مثلاً پانچ بجے ہے، ایک شخص مثال کے طور پر چار بج کر پچیس منٹ پر سوکر بیدار ہوا، اس نے جلدی جلدی دو چار لقمے کھائے، جس وقت وہ وکھا کر پانی پینے لگا، اس وقت پانچ بج کر ایک منٹ، یا دو منٹ زیادہ ہوگئے۔ اب کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اس کو یہ چاہیے کہ اس روزہ کو پورا کرے پھر بعد رمضان ایک روزہ جداگانہ اس کے عوض رکھے۔

أو سحر أو جامع شاكا في طلوع الفجر وهو طالع، لا كفارة عليه للشبة؛ لأن الأصل بقاء الليل ويأثم إثم ترك التثبت مع الشك، آه. (مراقي الفلاح، ص: ۳۶۹، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء) (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۶۱)

---

(۱) (وهو لغة إمساك عن المفطرات) الآتية (حقيقة أو حكماً) إلخ ،في وقت مخصوص) وهو اليوم. (الدر المختار) أي اليوم الشرعي من طلوع الفجر إلى الغروب. (ردالمحتار، كتاب الصوم: ۳/۳۳۰، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير)

(۲) (أو تسحر أو أفطر يظن اليوم ... ليلاً و) الحال (أن الفجر طالع والشمس لم تغرب إلخ قضىٰ في) الصور كلها فقط. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب ما يفسد الصوم: ۳/۳۸۰-۳۸۲، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير)

(۳) مراقي الفلاح علىٰ نور الايضاح: ص: ۶۷۵، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي

اگر سحری نہ کھا سکے:

سوال: کسی نے سحری نہیں کھائی تو اسے روزہ رکھنا چاہیے، یا نہیں؟ (محمد جہانگیر الدین امجد، باغ امجد الدولہ)

الجواب

سحری کھانا مستحب ہے، واجب نہیں؛ اس لیے بغیر سحری کے روزہ رکھا جا سکتا ہے، روزہ درست ہو جائے گا، البتہ مسنون فعل کا ترک ہوگا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سحری کھاؤ کہ سحری میں برکت ہے،(۱) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمارے روزے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان سحری کھانے سے فرق ہوتا ہے''،(۲) اسی لیے حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ سحری کئی پہلوؤں سے باعث برکت ہے، اس سے ایک سنّت کی اتباع ہوتی ہے، اہل کتاب کی مخالفت ہوتی ہے، عبادت میں تقویت کا باعث بنتی ہے، اگر پہلے سے روزہ کی نیت نہ ہو تو نیت کا استحضار ہو جاتا ہے، آخر شب دعا کی قبولیت کا وقت ہے اور سحری میں بیدار ہو جانے کی وجہ سے اس وقت دعا کی توفیق میسر ہوتی ہے،(۳) لیکن بہر حال سحری کھانا واجب نہیں؛ اس لیے اگر کوئی شخص رات میں سحری نہ کھا سکا تو اس کے لیے روزہ کا توڑ دینا قطعاً جائز نہیں، سخت گناہ ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۰۴)

سحری کے وقت طلوعِ فجر سے قبل اذان دینے اور ایسے اذان کے اعادہ کا حکم:

سوال: حضرت! دیہات میں اکثر لوگ اذان سنکر کھانا پینا بند کرتے ہیں اور گھڑی بھی ہمیشہ صحیح نہیں رہ سکتی؛ کیوں کہ کوئی بہتر ذریعہ ملانے کا نہیں ہوتا، کبھی کبھی طلوع غروب سے بھی بوجہ ابر ہونے کے نہیں ملا سکتے تو ایسی حالت میں ان لوگوں کا روزہ ہوگا، یا کہ کچھ نقصان پڑے گا، اسی خیال سے کہ لوگ کھانے سے بند ہو جائیں گے اذان صبح صادق سے دس یا پانچ منٹ قبل پڑھنا جائز ہے، یا کہ نہیں؟ کیوں کہ دیہات میں کوئی ذریعہ دیگر بند کرنے کا نہیں ہوتا، حکم شرعی سے حضور اطلاع بخشیں؟

---

(۱) عن أنس قال: أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: تسحروا فإن فی السحور برکة. (الجامع للترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی فضل السحور: ۱/۲۲۶، رقم الحدیث: ۷۰۸، دار الفکر بیروت)

(۲) وروی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أنه قال: فضل ما بین صیامنا وصیام أهل الکتاب أکلة السحر. (الجامع للترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی فضل السحور: ۱/۲۲۶، رقم الحدیث: ۷۰۹، دار الفکر بیروت)

(۳) وَالْأَوْلَی أَنَّ الْبَرَکَةَ فِی السُّحُورِ تَحْصُلُ بِجِهَاتٍ مُتَعَدِّدَةٍ وَهِیَ اتِّبَاعُ السُّنَّةِ وَمُخَالَفَةُ أَهْلِ الْکِتَابِ وَالتَّقَوِّی بِهِ عَلَی الْعِبَادَةِ وَالزِّیَادَةُ فِی النَّشَاطِ وَمُدَافَعَةُ سُوءِ الْخُلُقِ الَّذِی یُثِیرُهُ الْجُوعُ. (فتح الباری، کتاب الصوم، باب برکة السحور، الخ: ۴/۱۴۰، رقم الحدیث: ۱۹۲۳، دار المعرفة بیروت، انیس)

الجواب

اگر یہ لوگ اذان کے بھروسہ پر نہ رہتے ہوں؛ بلکہ اپنے دل کی گواہی کے موافق کھاتے ہوں اور بند کرتے ہوں تو ان کے روزہ میں شبہ نہ ہوگا اور دل کی گواہی وہ معتبر ہے، جو خوف خدا کے ساتھ ہو اور وقت کی پہچان بھی ہو اور اگر اذان کے بھروسہ ہی پر رہتے ہوں تو ان کے روزوں میں شبہ رہے گا، اگر مؤذن صبح ہونے کے بعد اذان کہتے ہوں اور ایسی حالت میں مؤذن کو یہ جائز ہے کہ اذان فجر صبح صادق سے دس پندرہ (منٹ) پہلے کہہ دے؛ تاکہ لوگ کھانے پینے سے رُک جائیں؛ مگر صبح صادق ہونے کے بعد اس اذان کا اعادہ کر دیا جائے، گو اعادہ زیادہ بلند آواز سے نہ ہو، معمولی ہی آواز سے ہو۔

قلت: وعلٰی ذلک حملت الحنفية الأذانين فی عهد النبی صلّی اللّٰه عليه وسلّم أن الأوّل كان لمصلحة أخریٰ غير إعلام الوقت وهٰذه أيضاً مصلحة قد مست الحاجة إليها فی القریٰ فإن أهلها لايمتنعون عن الأكل بالأذان.

مگر اس کے لیے خاص انتظام کی ضرورت ہے کہ گاؤں کے سربرآوردہ لوگ ایک دو مؤذن اس کام کے لیے مخصوص کر دیں، ورنہ گڑبڑ ہوگی۔

۲۱ر رمضان ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام: ۳/۱۰۹-۱۱۰)

حالت جنابت میں سحری کھانا خلاف اولی ہے، مگر اس سے روزے میں کچھ خلل نہیں آتا:

سوال: رمضان شریف میں سحری کے وقت کسی آدمی کو احتلام ہوا، اسے یقین ہے کہ غسل کرنے کے بعد کھانے کا وقت باقی رہے گا؛ مگر اس نے کاہلی سے غسل نہیں کیا اور کھانا کھالیا تو اس کا روزہ ہوگا، یا نہیں؟ اور حالت جنابت میں کھانے سے گناہ گار ہوگا، یا نہیں اور حالت جنابت میں کھانا جائز ہے، یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس طرح سے کھائے وضو کر کے، یا ہاتھ دھو کے کھائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حالت جنابت میں بغیر منہ ہاتھ دھوئے ہوئے، یا وضو کئے ہوئے کھانا پینا خواہ رمضان ہو، یا غیر رمضان میں خلاف اولیٰ ہے، بشرطیکہ ہاتھوں پر کسی قسم کی نجاست نہ لگی ہو، سحری کھاتے ہوئے مناسب تو یہ ہے کہ غسل کر ڈالے، یا وضو کر لے، یا کم از کم ہاتھ دھو ڈالے۔(۱) واللہ اعلم (کفایت المفتی: ۴/۲۴۹-۲۵۰)

---

(۱) ولابأس للجنب أن ينام ... وإن إراد إن يأكل أويشرب فينبغي،أن يتمضمض،ويغسل يديه. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة،الباب الثانی فی الغسل،الفسل الثالث فی المعانی الموجبة للغسل: ۱/ ۱۹،دارالكتب العلمية بيروت لبنان،انيس)

صبح صادق کے بعد غسلِ جنابت:

سوال: ایک شخص صحبت کرتا ہے اور سوجاتا ہے، سحری میں اٹھ کر ہاتھ دھوکر اور کلی غرارہ وغیرہ کرنے کے بعد کھانا کھالیتا ہے اور پھر سوجاتا ہے، صبح اٹھ کر نہالیتا ہے، اس صورت میں روزہ ہوجاتا ہے، یا نہیں؟ اور نہیں کا وقت کب تک رہے گا؛ یعنی کس وقت نہانا افضل ہے؟ یہ بات عورت اور مرد کے لیے برابر ہے، یا کوئی تفریق ہے؟ کیوں کہ وہ کھانا وغیرہ پکاتی ہے۔ (ناظم علی سہارنپور)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اس کا روزہ اس صورت میں صحیح ہے، کوئی خراب نہیں، نماز فجر سے پہلے پہلے دونوں نہالیں، نماز قضا نہ کریں۔(۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۱۳۸۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۱۷)

سحری کھانے کے بعد تأخیر سے غسلِ جنابت:

سوال: زید نے رمضان شریف میں سحری کھانے سے قبل اپنی اہلیہ سے قربت کی اور آٹھ بجے دن کو غسل کیا اور روزہ رکھا، کیا روزہ میں کوئی خامی ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

روزہ درست ہوگیا؛(۲) لیکن نماز قضا کرنے کا گناہ بہت بڑا ہوا۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۱۳۹۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۱۷-۲۱۸)

صحبت کے بعد بغیر غسل کے سحری:

سوال: بیوی سے مباشرت کے بعد سحری کھانا درست ہے، یا غسل کے بعد ہی سحری کھانا ہے؟

(کلیم اللہ خاں، جگتیال)

(۱-۲) أو أدخل ذكره في بهيمة من غير إنزال أو مس فرج بهيمة أو قبلها ... أو أصبح جنبا وإن بقي كل اليوم ... لم يفطر. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لايفسد الصوم: ۳/۳۷۱، دار عالم الكتب، الرياض، انيس)

(۳) عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه ذكر الصلاة يوماً، فقال: من حافظ عليها، كانت له نوراً و برهاناً ونجاة يوم القيامة، ومن لم يحافظ عليها، لم تكن له نوراً ولا برهاناً ولا نجاة، وكان يوم القيامة مع قارون وفروعن وهامان وأبي بن خلف. (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، الفصل الثالث، ص: ۵۹، قديمي)

الجواب

صحبت کرنے کے بعد افضل طریقہ یہ ہے کہ کھانا اور دوسرے کام کرنے سے پہلے غسل کر لے؛ لیکن یہ ضروری نہیں، بغیر غسل کئے بھی کھا سکتا ہے، رسول اللہ سے دونوں باتیں ثابت ہیں؛(۱) اس لیے غسل کئے بغیر بھی سحری کھا سکتا ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۲۸)

غسل کریں، یا سحری کھائیں:

سوال: اگر کسی شخص کو رات میں احتلام ہو گیا اور فجر کا وقت بھی قریب ہے، اگر غسل کریں تو سحر نہیں کر سکتے، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ (بی، ایم، حسین، مشیر آباد)

الجواب

ایسی صورت میں بہتر ہے کہ سحری کھالیں، پھر غسل کرلیں؛ تا کہ سحری کی سنت بھی ادا ہو جائے اور نماز فجر سے پہلے پاکی بھی حاصل ہو جائے، فقہا نے لکھا ہے کہ حالتِ جنابت میں کھانے پینے میں کچھ حرج نہیں، البتہ بہتر ہے کہ کھانے پینے سے پہلے کلی کرلیں اور ہاتھ دھولیں۔

”وإن أراد أن يأكل أويشرب فينبغي أن يتمضمض ويغسل يديه ثم يأكل ويشرب“.(۲)

(کتاب الفتاویٰ:۳/۴۲۸)

مچھلی، انڈا وغیرہ سحری میں کھانا:

سوال: رمضان شریف میں مرغی، مچھلی، انڈا، جھینگا، پیٹ کا سامان؛ یعنی اوجھڑی وغیرہ، کیا یہ سب چیزیں سحر میں کھانے کی ممانعت ہے، یا اس سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے؟ (شاہدہ سراج، خلوت)

الجواب

جب تک صبح طلوع نہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے تمام حلال چیزوں کے کھانے کی اجازت دی ہے، کھانے کی اشیا میں کوئی تفریق نہیں کی گئی کہ کچھ چیزیں کھانے کی اجازت ہو اور کچھ چیزیں کھانے کی اجازت نہ ہو، عوام میں جو اس طرح کی بات مشہور ہو گئی ہے کہ سحری میں انڈا نہیں کھانا چاہیے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۲۷)

---

(۱) عن عائشة وأم سلمة زوجي النبي صلى الله عليه وسلم قالتا: قد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدركه الفجر في رمضان وهو جنب، من غير حلم، فيغتسل ويصوم. (الصحيح لمسلم، كتاب الصوم، باب صحة صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب: ۵۰۸/۱، رقم الحديث: ۲۵۹۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصوم: ۱۵۱/۱

سحری کے بعد بیوی سے ہمبستری جائز ہے:

سوال: رمضان المبارک میں سحری کھانے کے بعد اپنی بیوی سے ہمبستری ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ بعد کو غسل کا وقت کب تک رہتا ہے؟

الجواب

رمضان المبارک شریف میں سحری کھانے کے بعد اگر صبح صادق ہونے میں دیر ہوتو اپنی زوجہ سے جماع کرنا درست ہے، غرض یہ ہے کہ صبح صادق سے پہلے پہلے جماع سے فراغت ہوجاتی چاہیے۔ غسل چاہے صبح ہونے کے بعد ہو، روزہ میں کچھ نقصان نہ آوے گا۔(۱) آج کل صبح صادق ۴ بجکر ۴۳ منٹ پر ہے ریلوے ٹائم سے اور آخر اپریل تک سوا چار بجے صبح صادق ہوگی اور آخر رمضان شریف تک صبح صادق چار بجے سے دو چار منٹ کم پر ہوگی۔ فقط (۲)

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۶/ ۴۹۶-۴۹۷)

روزہ کی نیت:

سوال: زید صبح کو سو گیا، قریب ۱۱-۱۲/ بجے کے آنکھ کھلی تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

رمضان شریف کے روزہ کی نیت، یا نفل روزہ کی نیت دن میں نصف نہار شرعی سے پہلے پہلے صحیح ہے؛ یعنی ۱۱/ بجے تک تقریبا صحیح ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۶/ ۳۴۴)

روزہ کی نیت:

سوال: ماہ رمضان میں علما اور عوام روزہ کی نیت اس طرح کرتے ہیں: "نويت أن أصوم غدًا لِلّٰه تعالى من صوم

---

(۱) ﴿أحل لكم ليلة الصيام الرفث إلٰى نسائكم﴾ (سورة البقرة: ۱۸۷)

والرفث المذكور هو الجماع ولا خلاف بين أهل العلم فيه.(أحكام القرآن للجصاص: ۱/ ۲۲۷)

وكذا لا يفطر لو جامع عامداً قبل الفجر ونزع في الحال عند طلوعه.(رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم، مطلب يكره السهر اذا خاف فوت الصبح: ۲/ ۳۶۹، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) صادق کا وقت ہر جگہ ایک نہیں ہوتا۔

(۳) (فيصح) أداء (صوم رمضان ...من الليل ...(إلٰى الضحوة الكبرىٰ لا) بعدها.(الدر المختار)

(قوله: إلى الضحوة الكبرىٰ) المراد بها نصف النهار الشرعي وهو من استطارة الوضوء في أفق المشرق إلٰى غروب الشمس والغاية غير داخلة في المغيا.(رد المحتار، كتاب الصوم: ۳/ ۳۳۸-۳۴۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

نیت سے مراد دل کا ارادہ ہے، زبان سے ادائیگی ضروری نہیں ہے؛ اس لیے اگر ارادہ رات میں کر کے سویا تھا تو پھر کوئی مزید ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم (ظفیر)

رمضان''، حالاں کہ یہ نیت اسی دن کے روزہ کی ہوتی ہے، نہ کہ اگلے دن کے روزہ کی، کیا نیت کے یہ الفاظ حدیث سے ثابت ہیں؟ اگر نہیں تو حدیث سے جو الفاظ ثابت ہوں، وہ تحریر کریں؟ (سید حسین بن عثمان جیلانی، نواب صاحب کنٹہ)

الجواب

نیت دل کے ارادہ کا نام ہے، نہ کہ زبان سے کہے ہوئے الفاظ کا، زبان سے مزید اطمینان اور ذہن کے استحضار کے لیے نیت کے الفاظ کہے جاتے ہیں، مثلا: روزہ رکھنے کے ارادہ سے سحری کھانا خود نیت ہے، نیت کے الفاظ قرآن، یا حدیث میں منقول نہیں ہیں، رہ گئی یہ بات کہ ''غدًا'' کے معنی کل کے ہیں، جب کہ قمری تاریخ غروب آفتاب سے بدلتی ہے اور اس اعتبار سے صبح میں رکھا جانے والا روزہ ''آج'' ہی کا روزہ ہے۔ نیز بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ صبح کے بعد نیت کی تو عربی زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے ''یوم'' (آج) کے بجائے ''غدًا'' (کل) کا لفظ لوگ استعمال کرتے ہیں تو اس سے نیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا؛ کیوں کہ عرف میں صبح کے طلوع ہونے سے آج اور کل کی تعبیر بدلتی ہے؛ اس لیے رات میں یہ کہنا کہ میں کل کے روزہ کی نیت کرتا ہوں، اسی صبح کے بارے میں نیت ہے۔ نیز نیت تو آج ہی روزہ رکھنے کی ہو؛ لیکن ناواقفیت کی وجہ سے لفظ ''غدًا'' (کل) کا استعمال کرلے تو اس سے بھی روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا؛ کیوں کہ اعتبار دل کے ارادہ کا ہے، اگر زبان سے الفاظ غلط بول دئے جائیں، پھر بھی نیت ہی کا اعتبار ہوتا ہے، جیسے کوئی شخص ظہر کے ارادہ سے نماز پڑھ رہا ہے؛ لیکن غلطی سے زبان سے عصر کی نماز کی نیت کا اظہار کرلے تو یہ ظہر ہی کی نیت سمجھی جائے گی، نہ کہ عصر کی۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۳۸۸-۳۸۹)

تطبیق درمیان روایات متعلقہ بہ نیت صوم از شب:

سوال: کتاب بہشتی زیور حصہ سوم میں صفحہ ۳ زیر عنوان،، رمضان شریف کے روزہ کا بیان،، یہ مسئلہ درج ہے، مسئلہ، اگر کچھ کھایا پیا نہ ہو تو دن کو ٹھیک دو پہر سے ایک گھنٹہ پہلے رمضان کے روزہ کی نیت کرلینا درست ہے، خاکسار نے رمضان شریف کے پہلے اس مسئلہ کو دیکھا تھا اور اسی کے موافق سفر میں چند روزے رکھے،، بعض دفعہ خیال ہوا کہ اگر دس گیارہ بجے تک سفر میں زیادہ تکان یا تکلیف، محسوس نہ ہوئی، تو روزہ رکھ لوں گا ورنہ نہیں رکھوں گا، چنانچہ چند روزوں کی نیت دس بجے دن کے وقت کی، اس وقت میں کتاب تیسیر الوصول الی جامع الاصول مترجم اردو کا چوتھا حصہ دیکھ رہا ہوں، اس میں صفحہ ۵۷ پر روزے کی نیت کے بیان میں یہ احادیث درج ہیں۔

عن حفصة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لم يجمع الصيام قبل الفجر فلاصيام له. (أخرجه أصحاب السنن) وعن عائشة وحفصة رضى الله تعالىٰ عنهما أنهما قالتا: لايصوم إلا جمع الصيام قبل الفجر. (أخرجه مالك والنسائى)(۱)

---

(۱) مؤطا الإمام محمد مع التعليق، كتاب الصوم، باب النية من الليل: ۲/۲۱۴، دار القلم، دمشق، انيس

ان کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ جس نے قبل زوال روزہ کی نیت نہیں کی، اس کا روزہ نہیں۔ حضور براہ مہربانی جلد فرمائیں کہ اس کتاب میں یہ احادیث درج ہیں۔ یہ صحیح ہیں، یا نہیں؟ اور اگر صحیح ہیں تو پہلے مسئلہ سے ان ک تطبیق کیا ہے؟ اور خاکسار نے جو روزے ایسے رکھے، جن کی نیت دس بجے کے قریب کی، وہ ہوگئے، یا نہیں؟

الجواب

روی مسلم عن عائشة قالت: دخل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ذات یوم، فقال: هل عندکم شیء؟ فقلت: یارسول اللّٰہ ما عند بشیء، فقال: فإنی صائم. (الحدیث) **وروی الشیخان وغیرهما أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم بعث رجلان ینادی فی الناس یوم عاشوراء أن من أکل فلیصم (أی لیمسک) بقیة یومه ومن لم یاکل فلا یأکل.** (التعلیق الممجد)(۱)

پہلی حدیث سے نفل کی نیت دن میں اور دوسری حدیث سے فرض روہ کی نیت دن میں معلوم ہوتی ہے؛ کیوں کہ اولاً روزہ عاشورہ کا فرض تھا۔

به ورد کثیر من الأخبار کما اخرج الطحاوی عن الربیع وعائشة وعن جابر وعن قیس وفی الباب أخبار أخر مخرجة فی السنن والصحاح. (التعلیق الممجد)(۲)

اور رمضان بوجہ موقت ہونے کے مشابہ روز عاشورہ کے ہے، جو اول فرض تھا، پس نفل اور موقت فرض میں دن کو بھی نیت جائز ٹھہری، پس لامحالہ تطبیق بین الاحادیث کے لیے احادیث مذکورہ سوال محمول ہوں گی ان صیام کے غیر پر جیسے قضاو کفارہ ونذر مثلاً، آپ کے روزے بلاشبہ صحیح ہوگئے۔

۲۵ / رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۱۶۷) (امداد الفتاوی: ۲/۱۲۳)

نفل اور نذر روزے کی نیت کب کرے:

سوال: نفلی روزہ میں، یا نذر میں نیت کب سے کرے؟

الجواب

نفلی روزہ میں اور نذر معین اور رمضان شریف کے روزے کی رات سے نیت کرے، یا صبح کو، نصف النہار شرعی تک کرے، درست ہے اور باقی روزوں میں رات سے نیت کرنا ضروری ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۳۴۶)

(۱-۲) التعلیق الممجد علی مؤطا محمد للعلامة عبد الحی اللکهنوی، کتاب الصوم، باب النیة من اللیل: ۲/۲۱۶، رقم الحدیث: ۳۷۱، دار القلم، دمشق، انیس

(۳) (فیصح) أداء (صوم رمضان والنذر المعین و النفل بنیة من اللیل، إلخ، إلی الضحوة الکبریٰ لا) بعدها ... والشرط للباقی) من الصیام قران النیة للفجر ولو حکماً وهو (تبییت النیة) للضرورة (وتعیینها) لعدم تعین الوقت. (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۳/۳۳۸-۳۳۹، مکتبة زکریا دیوبند، ظفیر)

حکم تعدد نیت بہ تعدد صوم:

سوال: کفارہ کے رزوں میں ہر روزہ کی نیت الگ الگ کرے، یا صرف ایک بار کی نیت ساٹھ روزوں کو کافی ہے؟

الجواب

ہر روز جدا نیت ضروری ہے کہ فلاں روزہ کا کفارہ۔

۲۵ ر رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۳۶) (امداد الفتاویٰ: ۱۰۲/۲)

حکم تعیین سال ویوم وغیرہ در قضائے صوم فرض:

سوال: علالت کی وجہ سے چند سال کے روزے میرے قضا ہو گئے تھے، جن کی مع چند نفل روزوں اور سحر میں تاخیر ہو جانے کیوجہ سے جو قضا ہوئے، ان کی کل مجموعی تعداد ۶۳ ہو گئی تھی، ان میں سے ۳۴ روزے کئی مرتبہ میں میں نے ادا کئے؛ مگر نیت کرنے میں اس کا خیال کبھی ذہن میں نہیں پیدا ہوا کہ فلاں سال کے روزہ کی نیت کرتا ہوں اور وہ چار مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ خفیف ارادہ رات ہی سے روزہ رکھنے کا کیا گیا؛ مگر مستقل نیت قبل زوال آفتاب صبح کو کی گئی۔ بہشتی زیور میں مسئلہ یہ لکھا ہے کہ قضا کے روزہ کی نیت رات ہی سے کرنا ضروری ہے اور دوسرے سال کا خیال بھی ضروری ہے کہ فلاں سال کے روزہ کی قضا رکھتا ہوں، میں نے سال کا خیال کبھی نہیں کیا اور دو چار بار صحیح تعدا یاد نہیں ہے، مستقل نیت صبح کو قبل زوال آفتاب کی۔ اب عرض یہ ہے کہ یہ ۳۴ ر روزے جو میں نے رکھے، درست ہوئے، یا نہیں؟ یا ان کا اعادہ پھر سے کیا جاویں؟

الجواب

جو روزے دن کو نیت کر کے رکھے گئے، وہ تو قضا میں شمار نہیں ہوں گے۔ قضاء رمضان میں شب سے نیت شرط ہے، باقی یہ تعیین کہ فلاں سال کا روزہ رکھتا ہوں، سو اس میں دو قول ہیں، بہشتی زیور میں احتیاط کا قول لے لیا ہے، باقی ضرورت میں دوسرے قول کی بھی گنجائش ہے۔

في الدرالمختار: ولو نویٰ قضاء رمضان ولم تعيين اليوم صح، ولو عن رمضانين كقضاء الصلاة صح أيضاً (إلٰى قوله) وهو رأى التعيين المعتمد.

قال في ردالمختار: قد علمت أن الثاني مصحح وإن كان الأحوط التعيين ط. (۷۱۹/۵)(۱)

اس لیے ایسے فرض قضا روزے جن میں تعیین نہیں کی گئی، صحیح سمجھئے۔

۴ ر ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص: ۲۱) (امداد الفتاویٰ: ۱۰۵/۲)

(۱) رد المحتار، كتاب الخنثیٰ: ۴۵٦/۱۰، دارالكتب العلمية بيروت، انيس

رمضان میں اگر نفل روزے کی نیت کرے، تب بھی رمضان ہی کا روزہ شمار ہوگا:

سوال: یہاں رمضان المبارک کا چاند انتیس کو نظر نہیں آیا، ابر کافی تھا، رات کے ساڑھے بارہ بجے پڑوس میں معلوم ہوا کہ ریڈیو سے خبر آئی ہے کہ کہیں کہیں چاند ہوگیا (شہر کے پیش امام، یا عالم نے کوئی حکم نہیں دیا تھا) کچھ لوگ سحری کو جگانے آئے اور زید یہ سمجھا کہ کسی فیصلے کے بعد سحری کے لیے جگایا جا رہا ہے، زید نے روزہ رکھ لیا، دوسرے دن تقریباً بارہ بجے یہ معلوم ہوا کہ ریڈیو کی خبر نہیں مانی جاتی اور آج کا روزہ افطار کرنا چاہیے۔ زید نے یہ سن کر نیت نفل روزے کی کرلی اور روزہ کا افطار نہیں کیا، زید کا یہ فعل درست ہے؟

اب پندرہ دن بعد یہ بات ثبوت کو پہنچ گئی کہ چاند انتیس کا ہوا ہے اور یہاں کے مسلمانوں پر قضا واجب ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ اس حالت میں کیا زید کا روزہ رمضان میں شمار ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ (المستفتی: حاجی شبیر حسن دہلوی، فوٹو گرافر)

الجواب

ہاں زید کا وہ روزہ رمضان کا روزہ شمار ہوگا، (۱) ریڈیو کی خبر پر اگر دل کو یقین ہو جائے تو خود عمل کرسکتا ہے، دوسرے لوگوں کے لیے حجت نہیں، (۲) روزہ منگل سے ہوا ہے، دہلی میں بھی چاند دیکھا گیا تھا اور عام طور پر لوگوں نے دیکھا تھا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۲۳/۴)

مسافر یا مریض رمضان میں نفل کی نیت سے روزہ رکھے تو فرض ہوگا، یا نفل:

سوال: مسافر، یا مریض اگر رمضان میں بہ نیت نفل روزہ رکھے تو نفل ہوگا، یا فرض؟

الجواب

شامی میں ہے:

وحاصله أن المريض والمسافرلو نويا واجباً آخروقع عنه ولو نويا نفلاً أواطلقا فعن رمضان،إلخ. (۳)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مریض اور مسافر اگر نفل کی نیت کریں تو رمضان کا روزہ ہوگا اور اگر واجب آخر کی نیت کریں تو واجب آخر ہوگا، **وفيه تفصيل واختلاف.** (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۴۵/۶)

(۱) وبمطلق النية،وبنية النفل لعدم المزاحم ،وبخطافي وصف،كنية واجب آخرفي أداء رمضان فقط،لتعينه بتعين الشارع، الخ، ولوصام مقيم عن غيررمضان،ولولجهله به أي برمضان فهوعنه،لا عما نوى لحديث إلا إذا جاء رمضان فلا صوم إلا عن رمضان،الخ. (الدرالمختارعليى هامش رد المحتار، كتاب الصوم: ٣٤١/٣-٣٤٤،دارعالم الكتب،الرياض،انيس)

(۲) ويشهد علىٰ محجب بسماعه منه إلا إذا تبين القائل بأن لم يكن في البيت غيره،إلخ. (الدرالمختار، كتاب الشهادات: ٤٦٨/٥،ط:سعيد)

(۳) ردالمحتار، كتاب الصوم:٣٤٣/٣،دارعالم الكتب،رياض،انيس

حکم فسخ نیت صوم در شب:

سوال: کسی نے شب رمضان میں صوم رمضان کی نیت کی، یا غیر رمضان میں شب کو، یا دن کو صوم نفل کی نیت کی، اب وہ شب کو، یا دن کو بعذر، یا بلا عذر نیت فسخ کرسکتا ہے، یا نہیں؟ اور اگر نیت صوم کو شب کو، یا دن کو بعذر، یا بلا عذر فسخ کرکے افطار کرلیا تو اس پر کفارہ ہے، یا صرف قضا؟

الجواب

فسخ نیت رات کو ممکن ہے کہ افطار کا عزم کرکے اور دن کو جب روزہ شروع ہوگیا، اب فسخ لغو ہے۔

ولایبطل بالمشیة (أی قوله إن شاء اللّٰه) بل بالرجوع عنها بأن یعزم لیلاً علی الفطرونیة الصائم الفطر لغو. (الدر المختار)(۱)

پس صوم رمضان میں اگر شب کو نیت کرکے فسخ کردی اور دن کو افطار کیا تو صرف قضا لازم آوے گا۔

ومن أصبح غیرناوللصوم فأکل عمداً لا کفارة علیه. (۲)

اور اگر دن کو فسخ کرکے افطار کیا تو کفارہ لازم آوے گا، **لما مر من أن نیة الصائم الفطر لغو.** (۳)

اور اگر غیر رمضان میں شب کو نیت فسخ کردی تو نہ قضا ہے نہ کفارہ، **لما مر أنها تبطل بالرجوع لیلاً**، اور دن کو فسخ کیا تو قضا لازم آوے گی، **لأنها لغو کما مر**، اور صوم معین میں بلا عذر فسخ جائز نہیں اور غیر معین الوقت میں جائز ہے۔ واللہ اعلم

۱۳۰۴ھ (امداد: ۱/۱۸۲) (امداد الفتاوی: ۲/۱۳۲)

نیتِ معلق سے صوم متحقق نہیں ہوتا تحققِ صوم کے لیے قصدِ جازم شرط ہے:

سوال: ایک عورت نے رمضان شریف کے قضا روزہ رکھنے کا رات کو ارادہ کیا، یہ عورت رمضان شریف کے علاوہ اور روزہ خواہ وہ رمضان شریف کا قضا شدہ کیوں نہ ہو، اپنی ساس سے اجازت لے کر رکھا کرتی تھی اس روز بھی اس نے یہ ارادہ کیا کہ نماز صبح کے وقت اپنی ساس سے دریافت کرلوں گی اگر ساس نے اجازت دی رکھوں گی، ورنہ نہیں؛ لیکن گمان یہی تھا کہ ساس ضرور اجازت دے گی، صبح کی نماز کے وقت دریافت کیا تو ساس نے انکار کردیا، اس عورت نے روزہ نہیں رکھا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ آیا اس روزہ کی قضا رکھنی چاہیے، یا کفارہ دینا پڑے گا اور کفارہ کیا ہوگا، اگر ساٹھ روزے رکھنے کے بجائے ساٹھ آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے تو کفارہ ادا ہوجاوے گا، یا نہیں؟ ایک

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم: ۳/۳٤٥، دار عالم الکتب، ریاض، انیس

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده: ۳/۳۷۷، دار عالم الکتب الریاض، انیس

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم: ۳/۳٤٥، دار عالم الکتب، ریاض، انیس

بات اور اظہار طلب ہے کہ یہ عورت ہمیشہ اپنی ساس سے روزہ کے متعلق رات کو دریافت کرلیا کرتی تھی، اگر اس نے اجازت دی تو روزہ رکھا، ورنہ نہیں، اس روز رات کو دریافت کرنا یاد نہیں رہا تھا اور صبح کی نماز کے بعد دریافت کیا تھا، جیسا کہ میں پیشتر تحریر کرچکا ہوں۔

الجواب

صورت مسئولہ میں نہ قضا واجب ہوئی، نہ کفارہ؛ کیوں کہ روزہ کا تحقق ہی نہیں ہوا تو یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ روزہ کو توڑا گیا؛ کیوں کہ تحقق صوم کے لیے نیت شرط ہے اور نیت کی حقیقت قصد جازم ہے، جو صورت مسئولہ میں نہیں پایا گیا؛ بلکہ نیت معلق تھی ساس کی اجازت پر اور ایسی نیت سے صوم کا تحقق نہیں ہوتا، پس افساد صوم بھی نہیں پایا گیا۔

قال فی مراقی الفلاح: وحقیقة النیة قصده عازماً بقلبه صوم غد، الخ. (ص: ۳۷۴)(۱)

وفیه أیضاً: وأما القسم الثانی وهو ما یشترط له تعیین النیة وتبییتها فهو قضاء رمضان وقضاء ما أفسده من نفل وصوم الکفارات بأنواعها ککفارة الیمین وصوم التمتع والقران والنذر المطلق، آه. (۲)

۴ر شعبان ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام: ۳/۱۰۸-۱۰۹)

حکم نیتِ کفّارۂ رمضان بالتعلیق:

سوال: ایک شخص نے رات کو کفارۂ صوم کی نیت اس طرح کی کہ اگر کل کو یہ محقق ہوگیا کہ شروع ماہ سے روزہ شروع کرنے سے ساٹھ روزے پورے کرنے نہ پڑیں گے؛ بلکہ دو مہینہ کا روزہ رکھنا کافی ہوجائے گا، نیز شیخ نے بھی روزہ رکھنے کی اجازت دے دی تو کل کو میں ضرور کفارہ کا روزہ رکھوں گا، اس طرح نیت درست ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں نیت صحیح نہیں ہوئی؛ کیوں کہ جزم نہیں پایا گیا؛ بلکہ نیت معلق ہے اور تعلیق کے ساتھ نیتِ قضا و کفارات صحیح نہیں ہوتی۔

قال فی مراقی الفلاح: وأما القسم الثانی، وهو مایشترط له تعیّن النیة وتبییتها فهو قضاء رمضان وقضاء ما أفسده من نفل وصوم الکفارات بأنواعها إلیٰ أن قال: ولاتبطل النیة بقوله: أصوم غداً إن شاء اللّٰه تعالیٰ؛ لأنه بمعنی الاستعانة وطلب التوفیق إلا أن یرید حقیقة الاستثناء، آه. قال الطحطاوی: والتعلیل یفید أن المشیئة لاتبطل مطلقاً ولو قصد حقیقة (أی لکونه بمعنی الاستعانة) ولکن لکلام المؤلف وجه وهو أنه إذا قصد التعلیق کان غیر جازم بالنیة وهو ظاهر. (۳) **واللّٰه أعلم** (امداد الاحکام: ۳/۱۳۶)

(۱) مراقی الفلاح مع الطحطاوی، کتاب الصوم، فصل فیما لا یشترط تبییت النیة، ص: ۶۴۲، دار الکتب العلمیة، انیس
(۲) مراقی الفلاح مع الطحطاوی، فصل فیما لا یشترط تبییت النیة، ص: ۶۴۱، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس
(۳) مراقی الفلاح مع الطحطاوی، فصل فیما لا یشترط تبییت النیة، ص: ۶۴۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

حکم افطار غیر ناوی صوم:

سوال: جس شخص نے شب رمضان کو نہ نیت صوم کی کی، نہ عدم صوم کی تو دن کو اسے کھانا پینا جائز ہے، یا نہیں؟ اور اگر کھالیا تو صرف قضا لازم ہوگا، یا نہیں؟ اور اگر افطار کر لیا تو اس پر قضا ہے، یا کفارہ؟

الجواب

اگر صائم رمضان نے قبل زوال تک نیت نہ کی تو روزہ اس کا صحیح نہیں ہوا، اگر چہ دن کو بھوکا پیاسا رہا؛ لیکن کھانا پینا بوجہ حرمت وقت کے جائز نہیں اور اگر کھالیا تو اس کا روزہ تو صرف قضا لازم آئے گی۔

لما مر: أن من أصبح غير ناو، الخ. (۱) واللہ اعلم

۱۳۰۴ھ (امداد: ۱۸۲/۱) (امداد الفتاوی: ۱۳۲/۲)

افطار کرانے کی فضیلت:

سوال: میری خالہ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں رمضان میں تم کو کچھ رقم دوں گی کہ ہمارے گھر کے ایک ممبر کی طرف سے ان کو روزہ کا اجر ملے، چنانچہ میرے گھر کے لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر آپ نے ان کے پیسوں سے افطار اور سحری وغیرہ کیا تو آپ کے روزہ اور تراویح وغیرہ کا پورا اجر ان کو مل جائے گا، کیا یہ صحیح ہے؟　　(روبینہ بیگم، جہاں نما)

الجواب

اگر آپ کی خالہ نے آپ کے لیے افطار وغیرہ کا نظم کیا تو آپ کے روزہ وتراویح کے اجر میں کچھ کمی ہوئے بغیر ان کو بھی ان شاء اللہ آپ کے روزہ کا اجر حاصل ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ دار کو افطار کرانے والوں کے لیے یہی اجر بتایا ہے، (۲) اور ظاہر ہے کہ اللہ کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں ہے؛ اس لیے آپ اپنی خالہ سے مدد لے سکتی ہیں۔

(کتاب الفتاویٰ: ۴۳۹/۳)

افطار کا ثواب:

سوال: چار شخص افطاری کے لیے چار روٹی لائے اور ایک جگہ رکھ دی، پانچ سات آدمیوں نے اوپر کی روٹی سے روزہ افطار کیا تو باقی تینوں کو بھی افطاری کا ثواب ملے گا، یا نہیں؟

الجواب

ان تینوں کو بھی ثواب ملے گا۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۹۵/۶)

---

(۱) الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده: ۳۷۷/۳، دارعالم الكتب الرياض، انيس

(۲) من فطر صائماً كان له مثل أجره غير أنه لا ينقص من أجر الصائم شيئاً. (الجامع للترمذي، كتاب الصوم، باب ماجاء في فضل من فطر صائماً، رقم الحديث: ۸۰۷. دار الفكر بيروت، انيس)

غیر کی افطار سے افطار کرنے کا ثواب:

سوال: ایں کردن کہ افطار صوم پر افطاری غیر کرد کہ ثواب صوم صاحب طعام رامی رسد، صحیح است، یا نہ؟

الجواب

ایں عقیدہ فاسد است کہ افطار پر افطاری غیر نباید کرد کہ ثواب صوم صاحب طعام رامیرسد۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۶/۴۹۳)

دعوت افطار میں غریبوں کو نظر انداز کر دینا:

سوال: ماہ رمضان میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ مسلم روزہ دار حضرات افطار پارٹیوں کا اہتمام کرتے ہیں اور غریب مسلمانوں کو نظر انداز کر کے غیر مسلم اعلیٰ عہدیداروں اور نامور شخصیتوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دعوت افطار دیتے ہیں۔کیا ایسا کرنا درست ہے؟ (شیخ احمد، نظام شوگر فیکٹری، شکرنگر)

الجواب

دعوت افطار میں غیر مسلموں کو مدعو کرنا بھی جائز ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بہت سے غیر مسلموں کو اپنا مہمان بنایا ہے،(۲) اور غریب مسلمانوں کی رعایت بھی ضروری ہے،ان کو بھی مدعو کرنا چاہیے،اگر غیر مسلم عہدیداروں کو محض خوشنودی اور چاپلوسی میں مدعو کیا جائے اور ذاتی مفاد پیش نظر ہو تو اس پر شاید کوئی اجر وثواب نہ ہو اور اگر ان کو مدعو کرنے کا مقصد اسلام اور مسلمانوں سے مانوس کرانا ہو، دین حق کی طرف متوجہ کرنا اور مسلمانوں کے تئیں غلط فہمیوں کو دور کرنا ہو تو ان کی دعوت کرنا باعث اجر ہے؛لیکن بہر حال غریب مسلمان؛ بلکہ حسب گنجائش غریب غیر مسلم بھائیوں کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے اس ارشاد کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ بدترین ولیمہ وہ ہے، جس میں مالداروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔(۳) ظاہر ہے کہ جب یہ حکم ولیمہ کے بارے میں ہے تو دعوت افطار کے بارے میں بدرجۂ اولیٰ ہوگا؛ کیوں کہ دعوت نکاح کے مقابلہ میں دعوت افطار کے اندر عبادت اور مذہبیت کا پہلو زیادہ ہے۔(کتاب الفتاویٰ:۳/۴۳۴-۴۳۵)

---

(۱) حدیث نبوی ہے:

عن سلمان الفارسی قال خطبنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی آخریوم من شعبان فقال: من فطر فیہ صائماً کان لہ مغفرۃ لذبونہ وعتق رقبتہ من النار وکان لہ مثل أجرأن ینتقض من أجرہ شئ.(مشکاۃ،کتاب الصوم، الفصل الثالث،ص:۱۷٤،قدیمی کتب خانۃ،کراچی

(۲) الدرالمنثورفي التفسیربالمأثور:۵/۱۸۱/الصحیح لمسلم،رقم الحدیث:۵۳٦٤

نیز دیکھئے:جمع الفوائد:۱/۲۹٤

(۳) عن أبي ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ أنہ کان یقول: شر الطعام طعام الولیمۃ یدعی لھا الأغنیاء ویترک الفقراء، إلخ.(صحیح البخاري، کتاب النکاح،باب من ترک الدعوۃ فقد عصی اللّٰہ ورسولہ،رقم الحدیث:۵۱۷۷)

افطار کا وقت کیا ہے:

سوال: ماہ رمضان شریف کا روزہ کس وقت افطار کرنا چاہیے؟

الجواب

روزہ غروب آفتاب کے بعد افطار کرنا چاہیے، گھڑی سے اس کا وقت مختلف ہوتا رہتا ہے؛ اس لیے کوئی مستقل وقت کو تعیین نہیں ہوسکتی۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/ ۴۹۹-۵۰۰)

افطار ونماز مغرب کا حکم دینا کیسا ہے اور اس کا صحیح وقت کیا ہے:

سوال: نماز مغرب وافطار روزہ کا حکم ایسے وقت دینا جب کہ چند حضار مسلمانوں کو غروب آفتاب میں کلام ہو، کیسا ہے؟ اور ان دونوں کا صحیح وقت کیا ہے اور اس کی شناخت مقرر کرنا ہو، علما کیا ہے؟

الجواب

یہ امر تجربہ اور مشاہدہ پر موقوف ہے اور جاننے والے اس کے ہر وقت میں موجود رہتے ہیں اور صحیح گھڑی سے اور جنتری طلوع وغروب سے بھی اس میں مدد ملتی ہے۔

پس جو جنتری طلوع وغروب کی صحیح ہو اور اس کا تجربہ ہو چکا ہو، صحیح گھڑی سے اس کے مطابق افطار ونماز مغرب کا حکم کیا جاوے گا اور اکثر زمانوں میں مشاہدہ اور علامات سے بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/ ۴۹۷-۴۹۸)

وقت افطار وحکم حیلولۂ جبل:

سوال: وقت نماز مغرب کا اور افطار صوم کا بمجرد غروب آفتاب کے ہوجاتا ہے، یا کچھ دیر بعد جب پہاڑ بفاصلہ چھ سات کوس بجانب مغرب واقع ہو اور آفتاب پہاڑ کے پیچھے ہوجاوے تو وقت نماز مغرب وافطار صوم ہوجاتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

وقت افطار وصلوٰۃ مغرت کا بمجرد غروب شمس کے ہوجاتا ہے، کچھ دیر کی ضرورت نہیں، اگر چہ جانب مغرب پہاڑ واقع ہو؛ کیوں کہ غروب کے یہ معنی نہیں کہ دنیا میں کہیں آفتاب نظر نہ آئے، ایسا ممکن نہیں، کہیں غروب ہوتا ہے، کہیں طلوع؛ بلکہ غروب معنی یہ ہیں کہ ہمارے افق سے غائب ہوجائے اور مشرق میں تاریکی نمودار ہو۔ ہاں اگر کوئی شخص پہاڑ پر کھڑا آفتاب دیکھ رہا ہے، اس کو افطار حلال نہیں؛ کیوں کہ اس کے افق سے غائب نہیں ہوا۔

---

(۱) هو إمساک عن المفطرات حقيقة أو حكماً في وقت مخصوص) وهو اليوم. (الدر المختار)

وقال في رد المحتار: أي اليوم الشرعي من طلوع الفجر إلى الغروب، إلخ. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم: ۳/ ۳۳۰، دار عالم الكتب، رياض، انيس)

أوالمراد بالغروب زمان غيبوبة جرم الشمس بحيث يظهر الظلمة فى جهة المشرق قال صلى الله عليه وسلم: إذا أقبل الليل من هٰهُنا فقد أفطر الصائم أى إذا وجدت الظلمة حساً فى جهة المشرق فقد ظهر وقت الفطر.(۱)

جمادی الاول ۱۳۰۲ھ (امداد: ۱۷۸/۱) (امداد الاحکام: ۳۲۰/۳)

نقارے کی آواز سن کر افطار کرنا جائز ہے:

سوال: ایک گاؤں میں ایام سلف سے دو محلے ہیں، ایک محلے میں زمانہ سابق سے تا حال جامع مسجد ہے، دوسرے محلے میں خالص پنج وقتی کے لیے مسجد تعمیر کی گئی ہے، امسال دوسرے محلے والوں نے رمضان شریف کے ایام میں روزہ افطاری کے لیے پہلے نقارہ بجا کر روزہ افطار کرنے کے بعد پھر اذان دیتے ہیں، جامع مسجد والوں نے ان کو منع کیا اور کہا کہ روزہ افطاری کے لیے بجز اذان کے اور کوئی حکم نہیں، مذہب کی کسی کتاب میں نقارہ کی آواز پر روزہ افطار کرنا نظر نہیں آتا، دونوں محلے والے مقلد شافعیہ ہیں، سوال یہ ہے کہ آیا شافعی مذہب کی رو سے روزہ افطار کرنے کے لیے نقارہ بجانا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۷۰۰، امیر الدین شیخ، ضلع قلابہ، ۱۰ شوال ۱۳۵۴ھ، مطابق ۶/ جنوری ۱۹۳۶ء)

الجواب

نقارہ بجانا غروب شمس کی عام اطلاع کے لیے ہوتا ہے اور جب کہ نقارہ غیر مشتبہ طور پر سنا جائے اور ظن غالب ہو کہ یہ نقارہ وہی ہے، جو اطلاع افطار کے لیے بجایا جاتا ہے تو اس کی آواز سن کر افطار کر لینا مذہب حنفی اور شافعی دونوں میں جائز ہے۔ علامہ قلیوبی نے شرح منہاج الطالبین کے حاشیہ میں لکھا ہے:

”ومنه سماع الطبول وضرب الدفوف ونحو ذلک مما يعتاد فعله أول الشهر وآخره آه. قلت: وكذا أول الصوم وآخره.(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۴۷/۴-۲۴۸)

ہوائی جہاز میں افطار:

سوال: ہوائی جہاز میں جس علاقہ سے گزرنا ہوتا ہے، اس علاقہ کے لحاظ سے افطار کا وقت ہو جاتا ہے؛ لیکن چوں کہ جہاز بلندی پر ہوتا ہے؛ اس لیے سورج نظر آتا رہتا ہے، ایسی صورت میں افطار کس لحاظ سے کرنا چاہیے؟

(محمد عبدالمجید، جدہ)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصوم: ۳۳۰/۳، دار عالم الكتب، رياض، انيس

(۲) حاشية قليوبى علىٰ شرح منهاج الطالبين، كتاب الصيام، ۴۹/۲، دار إحياء الكتب العربية، مصر

الجواب

افطار اس وقت کرنے کا حکم ہے، جب سورج غروب ہو چکا ہو، جب تک سورج موجود ہوا فطار کرنا درست نہیں ہوگا، سورج کا باقی رہنا اور ڈوب جانا، اس مقام کے اعتبار سے ہے، جہاں روزہ دار ہو، اگر زمین پر ہو تو زمین کے اعتبار سے حکم ہوگا اور فضا میں ہو تو فضا کے اعتبار سے حکم ہوگا، جب روزہ دار فضا میں ہے اور وہاں سورج غروب نہیں ہوا ہے تو اس کے لیے ابھی روزہ افطار کرنا درست نہیں ہوگا اور روزہ افطار کر لے تو قضا و کفارہ واجب ہوگا۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۲۸)

سحر سعودی عرب میں اور افطار ہندوستان میں:

سوال: اگر کسی نے سعودی عرب میں سحر کیا ہو اور وہاں سے سفر کر کے ہندوستان آیا ہو تو اسے افطار کس وقت کرنا چاہیے؟ جب کہ ہمارے ملک اور سعودی عرب میں دو گھنٹے کا فرق ہوتا ہے اور بعض ممالک سے تو چار پانچ گھنٹوں کا فرق ہوتا ہے؟ (محمد بن سالم، نرمل)

الجواب

سحر وافطار اور دوسری عبادات میں بھی اس جگہ کا وقت معتبر ہوتا ہے، جہاں وہ عبادت انجام دی جا رہی ہو۔ پس جب افطار ہندوستان میں کر رہے ہیں تو ہندوستان کے وقت کے لحاظ سے ہی افطار کرنا ہوگا، چاہے روزہ کے مجموعی اوقات بڑھ جائیں، یا کم ہو جائیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۲۷)

افطار کا وقت ہوتے ہی افطار کرنا افضل ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۰/ مارچ ۱۹۳۰ء)

سوال: وقت ہوتے ہی دعائے ماثورہ پڑھ کر روزہ افطار کرنے کی فضیلت آئی ہے؛ لیکن وقت ہونے کے بعد فاتحہ پڑھنا بھی از روئے ادلہ شرعیہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

افطار کا وقت ہو جانے کے بعد فوراً روزہ افطار کر لینا افضل اور بہتر ہے، (۱) فاتحہ پڑھنے سے آپ کا مطلب کیا ہے، اگر مراد ایصال ثواب کی غرض سے کچھ پڑھنا اور ثواب بخشنا ہے تو افطار کر لینے کے بعد بھی یہ کام ہو سکتا ہے۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ (کفایت المفتی:۴/۲۵۰)

نفل روزہ میں کب افطار کیا جائے:

ہمارے یہاں پرانے جاننے والے حضرات بتاتے ہیں کہ نفل روزہ مغرب کی فرض نماز کے بعد کھولیں، اب

(۱) عن سهل بن سعد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايزال الناس بخير ماعجلوا الفطر. (ترمذی، أبواب الصوم، باب ماجاء فی تعجيل الإفطار: ۱/ ۱۵۰، طبع سعيد)

اختلاف یہاں پیدا ہوگیا ہے کہ رمضان کا فرض روزہ تو مغرب کی اذان کے وقت کھولتے ہیں اور نفل روزہ مغرب کی فرض نماز کے بعد اس کھولنے کا ثبوت ان کے پاس نہیں ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

آفتاب غروب ہونے کا یقین ہونے کے بعد فوراً روزہ کھولنا مستحب ہے،(۱) البتہ روزہ کھولنے کی وجہ سے فرض کو حد سے زیادہ مؤخر کرنا صحیح نہیں ہے؛ بلکہ افطار کر کے فرض مغرب اپنے وقت سے ادا کرے، پھر آ کر پیٹ بھر کھانا کھائے، یہ بہتر طریقہ ہے اور پھر افطار کرے تو ایک گھونٹ پانی سے بھی ہوسکتا ہے، پہلے افطار، پھر نماز مغرب ادا کرے، اس کے بعد کھائے پیئے، غرض جس نے کہا کہ نفل روزہ مغرب پڑھنے کے بعد کھولنا چاہیے، غلط کہا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (منتخبات نظام الفتاوی: ۱/۵۵۵-۵۵۶)

افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر افضل ہے:

سوال: **قوله عليه السلام: ثلاث من أخلاق الأنبياء تعجيل الإفطار وتأخير السحور ووضع يده اليمنى على اليسرى تحت السرة فى الصلاة.** (۲)

بعض نادان لوگ سحری کو اٹھتے نہیں اور یونہی روزہ رکھ لیتے ہیں، بعض بارہ ایک بجے کھا پی کر سو رہتے ہیں۔ ایسا کرنا خلاف شریعت ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: نظیر الدین امیر الدین، املیزہ، ضلع مشرقی کاندیس)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

یہ صحیح ہے کہ افطار میں آفتاب غروب ہونے کے بعد دیر نہ کرنی چاہیے؛ بلکہ آفتاب غروب ہوتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہیے۔ (۳)

---

(۱) قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: "لا يزال بخير ما عجلوا الفطر". (متفق عليه) (صحيح البخارى، رقم الحديث: ۱۹۵۷، الصحيح لمسلم: رقم الحديث: ۱۰۹۸، انيس)

"وقال عليه السلام: إذا أقبل الليل من هٰهنا وأدبر النهار وغربت الشمس فقد أفطر الصائم". (متفق عليه) (صحيح البخارى، رقم الحديث: ۱۹۵٤، الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ۱۱۰۰، انيس)

(۲) لم أجد بهٰذه الألفاظ، إنما رأيته ببعض تغير الألفاظ: ثلاث من أخلاق النبوة: تعجيل الإفطار وتأخير السحور ووضع اليمين على الشمال فى الصلاة. (مجمع الزوائد، باب وضع اليد على الأخرىٰ: ۱۰۵/۲، دار الفكر، بيروت)

(۳) عن سهل بن سعد رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يزال الناس بخير ماعجلوا الفطر. (الجامع للترمذى، أبواب الصوم، باب ماجاء فى تعجيل الإفطار: ۱۵۰/۱۸، رقم الحديث: ٦۰۹، طبع سعيد

اور یہ بھی صحیح ہے کہ سحری جس قدر دیر کر کے کھائی جائے، بشرطیکہ صبح صادق ہونے سے پہلے کھالے تو بہتر ہے، یہ دونوں باتیں حدیثوں سے ثابت ہیں، (۱) بہت پہلے سحری کھالینا اچھا نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۲۴۹/۴)

غروب آفتاب کے بعد ہی افطار کا وقت شروع ہوجاتا ہے؛ مگر دوچار منٹ تاخیر کی گنجائش ہے:

سوال: وقت نماز مغرب وافطار کب سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت نماز وافطار میں کس قدر دیر کر سکتے ہیں؟ یا جلدی کرنا چاہیے؟

(المستفتی: ۱۹۲۲، حاجی غلام احمد ولد عیسی، مارواڑ، ۱۹/شعبان ۱۳۵۶ھ، مطابق ۲۵/اکتوبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

غروب آفتاب کے بعد وقت افطار شروع ہوجاتا ہے اور یہی نماز مغرب کا وقت ہے، افطار میں دوچار منت کی تاخیر ہوجائے تو اس کی گنجائش ہے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ (کفایت المفتی: ۲۴۸/۴-۲۴۹)

غروبِ شمس کی علامت کیا ہے:

سوال: افطار غروبِ شمس کے بعد فوراً ہونا چاہیے؛ لیکن غروب شمس ہے کیا؟ کیا شمس کی طرفِ اعلیٰ کا آنکھ سے غائب ہونے کا نام ہے، یا کہ غروب شمس کے لیے ظلمت من المشرق بھی ضروری ہے، جس طرح شامی جلد: ۲ میں شرط لگائی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

جس وقت جرم شمس غائب ہوتا ہے، جب ہی مشرق سے ظلمت ظاہر ہوتی ہے، چوں کہ ہر شخص کی نظر جرم شمس پر نہیں پڑتی؛ اس لیے ظہورِ ظلمت کو اس کی علامت قرار دیا گیا ہے کہ یہ ایک حسی چیز ہے، جس کو ہر شخص پہچان لیتا ہے، شامی کی عبارت کا مطلب بھی یہی ہے۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۰۹/۱۰-۲۱۰)

---

(۱) ثم تأخير السحور مستحب، كذافي النهاية، ويكره تاخير السحور إلى وقت وقع فيه الثلث. (الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، باب ما يكره للصائم، ومالايكره: ۲۰۰/۱، رشيدية، كوئٹة)

(۲) مگر بہتر یہ ہے کہ جیسے ہی افطار کا وقت ہو، فوراً افطار کریں۔ عن سهل بن سعد قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يزال الناس بخير ما عجلوا الفطر. (سنن الترمذي، باب ماجاء في تعجيل الإفطار: ۱۵۰/۱، رقم الحديث: ۶۹۹، سعيد)

(۳) ويستحب السحور وتأخيره وتعجيل الفطر. (الدر المختار) ==

اگر بس میں افطار کا سامان نہ ہو:

سوال: حالتِ سفر میں بس میں افطار کا وقت ہوگیا، روزہ افطار کرنے کے لیے نہ کھجور ہے اور نہ پانی تو کیا کیا جائے؟ (عبداللہ صدیقی)

الجواب

اصل میں تو روزہ دار کو پہلے سے اہتمام کرنا چاہیے کہ اس کے پاس افطار کے لیے کوئی چیز موجود ہو؛ لیکن اگر غفلت ہوگئی تو یہ ایک مجبوری کی حالت ہے، اس کے سوا چارہ نہیں کہ آگے جہاں کچھ کھانے پینے کی چیز مل جائے، وہاں روزہ افطار کرلے۔
(کتاب الفتاویٰ:۳/۴۳۳)

اذان سے پہلے افطار کرنے کا حکم:

سوال: در رمضان المبارک از اذان وافطار کدام را مقدم نمودن مسنون است در تاخیر نماز از افطار کلام نیست، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم با اصحاب صلعم اولاً افطار کردند یا اذان کردند، دریں بارہ حدیث صحیح ارشاد فرمایند؟(۱)

الجواب

تقدیم افطار قبل از نماز مغرب مسنون است، واما اذان، پس مؤذن قبل اذان افطار کند وغیر مؤذن مع الاذان، إلا أن يكون عارفاً بالوقت أو بفعل المؤذن فله أن يقدّم الفطر على الأذان، مگر مراد از افطار شبع بالطعام نیست؛ بلکہ افطار بر تمرہ، یا شربۃ ماء ونحوہ۔

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلّم: ثلٰث من سنن المرسلين تعجيل الا فطار وتأخير السحور، إلخ. (رواه الطبرانى)(زيلعى: ١/٤٥٣)(٢)

ولا شك أن فى الافطار بعد الصّلاة تأخيراً، وما روى عن بعض الصّحابة أنهم كانوا يفطرون بعد المغرب أى بعد الصلاة فمحمول على الشبع أى كان يأكل الطعام بعد المغرب دون تأخير الفطر مطلقاً والله أعلم (٣)

۱۶/رمضان ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام:۳/۱۱۰)

== أى إلا فى يوم غيم، ولا يفطر مالم يغلب علىٰ ظنه غروب الشمس، وإن أذن المؤذن، بحرعن البزازية.
وفيه عن شرح الجامع لقاضى خان: التعجيل المستحب قبل اشتباك النجوم. قال فى الفيض: ومن كان علىٰ مكان مرتفع كمنارة إسكندرية، لايفطر مالم تغرب الشمس عنده، ولأهل البلدة الفطر إن غربت عندهم قبله. (رد المحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده: ٣/٤٠٠، دار عالم الكتب، رياض، انيس)

(۱) ترجمہ: رمضان المبارک میں اذان اور افطار میں سے کس کو مقدم کرنا مسنون ہے، نماز کو افطار سے مؤخر کرنے میں کوئی کلام نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ پہلے افطار کرتے تھے، یا اذان دیتے تھے، اس سلسلے میں کوئی صحیح حدیث ارشاد فرمائیں؟ انیس

(۲) نصب الراية، الحديث الثانى عشر: ٢/٤٧٠، دار البقلة جده، انيس

(۳) ترجمہ: مغرب کی نماز سے پہلے افطار کرنا مسنون ہے اور رہی اذان، تو مؤذن اذان سے پہلے افطار کرے، ==

نمازِ مغرب افطار کے کتنے منٹ کے بعد:

سوال: رمضان المبارک میں روزہ افطار کرنے کے بعد مغرب کی نماز کی جماعت میں کتنی دیر کی تاخیر کی جاسکتی ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نماز کے لیے افطار کے فورا بعد کھڑا ہونا چاہیے، کچھ کہتے ہیں کہ محلّہ کے لوگوں کے آنے کے بعد دس منٹ تک انتظار کیا جاسکتا ہے۔ برائے مہربانی جواب سے مطلع فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اذان وجماعت میں اتنا فصل کیا جائے کہ پابندِ جماعت افطار سے فارغ ہوکر کلی وغیرہ کرلیں اور شروع جماعت سے شروع ہوسکیں، جو لوگ اپنے مکان پر افطار کرتے ہیں، ان کو بھی چاہیے کہ افطار میں زیادہ وقت خرچ نہ کریں اور اپنے انتظار میں تمام حاضرینِ مسجد کو نہ روکے رہیں، آپس کی مصالحت سے وہاں کے اعتبار سے ۵، ۱۰/منٹ جیسا مناسب ہو، تجویز کرلیں، اس میں نزاع نہ کریں (مغرب کی نماز کو زیادہ دیر مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے؛ لیکن اگر کوئی عذر ہو، مثلا: کھانا حاضرہ، یا سفر کی حالت میں ہو تو فقہا نے اس کی اجازت دی ہے، لہٰذا افطار کے وقت پانچ دس منٹ کا وقفہ بطریقِ اولیٰ جائز ہے۔

”(و) أخر (المغرب إلٰى اشتباک النجوم): أی کثرتها (کره): أی التأخیر لا الفعل؛ لأنه مأمور به (تحریماً) إلا بعذر کسفر، وکونه علی أکل“. (الدر المختار)

”(قوله: وکونه علٰی أکل): أی لکراهة الصلاة مع حضور طعام تمیل إلیه نفسه، ولحدیث: ”إذا أقیمت الصلوٰة وحضر العشاء، فابدأ وبالعشاء“، رواه الشیخان“. (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۹/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۱۲-۲۱۳)

افطار اور نماز مغرب کے درمیان فاصلہ:

سوال: رمضان المبارک میں مغرب کی جماعت میں کس قدر تاخیر کی جاسکتی ہے؟ (ابوصالح، یاقوت پورہ)

== اور غیر مؤذن اذان کے ساتھ ساتھ؛ مگر یہ کہ اس کو وقت، یا مؤذن کے فعل کا علم ہو تو اس کو اختیار رہے کہ اذان سے پہلے افطار کرلے؛ مگر افطار سے مراد پیٹ بھر کھانا نہیں ہے؛ بلکہ کھجور، یا پانی وغیرہ پر افطار کرنا مراد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثلٰث من سنن المرسلین، الخ؛ یعنی تین چیزیں انبیا کی سنتوں میں سے ہیں: افطار جلدی کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا، الیٰ آخرہ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نماز کے بعد افطار کرنے میں تاخیر ہوتی ہے اور بعض صحابہ سے یہ جو مروی ہے کہ وہ لوگ مغرب کے بعد یعنی نماز کے بعد افطار کرتے تھے تو یہ پیٹ بھر کھانے پر محمول ہے؛ یعنی مغرب کے بعد کھانا کھاتے تھے نہ کہ افطار کو مطلقاً مؤخر کرتے تھے۔ واللہ اعلم (انیس)

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی طلوع الشمس من مغربها: ۲/۲۷-۲۸، دار عالم الکتب، ریاض، انیس

الجواب

مغرب کی نماز میں جہاں تک ممکن ہو، عجلت کرنا مستحب ہے؛ لیکن فقہا نے کسی ضرورت یا عذر کے تحت تاخیر کی بھی اجازت دی ہے، ان اعذار میں ایک اس کو بھی شمار کیا ہے کہ آدمی کھانے کی حالت میں ہو۔

"والأصح أنه يكره إلا من عذر كالسفر والكون على الأكل ونحوهما". (۱)

اس لیے افطار کی وجہ سے تھوڑی سی تاخیر میں حرج نہیں، البتہ اتنی تاخیر نہ ہو کہ تارے نکل آئیں کہ یہ مکروہ ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔ (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۳۷)

افطار میں جلدی کرنا:

الحمد للّٰه والسلام علیٰ عباده الذین اصطفیٰ

سوال: علماء دیارنا در تعیینِ وقتِ افطار وصلوٰۃِ مغرب مختلف ودو فریق شدند، فریقِ اول بمجرد غروبِ آفتاب از افقِ حسی وظہورِ ظلامِ شرقی حکم بافطارِ صوم وصلوٰۃِ مغرب می کنند بحجتِ دلائلِ ذیل حدیث:

"إذا أقبل الليل من هٰهُنا وأدبر النهار من ههنا فقد أفطر الصائم". (۳)

وقول إمام محمد فی المؤطا: تعجيل الافطار أفضل من تأخيرها، وهو قول أبی حنيفة والعامة.

قال شارح المؤطأ: قوله: "والعامة" أی جمهور أهل السنة. (۴)

وبکثرتِ احادیث، دیگر در تاکیدِ تعجیلِ مغرب واجتناب از تاخیرِ آں حسبِ عملِ ابنِ عمرؓ **"أخر الصلاة يوماً إلٰی أن بدأ نجم فأعتق رقبته" كما ذكر فی فتح القدير.**

ودیگر حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہ امّتِ من بخیر باشند مادامیکہ در صلوٰۃِ مغرب تاخیر نکنند، فریقِ ثانی بعد زوالِ حمرۃِ شرقی وبلند شدنِ سوادِ شرقی تا نصف سماء حکم بافطار وغیرہ می نمایند، بدلائلِ ذیل:

احتجوا بما رواه النسائی والطحاوی عن أبی بصرة الغفاری قال: صلّٰی بنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلّم صلاة العصر بالمحمص فقال: إن هٰذه الصلاة عرضت علٰی من كان قبلكم وضيعوها فمن حافظ عليها منكم أوتی أجره كرتين ولا صلاة بعدها حتٰی يطلع الشاهد، والشاهد النجم فقالوا: طلوع النجم هو أول وقتها، قال الطحاوی: وما حاصله يتحمل أن يكون الشاهد هو الليل. (۵)

---

(۱) الكبيری: ص: ۳۳۷

(۲) الجامع للترمذي، رقم الحديث: ۶۹۹، صحيح البخاري: ۲۶۳/۱، الصحيح لمسلم: ۳۵۰/۱

(۳) صحيح البخاری، كتاب الصوم، باب متٰی يحل فطر الصائم: ۴۷۰/۱، رقم الحديث: ۱۹۵۴، دار ابن كثير بيروت، انيس

(۴) مؤطا الإمام مالک برواية محمد بن الحسن مع التعليق الممجد علی موطأ الإمام محمد، أبواب الصيام، باب تعجيل الإفطار: ۲۰۴/۲، رقم الحديث: ۳۶۳، دار القلم، دمشق، انيس

(۵) شرح معانی الآثار، باب مواقيت الصلاة: ۱۵۳/۱، رقم الحديث: ۹۲۴، دار عالم الكتب، رياض، انيس

وعلماء خطۂ پشاور وسرحدِ داماں براین متفق شدند کہ ازیں حدیث درضمنِ لفظ شاہد اختلاف واقع شدہ، بعضی از شاہد نجم مراد گرفتہ، وبعضی لیل، پس بناء بر قاعدۂ اصول عمل با حتیاط کردہ، ومعنی شاہد کہ نجم است عمل را برآں قرار دادہ اند، واز ہر دوفریق در بارۂ مدعاءِ خویش رسائل اشاعت یافتہ پس ایں لاشئ از مطالعہ ہر دو رسائل از جہتِ کم علمی ونافہمی در تلاطمِ تحیر وتفکر غوطہ زن ماندہ، لہذا بخدمتِ عالی التماس است کہ از اقوال ودلائلِ فریقین ہر کدام بسند قوی وبآثارِ نبوی وصحابۂ کرام مستند باشد بدلائلِ کتبِ معتبرہ تسطیر نمودہ باحقر روانہ فرمایند کہ با حجت دلائل کتب جواب مخاصم ازاں کردہ شود وبلا سند کتب غیر مقبول ونامسموع مخاصم باشد وبلدہ سکونتی ایں مہجور در موضعے است کہ مغرباً آں بنا فاصلہ شش میل جبل واقع است، پس در ینجا چگونہ صورت مغرب باشد؟

الجواب

قال العلامة الشامي: والمراد بالغروب زمان غيبوبة جرم الشمس بحيث تظهر الظلمة في جهة الشرق، وقال صلّى اللّٰه عليه وسلّم: "اذا أقبل الليل من ههنا فقد أفطر الصائم" أي إذا وجدت الظلمة حساً في جهة المشرق فقد ظهر وقت الفطر أو صار مفطراً في الحكم، لأن الليل ليس ظرفاً للصوم وإنما أدى بصورة الأخبار ترغيباً في تعجيل الإفطار، آه. (كما في فتح الباري: ۱۳۹/۲)

قال الحافظ ابن حجر في الفتح تحت حديث ابن أبي أوفى: قال: كنا مع النبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم في سفر فلما غابت الشمس قال لبعض القوم: يا فلان قم فاجدح لنا فقال: يا رسول اللّٰه، لو أمسيت، قال: أنزل فاجدح لنا، قال: إن عليك نهاراً، قال: أنزل فاجدح لنا، الحديث مانصه، وفي الحديث أيضاً استحباب تعجيل الفطر وأنه لايجب إمساك جزء من الليل، مطلقاً بل متٰى تحقق غروب الشمس حصل الفطر آه وقال تحت حديث سهل بن سعد: إن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه و سلّم قال: لايزال الناس بخير ما عجلوا الفطر، مانصه، زاد أبوهريرة في حديثه: "لأن اليهود و النصارىٰ يؤخرون" أخرجه أبوداؤد وابن خزيمة وغيرهما، وتأخير أهل الكتاب له أمد وهو ظهور النجم، وقد روى ابن حبان والحاكم من حديث سهل أيضاً بلفظ: لاتزال أمتي علٰى سنتي ما لم تنتظر بفطرها النجوم إلٰى أن قال: قال ابن دقيق العيد: في هٰذا الحديث رد على الشيعة في تأخيرهم الفطر إلٰى ظهور النجوم، الخ. (۱۷۳/۲)

وفي ردالمحتار: لأن ظاهر مذهب أصحابنا جواز الافطار بالتحري، كما نقله في المعراج عن شمس الأئمة السرخسي، لأن التحري تفيد غلبة الظن وهي كاليقين كما تقدم فلو لم يتحر لايحل له الفطر، لأن الأصل بقاء النهار، آه. (۱)

وفي البحر من البزازية: لايفطر مالم يغلب على ظنه الغروب وإن أذن المؤذن، آه. (۱۷۰/۲)(۲)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده: ۳۷۰/۳، دار عالم الكتب، رياض، انيس

(۲) البحر الرائق، كتاب الصوم: ۱۷۰/۲، انيس

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ غروبِ آفتاب کے تحقق کے بعد معاً افطار ونماز جائز ہے؛ بلکہ تعجیل فی الافطار مستحب ہے، بشرطیکہ ظنِ غالب غروب کا ہوجائے، اور سائل کو تحری وغلبۂ ظن سے افطار کرنا چاہیے، باقی طحاویؒ ونسائیؒ کی روایت ان احادیث سے متعارض ہی نہیں؛ کیوں کہ ایک دوستارہ غروب کے ساتھ ہی طلوع ہوجاتا ہے، البتہ اشتباکِ نجوم غروب کے بعد دیر میں ہوتا ہے اور اشتباکِ نجوم کا انتظار مکروہ ہے۔

۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۱ھ (امدادالاحکام: ۹۸/۳-۱۰۰)

تفصیل الآثار فی تعجیل الافطار:

مؤطأ امام مالکؒ میں کتاب الصوم میں ہے:

"إنّ عمر بن الخطاب وعثمان بن عفّان كانا يصلّيان المغرب حين ينظران إلى الليل الأسود قبل أن يفطرا، ثم يفطران بعد الصلوٰة وذلک فی رمضان". (۱)

اس پر مسویٰ میں شاہ ولی اللہ محدثؒ نے کہا ہے:

"وعليه أهل العلم أنه يستحب ذلک ما لم يقع فی شک الاستثناء التأخير". (۲)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تعجیلِ فطر پر احادیث کثیرہ موجود خود مؤطأ میں "يستحب تعجيل الفطر" کا ایک باب ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ وحضرت عثمان رضی اللہ عنہ تاخیر کیسے فرماتے تھے؟ اور پھر شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس تاخیر کو مستحب لکھ دیا، اگر تاخیر کے شبہ میں نہ پڑے، غالباً شاہ صاحبؒ کا منشا یہ ہے کہ شبہ کی وجہ سے تاخیر نہ کرے اور بلا شبہ کے تاخیر کرے تو مستحب ہے پھر تعجیل فطر کا استحباب کہاں رہا؟

الجواب ــــــــــــ الملقب بتفصيل الآثار فی تعجيل الإفطار

قال الحافظ فی الفتح: قال ابن عبد البر: أحاديث تعجيل الإفطار وتأخير السّحور صحاح متواترة.

(۱) وعند عبدالرّزاق وغيره بإسناد صحيح عن عمرو بن ميمون الأودی قال كان أصحاب رسول الله صلّى الله عليه وسلّم أسرع الناس افطاراً وأبطأهم سحوراً. (۳)

(۲) وأخرج البخاری عن سهل بن سعد أن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قال: لايزال الناس بخير ماعجلوا الفطر، زاد أبو داؤد فی حديثه: وأخّروا السحور، أخرجه أحمد، وزاد أبو هريرة

---

(۱) الموطأ للإمام مالک، كتاب الصيام، باب ما جاء فی تعجيل الفطر: ۲۸۹/۱، دار إحياء التراث العربی، انيس

(۲) المسوى شرح الموطأ، كتاب الصيام، باب ما يستحب تعجيل الفطر وتأخير السحور: ۲۸۹/۱، رقم الحديث: ۵۹۹، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۳) فتح البارى، كتاب الصوم، باب تعجيل الإفطار: ۱۹۹/۴، رقم الحديث: ۱۹۵۷، دار المعرفة، بيروت، لبنان، انيس

فی حدیثه: لأن الیهود والنصاریٰ یؤخرون، أخرجه أبوداؤد وابن خزیمة وغیره،وتأخیر أهل الکتاب له أمد وهو ظهور النجم.

(۳) وقدروی ابن حبان والحاکم من حدیث سهل أیضاً بلفظ: لا تزال أمّتی علیٰ سنتی ما لم تنتظر بفطرها النجوم.

قال المهلّب: والحکمة فی ذلک أن لایزاد فی النهار من اللیل،ولأ نه أرفق بالصّائم وأقوی له علی العبادة،واتّفق العلماء علیٰ أنّ محل ذلک اذا تحقق غروب الشمس بالرّؤیة أو بأخبار عدلین وکذا عدل واحد فی الأرجح،آه.(۱۷۳/٤)

وفیه دلالة علیٰ اتفاق العلماء علی أن التعجیل المذکور فی الحدیث المنوط نفی الخیر بالتأخیر عنه محلّه ما إذا تحقق الغروب،ثم نبّه الحافظ فی الصفحة المذکورة علیٰ ماحدث فی زمانه من البدعة المنکرة من ایقاع الأذان الثانی قبل الفجر بنحو ثلٰث ساعة فی رمضان وإطفاء المصابیح التی جعلت علامة لتحریم الأکل والشرب علیٰ من یرید الصّیام زعماً ممن أحدثه أنه للاحتیاط فی العبادة وقد جرهم ذلک إلیٰ أن صاروا لایؤذنون إلاّ بعد المغرب بدرجة لتمکین الوقت زعموا فأخروا الفطر وعجلوا السّحور وخالفوا السنّة فلذٰلک قلّ عنهم الخیر وکثر فیهم الشر والله المستعان.(۱۷۳/٤)

وهو یدلّ علی أن التأخیر بدرجة بعد تحقق الغروب خلاف السنّة أیضاً.

(۴) وروی مسلم والترمذی والنسائی من روایة أبی عطیّة قال: دخلت أنا ومسروق علیٰ عائشة فقلنا: یا أمّ المؤمنین رجلان من أصحاب النبی صلّی الله علیه وسلّم أحدهما یعجّل الإفطار ویعجّل الصلاة والآخر یؤخر الإفطار ویؤخر الصلاة قالت: أیهما یعجل الإفطار ویعجل الصلاة قلنا: عبد الله بن مسعود،قالت: هٰکذا کان یصنع رسول الله صلّی الله علیه وسلّم والآخر أبوموسیٰ.(۱)

(۵) وأخرج أبویعلیٰ فی مسنده عن أنس رضی الله عنه قال: مارأیت النبی صلّی الله علیه وسلّم قط صلّی صلاة المغرب حتّی یفطر ولو کان علیٰ شربة من ماءٍ،وإسناده جید،کذا فی العینی علی البخاری.(۲۹۲/۵)

(۶) وأخرج البخاری عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلّی الله علیه وسلّم: إذا أقبل اللیّل من هٰهنا وأدبر النهار من هٰهنا وغربت الشمس فقد أفطر الصائم،آه، وقال ابن خزیمة: قوله" فقد أفطر الصائم" لفظ خبرٍ ومعناه الأمر أی"فلیفطر الصائم" ولو کان المراد فقد صار مفطراً(کما زعمه بعضهم)لم یکن للترغیب فی تعجیل الإفطار معنی وکان فطر جمیع الصوم واحداً.(کذا فی الفتح أیضاً: ۱۷۱/٤)(۲)

---

(۱) عمدة القاری،کتاب الصوم،باب تعجیل الإفطار: ۹۵/۱۱،رقم الحدیث: ۱۹۵۷،دار الکتب العلمیة بیروت،انیس

(۲) فتح الباری،باب ما یحل فطر الصائم ... الخ: ۱۹۷/٤،رقم الحدیث: ۱۹۵٤،دار المعرفة بیروت،انیس

وفيـه أيـضـاً فى"باب صوم الوصال"واحتجوا للتحريم أى تحريم الوصال بقوله فى الحديث المتقدم إذا أقبل اللّيل من هٰهنا فقد أفطر الصائم إذ لم يجعل اللّيل محلاً سوى الفطر فالصّوم فيه مخالفة لوضعه كيوم الفطر.(١٧٨/٤)(١)

(٧) وفيـه أيـضاً حديث بشيربن الخصاصية أخرجه أحمد والطبرانى وسعيد بن منصورو عبد بـن حـميد وابن أبى حاتم فى تفسيرهما بسند صحيح إلٰى امرأته عنه مرفوعاً "صوموا كما أمركم اللّٰه تعالى:" أتموا الصيام إلى الليل" فاذا كان اللّيل فأفطروا.(١٧٦/٤)(٢)

وقـال الـعيـنـى فـى العمدة:قال أبوعمرفى الاستذكار:أجمع العلماء علٰى أنه إذا حلت صلاة الـمغرب فقد حل الفطر للصائم فرضاً وتطوعاً،وأجمعوا علٰى أن صلٰوة المغرب من صلاة الليل، آه.(٤٦٦/٥)(٣)

(٨) وفـى التـرغيـب لـلـمنذرى عن أنس رضى اللّٰه عنه قال:" كان رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عـليـه وسلّم يفطر قبل أن يصلّى علٰى رطبات فإن لم تكن حسىٰ حسوات من ماء".رواه أبوداؤد والترمذى وحسنه،آه.(ص:١٨٥)(٤)

وقـال عـلى القا رى فى شرح المشكٰوة تحت حديث لايزال الناس بخيرما عجلوا الفطر:أى مـا داومـوا علٰى هٰذه السّنة ويسن تقديمه على الصلاة للخبرالصحيح به، وقال التورپشتى: فإن فـى التـعـجيـل مـخالفة لأهل الكتاب فإنهم يؤخرونه ثم صارعادة؛لأهل البدعة فى ملتنا،آه، قال بـعـض علمائنا:ولوأخرلتأديب النفس غيرمعتقد وجوب التأخيرلم يضرّه ذلک،أقول:بل يضرّه حيـث يـفـوتـه السّنة وتعجيل الإفطاربشربة ماء لاينافى التأديب،ثم رأيت التورپشتى قال:وهٰذه الـخـصـلة التـى لم يرضها رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم وأقول يشابه هٰذا التاخيرتقديم صوم يـوم أو يـومـيـن عـلٰـى صـوم رمـضان إلٰى أن قال:ويؤيّده ما صح أن الصّحابة كانوا أعجل النّاس إفطاراً وأبطأهم سحوراً.(٥١٠/٢)(٥)

قـلـت: ومـقتـضٰى هٰذا الذى ذكرنا كون تقديم الإفطارعلٰى صلاة المغرب سنّته وأن التأخير عـنها خلا ف السّنة وما كان خلا ف السنّة وإن كان مباحاً فلا يخلوعن كراهة ولوتنزيهاً لاسيّما

(١) فتح البارى،كتاب الصوم،باب الوصال ... الخ:٢٠٥/٤،رقم الحديث:١٩٦٤،دارالمعرفة بيروت،انيس

(٢) فتح البارى،كتاب الصوم،باب الوصال ... الخ:٢٠٢/٤،،دارالمعرفة بيروت،انيس

(٣) عـمـدة الـقارى،كتاب الصوم،باب الصوم فى السفروالإفطار:٦٢/١١،رقم الحديث: ١٩٤١،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

(٤) الترغيب والترهيب،الترغيب فى الصوم:٩١/٣،رقم الحديث:١٦٣٤، دارالكتب العلمية بيروت،انيس

(٥) مرقاة المفاتيح،كتاب الصوم،باب فى مسائل متفرقة:٣٩١/٦،انيس

إذا انضم إلٰی ذلک قوله صلّی اللّٰه علیه وسلّم:''إذا أقبل اللّیل فأفطروا''،وقوله''إذا أقبل اللّیل من ههنا وأدبر النهار من ههنا وغربت الشمس فقد أفطر الصائم أی فلیفطر.

وأما ما روی بسند صحیح عند مالک فی موطأه، وعند محمد به أن عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان کانا یصلّیان المغرب حین ینظران اللیل الأسود(أی سواد أوله)قبل أن یفطرا ثم یفطران بعد الصلاة فی رمضان،آه، فلایحتاج إلی الجواب لکونه خلاف عمل الرسول وعامة أصحابه، وأیضاً لاندری هل أخرا الفطر بعذر أو بغیر عذر،وقال القاری:هو أما لبیان الجواز اشعاراً بأن مثل هٰذا التأخیر لاینافی الأمر بالتعجیل أو لعدم مایفطران به عند هم قبل الصلٰوة أو یحمل الافطار علی التعشی بالطعام؛لأن الإفطار المتعارف عندهم أن یتعشوا بطعامهم.(کذا فی تعلیق الممجد محصًلا،ص:۱۸٤)(۱)

وحاصله:أنهما لم یکونا یتعشیان قبل الصّلٰوة بالطعام ویقتصران علٰی شربة من ماء و نحوه،ولم یکن ذلک الإفطار إفطاراً متعارفاً بینهم،فقال الراوی بناءً علٰی ذلک أنهما کانا یفطران بعد الصّلٰوة وبالجملة ففی الأثر حکایة حال لاعموم لها ویحتمل الوجوه العدیدة فلایترک به ما ثبت عنه صلّی اللّٰه علیه وسلّم قولاً وفعلاً وأمراً وترغیباً فالحاصل أن تقدیم الفطر علٰی صلاة المغرب هو السّنة وتأخیره عنها خلا ف السّنة ولکن لا یدخل فی حد الکراهة ما لم یشتبک النجوم،لایقال:ینافی ماقلت قولَ محمد فی المؤطأ بعد تخریجه أثر عمر وعثمان هٰذا کله واسع فمن شاء أفطر قبل الصّلٰوة ومن شاء أفطر بعدها وکل ذلک لابأس به آه؛لأنّ قوله واسع ولابأس به آه لا ینافی کونه خلاف السّنة فربما یطلق الفقهاء لابأس به علٰی ما یکون مکروهاً تنزیهاً وخلا ف الأولٰی کما لایخفی ولابد من تقیید قوله واسع ولابأس به بأن لایبلغ مبلغ اشتباک النجوم،کما قیده به المحشی.

وأما ما فی رد المحتار عن شرح الجامع لقاضی خان:التعجیل المستحب قبل اشتباک النجوم،آه.(۱۸۳/۲)(۲)

وهو یفید بظاهره أن کل ما کان قبل اشتباک النجوم فهو من التعجیل المستحب فیعارضه ما مر عن القاری من تصریحه بکون تقدیمه علی الصّلاة سنة وکون تأخیره عنها خلاف السنة وتأویله فی أثر عمر وعثمان بوجوه عدیدة فکیف یکون مابعد المغرب إلٰی اشتباک النجوم کلّه

---

(۱)　التعلیق الممجد،ص:۲۰۵،رقم الحدیث:۳٦٤ کے ذیل میں،دار القلم دمشق،انیس

(۲)　رد المحتار،کتاب الصوم،باب ما یفسد الصوم ومالا یفسده،إلخ،قبیل فصل فی العوارض،الخ:۴۰۰/۳، دار عالم الکتب،ریاض،انیس

وقتاً مستحباً للتعجيل، وقال في البدائع: ويسنّ تعجيل الإفطار إذا غربت الشمس، هٰكذا روى عن أبي حنيفة لما روينا من الحديث "ثلاث من سنن المرسلين" ومن جملتها: تعجيل الإفطار، وروى عن النبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم أنه قال: لاتزال أمّتي بخير ما لم ينتظروا الإفطار طلوع النجم، والتأخير يؤدي إليه، آه، أي إلى انتظار طلوع النجوم. (۱۰٦/۲)(۱)

وهٰذا يفيد أن التعجيل المسنون المستحب ما كان قبل طلوع النجم، وما بعده داخل في التأخير، نعم تأخيره إلٰى طلوع النجم لايكره كراهة التحريم وإنما التأخير المكروه كذلك ما كان إلٰى اشتباك النجوم؛ لأنه هو الذي يفضي إلٰى مشابهة أهل الكتاب فكانوا يؤخرون إلٰى حد الاشتباك. واللّٰه أعلم

ہمارے نزدیک جوامر تعجیل افطار کے متعلق کتب احادیث وفقہ سے منقح ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ تحقق غروب کے بعد معاً قبل نماز مغرب افطار کرنا مسنون ہے اور بعد نماز کے افطار کرنا خلاف سنت ہے؛ مگر حد اشتباک سے پہلے افطار کرلے تو تاخیر مکروہ میں داخل نہ ہوگا اور حد اشتباک تک تاخیر مکروہ تحریمی ہے اور مسوّیٰ کی عبارت کے متعلق بدون کتاب دیکھے ہوئے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ سوال میں اس کی عبارت ناتمام نقل کی گئی ہے اور وہ بھی پڑھی نہیں گئی اور حضرت عمرؓ وعثمانؓ کے اثر کا جواب چند وجوہ سے دیا گیا ہے، جو عبارت عربیہ میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم

۱۷ر رمضان ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۱۰۴/۳-۱۰۸)

روزہ افطار کرنے کا وقت ☆:

(رمضان میں مغرب کے وقت روزہ کھولنے سے متعلق کچھ ضروری عرض)

(۱) جون ۱۹۸٦ء رمضان کے مہینے میں افطار کرنے کے سلسلہ میں اختلاف کی وجہ سے میں نے ۱۵ر ستمبر ۱۹۸٦ء کو ایک پرچہ پیش کیا تھا، جس میں افطار کرنے کا موزوں طریقہ بتایا گیا تھا کہ مغرب کی اذان مکمل ہونے اور اذان کی دعا ختم ہونے کے بعد اور مغرب کی نماز سے پیشتر افطار کیا جائے، میرے پرچے میں درج کی گئی کتابوں کے حوالہ کے مطابق جو احادیث سے ظاہر ہوتا ہے میں نے اظہار خیال کیا تھا؛ مگر بدقسمتی سے چند روزہ داروں نے اس کو بے وقعت اور حقیر سمجھ کر قبول نہیں کیا، چوں کہ ایک مولانا صاحب نے ان کو دوسرا طریقہ اختیار کرنے کی نصیحت فرمائی تھی۔

(۲) جو کچھ بھی ہو، میں دوبارہ اپنا خیال زیادہ تفصیل اور اچھے طریقہ کے ساتھ کسی کی مخالفت اور مقابلہ کے بغیر شریعت کا تقاضا بیان کرنا چاہتا ہوں، میں اپنے صدق دل سے اپنے اعتقاد کی بنا پر بیان کروں گا، اگرچہ میں کوئی

---

(۱) بدائع الصنائع، فصل فيما يستحب للصائم وما يكره: ٦٣٤/٢، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

☆ نوٹ: کاروار، کرناٹک کے کوئی جے، اے، خان صاحب نے کتابچہ "افطار" نامی تحریر کیا تھا، کسی شخص نے وہ رسالہ دارالافتاء ڈابھیل کے نام بھیج کر اس میں لکھے ہوئے افطار کے وقت کی شرعی حیثیت معلوم کی تھی "افطار نامی رسالہ کا ابتدائی حصہ یہ ہے:

عالم نہیں ہوں اور نہیں کسی کالج، یا دار العلوم کا تعلیم یافتہ ہوں، پھر بھی اپنے اعتقاد کے مطابق صدق دل سے ظاہر کرنے سے گریز نہیں کرسکتا، جو کچھ میں بیان کروں گا، وہ میرے علم اور میری زندگی کے اعتقاد کے مطابق ہوگا، جو اسلامی کتابوں کے مطابق ہے، ساتھ ساتھ میں معافی بھی چاہوں گا کہ اگر میرے بیان میں کوئی غلطی، یا کسر ہو تو مہربانی فرما کر مجھے اطلاع دیں؛ تاکہ میں اپنی رائے بدل لوں؛ کیوں کہ میری تعلیم صرف ہائی اسکول میٹرک تک ہے۔

(۳) اب میں اپنے اصل مقصد پر آتے ہوئے افطار کا موزوں طریقہ بیان کرتا ہوں، اس وقت میری عمر ۷۳/سال ہے۔ زمانۂ دراز سے یعنی بہت سالوں سے رمضان، یا دیگر مہینے میں ہم نیچے بیان کئے گئے طریقہ کے مطابق افطار کرتے رہے ہیں اور یہی طریقہ ہمارے آباء واجداد نے بھی اختیار کیا تھا۔

(۱) غروب آفتاب کا یقین کر کے مؤذن اذان دیتے، اذان کے دوران تمام روزہ دار خاموشی اختیار کرتے اور اذان کے آداب بجالاتے اور اذان ختم ہوتے ہی دعا پڑھتے اور یہ سب غروب آفتاب سے پانچ منٹ میں مکمل ہوجاتا۔

(۲) دعا ختم ہوتے ہی افطار کیا جاتا، جو کہ صرف پانچ منٹ میں مکمل ہوتا، اس طرح ہم تمام اتفاق کے ساتھ روزہ افطار کرتے، جو قرآن کے مطابق اور اسلامی کتب میں بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہوتا تھا۔

(۳) اس طرح اذان اور افطار، سورج غروب ہونے سے دس منٹ کے اندر ختم ہوتا اور مغرب کی نماز شروع ہوکر پندرہ منٹ میں ختم ہوجاتی، لہٰذا مغرب کی نماز سورج غروب ہونے سے تقریباً ۲۵/منٹ میں ختم ہوجاتی۔ مجھ ناچیز خیال کے مطابق اس طریقہ میں کوئی غلطی، یا کسر نہیں معلوم ہوتی اور یہ طریقہ گزشتہ کئی سالوں سے جاری تھا اور اس طریقہ پر ۱۹۸۵ء تک کسی کا اعتراض، یا کوئی مخالفت نہ تھی، حالاں کہ بہت سے مختلف مقامات کے تعلیم یافتہ لوگ اور مولانا حضرات موجود تھے، ان کی فہرست جو مجھے میسر ہوئی ہے، وہ فہرست (الف) میں درج ہے، اس طرح ہم اپنے اعتقاد پر قائم تھے، جو زمانۂ دراز سے قائم تھا اور سب کچھ تسلی اور محبت سے ہماری قوم میں چلا آرہا تھا۔

(۴) لیکن ۱۹۸۶ء میں ایک مولانا صاحب جو ہماری مدینہ جامع مسجد ''کاروار'' میں امامت کررہے تھے، انہوں نے اچانک نیا افطار کا طریقہ بتایا اور انہوں نصیحت کی کہ اذان کے پہلے لفظ ''اللہ اکبر'' کے شروع ہوتے ہی افطار کریں اور اذان کے آداب کی اہمیت کے بغیر ہی دعا مانگیں، حالاں کہ اسلام کی معتبر کتب میں اذان کے آداب بجالانے کے لیے بتایا گیا ہے، اس اچانک اور بے ضرورت تبدیل کے آنے سے ۱۹۸۶ء سے ہمارے یہاں روزہ داروں میں تفرقہ پڑ گیا ہے اور اسی پر مجھے خوف ہے کہ آئندہ یہ تفرقہ آگ کی طرح بھڑکے گا اور ہماری قوم میں نا اتفاقی ہوجائے گی، اللہ نہ کرے۔

(۵) میں ایک عمر رسیدہ شخص ہونے کی بنا پر اور اس تفرقہ کے اندیشہ سے بیزار ہوتے ہوئے تفرقہ مٹانے کے ارادہ سے ایک نصیحت کے طور پر اپنے علم اور اعتقاد کے مطابق ۱۵/ستمبر ۱۹۸۶ء کو میں نے ایک پرچہ تیار کیا (جس کی

نقل اسی کے ساتھ ہے)اور جس کو ۱۵ر ستمبر ۱۹۸۶ء کو نقل کر کے ہمارے تعلقہ کی مساجد میں پیش کیا گیا تھا اور وہ پرچہ صحیح جان کر قبول کرلیا گیا تھا؛ لیکن بدقسمتی سے ہماری مدینہ جامع مسجد ''کاروار'' کے اکثر روزہ داروں نے مولانا کی نصیحت پر اندھی تقلید کرتے ہوئے نیا طریقہ اختیار کرلیا، اب نئے طریقہ کے لیے ہمارے علاقہ میں اور مولانا کے پاس، یا کسی شخص کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے، یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ نیا طریقہ کس طرح داخل ہوا اور اس کے اسباب کیا ہیں؟ اس کے لیے اسلام کی معتبر کتابوں میں ٹھوس ثبوت نہیں ہے، مجھے کہنا پڑتا ہے، ہمارا بہت زمانہ سے چلتا ہوا طریقہ بالکل صحیح ہے؛ کیوں کہ وہ طریقہ تمام ارکان کے ساتھ؛ یعنی سنت مؤکدہ، مستحب اور فرض بھی ادا کرتا ہے، جو رمضان یا دوسرے مہینے میں افطار کرنے کے لیے اسلام کے معتبر ارکان میں ہے۔ (کتابچہ ''افطار'' کا مضمون پورا ہوا)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس وقت جناب جی، ایم، خان صاحب کا ایک کتابچہ پیش نظر ہے، جس میں مؤلف نے افطار کے موزوں وقت کی تعیین کے سلسلہ میں اپنے مقدور بھر سعی فرمائی ہے، احقر سے اس کتابچہ پر تبصرہ کرنے کی فرمائش کرنے کے ساتھ اصل مسئلہ کی وضاحت کی تاکید بھی کی گئی، چناں چہ احقر نے پورا مضمون بغور پڑھا اور مکرر پڑھا، کتابچہ پر کسی قسم کا تبصرہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ کو کتاب وسنت اور کتب فقہیہ کی عبارتوں کی روشنی میں منقح کردیا جائے، اس کے بعد آخر میں ان شاء اللہ تعالیٰ کتابچہ کے متعلق بھی اپنی رائے پیش کروں گا۔

قرآن مجید میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ثم أتموا الصيام إلى الليل﴾(۱)

(پھر (صبح صادق سے) رات آنے تک روزہ کو پورا کرلیا کرو۔)

(۱) آیت مذکورہ کی تفسیر فرماتے ہوئے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی شہرۂ آفاق ''تفسیر مظہری'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''ثم أتموا الصيام إلى الليل بيان لآخر وقته عن عمر بن الخطاب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أقبل الليل من ههنا وأدبر النهار من ههنا وغربت الشمس، فقد أفطر الصائم''. (رواه البخاري)(۲)

(یعنی ﴿ثم أتموا الصيام إلى الليل﴾ میں روزہ کے آخری وقت کو بیان فرمانا مقصود ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رات ادھر (مشرق) سے آجائے اور دن ادھر (مغرب) سے رخصت ہو اور سورج چھپ جائے تو روزہ دار کے لیے افطار کا وقت ہوگیا، یہ روایت بخاری نے نقل کی ہے۔)

---

(۱) سورة البقرة: ۱۸۷

(۲) التفسير المظهري: ۲۳۲/۲، دار إحياء التراث العربي، انيس

(۲) علامہ ابوبکر جصاص رازی حنفیؒ اپنی کتاب "أحکام القرآن" میں اسی آیت کریمہ کی تفسیر وتشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

ولاخلاف فی أنه إذا غابت الشمس فقد انقضی وقت الصوم،وجاز للصائم الأکل والشرب والجماع وسائرما حظره علیه الصوم.(۱)

(یعنی اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں کہ جب غروب شمس ہوجائے تو روزہ کا وقت ختم ہوگیا اور روزدار کے لیے وہ تمام چیزیں جو روزہ کی وجہ سے ممنوع تھیں؛ یعنی کھانا، پینا، اور جماع وغیرہ حلال ہوگئیں۔)

(۳) نیز علامہ ابوبکر جصاص رازی حنفیؒ اپنی کتاب "أحکام القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں:

فالذی ورد فی الاستحباب تعجیل الفطر... محمول علیٰ أن لایؤخر الفطربعد التیقن بالغروب.(۲)

(یعنی (آیت میں جب رات آنے پر روزہ پورا کرنے کا حکم دیا گیا تو) اب وہ روایتیں جن میں افطار میں جلدی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان کا مطلب یہ ہوا کہ غروب آفتاب کا یقین ہوجانے کے بعد افطار میں تاخیر نہ کرے۔)

(۴) علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبیؒ اپنی مشہور تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں:

قوله تعالی ﴿إلی اللیل﴾إذا تبین اللیل سن الفطر.(۳)

(یعنی ارشاد ربانی ﴿إلی اللیل﴾ کا مطلب یہ ہے کہ جب رات آجائے (یعنی غروب آفتاب کا یقین ہوجائے) تو افطار مسنون ہے۔)

قرآن مجید کی اس تفسیر وتشریح کے بعد احادیث وآثار پر نظر ڈالی جائے، اس سلسلہ میں احادیث وآثار کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے، ہم ان میں سے چند کو پیش کرتے ہیں۔

(۱) امام بخاریؒ نے وقت افطار کی تعیین کے سلسلہ میں مستقل باب "متیٰ یحل فطر الصائم" کے عنوان سے قائم فرما کر دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔ پہلی روایت حضرت عمرؓ کی ہے:

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه:إذا أقبل اللیل من هٰهُنا وأدبر النهارمن ههنا وغربت الشمس فقد أفطر الصائم.(۴)

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب رات ادھر (مشرق) سے آجائے اور دن ادھر (مغرب) سے رخصت ہوجائے اور آفتاب غروب ہوجائے تو روزہ دار کے لیے افطار کا وقت ہوگیا۔)

(۱-۲) أحکام القرآن للجصاص: ۳۰۱/۱،دارإحیاء التراث العربی،انیس

(۳) الجامع لأحکام القرآن المعروف بتفسیر قرطبی: ۳۲۸/۲،دارعالم الکتب،ریاض،انیس

(۳) صحیح البخاری،باب متیٰ یحل فطر الصائم: ۲۷۰/۱،رقم الحدیث: ۱۹۵۴،دار المعرفةبیروت،انیس

علامہ بدرالدین عینیؒ شارح بخاری حدیث مذکور کے الفاظ "فقد افطر الصائم" کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

أي دخل في وقت الفطر، وقال ابن خزيمة: لفظه خبر، ومعناه الأمر، أي فليفطر الصائم. (۱)

(یعنی أفطر الصائم کا مطلب یہ ہے کہ: وہ (روزہ دار) افطار کے وقت میں داخل ہوگیا، اور ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ میں صیغۂ خبر کا استعمال کیا گیا؛ لیکن معنی امر کا ہے (یعنی روزہ دار کو افطار کرلینا چاہیے)۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی حدیث مذکور کی شرح میں امام ابن خزیمہؒ کے اس قول کو نقل فرماکر اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ (۲)

(۲) امام بخاریؒ نے اسی باب میں دوسری روایت حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی نقل فرمائی ہے:

قال: كنا مع النبيا في سفر وهو صائم، فلما غابت الشمس قال لبعض القوم يافلان قم فاجدح لنا، فقال يارسول الله لو أمسيتَ، قال: أنزل فاجدح لنا، قال يارسول الله فلو أمسيت، قال: أنزل فاجدح لنا، قال: إن عليك نهاراً، قال: أنزل فاجدح لنا، فنزل فجدح لهم، فشرب النبيا ثم قال: إذا رأيتم الليل قد أقبل من ههنا فقد أفطر الصائم. (۳)

(حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (ماہِ رمضان میں) ایک سفر میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ دار تھے؛ چنانچہ جب آفتاب غائب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم میں سے ایک آدمی (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) کو فرمایا کہ اے فلانے ہمارے لیے ستّو گھولو، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اگر کچھ اور شام ہوجانے دیتے تو اچھا ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اتر کر ہمارے لیے ستو تیار کرو، انہوں نے (پھر) عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر کچھ مزید انتظار فرمالیتے تو (مناسب تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اترو اور ہمارے لیے ستو گھولو، انہوں نے عرض کیا کہ ابھی دن (روشنی) باقی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتر کر ہمارے لیے ستو گھولو؛ چناں چہ انہوں نے اتر کر ستو گھولا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کو) نوش فرماکر ارشاد فرمایا: جب تم دیکھو کہ رات ادھر (مشرق) سے آگئی ہے تو روزہ دار کو افطار کرلینا چاہیے۔)

اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

فيه أنه لايجب إمساك جزء من الليل مطلقاً؛ بل متى تحقق غروب الشمس حل الفطر. (۴)

(یعنی اس حدیث میں یہ بتلایا گیا کہ جب آفتاب غروب ہونے کا تحقق ہوجائے تو افطار کرلینا چاہیے، اب رات کے مزید کسی حصہ کے گزرنے تک بالکل انتظار نہ کرے۔)

---

(۱) عمدة القاري، باب متى يحل الصائم: ۹۲/۱۱، رقم الحديث: ۱۹۵٤، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۲) فتح الباري، كتاب الصوم، باب متى يحل فطر الصائم: ۱۹۷/٤، رقم الحديث: ۱۹۵٤، دار المعرفة، انيس

(۳) صحيح البخاري، كتاب الصوم، با متى يحل فطر الصائم: ٤۷۰/۱، رقم الحديث: ۱۹۵۵، دار الفكر بيروت، انيس

(۴) عمدة القاري، كتاب الصوم، باب الصوم في السفر والإفطار: ۶۲/۱۱، رقم الحديث: ۱۹٤۱، دار الكتب العلمية، انيس

بعینہ یہی بات حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بھی فرماتے ہیں،(۱) آگے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ:

وفيه إيماء إلى الزجر عن متابعة أهل الكتاب،فإنهم يؤخرون الفطر عن الغروب.(۲)

(یعنی اس حدیث میں اہل کتاب کی پیروی سے روکنے کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ لوگ افطار کو غروب آفتاب سے مؤخر کرتے ہیں۔)

حافظ ابن حجرؒ کے اس کلام سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ غروب آفتاب کا تحقق ہوجانے کے بعد افطار میں تاخیر (چاہے ستاروں کے چٹکنے تک نہ ہو پھر بھی) اہل کتاب کی پیروی کا ایک حصہ ہے، اس لیے کہ حدیث مذکور کے واقعہ میں حضرت بلالؓ نے معمولی تاخیر کی درخواست کی تھی؛ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی منظور نہیں فرمایا۔

ان دو روایتوں سے جو فوائد واحکام معلوم ہوئے، اس کی تفصیل کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

وفي حديثي الباب من الفوائد: بيان وقت الصوم وإن الغروب متىٰ تحقق كفى.(۳)

(یعنی جب غروب آفتاب کا تحقق ہوگیا تو اب افطار کے لیے مزید انتظار کی ضرورت نہیں، بلکہ وہی کافی ہے۔)

(۳)	تمام حضرات محدثین اپنی کتابوں میں تعجیل افطار کا مستقل باب قائم کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں احادیث اتنی کثیر تعداد میں وارد ہوئی ہیں کہ حافظ ابن عبد اللہؒ کے حوالہ سے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور حافظ بدرالدین عینیؒ نے نقل فرمایا کہ:

أحاديث تعجيل الإفطار وتأخير السحور صحاح متواترة.(۴)

(یعنی افطار میں جلدی کرنے اور سحر میں تاخیر کرنے کے سلسلہ میں احادیث جو وارد ہوئی ہیں وہ تمام) صحیح ہیں اور درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔)

امام بخاریؒ نے بھی اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں "**باب تعجيل الإفطار**" کے عنوان سے مستقل باب قائم فرما کر اس میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں، ان میں سے ایک تو وہی جس کو ہم نمبر دو پر نقل کر آئے؛ یعنی حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت؛ چنانچہ حافظ بدرالدین عینیؒ اس جگہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس شخص (یعنی بلال رضی اللہ عنہ) سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا کہ اتر کر ہمارے لیے ستو گھولو، اس سے یہ ثابت ہوا کہ جہاں غروب آفتاب کا تحقق ہوگیا فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے افطار فرمایا۔(۵)

---

(۱)	فتح الباري، كتاب الصوم،باب متىٰ يحل فطر الصائم: ۱۹۷/٤،رقم الحديث: ۱۹۵۵،دار المعرفة،انيس

(۲-۳)	فتح الباري، كتاب الصوم،باب متىٰ يحل فطر الصائم: ۱۹۸/٤،رقم الحديث: ۱۹۵۵،دار المعرفة،بيروت،انيس

(۴)	فتح الباري، كتاب الصوم،باب تعجيل الإفطار: ۱۹۹/٤،رقم الحديث: ۱۹۵۸،دار المعرفة/(عمدة القاري، كتاب الصوم،باب تعجيل الإفطار: ۹٤/۱،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

(۵)	عمدة القاري،باب الصوم فى السفر والإفطار: ۶۰/۱۱،رقم الحديث: ۱۹٤۱،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

اس جگہ یہ بات ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن بھی تھے، اور حضر کی طرح سفر میں بھی یہ خدمت آپ کے سپرد تھی، انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غروب شمس کا تحقق ہوجانے پر اذان دینے کا حکم فرمادینے کے بجائے افطار کی تیاری کا حکم دے رہے ہیں۔

امام بخاریؒ نے اس باب میں دوسری حدیث حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی بیان فرمائی ہے:

"أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: لایزال الناس بخیر ماعجلوا الفطر". (۱)

(یعنی لوگ (امت محمدیہ) برابر بھلائی پر قائم رہیں گے جب تک کہ وہ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے۔)

تعجیل ایک مفہوم کلی ہے، جس کے مختلف درجات ہیں:

اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ غروب آفتاب کا یقین ہوتے ہی افطار کرلیا جائے، جیسا کہ حضرات محدثین وفقہا نے تصریح فرمائی ہے، قاضی مہلبؒ کے حوالہ سے علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ دونوں نے تمام علما کا متفقہ قول یہی نقل فرمایا ہے:

واتفق العلماء علیٰ أن محل ذلک إذا تحقق غروب الشمس. (۲)

اور اس کا ادنی درجہ یہ ہے کہ ستاروں کے چٹکنے سے پہلے پہلے افطار کرلے، اگر اتنی تاخیر کی، جس کے نتیجہ میں ستارے چٹک گئے تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔

(۴) "ترمذی شریف" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: قال اللّٰه عزوجل: أحب عبادی إلیّ أعجلهم فطراً. (۳)

(یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہے جو ان میں جلدی افطار کرنے والا ہو۔)

ملا علی قاریؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

أی أکثرهم تعجیلاً فی الإفطار لماقدمناه، وقال الطیبی: ولعل السبب فی هٰذه المحبة المتابعة للسنة، والمباعدة عن بدعة، والمخالفة لأهل الکتاب. (۴)

(یعنی وہ بندہ (زیادہ محبوب ہے) جو افطار میں سب سے زیادہ جلدی کرنے والا ہو اور علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ شاید اس محبت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں سنت کی اتباع اور بدعت سے دوری اور اہل کتاب کی مخالفت ہے۔)

ظاہر ہے مقام محبوبیت اسی کو حاصل ہوگا، جو تعجیل افطار کے اعلی درجہ پر فائز ہو۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب تعجیل الإفطار: ۱/۴۷۱، رقم الحیث: ۱۹۵۷، دار ابن کثیر، انیس

(۲) عمدة القاری، کتاب الصوم، باب تعجیل الإفطار، رقم الحیث: ۱۹۵۷: ۱۱/۶۷، دار المعرفة، انیس.

(۳) الجامع للترمذی، باب ماجاء فی تعجیل الإفطار: ۱/۲۲۵، رقم الحدیث: ۷۰۰، دار الفکر بیروت، انیس

(۴) مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الصوم، فصل فی مسائل متفرقة من الصوم، الفصل الثانی، ۴۲۲، رقم الحدیث: ۱۹۸۹، دار الکتب العلمیة، انیس

(۵)　"مسلم شریف" میں حضرت ابوعطیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال: دخلت أنا ومسروق علیٰ عائشة رضی اللّٰہ عنها، فقلنا: یا أم المؤمنین رجلان من أصحاب محمداً أحدهما یعجل الإفطار، ویعجل الصلاة، والآخر یؤخر الإفطار، ویؤخر الصلاة، قالت: أیهما الذی یعجل الإفطار ویعجل الصلاة؟ قال قلنا: عبد اللّٰہ یعنی ابن مسعود، قالت: کذلک کان یصنع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم، زاد أبو کریب والآخر أبو موسیٰ. (۱)

(یعنی میں اور حضرت مسروق (دونوں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم نے عرض کیا کہ اے ام المؤمنین! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو آدمی ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک افطار میں بھی جلدی کرتے ہیں اور نماز میں بھی اور دوسرے افطار میں بھی تاخیر کرتے ہیں اور نماز میں بھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت فرمایا کہ ان میں سے کون افطار اور نماز میں تعجیل کرتے ہیں؟ تو ہم نے عرض کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (راوی کہتے ہیں کہ) دوسرے صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے۔)

ظاہر ہے دوسرے صحابی جو تاخیر سے کام لیتے تھے وہ اتنی تاخیر تو نہیں تھی جو حدِ کراہت میں داخل ہوجاتی ہو؛ بلکہ مراد یہ ہے کہ جلدی کرنے والے صحابی تعجیل افطار میں مبالغہ سے کام لیتے تھے اور دوسرے صحابی اتنا مبالغہ نہیں فرماتے تھے، چناں چہ شارح مسلم حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

المراد فی التعجیل المبالغة فیه، وبالتأخیر عدمها. واللّٰہ أعلم (۲)

اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریق کار کو عین سنت کے مطابق بتلایا۔

(۶)　"مسند احمد" وغیرہ میں حضرت قطبہ بن قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

رأیت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یفطر إذا غربت. (۳)

(یعنی میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ غروب ہوتے ہی (بلا تاخیر) افطار فرماتے تھے۔)

(۷)　حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا کان صائماً، أمر رجلا یقوم علی نشز (أی مرتفع) من الأرض، فإذا قال: قد وجبت الشمس أفطر، رواہ الطبرانی فی الکبیر. (۴)

---

(۱)　الصحیح لمسلم، کتاب الصوم، باب فضل السحور، إلخ: ۵۰۲/۱، رقم الحدیث: ۲۴۴۵، دار المعرفة بیروت، انیس

(۲)　فتح الملهم، کتاب الصوم: ۱۲۲/۳

(۳-۴)　مجمع الزوائد، باب تعجیل الإفطار وتأخیر السحور: ۳۶۸/۳، رقم الحدیث: ۴۸۷۶، دار الفکر بیروت، انیس

(یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ سے ہوتے تھے تو ایک آدمی کو بلند مقام پر کھڑا فرما دیتے تھے اور جہاں وہ یہ کہتا کہ: آفتاب غروب ہوگیا اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم افطار فرماتے تھے۔)

(۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

رأيت رسول صلى الله عليه وسلم وهو صائم يترصد غروب الشمس بتمرة، فلما توارت القاها في فيه. (۱)

(یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ روزہ سے ہیں اور کھجور لیے ہوئے غروب آفتاب کا انتظار فرمارہے ہیں اور جہاں آفتاب آنکھوں سے اوجھل ہوا، آپ نے وہ کھجور منہ میں ڈال دی۔)

(۹) **عن أبي رجاء رضي الله عنه قال: كنت أشهد ابن عباس رضي الله عنهما عند الفطر في رمضان فكان يوضع طعامه ثم يأمر مراقبا يراقب الشمس، فإذا قال: وجبت، قال: كلوا، ثم كنا نفطر قبل الصلاة.** (۲)

(ابو رجاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رمضان المبارک میں افطار کے وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوتا تھا، آپ کے سامنے کھانا رکھا جاتا تھا، پھر آپ ایک شخص کو حکم دیتے تھے کہ وہ آفتاب کو دیکھتا رہے، پس جب وہ شخص کہتا کہ آفتاب غروب ہوگیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے کہ کھاؤ۔)

(۱۰) **عن أبي حمزة الصبعي رضي الله عنه أنه كان يفطر مع ابن عباس رضي الله عنهما في رمضان، فكان إذا أمسى بعث ربيبه له يصعد ظهر الدار، فلما غربت الشمس أذن فيأكل ونأكل، فإذا فرغ، أقيمت الصلاة، فيقوم يصلي ويصلي معه.** (۳)

(ابوحمزہ صبعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ رمضان المبارک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ افطار کرتے تھے، چنانچہ جب شام ہوتی تو ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے ربیب کو بھیجتے کہ وہ گھر کی چھت پر چڑھ جاتا، پھر جب سورج غروب ہوتا تو وہ اذان دیتا، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ہم کھانا شروع کرتے، پھر جب وہ اذان سے فارغ ہوتا تو نماز کے لیے اقامت کہی جاتی؛ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اٹھ کر نماز پڑھتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھتے۔)

(۱۱) **عن مجاهد رضي الله عنه قال كنت لآتي ابن عمر رضي الله عنهما بالقدح عند فطره، فأستره من الناس وما به إلا الحياء يقول من سرعة ما يفطر.** (۴)

(حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ افطار کے وقت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا (کھانے کا) برتن لاتا، اور افطار میں جلدی کرنے کی وجہ سے مارے شرم کے وہ برتن لوگوں سے چھپا کر لاتا۔)

---

(۱) كنز العمال، كتاب الصوم، فصل في أدب الصوم والافطار: ۱۰۰۵/۸، مؤسسة الرسالة بيروت، انيس
(۲) مصنف عبد الرزاق، باب تعجيل الإفطار: ۲۲۷/۴، رقم الحديث: ۷۵۹۷، المكتب الإسلامي بيروت، انيس
(۳) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصوم، باب تعجيل الإفطار: ۱۲/۳، رقم الحديث: ۹۰۳۶، دار السلفية الهند، انيس
(۴) مصنف عبد الرزاق، باب تعجيل الإفطار: ۲۲۶/۴، رقم الحديث: ۷۵۹۳، المكتب الإسلامي، مصنف ابن أبي شيبة: ۱۳/۳

(۱۲)　عن عبدالواحد بن أيمن عن أبيه عن أبی سيعد رضی الله عنه قال: دخلت عليه، فأفطر علیٰ عرق، وإنی أری الشمس لم تغرب. (۱)

(عبدالواحد بن ایمنؒ اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے گوشت کی ہڈی والی بوٹی سے افطار کیا اور (افطار میں انہوں نے اتنی جلدی کی تھی کہ) میں یہ سمجھ رہا تھا کہ ابھی تک آفتاب غروب نہیں ہوا۔)

(۱۳)　عن مسلم بن يزيد عن أبيه قال: كان علی بن أبی طالب ص يقول لأبی التياح، غربت الشمس؟ فيقول: لاتعجل، فيقول: غربت الشمس؟ فإذا قال: نعم، أفطر، ثم نزل فصلی. (۲)

(مسلم بن یزیدؒ اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں کہ (ایک سفر میں) حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ابوالتیاح سے کہنے لگے کہ (کیا) سورج غروب ہوگیا؟ تو انہوں نے کہا کہ ابھی جلدی نہ کریں، پھر پوچھنے لگے کہ کیا سورج غروب ہوگیا؟ تو جب انہوں نے کہا کہ ہاں (غروب ہوگیا) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے افطار فرمایا پھر اتر کر نماز پڑھی۔)

(۱۴)　عن علقمة رضی الله عنه قال: أُتی عبد الله بجفنة فقال للقوم: أدنوا فكلوا، فاعتزل رجلٌ منهم، فقال له عبد الله مالک؟ قال إنی صائم، فقال عبد الله: هذا والذی لا إله غيره حين حلّ الطعام. (۳)

(حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس (کھانے کا برتن) لایا گیا، آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ قریب ہوجاؤ! اور کھاؤ، تو ان میں سے ایک شخص الگ ہٹ گیا، حضرت عبداللہ نے اس سے فرمایا کہ کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں روزہ سے ہوں تو حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، یہ وہ وقت ہے کہ (روزہ دار کے لیے) کھانا حلال ہوگیا، (اس اثر کا مطلب یہ ہے کہ افطار میں اتنی جلدی کی گئی تھی کہ وہ آدمی یہ سمجھ رہا تھا کہ ابھی تک وقت نہیں ہوا)

(۱۵):　عن موسی بن أنس رضی اللّٰه عنه أنّ أنساً كان يصعد الجارية فوق البيت، فيقول: إذا استوی الأفق فاٰذنينی. (۴)

(حضرت موسیٰ ابن انسؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ ایک باندی کو گھر کی چھت پر بھیج دیتے تھے اور فرماتے کہ جب افق برابر ہوجائے (یعنی سورج غروب ہوجائے) تو مجھے اطلاع دینا۔)

---

(۱)　مصنف ابن أبی شيبة، باب تعجيل الإفطار: ۱۲/۳-۱۳، رقم الحديث: ۹۰۴۲، دارالسلفية الهند، انيس

(۲)　مصنف ابن أبی شيبة، باب تعجيل الإفطار: ۱۳/۳، رقم الحديث: ۹۰۴۵، دارالسلفية الهند، انيس

(۳)　مصنف ابن أبی شيبة، باب تعجيل الإفطار: ۱۲/۳، رقم الحديث: ۹۰۴۱، دارالسلفية الهند، انيس

(۴)　مصنف ابن أبی شيبة، باب تعجيل الإفطار: ۱۳/۳، رقم الحديث: ۹۰۴۹، دارالسلفية الهند، انيس

(۱۶): عن ابن حنظلة عن أبيه رضى الله عنه قال:شهدت عمربن الخطاب رضى الله عنه فى رمضان وقرب إليه شراب،فشرب بعض القوم وهم يرون الشمس قد غربت،ثم ارتقى المؤذن، فقال:يا أميرالمؤمنين! والله إن الشمس طالعة لم تغرب،فقال عمر:من كان أفطرفليصم يوماً مكانه،ومن لم يكن أفطرفليتم حتىٰ تغرب المشس.وأعاده من طريق آخر،وزادفيه فقال له:إنما بعثنا داعياً ولم نبعثك راعياً،إلخ.(۱)

(علی ابن حنظلہ اپنے والدص سے نقل فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رمضان المبارک میں حاضر ہوا،آپ کے سامنے افطاری پیش کی گئی،بعض لوگوں نے اس میں سے نوش فرمالیا یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہوگیا،اس کے بعد مؤذن اذان دینے کے لیے چڑھا اس نے (اوپر سے) کہا کہ اے امیر المؤمنین! خدا کی قسم آفتاب تو ابھی موجود ہے غروب نہیں ہوا،تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے روزہ افطار کرلیا،وہ اس کی جگہ ایک روزہ (بطور قضا) رکھ لے اور جس نے ابھی تک افطار نہیں کیا،وہ غروب آفتاب تک ٹھہر جائے اور روزہ پورا کرے۔(اسی واقعہ میں دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مؤذن کو (جس نے اوپر سے چلاّ کر خبر دی تھی) فرمایا کہ:ہم نے تو تجھے نماز کی دعوت دینے کے لیے بھیجا تھا،سورج دیکھنے کے لیے نہیں بھیجا تھا۔(گویا مؤذن کی بے ادبی پر تنبیہ فرمائی)۔(فتح القدیر)

(۱۷) عن عمروبن ميمون الأودى قال: كان أصحاب محمدا، اسرع الناس افطاراً، وأبطأه سحوراً.(۲)

(عمرو بن میمون اودی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلمکے صحابہ لوگوں میں سب سے زیادہ جلدی افطار کرنے والے،اور دیر سے سحر کھانے والے تھے۔)

احادیث وآثار کے بعد کتب فقہیہ سے بھی نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) ''نور الایضاح'' میں ہے:

ويستحب له ثلا ثة أشياء:السحور،وتأخيره،وتعجيل الفطرمن غيريوم غيم.(۳)

روزہ کے لیے تین چیزیں مستحب ہیں:(۱) سحری کھانا،(۲) اس میں تاخیر کرنا،(۳) اور افطار میں جلدی کرنا جب کہ بادل نہ ہوں (بادل ہونے کی صورت میں روزہ کی حفاظت کے پیش نظر احتیاط برتنی چاہیے) (مراقی الفلاح)

---

(۱) نصب الرأية،كتاب الصوم،باب ما يوجب القضاء والكفارة: ٤٦٩/٢،مؤسسة الريان للطباعة والنشر بيروت/ مصنف ابن أبى شيبة،باب ما قالوا فى الرجل يرىٰ أن الشمس قد غربت: ٢٤،٢٣/٣،رقم الحديث:٩١٣٨/مصنف عبدالرزاق،كتاب الصوم،باب الإفطار فى يوم مغيم:١٧٨/٤،المكتب الإسلامى بيروت،انيس)

(۲) مصنف عبد الرزاق،كتاب الصوم،باب تعجيل الفطر: ٢٢٦/٤،رقم الحديث: ٧٥٩١،المكتب الإسلامى بيروت وعمدة القارى،كتاب الصوم،باب تعجيل الفطر:٩٤/١١.دارالكتب العلمية بيروت،انيس

(۳) نورالايضاح ،باب ما يستحب للصائم،ص:٣٤٩،انيس

''طحطاوی علی مراقی الفلاح'' میں ہے:

يستحب الإفطار قبل الصلاة. (۱)

(نماز مغرب سے پہلے افطار کر لینا مستحب ہے۔)

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

و كان أن يفطر قبل أن يصلى. (۲)

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب پڑھنے سے پہلے افطار فرما لیتے تھے۔)

امام محمدؒ نے ''موطا امام محمد'' میں صراحت فرمائی ہے کہ نماز مغرب سے پہلے بھی افطار کر سکتا ہے، اور نماز مغرب کے بعد بھی کر سکتا ہے؛ لیکن جو آدمی نماز مغرب کے بعد افطار کرنا چاہے، وہ سنت ونفل سے پہلے کر لے، یعنی فرض مغرب کے سلام پھیرتے ہی افطار کر لے تا کہ افطار میں تاخیر مکروہ کا مرتکب نہ ہو۔ (۳)

''تبیین الحقائق'' شرح کنز الدقائق میں ہے:

والمستحب فيه التاخير، وفي الفطر التعجيل. (۴)

(یعنی سحری میں تاخیر اور افطار میں تعجیل مستحب ہے۔)

(۳) ''بدائع الصنائع'' میں ہے:

ويسن تعجيل الإفطار إذا غربت الشمس، هٰكذا روى عن أبى حنيفة أنه قال: وتعجيل الإفطار إذا غربت الشمس أحب إلينا. (۵)

(اور افطار میں جلدی کرنا مسنون ہے جب کہ سورج غروب ہو جائے، امام ابوحنیفہؒ سے اسی طرح منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ آفتاب غروب ہوتے ہی افطار میں جلدی کرنا ہمارے نزدیک پسندیدہ ہے۔)

(۴) ''البحر الرائق'' میں ''فتاوی بزازیہ'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

ويستحب تعجيل الإفطار. (۶)

(افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے۔)

---

(۱) حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصوم، فصل فيما يكره للصائم وما لا يكره وما يستحب، ص ۶۸۳، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۲) زاد المعاد: ۳۳۳/۱

(۳) رسائل الأركان، ص: ۲۱۵

(۴) تبيين الحقائق: ۳۴۳/۱، مكتبة إمداديه ملتان، انيس

(۵) بدائع الصنائع، فصل فيما يستحب للصائم وما يكره: ۶۳۲/۲، انيس

(۶) رد المحتار، كتاب الصوم، فصل فى العوارض: ۵۱۲/۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

البتہ غروب آفتاب کا یقین یا ظن غالب ہونا ضروری ہے۔

ولا يفطر ما لم يغلب علىٰ ظنه غروب الشمس. (۱)

(۵) ''فتاوی عالمگیری'' میں ہے:

وتعجيل الإفطار أفضل، فيستحب أن يفطر قبل الصلاة. (۲)

(افطار میں جلدی کرنا افضل ہے، چنانچہ نماز (مغرب) سے پہلے افطار کر لینا مستحب ہے۔)

(۶) درمختار میں ہے:

ويستحب السحور وتأخيره وتعجيل الفطر. (۳)

(اور روزہ دار کے لیے سحری کھانا اور اس میں تاخیر کرنا اور افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے۔)

منقولۂ بالا نصوص، قرآن وحدیث وآثار صحابہ وعبارات فقہیہ سے مشترک طور پر اتنی بات معلوم ہوئی کہ غروب آفتاب کا تحقق ہوتے ہی روزہ کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اور روزہ دار کے لے افطار کا استحباب ثابت ہو جاتا ہے، اب اس کی بھی ضرورت نہیں کہ اذان دی جائے اور اس کے ختم ہونے کا انتظار کیا جائے؛ بلکہ بعض احادیث (مثلاً نمبر۲، ۶، ۷، ۸) اور آثار (مثلاً نمبر ۹، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۶) سے تو اذان سے قبل ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کا افطار کرنا معلوم ہوتا ہے اور اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما (نمبر۱۰) سے درمیان اذان افطار کرنا ثابت ہوتا ہے؛ اس لیے افطار کا موزوں وقت شریعت مطہرہ کے نزدیک یہی ہے کہ آفتاب کے غروب ہونے کا یقین ہو جائے۔

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ غروب آفتاب کا علم کس طرح ہو؟ تو اس کا جواب یہ کہ میدانی علاقوں اور دیہات وغیرہ میں تو ہر شخص بہ آسانی غروب آفتاب کو معلوم کر سکتا ہے، اور بڑے شہروں وغیرہ میں جہاں یہ ممکن نہ ہو وہاں لوگوں کو غروب آفتاب کی اطلاع نقارہ، توپ کا گولہ، سائرن، لائٹ وغیرہ کے ذریعہ دی جا سکتی ہے، اور بذریعۂ اذان بھی دی جا سکتی ہے۔ پہلی صورت کو بدعت قرار دینا درحقیقت بدعت کی تعریف سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

حضرت مفتیٔ اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اسی قسم کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

جواب: نقارہ بجانا غروب شمس کی عام اطلاع کے لیے ہوتا ہے، اور جب کہ نقارہ غیر مشتبہ طور پر سنا جائے اور ظن غالب ہو کہ یہ نقارہ وہی ہے جو اطلاع افطار کے لیے بجایا جاتا ہے، تو اس کی آواز سن کر افطار کر لینا مذہب حنفی اور شافعی دونوں میں جائز ہے۔

علامہ قیلوبیؒ نے ''شرح منہاج الطالبین'' کے حاشیہ میں لکھا ہے:

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۵۱۲/۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۲) الفتاوىٰ الهندية، باب فيما يكره للصائم وما لا يكره: ۲۲۰/۱، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۳) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده: ۴۰۰/۳، دار عالم الكتب، رياض، انيس

ومنه سماع الطبول،وضرب الدفوف،ونحو ذلک ممايعتاد فعله أول الشهر وآخره،آه، قلت:وكذا أول الصوم وآخره. (کفایت المفتی:۲۳۴/۴-۲۳۵)

حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب:طبلِ سحور کو فقہا نے جائز لکھا ہے،اور افطار اور سحور کی مصلحت متشابہ ہے؛اس لیے بھی کچھ حرج نہیں؛مگر فرش مسجد سے علاحدہ ہو اور ناقوس وغیرہ سے اس کو اس لیے مشابہت نہیں کہ وہ لوگ اس طریقِ اعلان کی خصوصیت کو عبادت بھی سمجھتے ہیں اور یہاں کوئی ایسا نہیں سمجھتا اور خیرالقرون میں اس کی نظیر دفِ نکاح ہے کہ اس سے بھی مقصود اعلان ہے، ایک طاعت کی تحقیق کا اور اس سے بھی مقصود اعلان ہے ایک طاعت کے وقت کے تحقق کا؛ بلکہ عندالتأمل دف اپنی غرض میں اس قدر محتاج الیہ نہیں،جس قدر عوام کے اعتبار سے یہ اپنی غرض میں محتاج الیہ ہے۔(امدادالفتاوی:۱۰۴/۲)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''سحری یا افطاری کا اگر وقت معلوم نہ ہو اور روزوں کے فساد کا اندیشہ ہو تو نقارہ بجانا، یا گھنٹہ بجانا، باورد کا گولہ بنانا درست ہے؛لیکن مسجد یا اس کی چھت پر نہیں چاہیے بلکہ مسجد سے ہٹ کر کسی دوسرے مکان یا بلند مقام پر چاہیے کیونکہ یہ چیز احترام مسجد کے خلاف ہے''۔(فتاوی محمودیہ:۲۹۲/۷)

حضرت مولانا سید مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''الجواب:جس طرح نکاح اور اعلان جنگ کے لیے دف وغیرہ بجانا حدیثوں سے ثابت ہے،اسی طرح چاند نظر آنے اور سحری وافطاری کے وقت ضرورۃً بطورِ اعلان دف بجانا بھی جائز ہے،بشرطیکہ باجا بجانے کے طرز پر نہ ہو''۔(فتاوی رحیمیہ:۴۰/۲)

علامہ شامیؒ نے بھی ردالمحتار:۲۴۷/۵ میں اس کو لکھا ہے،اس لیے احادیث وآثار دیکھنے سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ اذان سے پہلے افطار کر لیا جائے، اور عوام مسلمین کو غروب آفتاب کی اطلاع دینے کے لیے نقارہ وغیرہ کا طریقہ اختیار کر سکتے ہیں۔

نمبر سات پر حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی جو روایت گزری،اس میں صراحت موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی آدمی کو بلند مقام پر کھڑا فرما دیتے تھے اور جہاں وہ غروب آفتاب کی اطلاع دیتا،آپ افطار فرماتے تھے،اسی طرح نمبر نو میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا معمول اور نمبر ۱۵ میں حضرت انس (خادم الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم) رضی اللہ عنہ کا معمول بھی اس بات کی بین دلیل ہے کہ جو شخص خود غروب آفتاب پر واقف ہوا ہو وہ دوسروں کو اطلاع دے؛ تاکہ دوسرے اس اطلاع کی بنیاد پر افطار کریں اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ احادیث وآثار سے ثابت ہے۔

دوسری صورت اذان کی ہے،تو یہ یاد رہے کہ اصالۃً اذان نماز کے لیے دی جاتی ہے،افطار کے لیے نہیں،شریعت

مطہرہ نے وقت نماز کی اطلاع کے لیے اذان کو وضع فرمایا ہے؛ لیکن چوں کہ نماز مغرب کا وقت بھی غروب آفتاب کے تحقق سے شروع ہوتا ہے اور افطار کے لیے بھی بعینہ یہی وقت ہے؛ اس لیے غروب آفتاب کا تحقق ہوتے ہی اگر اذان دے دی جائے؛ تاکہ اس طرح لوگوں کو افطار کا وقت بھی معلوم ہو جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، اس صورت میں اذان سننے والوں کو اختیار ہے کہ وہ اذان کے مکمل ہونے تک افطار نہ کرتے ہوئے اذان کا جواب دیتے رہیں اور اذان ختم ہونے کے بعد افطار کریں، اور یہ بھی اختیار ہے کہ اذان کا پہلا کلمہ سنتے ہی افطار کرلے۔ پیشِ نظر کتابچہ میں اس صورت کو غلط قرار دیا گیا ہے، وہ درست نہیں ہے۔ ہم نے جو آثار نقل کئے ہیں، ان میں نمبر دس پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جو اثر ہے، اس میں اس کی صراحت ہے کہ وہ اپنے ربیب کو مکان کی چھت پر بھیجتے تھے اور غروب آفتاب ہونے پر جہاں وہ اذان شروع کرتا وہیں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور آپ کے رفقاء افطار شروع فرماتے تھے۔

رہی یہ بات کہ اس صورت میں درمیان اذان کھانا پینا لازم آتا ہے تو حدیث وفقہ میں اس کے جواز کی صراحت موجود ہے۔ ''ابوداؤد شریف'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

قال رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم: إذا سمع أحدکم النداء، و الإناء علٰی یده فلایضعه حتٰی یقضی حاجته منه. (۱)

''مراقی الفلاح'' شرح نور الایضاح میں اذان کے جواب کی تفصیل میں لکھا ہے:

و لایجیب فی الصلاة و لوجنازة، وخطبة سماعها وتعلم العلم وتعلیمه، أولأکل، إلخ. (۲)

''درمختار'' میں بھی اس کی صراحت موجود ہے۔ (۳)

اور روزہ دار کے حق میں تو بڑی وسعت ہے کہ نماز کی اقامت کہی جا چکی اور جماعت شروع ہو چکی ہے؛ لیکن روزہ دار کی ضرورت پوری نہیں ہوئی تو شریعت مطہرہ اجازت بلکہ حکم دیتی ہے کہ پہلے کھانا کھالے اس کے بعد نماز پڑھے۔ تمام حضرات محدثین نے مستقل باب قائم فرما کر اس مسئلہ کو اپنی اپنی کتابوں میں ذکر فرمایا ہے۔

امام بخاریؒ نے ''**باب إذا حضر الطعام و أقیمت الصلاة**'' کے ذیل میں تین مرفوع حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔ ان میں ایک حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب شام کا کھانا پیش ہو تو مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے کھانا کھالو۔ (بخاری شریف) (۴)

---

(۱) أبوداؤد، کتاب الصیام، باب فی الرجل یسمع النداء والإناء فی یده: ۳۲۱/۱، رقم الحدیث: ۲۳۵۰، انیس

(۲) مراقی الفلاح علٰی هامش الطحطاوی، کتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۲۰۳، دارالکتب العلمیة بیروت، انیس

(۳) ولوجنباً لا حائضاً ولا نفساء ... أکل ... إلخ. (الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ویجیب من سمع الأذان: ۶۵/۲-۶۶، دارعالم الکتب، ریاض، انیس)

(۴) صحیح البخاری، کتاب الأذان: ۱۶۸/۱، رقم الحدیث: ۶۷۲، دارابن کثیر بیروت، انیس

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی روایت کو ذکر فرمایا ہے، اس کے بعد خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل نقل فرمایا ہے، جب ان کے سامنے کھانا رکھا جاتا اور ادھر نماز کی اقامت شروع ہوتی (بلکہ نماز شروع ہو جاتی) تو جب تک وہ فارغ نہ ہو جاتے نماز میں شریک نہ ہوتے؛ حالانکہ وہ امام کی قراءت سن رہے ہوتے تھے۔ (بخاری شریف)(۱)

علامہ بدر الدین عینیؒ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں:

اختلفوا فی هٰذا الأمر، فالجمهور علٰى أنه للندب، وقيل للوجوب وبه قالت الظاهرية. قالوا: لايجوز لأحد حضر طعامه بين يديه وسمع الاقامة أن يبدأ بالصلوٰة قبل العشاء، فإن فعل فصلاته باطلة، والجمهور على الصحة. (عمدة القاری، کتاب الصوم: ۵ / ۱۹۷، دار الکتب العلمیة بیروت)

(یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امر سے وجوب مراد ہے، یا استحباب اس سلسلہ میں) علمائے امت میں اختلاف ہے، جمہور علماء (۲)، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل جو اوپر بیان کیا گیا اس وقت ہوتا تھا، جب کہ وہ روزہ سے ہوتے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری: ۲/ ۱۲۷، اور حافظ عینیؒ نے عمدۃ القاری: ۵/ ۱۹۸، میں اس کی تصریح فرمائی ہے، یہ روایت اس تفصیل کے ساتھ ''مسند احمد'' میں بھی موجود ہے ''ترتیب المسند المسمی بالفتح الربانی'' کی شرح ''بلوغ الأمانی'' میں شیخ احمد عبد الرحمٰن البنا الشہیر بالساعاتی اس موقعہ پر فرماتے ہیں:

وكان ابن عمر رضى الله عنهما من أشد الناس تمسكا بقوله أو فعله. (بلوغ الأمانی: ۷/ ۱۰)

(یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں سے تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل پر بڑی شدت (مبالغہ) سے عمل کرنے والے ہیں۔ حضرات فقہائے کرام نے بھی ''باب الامامة'' میں ان مسائل کی تفصیل ذکر فرمائی ہے۔)

رہا مسئلہ اذان کے جواب کا تو فقہائے احناف کے درمیان مختلف فیہ ہے اور محققین حضرات نے زبان سے جواب دینے کو مستحب قرار دیا ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والذى ينبغى تحريره فى هٰذا المحل أن الإجابة باللسان مستحبة، وأن الإجابة بالقدم واجبة إن لزم من تركها تفويت الجماعة، الخ. (۳)

(یعنی اس جگہ اس بات کی صفائی ضروری ہے کہ زبان سے جواب دینا مستحب ہے، اور قدم سے جواب دینا (یعنی نماز کے لیے جانا) واجب ہے، اگر اس کے چھوڑنے سے جماعت کی تفویت لازم آتی ہو۔)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الأذان: ۱/ ۱۶۸، رقم الحدیث: ۶۷۳، دار ابن کثیر بیروت، انیس

(۲) جن میں ائمۂ اربعہ بھی ہیں، اس بات کے قائل ہیں کے یہ امر استحباب کے لیے ہے، اور ایک قول وجوب کا بھی ہے؛ چنانچہ اہل ظاہر نے اس کو اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس کے سامنے کھانا موجود ہو اور وہ اقامت کی آواز سنے، اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کھانے سے پہلے نماز شروع کرے، اگر اس نے ایسا کیا تو اس کی نماز باطل ہے؛ لیکن جمہور علماء نماز کے صحیح ہونے کے قائل ہیں۔

(۳) ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، مطلب فی کراهة الجماعة: ۲/ ۶۸، دار عالم الکتب، ریاض، انیس

اور جن حضرات مشائخ حنفیہ نے زبانی جواب کو واجب کہا ہے، انہوں نے بھی اس آدمی کو جو کھانے میں مشغول ہے اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، جیسا کہ ہم آگے ''مراقی الفلاح'' اور ''درمختار'' کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں؛ نیز اذان کا پہلا کلمہ سنتے ہی افطار کرنے والا اگر جواب دینا چاہے تو دے سکتا ہے، دونوں میں کوئی منافات تو نہیں ہے؛ اس لیے صاحب کتابچہ کا ''اذان کا پہلا کلمہ سنتے ہی افطار کرنے والے طریقہ'' کو غلط قرار دینا درست نہیں۔

نیز انہوں نے اپنے مالوف طریقِ افطار کا مستحب ہونا ثابت کرنے کے لیے مستقل کتابچہ ترتیب دیا؛ لیکن حدیث وفقہ کی کسی صریح عبارت سے اس طریقہ کو ثابت نہیں کر پائے۔ صرف جوابِ اذان کے سلسلہ میں جو فقہی جزئیات ہیں انہیں پیش کر دیا؛ لیکن اس سے ان کے مالوف طریقہ کا استحباب کہاں ثابت ہوا؟ اور اگر بالفرض وہ کسی صریح عبارت سے اس کا استحباب ثابت کر بھی دیتے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ دوسرا طریقہ غلط ہے؛ بلکہ مؤلفِ کتابچہ کا اپنے مالوف طریقہ پر اس قدر اصرار تو غلو فی الدین کی صورت ہے، جو مستحب کو ترک کرنے کا باعث ہوتی ہے۔

''مشکوٰۃ شریف'' میں ''بخاری ومسلم'' کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت ذکر کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

لایجعل أحدکم للشیطان شیئاً من صلاته، یریٰ إن حقا علیه أن لاینصرف إلا عن یمینه،لقد رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کثیراً ینصرف عن یساره. (۱)

(یعنی تم سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ رکھے اس طرح کہ وہ نماز کے بعد دائیں طرف سے گھومنے کو ضروری سمجھے، تحقیق کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مرتبہ بائیں طرف سے گھومتے بھی دیکھا ہے۔)

اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے ملا علی قاریؒ نے علامہ طیبیؒ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ:

وفیه أن من أصر علیٰ أمر مندوب،وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال. (۲)

(یعنی اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو آدمی کسی مندوب (ومستحب) بات پر اصرار کرے اور اس کو ضروری سمجھنے لگے اور (شریعت کی عطا فرمودہ) گنجائش پر عمل نہ کرے تو شیطان نے اس کو گمراہ کر دیا ہے۔)

فقہائے کرام نے اصول بیان کیا ہے کہ: ''**تارک المستحب لایلام**'' پس مستحب کے تارکین کو ملامت کرنا، یا قابل ملامت سمجھنا مستحب کو اس رتبہ سے بڑھا دینا ہے، لہٰذا اس وجہ سے بھی وہ فعل مباح، یا مستحب مکروہ ہو جائے گا۔ (الجنة لأهل السنة،ص: ۱٤۲)

اِس لیے مؤلف کتابچہ نے جو روش اپنے رسالہ میں اختیار فرمائی ہے، وہ اس صورت میں بھی درست نہیں، جب کہ

(۱) مشکوٰۃ، کتاب الصلاة، الفصل الأول، باب الدعاء فی التشهد، ص: ۸۷، قدیمی، انیس

(۲) مرقاۃ المفاتیح شرح المشکاۃ، باب الدعاء فی التشهد: ۳۵۳/۲، دارالکتب العلمیة بیروت

ان کے مالوف طریقۂ افطار کا مستحب ہونا ثابت ہو جائے، چہ جائے کہ وہ بھی ثابت نہیں ہے۔

آخر میں دینی خیر خواہی (الدین النصیحة) کے پیش نظر مؤلف رسالہ کی خدمت میں عرض کروں گا کہ خود اپنے اقرار کے مطابق وہ عالم دین نہیں ہیں اور نہ ہی فتاویٰ نویسی کا فن انہوں نے معتبر علمائے کرام سے حاصل کیا ہے تو ان کو چاہیے کہ اس قسم کی صورتیں پیش آنے پر خود فتوی دینے کے بجائے معتبر وثقہ اہل علم کی طرف رجوع فرمائیں۔اس کام کی انجام دہی کے لیے جو شرائط حضرات فقہائے کرام نے ضروری قرار دیے ہیں، ان کے مفقود ہونے کی صورت میں اس پر اقدام بڑا خطرناک ہے اور فرمان نبوی (علٰی صاحبها ألف ألف صلاة وتحية) کے بموجب ''ضلّوا فأضلّوا'' کا مصداق ہے۔

علامہ شامیؒ اپنی مشہور کتاب ''شرح عقود رسم المفتي'' (جو خاص اسی موضوع پر ہے) میں تحریر فرماتے ہیں:

قال في آخر منية المفتي: لو أن الرجل حفظ جميع كتب أصحابنا لابد أن يتلمذ للفتوٰى حتٰى يهتدى إليه. (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۹۷)

(یعنی کتاب منیۃ المفتی کے آخر میں ہے کہ اگر کوئی شخص ہمارے اصحاب حنفیہ کی تمام کتابوں کو حفظ کر لے تب بھی ضروری ہے کہ فتویٰ دینے کے لیے کسی (ماہر استاذ) کی شاگردی اختیار کرے تا کہ اس کا طریقہ معلوم ہو) **فقط والله تعالٰى أعلم وعلمه أتم وأحكم والحمد لله تعالٰى أولاً وآخراً والصلوٰة علٰى نبيه دائماً أبداً.**

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، خادم دار الإفتاء جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، ۲۰/ذوالحجۃ الحرام ۱۴۰۸ھ۔ الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ۔ (محمود الفتاویٰ: ۲/۲۰۷-۲۳۲)

روزہ کس چیز سے افطار کرنا بہتر ہے:

سوال: روزہ افطار کرنا چھوہارے یعنی کھجور سے بہتر ہے یا دودھ پیڑے سے؟

الجواب

کھجور اور چھوہارے سے افطار کرنا افضل ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۴۹۴)

کس چیز سے افطار مستحب ہے:

سوال: کیا افطار کے وقت کھجور نہ ہو تو کم از کم نمک سے افطار ضروری ہے؟ کیا یہ حدیث سے ثابت ہے؟

(س، ج، سنتوش نگر)

---

(۱) عن أنس بن مالك قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يفطر قبل أن يصلي علٰى رطبات فإن لم تكن رطبات فتميرات فإن لم تكن تميرات حسا حسوات من ماء. (رواه الترمذي و أبوداؤد) (مشكاة المصابيح، كتاب الصوم، باب روية الهلال، ص: ۱۷۵، مكتبة قديمي كتب خانة كراتشي، انيس)

الجواب

نمک پر افطار کرنے سے متعلق روایت میری نظر سے نہیں گزری اور غالبا کسی صحیح حدیث میں اس طرح کی بات نہیں آئی، صحیح حدیثوں میں کھجور اور پانی پر افطار کا ذکر آیا ہے، چناں چہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب سے پہلے چند تر کھجوروں سے افطار فرمایا کرتے تھے، اگر یہ میسر نہ ہوتے تو چند گھونٹ پانی نوش فرما لیتے''۔(۱)

امام ترمذی نے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ جاڑے کے موسم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک کھجوروں سے افطار کا تھا اور گرما میں پانی سے۔(۲) (کتاب الفتاویٰ:۴۳۵/۳-۴۳۶)

افطار کس چیز سے کرے:

سوال: بعض لوگ کھجور رہنے کے باوجود نمک سے روزہ افطار کرتے ہیں اور بعض لوگ پانی سے، افطار کس چیز سے کرنا چاہیے؟ (کوثر النساء، جہاں نما)

الجواب

حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب تم میں سے کوئی روزہ افطار کرے، تو کھجور سے افطار کرے کہ یہ باعث برکت ہے، اگر کھجور نہ ہو، تو پانی سے افطار کر لے کہ یہ پاک ہے''۔(۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اس مضمون کی روایت منقول ہے؛ لیکن اس میں یہ ہے کہ چند تر کھجورں سے افطار کر لے، اگر میسر نہ ہو تو چند سوکھی کھجوروں سے، اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو چند گھونٹ پانی سے،(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات دودھ سے بھی روزہ افطار کیا ہے،(۵) ایک ضعیف روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین کھجوروں یا کسی ایسی چیز پر افطار کرنا پسند کرتے، جو آگ پر پکی ہوئی نہ ہو،(۶) اس لیے اہل علم نے کھجور، یا پانی سے افطار کو مسنون قرار دیا ہے،(۷) نمک پر افطار کرنے کی بات بے اصل معلوم ہوتی ہے کہ حدیثوں میں کہیں اس کا ذکر نہیں، مذکورہ حدیثوں سے ظاہر ہے کہ کھجور نہ ہو تو پانی سے افطار کرنا چاہئے، کھجور موجود ہو تو کھجور سے افطار بہتر ہے۔(کتاب الفتاویٰ:۴۳۶/۳-۴۳۷)

---

(۱) سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ٢٣٥٦، الجامع للترمذی، رقم الحديث: ٦٩٦

(۲) الجامع للترمذی، رقم الحديث: ٦٩٦، باب ماجاء ما يستحب عليه الافطار

(۳) قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا أفطر أحدكم فليفطر علىٰ تمر. (مشكاة المصابيح، ص: ١٧٥، رقم الحديث: ١٩٩٠)

(۴) سنن أبي داؤد، باب ما يفطر عليه، رقم الحديث: ٢٣٥٦

(۵-۶) مجمع الزوائد، باب على أى شئ يفطر: ٣٧٠/٣، رقم الحديث: ٤٨٨٨، دار الفكر بيروت، لبنان، انيس

(۷) احياء العلوم: ١٥٥/١

روزہ کس چیز سے افطار کیا جائے؟ اور نمک وادرک سے افطار کرنا:

سوال: ہمارے یہاں لوگ نمک وادرک سے یا چاول، ادرک ونمک سے افطار کرتے ہیں اور اس کو شریعت سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کہیں جاتے ہیں اور لوٹنے میں راستہ میں افطار کرنا ہوگا، یہ سمجھ کر تھوڑا چاول ونمک باندھ لیتے ہیں۔ اسے ایک صاحب نے بے بنیاد اور بدعت کہا ہے اور کہا ہے کہ افضل خرما سے، پھر میٹھی چیز سے، پھر پانی سے افطار کرنا ہے۔ ان صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے، یا غلط؟

الجواب ________________ حامداً ومصلیاً

نمک یا ادرک یا چاول سے افطار کو سنت یا مستحب سمجھنا اور اس کو حکمِ شرعی تصور کرنا غلط اور بے اصل ہے۔ ابوداؤد شریف اور ترمذی شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کھجور سے افطار کرنا سنت سے ثابت ہے اور اگر کھجور میسر نہ آئے تو خشک چھوارے سے، وہ بھی نہ ہو تو پانی سے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۸/۱۳۹۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۱۰-۲۱۱)

ایک کھجور پر افطار:

سوال: صرف ایک کھجور سے روزہ افطار کر کے نماز پڑھنا صحیح ہے؟ (حسن بن صالح الحامد، گرامٹ کال)

الجواب ________________

کچھ کھا پی کر روزہ افطار کر لینا مسنون ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں کی ہے، اگر کوئی شخص اپنی ناداری کی وجہ سے یا طبعی تقاضہ کی وجہ سے ایک کھجور کھانے پر اکتفا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، ہاں! اسے واجب خیال نہیں کرنا چاہیے؛ کیوں کہ جو بات شریعت میں واجب نہ ہو، یا جس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ نے سہولت رکھی ہو، اس میں کسی ایک پہلو کو واجب قرار دینا، یا تنگی برتنا جائز نہیں ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۳۷-۴۳۸)

بازار میں فروخت ہونے والے پھلوں سے افطار:

سوال: ہمارے شہر میں یہ رواج ہوگیا ہے کہ اکثر وبیشتر آم وامرود وبیر وغیرہ کی بیع پھول اور پھل آنے سے قبل

(۱) عن سلمان بن عمار رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ”إذا کان أحدکم صائماً فلیفطر علی التمر، فإن لم یجد التمر فعلی الماء، فإن الماء طھور. (سنن أبی داود، کتاب الصیام، باب ما یفطر علیہ: ۱/۳۲۸، إمدادیة ملتان)

”عن أنس بن مالک رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ”من وجد تمراً فلیفطر علیہ، ومن لا، فلیفطر علٰی ماء، فإن الماء طھور“. (جامع الترمذی، کتاب الصوم، باب ما یستحب علیہ الافطار: ۱/۱٤۹، سعید)

کردی جاتی ہے، اس قسم کے پھل کھانا حرام، یا مکروہ ہے؟ حضرت تھانویؒ کے متعلق معلوم ہوا کہ اس قسم کے پھل نہیں کھاتے تھے؛ مگر دور حاضر کے علما وصلحا واتقیا کی اکثریت اس قسم کے کھانے سے قطعاً احتراز نہیں کرتے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام اس کو بلا تکلف کھاتے ہیں اور ناجائز بھی نہیں سمجھتے ہیں تو کیا اس کی وجہ سے کچھ گنجائش نکل آئی ہے اور حرمت میں کچھ تخفیف ہوگئی ہے؟ نیز رمضان المبارک میں اس قسم کے پھلوں سے افطار کرنا کیسا ہے؟

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب قدس سرہ: **"رب صائم ليس له من صيامه إلا الجوع"** (۱) کے تحت فضائل رمضان المبارک میں رقمطراز ہیں کہ:

"اس سے مراد مالِ حرام سے افطار کرنا ہے"۔ (۲)

کیا ثمراتِ مذکورہ سے روزہ افطار کرنا تو اس میں داخل نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

یہ بیع باطل ہے۔ (۳) جس پھل کے متعلق پختہ معلوم ہو کہ اس کی بیع باطل ہوئی ہے، اس کا کھانا جائز نہیں، نہ افطار میں نہ بغیر رمضان کے۔ حضرت تھانوی کے متعلق یقین ہے کہ وہ ایسا پھل نوش نہیں فرماتے تھے؛ مگر یہ بھی صحیح نہیں کہ وہ پھل بالکل ہی نوش نہیں فرماتے تھے۔ اگر کاشت کی زمین کو سال دو سال کے لیے اجارہ پر لے لیا جائے تو اس کی پیداوار درست ہے۔ (۴) بہت سے لوگ یہ معاملہ کرتے ہیں؛ اس لیے پھل کو کلیۃً ناجائز نہیں کہا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۸/۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۲۱-۲۱۲)

---

(۱) سنن ابن ماجة، باب ما جاء في الغيبة والرفث للصائم، كتاب الصيام: ۱۲۱/۱، قديمي

(۲) فضائل اعمال، فصل اول، ص: ۶۶۰، کتب خانہ فیضی لاہور

(۳) قال ابن عابدين: "قال في الفتح: لا خلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر، ولا في عدم جوازه بعد الظهور قبل بدو الصلاح". (رد المحتار، فصل فيما يدخل في البيع تبعا وما لايدخل: ۵۵۵/٤، سعيد)

وفي التكملة: "أن تباع الثمار قبل ظهورها، وهذا لم يقل أحد بجوازه، سواء جرى به التعامل أو لا". (تکمله فتح الملهم: ۳۹۳/۱)

"عن زيد بن ثابت رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان الناس... فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما كثرت عنده الخصومه في ذلک: "فأما لا، فلا تبايعو حتىٰ يبدوا صلاح الثمر". (إعلان السنن، كتاب البيوع، باب بيع الثمار قبل بدو الصلاح: ١٣٩/١٤)

(۴) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اس کے جائز ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس معاملہ کو زمین کے اجارہ کے طور پر کیا جائے یعنی مثلاً پھلوں کی قیمت ایک ہزار روپے ہے تو آٹھ سو روپے پھلوں کی قیمت قرار دیں اور دو سو روپے میں زمین کو اجارہ پر دیدیں اور پھلوں کی جو آخری مدت ہے وہ اجارہ کے لیے متعین کی جائے تو اس طرح پھلوں کا درخت پر رکھنا جائز ہوگا"۔ (کفایت المفتی، کتاب البیوع، باب بیع باطل وفاسد: ۳۴/۸، دارالاشاعت)

روزہ دار نے حقہ سے افطار کیا تو روزہ ہوا، یا نہیں:

سوال: جس شخص نے تمام دن روزہ رکھا اور بوقت اذان حقہ پی کر بے ہوش ہوگیا، اس کا روزہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس کا روزہ ہوگیا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۴۹۸)

مریض کے لیے دوا سے روزہ کا افطار کرنا کیسا ہے:

سوال: جو شخص مریض ہو وہ دوا سے رمضان شریف میں روزہ افطار کرسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

وہ شخص دوا سے روزہ افطار کرے، اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۴۹۶)

افطار میں اسراف:

سوال: دعوتِ افطار میں عموماً ان لوگوں کو ہی دعوت دی جاتی ہے، جو متمول اور دوسروں کو افطار وطعام کرانے کے لائق ہوتے ہیں، غریبوں محتاجوں کو نہیں، یہ رویہ کیسا ہے؟ دوسرے افطار میں جو اسراف نظر آتی ہیں، اس کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر کیا ہے؟ (شہاب الدین دوگھروی، سویٹوالان، نئی دہلی)

الجواب

اسلام کا مزاج یہ ہے کہ ایسے مواقع پر غربا کو ضرور ہی یاد رکھا جائے؛ محض متمول لوگوں کو کھلانا اور تمول کی نمائش کرنا اور غریب مسلمانوں کو نظر انداز کردینا اخوت ایمانی کے خلاف ہے؛ اس لیے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ولیمہ کو بدترین ولیمہ قرار دیا ہے، جس میں غریب بھائیوں کو نہ پوچھا جائے،(۲) اسراف کے مذموم ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ خود قرآن مجید نے ایک سے زیادہ مواقع پر اس سے منع فرمایا ہے،(۳) اس لیے افطار میں بھی اسراف مناسب نہیں، البتہ شریعت نے اعتدال اور اسراف کے لیے کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا ہے اور نہ ہی

(۱) اس لیے کہ روزہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزے کی نیت کے ساتھ کھانا پینا اور جماع کے چھوڑ دینے کا نام ہے اور اس پر اس نے عمل کیا۔

(هو) لغة (إمساک عن المفطرات) الآتية (حقيقة أو حكماً) ... في وقت مخصوص) و هو اليوم ... مع النية المعهودة. (الدر المختار) قوله (هو اليوم) أي اليوم الشرعي من طلوع الفجر الى الغروب. (ردالمحتار، كتاب الصوم:۳/۳۳۰-۳۳۱، مكتبة زكريا، ديوبند)

(۲) سنن أبي داؤد، رقم الحديث:۲۳۵۶. الجامع للترمذي، رقم الحديث:۶۹۲

(۳) الأنعام:۱۴۱، الأعراف:۳۱، الغافر:۲۶، يونس:۱۲، ۸۳

ایسا کیا جانا ممکن ہے، اس لئے ہر زمانہ کے حالات سوسائٹی کے خورد ونوش کے معیار اور اس کے مروجہ طریقوں کو سامنے رکھ کر احتیاط کے ساتھ کسی چیز پر اسراف کا حکم لگانا چاہیے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۳۲-۴۳۳)

ہندو کی چیز سے افطار کرنا کیسا ہے:

سوال: ایک ہندو مشرک ہر ماہ رمضان میں دودھ اور کھانڈ اور برف خرید کر مسلمانوں کے حوالہ کر دیتا ہے، اس سے روزہ افطار کرنے میں کچھ حرج تو نہیں ہے؟

الجواب

اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۶/۴۹۴)

ہندو کے مال سے افطار جائز ہے:

سوال: ہندو کے مال سے روزہ افطار کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

ہندو کے مال سے جب کہ اس نے اپنی خوشی سے دیا ہو، یا اس سے بقیمت خریدا ہو، روزہ افطار کرنا جائز ہے۔ (۱)

محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی: ۴/۲۴۹)

غیر مسلم کی بھیجی ہوئی افطاری سے افطار کرنا جائز ہے:

سوال: بموقع افطار روزہ اگر کوئی غیر مسلم کھجوری، امٹھائی وغیرہ روزہ داروں کے واسطے مسجد میں برائے افطاری بھیجے تو قبول کی جا سکتی ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۶۹۵، شیخ چراغ الدین پھگواڑہ، ۵/شوال ۱۳۵۴ھ، مطابق یکم جنوری ۱۹۳۶ء)

الجواب

غیر مسلم کی بھیجی ہوئی اشیا قبول کرنا اور ان اشیا کو افطار کے وقت استعمال کرنا جائز ہے۔ (۲) (کفایت المفتی: ۴/۲۴۷)

رنڈی اور ہندو کی افطاری سے افطار کرنا کیسا ہے:

سوال (۱) کسی کی بھیجی ہوئی افطاری سے روزہ افطار کرنے کا کیا حکم ہے؟

(۲) کسی ہندو کی بھیجی ہوئی افطاری سے روزہ افطار کرنے کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) ہندو کا دیا ہوا مال پاک ہے؛ اس لیے کوئی مضائقہ نہیں۔

(۲) پاک غذا ہے؛ اس لیے کوئی مضائقہ نہیں۔ فقط

الجواب

(۱) خلاف تقوی ہے گو از راہ فتوی بصورت عدم علم حرمت درست ہے۔(۱)

(۲) درست ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴۹۴/۶)

غیر مسلم کی اور بینک کی دعوتِ افطار:

سوال: رمضان شریف میں اکثر دیکھا جاتا ہے کہ غیر مسلم سیاسی قائدین، تجار، بینک وغیرہ افطار پارٹی کرتے ہیں، جس میں بعض علما بھی شریک ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ غیر مسلم سیاسی قائدین اور بینک کا پیسہ مشکوک ہے، افطار میں لگائے جانے والے پیسوں کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ حلال ہیں تو اس طرح کی افطار پارٹیوں میں شریک ہونا کہاں تک درست ہے؟ (احمد جابری، نظام آباد)

الجواب

دعوت غیر مسلم کی بھی قبول کی جاسکتی ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غیر مسلموں کی دعوت اور ان کا تحفہ قبول کیا ہے،(۳) پھر یہ کہ غیر مسلم جب تک مسلمان نہ ہو جائے احکام شرعیہ کی تفصیلات کا مکلّف نہیں، تجارت اور حلال وحرام کے جو احکام ہیں، ایمان لانے کے بعد انسان اس کا مخاطب بنتا ہے، جب تک ایمان نہ لے آئے یہ احکام اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، اس لئے غیر مسلموں کی دعوت کے بارے میں ذریعۂ معاش کی تحقیق وتفتیش ضروری نہیں، ہاں کوئی ایسی چیز نہیں کھائی جاسکتی جو بذاتِ خود حرام ہو، اس کی حرمت محض ذریعۂ کسب کی وجہ سے نہ ہو، جیسے: مردار یا غیر مسلم کا ذبیحہ، البتہ جس مسلمان کا ذریعۂ آمدنی حرام ہو، اس کی دعوت قبول کرنے میں احتیاط ضروری ہے؛ کیوں کہ وہ مسلمان ہونے کے بعد تمام شرعی احکام کا مکلّف ہے۔

بینک والوں کی دعوت قبول کرنا درست نہیں؛ کیوں کہ ایک تو بینک کا ذریعۂ آمدنی یقیناً سود پر مبنی ہے اور سود کی حرمت وشناعت ظاہر ہے۔ دوسرے اس سے ایک ایسے ادارہ کا تعاون ہوتا ہے جو سود کا داعی اور نقیب ہے اور گناہ میں تعاون حرام ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۴۳۱/۳-۴۳۲)

---

(۱) سئل الفقيه أبو جعفر عمن اكتسب ماله من أمراء السلطان وجمع المال من أخذ الغرامات المحرمات وغير ذلك هل يحل لمن عرف ذلك أن يأكل من طعامه، قال أحب إلى أن لا يأكل منه ويسعه حكماً أن يأكله إن كان ذلك الطعام لم يكن في يدى المطعم غصباً أو رشوة آه. أى إن لم يكن عين الغصب أو الرشوة؛ لأنه لم يملكه فهو نفس الحرام فلا يحل له ولا لغيره. (رد المحتار، باب زكاة الغنم، مطلب في التصدق من المال الحرام: ۳۵/۲، ظفير)

(۲) پاک وحلال ہے؛ اس لیے کوئی مضائقہ نہیں۔ ظفیر

(۳) أن يهودية أتت النبي بشاة مسمومة فأكل منها، فجيئ بها فقيل: ألا نقتلها ؟ قال: لا، قال: فمازلت أعرفها في لهوات رسول الله صلى الله عليه وسلم" عن أنس بن مالك رضى الله عنه، (صحيح البخاري، كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها: ۳۵/۱، رقم الحديث: ۲۶۱۷، دار ابن كثير بيروت، انيس)

جس کی آمدنی مشکوک ہو، اس کی دعوتِ افطار:

سوال: رمضان المبارک میں ثواب کی نیت سے اکثر افطار، یا کھانے کی دعوت روزہ داروں کو دی جاتی ہے، بعض مرتبہ میزبان کی کمائی، یا تو دو نمبر کی ہوتی ہے، یا کم سے کم مشکوک ہوتی ہے، اگر دعوت قبول نہ کی جائے تو دل شکنی اور کدورت کا اندیشہ ہے، ایسی صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟ (سید صابر علی چشتی، ناندیڑ)

الجواب

اگر کسی مسلمان کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا ذریعۂ آمدنی حلال ہے، یا حرام؟ تو بحیثیتِ مسلمان اس کے بارے میں حسن ظن سے کام لیتے ہوئے دعوت قبول کرنی چاہیے، اگر اس کی آمدنی ناجائز ہو، یا آمدنی کا غالب حصہ ناجائز ہو، تو اس کی دعوت قبول کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے اور اس کی تذلیل کے درپے ہوئے بغیر تنہائی میں اسے دعوت قبول نہ کرنے کی وجہ سمجھا دینی چاہیے؛ تاکہ اسے عبرت ہو، اگر وقتی طور پر اسے ناگوار بھی گزرے تو آئندہ ان شاء اللہ وہ آپ کی مجبوری کو سمجھنے پر مجبور ہوگا، اگر اس کی آمدنی کا غالب حصہ حرام و ناجائز ہو؛ لیکن جس پیسے سے دعوت کر رہا ہے، معلوم ہے کہ خاص وہ پیسہ حلال ذریعہ سے حاصل شدہ ہے تو اس دعوت میں ایسے لوگ شریک ہو سکتے ہیں جو ''مقتدیٰ'' کا درجہ نہ رکھتے ہوں، علما اور خواص کو ایسی دعوتوں سے بھی گریز کرنا چاہئے، فقہ کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ یہ تفصیل موجود ہے۔(۱) البتہ بلا وجہ کسی مسلمان کے بارے میں بدگمانی بھی درست نہیں اور اگر درست طریقہ پر معلوم ہو تو اُلجھاؤ پیدا کئے بغیر تساہل بھی درست نہیں؛ تاکہ معاشرہ میں ایسے لوگوں کو عبرت ہو اور وہ اس سے بچنے کا اہتمام کریں۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۳۳-۴۳۴)

افطار اور نماز میں غیر مسلم بھائیوں کی شرکت:

سوال: نماز افضل ترین عبادت ہے نہ کہ تماشہ؛ لیکن بارہا دیکھا گیا ہے کہ قومی یکجہتی کے شوق میں بعض وقت غیر مسلم حضرات کو چاہے وہ لیڈر رہوں، یا منسٹر، شریکِ نماز کرلیا جاتا ہے، خاص طور پر رمضان کی افطار پارٹیوں میں اکثر یہ تماشہ ہوتا رہتا ہے تو کیا یہ بے ادبی نہیں ہے؟ (میر یوسف علی، محبوب نگر)

الجواب

غیر مسلم بھائیوں کو افطار کی دعوت دینے میں کوئی حرج نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو مدعو کیا ہے،(۲) اور خود بھی ان کی دعوت قبول فرمائی ہے،(۳) ان سے یہ تقاضا کرنا کہ وہ نماز میں شریک ہوں، نادرست بھی

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ٤٢٠/٥

(۲) الصحيح لمسلم، كتاب الأشربة، باب اكرام الضيف وفضل إيثاره، رقم الحديث: ٥٣٦٤، نیز دیکھئے: جمع الفوائد: ٢٩٤/١، الدر المنثور في التفسير المأثور: ١٨١/٥)

(۳) صحيح البخاري، كتاب الزكاة: ٣٦٠/١، رقم الحديث: ١٤٨١، باب خرص التمر، رقم: ٢٦١٦، ٢٦١٧

ہے اور نا معقول بھی؛ لیکن اگر کوئی غیر مسلم بطور خود مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے تو اسے شرکت سے روکنا اسلامی اخلاق کے مغائر بھی ہے اور اس سے اس کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کے تئیں نفرت بھی پیدا ہو سکتی ہے؛ اس لیے اس سے روکنا نہیں چاہیے؛ بلکہ دعا کرنی چاہیے کہ "**إهدنا الصراط المستقيم**" کی دعا اس کے حق میں مقبول ہو جائے، **وما ذلك على الله بعزيز**" اس کی وجہ سے دوسرے نمازیوں کی نماز میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ رسول اللہ کے ساتھ منافقین نماز پڑھا کرتے تھے، یہ مسلمان نہیں تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نفاق سے اچھی طرح واقف بھی تھے، پھر بھی آپ نے کبھی ان کو اس سے منع نہیں فرمایا،(۱) چنانچہ ان میں سے بہت لوگ بتدریج دامن اسلام میں آ گئے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴۳۹/۳-۴۴۰)

افطار کے مسجد میں بھیجے گئے کھانے پر کس کا حق ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس سوال کے: کہ زید نے ماہ رمضان شریف میں کھانا، یا مٹھائی واسطے افطاری روزہ داروں کے مسجد میں بھیجا، کہ کل روزہ دار کھاویں، زید کو ثواب ہو، پس عَمرٌ مع دو چار ہمراہیوں کے وہ کھانا، یا مٹھائی، بے اجازت کل روزہ داروں کے، ایک مسکین بکر کو دے دیتا ہے، اس صورت میں کل روزہ داروں کو رنج ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ تو اپنے حصہ میں سے بکر مسکین کو دیدے اور ہمارا حصہ ہمیں دے، پس عمر زبردستی سے بکر مسکین کو دیدیتا ہے، یہ جائز ہے، یا نہیں؟ زید کو بھی نہایت رنج ہوتا ہے کہ میں مسجد میں کل روزہ داروں کے لیے بھیجتا ہوں، خاص عمر و بکر کے واسطے نہیں بھیجتا۔ اگر عمر کھانا، یا مٹھائی، پھر بکر مسکین کو دے گا تو میں پھر مسجد میں نہیں بھیجوں گا۔

الجواب

زید مسجد میں بھیجنے والے کے خلاف کسی کو دینا نہیں چاہیے کہ مالک کی رضا واجازت کے خلاف تصرف کرنا حلال نہیں؛ بلکہ حرام ہے، جس طرح مالک کی مرضی ہو، اُسی طرح حلال ہے، ورنہ جائز ہرگز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (ضمیمہ فیوض رشیدیہ، ص: ۴، ۵) (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۱۰)

جماع کے ذریعے افطار کرنا:

سوال: کیا کوئی ایسی حدیث ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ صحابہ کرامؓ نے رمضان شریف کا روزہ جماع سے افطار کیا ہو اور نماز مغرب میں تاخیر ہو گئی ہو۔

(المستفتی: ۱۰۴۱، مولوی عبد القدوس امام، ترکمان دروازہ، دہلی، ۱۶/ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ، ۷/جولائی ۱۹۳۶ء)

الجواب

ایسی حدیث خیال میں نہیں۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۲۴۸/۴)

(۱) الدر المنثور في التفسير بالمأثور: ۶۸۲/۶، ذيل سورة الماعون

مسجد میں افطار کرنا جائز ہے، یا نہیں:

سوال: مسجد میں روزہ افطار کرنا اس خیال سے کہ اگر افطار کر کے مسجد میں گئے تو جماعت کا کچھ حصّہ نہیں ملے گا، افطار سے مطلب یہ ہے کہ افطاری میں کھانا وغیرہ اچھی طرح سے کھالیا جاوے، ورنہ یہ ممکن ہے کہ اگر ایک گھونٹ پانی یا صرف چھوارا وغیرہ کھا کر چلے تو اوّل رکعت میں بخوبی شامل ہوسکتا ہے، اور مسجد والوں سے یہ دشوار ہے کہ وہ اذان و تکبیر میں اس قدر وقفہ کریں کہ گھر کے افطار کرنے والے جماعت کی اوّل رکعت میں شامل ہو جاویں، تو ایسی صورت میں مسجد میں افطار کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

ایسی حالت میں افطار مسجد میں کیا جائے؛ مگر مسجد کی حد کے اندر نہ کھائیں؛ بلکہ باہر کھائیں اور باہر کوئی جگہ مناسب نہ ہو تو مسجد ہی میں کھالیں اور کھانے سے کچھ دیر پہلے اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں آجایا کریں، امام محمدؒ کے نزدیک اعتکاف قدرِ قلیل زمان کا بھی صحیح ہے۔

قال فی الدّرالمختار: وکرہ أکل ونوم إلا لمعتکف، إلخ.

قال الشامی: فی (قوله أکل ونوم، إلخ): وإذا أراد ذلک ینبغی أن ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر اللّٰه تعالٰی بقدرما نوٰی أویصلیّ ثم یفعل ماشاء.(۱) واللّٰه أعلم

غرّہ رمضان ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۱۰۳/۳)

مسجد میں افطار کا حکم:

سوال: رمضان شریف میں اہل محلّہ کا بخوف ترکِ جماعت نمازِ مغرب مسجد محلّہ میں جمع ہو کر شربت وغیرہ قلیل اشیاء سے روزہ افطار کرنا بلا کرہت جائز ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

مسجد میں اکل وشرب مکروہ ہے، مگر ضرورت کے وقت بلا کراہت جائز ہے، ''کالمسافر یباح له النوم فیه'' اور ترک جماعت کا اندیشہ بھی عذر ہے؛ اس لیے اگر مسجد سے باہر کوئی جگہ ایسی نہ ہو جہاں افطار کرسکیں تو مسجد ہی میں افطار کر لینا جائز ہے، بشرطیکہ مسجد کو ملوث نہ کیا جائے،

قال علی القاری فی وجه تأخیر عمر وعثمان الافطار عن الصلوٰۃ أنهما کانا فی المسجد وکانا

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیها، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۴۳۵/۲، دارعالم الکتب الریاض / الفتاویٰ الهندیة، کتاب الکراهیة، باب آداب المسجد والقبلة والمصحف: ۳۹۶/۵، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

غیر معتکفین ورأیا الأکل والشرب لغیر المعتکف مکروهین (فی المسجد) لکن إطلاق أحادیث التعجیل ظاهر فی استثناء حال الإفطار. (۵۱۳/۲)(۱)

کوئی کپڑا وغیرہ ایسا بچھا لیا جائے جس سے مسجد کی حفاظت رہے، اور بہتر یہ ہے کہ اس وقت افطار سے کچھ پہلے اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں داخل ہو اور امام محمدؒ کے نزدیک اعتکاف ساعت بھی درست ہے، **وبه یفتی**، پھر یہ کراہتہ کلیہ مرتفع ہو جاوے گی۔ واللہ اعلم

۱۷/رمضان ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام:۳/۱۰۳-۱۰۴)

مسجد میں افطار:

سوال: شہر کی بہت سی مسجدوں میں افطار کا نظم ہے، لوگ مسجد میں افطار کرتے ہیں اور مختصر افطار کے ساتھ ہی مغرب کی نماز ادا کی جاتی ہے، کیا یہ بات آداب مسجد کے خلاف نہیں ہے؟ (احمد حسن، نظام آباد)

الجواب

افطار میں عجلت مسنون ہے اور نماز مغرب میں بھی عجلت کا حکم دیا گیا ہے؛ اسی لیے مغرب کی اذان اور جماعت میں زیادہ فصل رکھنا مناسب نہیں، لہٰذا جماعت پانے کی غرض سے مسجد میں افطار کر لینے کی گنجائش ہے، البتہ دو باتوں کی رعایت کی جائے:

اول یہ کہ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اعتکاف کی نیت کر لی جائے؛ کیوں کہ اعتکاف نفل امام محمدؒ کے قول پر تھوڑی دیر کا بھی ہو سکتا ہے اور معتکف کے لیے مسجد میں کھانے کی بالاتفاق اجازت ہے۔

دوسرے مسجد کو آلودگی سے بچایا جائے، مثلاً چادر وغیرہ بچھالی جائے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی نے ملا علی قاریؒ کی ''مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح'' (۲) کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ مسجد میں کھانے پینے کی کراہت سے افطار کی صورت مستثنیٰ ہے۔

اس سے مزید گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ (امداد الاحکام:۳/۱۰۳)

مسجد میں افطار کا رواج:

سوال: آج کل بڑے شہروں میں مسجدوں میں افطار کا رواج ہے، کیا یہ عمل مناسب ہے؟

(عبد المجید، سعید آباد)

(۱-۲) **مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصوم، باب فی مسائل متفرقة من الصوم: ٤/٤٢٤، رقم الحدیث: ١٩٩١، دار الکتب العلمیة بیروت**، انیس

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

مسجد عبادت اور ذکر کی جگہ ہے، کھانا پینا اور سونا عام حالات میں مسجد کے اندر کراہت سے خالی نہیں ہے؛ اس لیے جو لوگ مسجد کے قریب ہوں اور افطار کر کے بسہولت جماعت میں شریک ہو سکتے ہوں، ان کے لیے بہتر طریقہ یہی ہے کہ گھر میں افطار کریں اور مسجد میں آ کر نماز پڑھیں؛ تاہم چوں کہ افطار بھی ایک طرح کی عبادت ہے اور مسجد میں افطار کرنے کی ایک مصلحت یہ ہے کہ مغرب کی جماعت فوت نہیں ہوتی؛ اس لیے مسجد میں بھی افطار کرنے کی گنجائش ہے، البتہ دو باتوں کا لحاظ رکھیں:

مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اعتکاف نفل کی نیت کر لیں؛ کیوں کہ معتکف مسجد میں خورد ونوش کر سکتا ہے۔

دوسرے مسجد کو آلودگی سے بچانے کا پورا اہتمام کریں۔

اور اس کی صورت یہ ہے کہ افطار مختصر ہو اور کوئی کپڑا اچھا کر اس پر افطار کا نظم کر لیا جائے؛ تاکہ مسجد کے اندر آلودہ ہونے کا کوئی خطرہ نہ رہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۲۹-۴۳۱)

افطار کے وقت اجتماعی دعا کرنا:

حضرت شیخ الحدیث صاحب اپنی کتاب فضائل رمضان، ص: ۲۰ پر لکھتے ہیں کہ:

"بعض روایات میں آتا ہے کہ افطار کے وقت دعا قبول ہوتی ہے"۔

اس وقت کی بعض دعاء مخصوص لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"کسی دعا کی تخصیص نہیں، اجابتِ دعا کا وقت ہے، اپنی اپنی ضرورت کے لیے دعا فرمائیں، یاد آ جائے تو اس سیاہ کار کو بھی شامل فرمالیں کہ سائل ہوں اور سائل کا حق ہوتا ہے"۔(۱)

اب یہاں پر سوال یہ ہے کہ ہم لوگ پورے گاؤں کے ۶۰، ۷۰/ آدمی ہیں، جو ایک ساتھ جمع ہو کر مسجد میں ایک دستر خوان پر روزہ افطار کرتے تھے، اکثریت جاہلوں کی ہے، جن کو صحیح طریقہ پر آدابِ رمضان بھی نہیں معلوم ہیں، روزہ افطار کی دعا بھی سوائے دو چار آدمی کے کسی کو نہیں معلوم ہے اور سب اپنا اپنا افطار لے کر ٹھیک افطار کے وقت مسجد میں پہنچتے تھے۔ اسی حالت میں امام صاحب نے یہ سمجھتے ہوئے کہ ایسا متبرک وقت دعا کی مقبولیت کا ضائع ہو جائے، عوام سے یہ کہہ کر کہ بھائی یہ وقت بہت متبرک ہے، دعا کر لو اور دستر خوان بچھا ہوا ہے۔ امام صاحب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا اور دل ہی دل میں دعا مانگا اور عوام نے بھی آمین کہا، اس کے بعد روزہ افطار کیا۔ امام صاحب نے محض اس خیال سے ایسا کیا تاکہ عوام کے ذہن نشین ہو جائے کہ اس وقت دعا مانگنے کی بڑی فضیلت ہے، لہٰذا تفصیل سے جواب دیا جائے کہ ایسا کرنا جائز ہے، یا ناجائز؟

---

(۱) فضائل اعمال، ص: ۶۵۴، کتب خانہ فیضی، لاہور

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

مسئلہ بتلانے کے لیے امام صاحب نے دعا کرادی ٹھیک کیا ہے؛ مگر اجتماعی حیثیت سے اس دعا کی پابندی نہ کریں؛ بلکہ وقتاً فوقتاً ان کو متنبہ کرتے رہا کریں کہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے، ہر شخص اپنی اپنی حاجت کے لیے دعا مانگ لے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۲۱۳/۱۰)

افطار کے وقت اجتماعی دعا:

سوال: جامع مسجد قاضی پیٹ کے مصلیان میں اس بات پر دو گروپ ہو گیا کہ افطار سے پہلے کس طرح دعا کی جائے، ایک گروہ اجتماعی دعا کرنا چاہتا تھا اور ایک گروہ انفرادی دعا کو ترجیح دیتا تھا۔

اس سلسلے میں حکم شرعی کی رہنمائی کیجئے؟ (اقبال احمد صوفی، قاضی پیٹ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

دعا اصل میں انفرادی عمل ہے، یہ خدا اور بندے کے درمیان راز و نیاز اور سرگوشی کا درجہ رکھتی ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز خدا سے مانگنے کا حکم دیا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر ایک کی ضرورتیں الگ ہوتی ہیں، بعض ایسی بھی ضرورتیں ہوتی ہیں، جن کا بندہ اپنے مالک کے سامنے ذکر کرتا ہے، وہ کسی اور کے سامنے ان کا ذکر نہیں کرسکتا؛ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا عام معمول انفرادی دعا کا تھا، خاص خاص مواقع پر اجتماعی دعا کی جاتی تھی، جیسے قنوت نازلہ، بارش کے لیے دعاء استسقا، یا مسلمان کسی خاص آزمائش سے گزر رہے ہوں تو ان کے لیے دعا؛ اس لیے اگر افطار سے پہلے معمول بنائے اور لازم سمجھے بغیر کبھی کبھی اجتماعی دعا کر لی جائے تو اس کی گنجائش ہے؛ لیکن اس کو روزانہ کا معمول نہ بنایا جائے اور اس پر اصرار نہ کیا جائے اور اسے ضروری نہ سمجھا جائے، (۲) اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایسے مسائل پر باہم نزاع پیدا نہ ہونے دی جائے، دعا اجتماعی ہو، یا انفرادی، زیادہ سے زیادہ مستحب ہے اور اختلاف وانتشار سے بچنا واجب ہے۔ و باللہ التوفیق (کتاب الفتاویٰ: ۴۲۹/۳)

افطار کے وقت اجتماعی دعا ثابت نہیں ہے:

سوال: بعض لوگ ماہِ رمضان المبارک میں افطار سے قبل ایک جگہ مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ثلاثة لا ترد دعوتهم: الصائم حتى يفطر... إلخ". (سنن ابن ماجه، كتاب الصيام، باب في الصائم لا ترد دعوته: ١٢٦/١، مير محمد كتب خانه كراتشي)

(۲) قال الطيبي: وفيه أن من أصر على أمر مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة وقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر على بدعة أو منكر؟ (مرقاة المفاتيح، باب الدعاء في التشهد: ٧٥٥/٢، دار الفكر بيروت، انيس)

روزہ دار دعا کراتا ہے اور سب لوگ آمین کہتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں رائج تھا، یا بعد کے بزرگوں نے رائج کیا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

یہ طریقہ ایسے وقت اس طرح اجتماعی دعا کی جائے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور فقہائے مجتہدین سے ثابت نہیں، اگر امام صاحب تعلیم کے لیے ایک دو دفعہ دعا کرادیں، پھر روزہ دار اپنی جداگانہ دعا کرلیا کریں تو بہتر ہے اور اس اجتماعی دعا کو ترک کیا جائے۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۱۳۹۰ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۱۳/۱۰)

☆ ☆ ☆

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے انفرادی طور پر دعا کرنا ثابت ہے، وہ کیا جاسکتا ہے اور انفرادی دعا کا اہتمام بھی کرنا چاہیے، یہ دعا کی قبولیت کا وقت ہے۔ انیس

حج کے فضائل ومسائل

یوم جمعہ اگر عرفہ کے دن پڑے، تو کیا یہ ستر حج سے افضل ہے:

سوال: یوم عرفہ اگر جمعہ کے دن واقع ہوتو وہ ستر صحیح سے افضل ہے (جو غیر جمعہ میں ہو)، یا نہیں؟

چناں چہ البحر الرائق میں ہے:

وقد قيل: إذا وافق يوم عرفة يوم جمعة غفر لكل أهل الوقف وأنه أفضل من سبعين حجة، كما ورد في الحديث الشريف، انتهى.(۱)

لیکن صاحب ردالمحتار لکھتے ہیں:

ولكن نقل المناوى عن بعض الحفاظ أن هٰذا حديث باطل لا أصل له، انتهٰى.(۲)

آیا یہ روایت واقعی باطل ہے، ایک روایت ابو ہریرہؓ سے حافظ سخاوی نے کتب افضائل اعمال میں نقل کی ہے:

عن أبى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم: أن الله عزوجل خلق الأيام، واختار منها يوم الجمعة، فكل عمل يعمله الآن يوم الجمعة يكتب له سبعين حسنة. (الحديث)(۳)

یہ حدیث صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

صاحب درمختار نے اسی کو اختیار فرمایا ہے کہ جمعہ کے روز اگر وقوف عرفہ ہوتو وہ حج ستر حج سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے، جو کہ غیر جمعہ میں ہو اور یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر بھی عمل ہوسکتا ہے، **كما في الدر المختار عن الرملي: فيعمل به في فضائل الأعمال وإن أنكره النووى.(۳)**

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الحج، باب الاحرام: ۵۹٦/۲، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۲) اس حدیث کی تخریج رزین بن معاویہ نے مرفوعاً کی ہے؛ لیکن انہوں نے صحابی کا ذکر نہیں کیا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ رزین بن معاویہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے؛ لیکن مجھے اس روایت کی صحت کے بارے مین کچھ علم نہیں؛ کیوں کہ **لأنه لم يذكر صحابيه لا من خرجه.** (فتح البارى: ۲۰۴/۸) علامہ ابن قیم جوزی نے بھی اس روایت کو باطل قرار دیا ہے، (زادالمعاد: ۱/۱۷) اسی طرح علامہ سخاوی اور ماضی قریب کے محدث علامہ البانی نے بھی اس روایت کو باطل کہا ہے۔ (السلسلة الضعيفة، رقم: ۱۱۹۳، فيض القدير: ۲۸/۲، انیس)

(۳) الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب الطهارة، عند باب وضو مطلب فى بيان إرتقاء الحديث الضعيف إلى مرتبة الحسن: ۲۵۲/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

بہر حال جمعہ کے وقوف کو فضیلت ضرور ہے، پس اگر سبعین حجۃ کی روایت میں ضعف بھی ہو تو اصل فضیلت کے منافی نہیں ہے اور ایسے امور میں قطعی حکم نہیں دیا جاتا اور نہ اس کی ضرورت ہے اور حافظ سخاویؒ نے جو حدیث فضائل اعمال مین اس مضمون کی نقل کی ہے، وہ اگر صحیح ہو تو مطلب حاصل ہے اور اگر ضعیف بھی ہو تو کچھ قدح نہیں ہے، **کما مر عن قبوله فی فضائل الأعمال والله عنه أعلم الكتاب وهو أعلم بالصواب.** فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۴۳-۵۴۴)

حج اکبر:

سوال: **قال الله تعالیٰ: ﴿وأذان من الله ورسوله إلى الناس يوم الحج الأكبر، أن الله برئ من المشركين ورسوله﴾** (سورة التوبة:۳)

اس آیت کریمہ میں حجِ اکبر سے کیا مراد ہے؟ کیا اس میں اقوال مختلف ہیں قول راجح کیا ہے؟ یوم عرفہ، وجمعہ کو حج اکبر کا سمجھنا کیا کسی امام فن کا قول ہے، یا محض شیخ اکبر کا قول؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

"**يوم الحج الأكبر**" کی تعین میں مفسرین کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ اس سے یومِ عرفہ مراد ہے، دوسرا قول ہے کہ اس سے یوم النحر مراد ہے۔ (کما فی الاکلیل: ۳/۳۳۴) (۱)

حافظ عماد نے اپنی تفسیر میں سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

"**قال: يوم الحج الأكبر اليوم الثاني من يوم النحر**". (۲)

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ:

"**يوم الحج الأكبر أيام الحج كلها**". (تفسير ابن كثير: ۲/۳۳۵) (۳)

حافظ ابو بکر جصاص رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے نقل کیا ہے:

"**العمرة الحج الصغریٰ**". (أحكام القرآن: ۳/۹۹) ("**يوم الحج الأكبر) لما كان يوم عرفة أو يوم النحر، وكان الحج الأصغر العمرة، وجب أن يكون أيام الحج غير أيام العمرة، فلا تفعل العمرة فی أيام الحج ... (الحج عرفة) وهٰذا يدل علىٰ أن يوم الحج الأكبر هو يوم عرفة، و يحتمل أن يكون**

---

(۱) الاکلیل دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے ردالمحتار کا حوالہ نقل کیا جاتا ہے: "قال العلامة نوح فی رسالته المصنفة فی تحقيق الحج الأكبر: قيل: أنه الذی حج فيه رسول الله صلى الله عليه و سلم وهو المشهور، وقيل: يوم عرفة جمعة أو غيرها، وإليه ذهب ابن عباس وابن عمر وابن الزبير وغيرهم رضی الله تعالىٰ عنهم أجمعين، وقيل: يوم النحر، وإليه ذهب ابن علی وابن أبی أوفی والمغيرة بن شعبة رضی الله تعالىٰ عنهم أجمعين. وقيل: أنه أيام منیٰ كلها، وهو قول مجاهد، وسفيان الثوری، إلخ". (رد المحتار، باب الهدی، مطلب فی الحج الأكبر: ۲/۶۲۲، سعيد)

(۲) تفسير ابن أبی حاتم، الوجه الثالث من فسره على أنه اليوم الثانی....: ۶/۱۷۴۸، مكتبة نزار مصطفى البار، انيس

(۳) تفسير ابن كثير، سورة التوبة: ۲/۳۳۵، سهيل اادمی لاهور، دیکھئے: عمدة القاری: ۹/۸۲

یوم النحر؛لأن فیہ تمام قضاء المنسک والتفث،ویحتمل أیام منی علٰی ماروی عن مجاھد، وخصہ بالأکبر؛لأنہ مخصوص بفعل الحج فیہ دون العمرۃ، الخ".(۱)

جس کا حاصل یہ ہے کہ "الأکبــــر" کی قید احترازعن العمرۃ کے لیے ہے؛اسی لیےایام حج میں عمرہ منع ہے۔جس دن پرقرآن پاک میں"یوم الحج الأکبر" کا اطلاق کیا گیاہے،مفسرین کی بڑی جماعت اس کے قائل ہے کہ وہ جمعہ کا دن تھا؛مگراس کا یہ مطلب کہ ہروہ حج جو جمعہ کے روز ہو،وہ حجِ اکبر ہے،جیسا کہ مشہور ہے، میں نے ائمہ مجتہدین کے اقوال میں نہیں پایا،البتہ جوحج جمعہ کے روز ہو،اس کی فضیلت کسی اوردن کے حج پرستر۷۰/درجہ ہے،اس کی تصریح طحطاوی،ص:۴۹۳،زیلعی:۲۶/۲ اوراوجز،ص:۲۲۷(۲)وغیرہ میں مذکور ہے،عوام جمعہ کے روز والے حج کوحجِ اکبر کہتے ہیں،العرف الشذی،ص:۳۴۰(۳)میں اس کی تردید موجود ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبدمحمود گنگوہی غفرلہ(فتاویٰ محمودیہ:۲۹۴/۱۰-۲۹۵)

حجِ مبروراورمقبول میں فرق:

سوال: حجِ مبروراورحجِ مقبول میں کیافرق ہے؟اورحجِ نفل مقبول،یامبرورہوسکتاہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

مقبول ومبرور کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے،مبروروہ ہے کہ جس حج میں کوئی ایسی جنایت نہ کی، جس سے دم،یاکفارہ لازم آئے،(۴)مقبول وہ جسے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے،(۵)کبھی ایسا بھی ہوتاہے کہ جنایت کے

---

(۱) أحکام القرآن للجصاص، سورۃ البراءۃ: ۱۲۰/۳،قدیمی

(۲) وأفضل الأیام یوم عرفۃ إذا وافق جمعۃ (وھوأفضل من سبعین حجۃ فی غیرحجۃ،إلخ.(حاشیۃ الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح،فصل:العمرۃ سنۃ،ص:۷۴۰،قدیمی)

عن طلحۃ بن عبید اللّٰہ أنہ علیہ الصلاۃ والسلام قال:"أفضل الأیام یوم عرفۃ إذا وافق یوم جمعۃ،وھوأفضل من سبعین حجۃ فی غیرجمعۃ.(تبیین الحقائق،باب الاحرام:۲۹۲/۲،دارالکتب العلمیۃ،بیروت)

"وأفضل الأیام یوم عرفۃ وافق یوم جمعۃ،وھوأفضل من سبعین حجۃ فی غیریوم الجمعہ".(أوجز المسالک، باب حج یوم الجمعۃ ھل لہ مزیۃ:۷۲۷/۳،المکتبۃ الیحیویۃ سھارنفور (یوبی الھند)

(۳) الحج الأکبرفی عرف الحدیث ھوالحج،وأما الحج الأصغر فالعمرۃ،لاما ھو متعارف فی عامۃ الناس من أن الحج الأکبر یکون یوم عرفۃ فیہ یوم الجمعۃ.(العرف الشذی علٰی جامع الترمذی:۱۸۹/۱،سعید)

(۴) وھو (أی الحج المبرور) ما لا جنایۃ فیہ.(فیض الباری،باب فضل الحج المبرور:۶۲/۳،خصر راہ بکدفو دیوبند الھند)

فعلٰی ھٰذا یخرج الحج من أین یکون مبروراً بارتکاب الجنایۃ عمداً مرۃً بعد أخریٰ وإن کفرعنھا صاحبھا ... و من فعل شیئًا مما یحکم بتحریمہ،فقد أخرج حجہ أن یکون مبروراً.(منحۃ الخالق علی البحرالرائق،باب الجنایات:۲۳/۳،دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۵) والقبول المترتب علیہ الثواب یبتنی علٰی أشیاء:کحل المال والاخلاص کما لوصلٰی مرائیاً أوصام واغتاب، فإن الفعل صحیح لکنہ بلا ثواب.(ردالمحتار،مطلب فیمن حج بمال حرام:۴۵۶/۲،سعید)

باوجود قبول ہوجائے تو وہ مقبول ہے، مبرور نہیں ہے، کبھی جنایت سے پاک وصاف ہونے کے باوجود قبول نہیں ہوتا ہے، مثلا جائز روپیہ سے حج کیا تو وہ مبرور ہے، مقبول نہیں۔(۱) مقبول ومبرور کا جمع ہونا ظاہر ہے، کبھی ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۱۳۹۴ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۹۶-۲۹۴)

حج مقبول کی علامات:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا حاجی کے حج قبول ہونے کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ وہ حج سے فراغت کے بعد گناہوں کے کام چھوڑ دے، مثلاً داڑھی رکھ لے، معاملات صحیح ہوجائیں؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

یقیناً حج مقبول کی علامت یہی ہے کہ آدمی سابقہ گناہوں کو بالکل ترک کردے اور حج کے ذریعہ سے اس کی زندگی میں خوش گوار دینی انقلاب آجائے، جو شخص اس معاملہ میں کوتاہی کرتا ہو اور حج کے بعد بھی گناہون پر جمارہتا ہو، وہ بلاشبہ حج مقبول کی ایک علامت سے محروم سمجھا جائے گا؛ تاہم ان معاصی کی وجہ سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کا حج ادا نہیں ہوا، ادا ہونا الگ بات ہے اور مقبول ہونا الگ بات ہے۔

قیل: هو المقبول، ومن علامات القبول أنه إذا رجع يكون حاله خيراً من الحال الذى قبله. (عمدة القارى: ۱/۱۸۸،فتح البارى: ۱/۹۹)

---

(۱) ولذا قال فى البحر: ويجتهد فى تحصيل نفقة حلال،فإنه لايقبل بالنفقة الحرام،كما ورد فى الحديث. (أشارالى الحديث الذى روى عن أبى هريرة رضى الله عنه قال:قال رسول الله صلى الله عليه و سلم إذا خرج الخارج جاجاً بنفقة طيبة،ووضع رجله فى الغرزونادىٰ لبيك اللّٰهم لبيك ناداه مناد من السماء: لبيك وسعديك، زادك حلال وراحلتك حلال وحجك مبرورغيرماذور،وإذا خرج بالنفقة الخبيثة فوضع رجله فى الغرز فتاوىٰ لبيك ناداه مناد من السماء لالبيك ولا سعديك،زادك حرام ونفقتك حرام وحجك غير مبرور.(رواه الطبرانى فى الأوسط،وفيه سليمان بن داؤد اليمانى وهو ضعيف.(مجمع الزوائد ويتبع الفوائد: ۱/۲۹۲)

مع أنه يسقط الفرض عنه معها،ولاتنافى بين سقوطه وعدم قبوله،فلا يثاب لعدم القبول.(ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام:۳/۴۵۳)

ويجتهد فى تحصيل نفقة حلال،فإنه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام مع أنه يسقط الفرض معها.(الفتاوىٰ الهندية، كتاب المناسك،الباب الأول: ۱/۲۲۰،رشيدية)

(۲) المبرورالمقبول،وقال غيره:الذى لايخالطه شىء من الإثم،وقال القرطبى:الأقوال التى ذكرت فى تفسيريه متقاربة المعنى". باب فضل الحج المبرور:۳/۳۸۲، دارالمعرفة بيروت)

والقبول المترتب عليه الثواب يبتنى علىٰ أشياء: كحل المال والإخلاص كما لو صلىٰ مرائيا أوصام واعتاب، فإن الفعل صحيح لكنه بلا ثواب. (ردالمحتار، الحج، مطلب: فيمن حد بمال حرام: ٤٥٣/٣، زكريا: ٤٥٦/٢، كراچى)

وإذا حج الإنسان ولم يتب خشى عليه عدم القبول. (البحر العميق: ٤٢٤/١، مؤسة الريان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۳/۴/۲۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۷۵/۷)

حج سے گناہ کی معافی:

سوال: جس پر حج واجب ہو چکا اور اس نے حج کیا تو حدیث شریف کے لحاظ سے اس کے لیے شفاعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب ہو جاتی ہے اور اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، جیسے کہ ماں کے پیٹ سے دوبارہ پیدا ہو، حج کے بعد جو کچھ گناہ بقیہ عمر میں ہوتے ہیں تو مرنے کے بعد اسی سے باز پرس؛ یعنی حساب وکتاب پیدائش سے موت تک کا ہوگا، یا حج کے بعد سے تا موت جتنے گناہ کے محض اس کی سزا بھگتنی ہوگی اور پیشتر کیے گناہ بوجۂ حج کے معاف ہو جائیں گے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

جن گناہوں کے معافی کی بشارت حج کرنے پر دی گئی ہے، حج کرنے سے ان کی باز پرس نہیں ہوگی؛ کیوں کہ وہ معاف ہو چکے ہیں اور بعد حج جو گناہ کئے ہیں، ان کی معافی گزشتہ حج سے کسی حدیث میں مذکور نہیں، لہٰذا اگر توبہ نہیں کی تو ان کی باز پرس ہوگی۔(۱)

”وأما قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ”من قضى نسكه، وسلم من لسانه ويده، غفرله ما تقدم من ذنبه“. (مناسک الملا علی القاری)(۲)

”وعنه صلى الله عليه وسلم أنه قال لعمرو بن العاص: ”أما علمت أن الإسلام يهدم ما قبله، وأن الهجرة تهدم ما قبلها، وأن الحج يهدم ما قبله“. (إرشاد الساری إلیٰ مناسک الملا علی القاری)(۳)

---

(۱) قال القاضی عياض: أجمع أهل السنة أن الكبائر لايكفر ها إلا التوبة، ولا قائل بسقوط الدين، ولو حقاً لله تعالىٰ كدين الصلاة والزكاة، فالحج يغفر الذنوب و يزيل الخطايا، إلا حقوق الآدميين، فإنها تتعلق بالذمة، حتىٰ يجمع الله أصحاب الحقوق، ليأخد كل حقه. (الفقه الإسلامي وأدلته، وهل الحج أفصل من الجهاد: ١٢/٣، مكتبة حقانية)

(۲) باب المتفرقات، ص: ۴۸۷، إدارة القرآن، كراچی

یہ روایت حضرت جابر ان الفاظ میں مروی ہے: من قضىٰ نسكه وسلم المسلمون من لسانه ويده غفرله بالتقدم من دينه، لیکن اس میں ایک راوی موسیٰ بن عبیدہ جو ضعیف ہیں۔ (الكامل فى ضعفاء الرجال: ٤٥،٤٤/٦، سهيل اكادمى، دیکھئے: مسند عبد بن حميد، رقم الحديث: ١١٥٠، المطالب العاليه لابن حجر: ١١٦٢/٦، انيس)

(۳) ،باب شرائط الحج، ص: ١٩، مصطفىٰ محمد بمصر / الصحيح لمسلم: ١١٤/١، رقم الحديث: ١٢١

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ حج سے قبل کئے ہوئے گناہ حج سے معاف ہوجاتے ہیں؛ لیکن حج کے بعد کئے گئے گزشتہ حج سے معاف نہیں ہوتے، اسی طرح حقوق العباد بھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبد اللطیف، ۲۴/۶/۱۳۶۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۱۹/۱۰)

حج کے ذریعہ سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں:

سوال: میری بیوی نیک صالح اور وفا شعار ہے، میں حج کو گیا تھا، بیوی کو کہا کہ گھر سے باہر نہ نکلنا، وہ ایک دفعہ سینما گئی، ایک دفعہ عرس میں گئی اور ایک دفعہ کہیں اور میرے بھائی نے اس کو بہت مارا، میری حج سے واپسی پر مجھے قصہ سنایا، اس کا بھائی مجھے لینے بمبئی آئے تھے، میں نے اس سے کہا کہ اپنی بہن کو اپنے گھر لے جا، وہ اس کو لے گیا۔ ۸، ۹/ماہ سے اپنی زوجہ کی شکل نہیں دیکھی، اس کو میں نے کہا بھیجا ہے کہ تو حج کو جاکر آجا، تب میں تجھے گھر میں رکھوں گا، اس سے پہلے تو گھر میں نہیں آسکتی اور تو میری صورت نہیں دیکھ سکتی اور میں تیری صورت نہیں دیکھ سکتا، میرا یہ حج کی شرط لگانا صحیح ہے، یا نہیں؟ کیوں کہ حج کرنے سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر اس پر حج فرض ہے تو ضرور حج کو بھیجنا چاہیے، (۱) اگر یہ توقع ہو کہ حج کے ذریعہ سے ہی اس کی اصلاح ہوگی، بغیر اس کے اصلاح نہ ہوگی تو پہلے حج کرالیا جائے، اگر اس کو ندامت ہے اور اپنی غلطی پر شرمندہ ہے تو حج سے پہلے بھی بلا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۹/۱۰/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۳۹/۱۰/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۲۰/۱۰)

کیا حج سے قضا نمازیں معاف ہوجائیں گی:

سوال: زید نے اپنی عمر میں بہت سی نمازیں چھوڑ دیں اب وہ حج کرنے جارہا ہے تو کیا حج کرنے سے اس کی نمازیں (جو نمازیں نہیں پڑھی ہیں) معاف ہوجائیں گی؟ ہمارے بعض احباب تو یہی کہتے ہیں اور ثبوت میں حدیث پیش کرتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

حج کرنے سے دین معاف نہیں ہوتا، نہ اللہ کا دین اور نہ بندے کا دین، مثلاً اگر کسی کے ذمہ کسی کا قرض ہو تو حج

---

(۱) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (سورة آل عمران: ۹۷)

کرنے سے وہ معاف نہیں ہوتا۔اسی طرح کسی کے ذمہ کچھ فرض نمازیں ہوں، یا فرض روزے ہوں، یا فرض زکوٰۃ ہو تو حج کرنے سے یہ نماز، روزہ، زکوۃ کچھ بھی معاف نہیں ہوگے، یہ اللہ کا دین ہے۔(۱) دَین کا معاف نہ ہونا حدیث شریف میں موجود ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۳۲۰-۳۲۱)

شراب سے توبہ کئے بغیر حج کو جانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص جو شرابی ہے، بغیر توبہ کئے امسال وہ حج کو جا رہا ہے، کیا اس کا حج کو اس طرح جانا جائز ہے، یا نہیں؟ اگر یہ شخص شراب سے توبہ کرے تو کس طرح کرے؟ اگر یہ شخص توبہ نہ کرے اور مسلمانوں کی دعوت کرے تو مسلمان اس کے یہاں دعوتِ طعام میں شریک ہوں، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

شراب پینا عنداللہ سخت ترین گناہ ہے، جس پر قرآن وحدیث میں سخت ترین وعید آئی ہے؛ اس لیے اگر کوئی شخص شراب کا عادی ہو تو اس کو یہ عمل چھوڑ کر توبہ واستغفار کرنا چاہیے؛ تاکہ اگر ایسا شخص بغیر توبہ کیے حج کو چلا جائے تو اس کا حج ادا ہو جائے گا؛ لیکن شراب کا گناہ بغیر توبہ کے معاف نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۷)

قال اللّٰه تعالیٰ:﴿يَآ يُّهَا الذينَ اٰمَنُوٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ،فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾(سورة المائدة: ۹۰)

---

(۱) عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال:جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال:يارسول الله!إن أمي ماتت وعليها صوم شهر،أفاقضيه عنها؟ قال: "نعم،فدين الله أحق أن يقضى.(صحيح البخاري، كتاب الصوم،باب من مات وعليه صوم: ۱/۲۶۲،رقم الحديث: ۱۸۱۶،قديمي)

(۲) عن أنس رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:"القتل في سبيل الله يكفر كل خطيئته" فقال جبريل:إلا الدين،فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"إلا الدين".(جامع الترمذي،أبواب فضائل الجهاد،باب ماجاء في ثواب الشهيد: ۱/۲۹۳، سعيد)

قال في البحر الرائق:فليس معنى التكفير كما يتوهمه كثير من الناس أن الدين يسقط عنه،وكذا قضاء الصلاة و الصوم والزكاة إذ لم يقل أحد بذلك.(ردالمحتار،مطلب في تكفير الحج الكبائر،باب الهدى: ۳/۴۹،ط: رياض)

قال القاضي عياض:أجمع أهل السنة أن الكبائر لايكفرها إلا التوبة،ولا قائل بسقوط الدين ولو حقاً للّٰه تعالىٰ وكدين الصلاة والزكاة،فالحج يغفر الذنوب ويزيل الخطايا،إلا حقوق الآدميين،فإنها تتعلق بالذمة،حتىٰ يجمع الله أصحاب الحقوق؛ليأخذ كل حقه.(الفقه الإسلامي وأدلته،باب:وهل الحج أفضل من الجهاد: ۳/۱۲،حقانية پشاور)

وصفة التوبة إن كانت عن ذنب فيما بينه وبين اللّٰه تعالىٰ كا لزنا وشرب الخمر أن يستغفر اللّٰه تعالىٰ باللسان، وأن يندم على فعله في الماضى ،وأن يتركه في الحال،وأن يعزم على تركه في الاستقبال.(البحر العميق: ۱/ ۴۲۵)

وقال تعالىٰ :﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحاً وَّاٰخَرَ سَيِّاً عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ،إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ﴾(سورة التوبة: ۱۰۲)

ایسا شخص جو برسرعام گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو گو کہ اس کے فسق کی بنا پر اس کو اپنے جرم اور گناہ کا احساس دلانے کی خاطر تعلقات کے ختم کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن تعلقات کا ختم کرنا زیادہ مفید نہیں ہے،میل جول رکھ کر اصلاح کی کوشش زیادہ کار آمد ہے؛ اس لیے ایسا شخص اگر دعوت وغیرہ کرے تو اس کو قبول کر لینا چاہیے اور آنے جانے کے تعلقات کو برقرار رکھ کر اس کو گناہ سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۹/۴۱۴-۴۱۵ میرٹھ)

وحاصل ذلک أن الهجر ان إنما يحرم إذا كا ن من جهة غضب نفساني ،أما إذا كان على وجه التغليظ على المعصية والفسق ،أو على وجه التأديب كما وقع مع كعب بن مالک وصاحبيه ،أو كما وقع لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مع أزوجه،أولعائشة مع ابن الزوبير رضى اللّٰه عنهم فإنه ليس من الهجر أن الممنوع واللّٰه سبحانه إعلم(تكمة فتح الملهم: ۵/ ۳۰۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۵/۸/۱۴۲۲ھ ۔الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل: ۷/ ۲۷۶)

حج کرنے سے حق العبد ساقط نہیں ہوگا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص حج بیت اللہ کے لیے جا رہا ہے، اس کے اوپر میرا حق ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس شخص پر میرا حق باقی رہے گا یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

مذکورہ شخص پر آپ کے واجب حق کی ادائے گی لازم ہے، حج کرنے سے وہ حق ہر گز ساقط نہ ہوگا، تا آں کہ وہ ادا نہ کردے، یا آپ اپنا حق معاف نہ کردیں۔

عن أبى هريرة رضى اللّٰه تعالىٰ عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما،الخ.(صحيح البخارى،رقم: ۱۷۷۳ ،صحيح مسلم رقم: ۴۳۷)

(هٰذا الحديث) تدل علىٰ محو جميع السيئات الصغائر والكبائر غير حقوق العباد فى أرجع الأ قوال عند العلماء ... أما حقوق العباد ومظالمهم لا بد من ردها إلىٰ أصحابها. (التصوير النبوى للقيم الخلقية والتشريعية،العمرة إلى العمرة والحج المبرور: ۱/ ۱۱۹،الشاملة)

وأماحقوق العباد فلا تسقط بالهجرة والحج إ جماعاً. (مرقاة المفاتيح: ۱/ ۱۷۹،تحت رقم: ۲۸، دار الكتب العلمية بيروت)

قال القاضی عیاض :أجمع أهل السنة أن الكبائر لا يكفرها إلا التوبة ، ولا قائل بسقوط الدی، ولو حقاً لله تعالى: كدين الصلاة والزكاة، فالحج يغفر الذنوب ويزيل الخطايا، إلا حقوق الآدميين ،فإنها تتعلق بالذمة، حتى يجمع الله أصحاب الحقوق ليأخذ كل حقه. (الفقه الإسلامی وأدلته:وهل الحج أفضل من الجهاد: ۱۲/۳،حقانية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۴۱۱/۱۱/۲۵ھ۔(کتاب النوازل:۲۸۸/۷)

حاجیوں سے دعاؤں کی درخواست کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتین وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حجاج کرام سے دعا کی درخواست کرنا کیسا ہے؟ اوران کی دعاؤں کی تاثیر کیا ہے؟ کیا حاجی کی دعا صرف سفر حج کے دوران ہی قبول ہوتی ہے، یا سفر حج سے آنے بعد بھی؟ اور کتنے دن تک حاجی کی دعا قبول ہونا احادیث شریفہ سے ثابت ہے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

حج اورعمرہ کے لیے جانے والےلوگوں سے دعا کی درخواست کرنا مسنون ہے، چناں چہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر بن الخطاب رضی للہ عنہ کو جب عمرہ میں جانے کی اجازت دی تو آپ نے فرمایا:’’یا أخی لا تنسانا فی دعائک‘‘ اس کے علاوہ اور بھی متعدد روایات سے حاجی سے دعا اور استغفار کے لیے کہنا اوراس کی دعا اور شفاعت کا قبول ہونا ثابت ہے؛ اس لیے حجاج کرام سے دعاؤں کی درخواست کرنا چاہیے اور بعض روایات سے چالیس دن تک حاجی کی دعا کا قبول ہونا بھی ثابت ہے۔

عن عمر عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال:اِذَا لَقِيْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ اَنْ يَّسْتَغْفِرَ لَکَ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بَيْتَهُ، فَاِنَّهُ مَغْفُوْرٌ لَهُ.(مسند أحمد ۶۹/۲،سنن أبی داؤد رقم: ۱۴۹۸،البحر العمیق: ۲۹/۱)

عن أبی موسیٰ الأشعری رضی اللّٰه عنه رفعه إلی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال:اَلْحَاجُّ يَشْفَعُ فِیْ اَرْبَعِ مِائَيةٍ مِنْ اَهْلِ بَيْتِه وَيَخْرُجُ مِنْ ذُنُوْبِه کَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ (رواه البزار ،الترغيب والترهيب ۲۵۹ رقم: ۱۸۱۶)

عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه قال:قا ل رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم :يُغْفَرُ لِلْحَاجِّ وَلِمَنْ اسْتَغْفَرَ لَهُ الْحَا جُّ.(رواه البزار ورواته ثقات،الترغيب والترهيب،ص: ۲۶۰،رقم: ۱۷۲۴)

عن جابررضی اللّٰه عنه قال:قال رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:اَلْحُجَّا جُ وَالْعُمَّارُ وَفْدُآ اللّٰهِ دَعَاهُمْ فَاَجَابُوْ هُ وَسَأَلُوْهُ فَاَ عْطَا هُمْ.(رواه البزار ورواته ثقات ، الترغيب والتر هيب،ص: ۲۶۰،رقم: ۱۷۲۱)

عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال:يستجاب للحجاج من حين يدخل مكة إلیٰ أن يرجع إلٰی أهله وفضل أربعين .(البحر العميق: ۶۹/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پورغفرلہ،۱۴۳۶/۳/۲ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ(کتاب النوازل:۲۶۸/۷)☆

☆ جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد اتنا خرچ ہو کہ سواری پر متوسط گزران سے کھاتا پیتا چلا جائے اور حج کر کے چلا جائے اس کے ذمہ حج فرض ہوجاتا ہے اور حج کی بڑی بزرگی آئی ہے، چنانچہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو حج گناہوں اور خرابیوں سے پاک ہو اس کا بدلہ بجز بہشت کے اور کچھ نہیں، اسی طرح عمرہ کرنے پر بھی بڑے بڑے ثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حج وعمرہ دونوں کے دونوں گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے، اور جس کے ذمہ حج فرض ہو اور وہ نہ کرے اس کے لئے بڑی وعید آئی ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص کے پاس کھانے پینے اور سواری کا اتنا انتظام ہو جس سے وہ بیت اللہ شریف تک جا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو کچھ تعجب نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے اور یہ بھی فرمایا کہ حج کا ترک کرنا اسلام کا طریقہ نہیں۔

مسئلہ: عمر بھر میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے اگر کئی حج کئے تو ایک فرض ہوا اور سب نفل ہیں اور ان کا بھی بڑا ثواب ہے۔

مسئلہ: جوانی سے پہلے لڑکپن میں اگر کوئی حج کیا ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے، اگر اللہ مالدار ہے تو جوان ہونے کے بعد پھر حج کرنا فرض ہے اور جو حج لڑکپن میں کیا ہے، وہ نفل ہے۔

مسئلہ: اندھے پر حج فرض نہیں چاہے جتنا مالدار ہو۔

مسئلہ: جب کسی پر حج فرض ہو گیا فوراً اسی سال حج کرنا واجب ہے، بلا عذر دیر کرنا اور یہ خیال کرنا کہ ابھی عمر پڑی ہے، پھر کسی سال حج کر لیں گے، درست نہیں ہے، پھر دو چار برس کے بعد بھی اگر حج کر لیا تو ادا ہو گیا؛ لیکن گنہ گار رہا۔

مسئلہ: اگر کوئی عورت حج کرنے جائے تو راستے میں اس کے شوہر کا، یا کسی محرم کا ساتھ ہونا بھی ضروری ہے، بغیر اس کے حج کے لیے جانا درست نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر وہ محرم نابالغ ہو یا بد دین ہو کہ ماں بہن وغیرہ سے بھی اس پر اطمینان نہیں تو اس کے ساتھ جانا درست نہیں۔

مسئلہ: جب کوئی محرم قابل اطمینان ساتھ جانے کے لیے مل جائے تو اب حج کو جانے سے شوہر کا روکنا درست نہیں ہے اور اگر شوہر روکے بھی تو اس کی نہ مانے اور چلی جائے۔

مسئلہ: جو لڑکی ابھی جوان نہیں ہوئی لیکن جوانی کے قریب ہو چکی ہے اس کو بھی بغیر شرعی محرم کے جانا درست نہیں اور غیر محرم کے ساتھ جانا بھی درست نہیں ہے۔

مسئلہ: جو محرم اس کو حج کرانے کے لیے جائے، اس کا سارا خرچ اسی پر واجب ہے کہ جو کچھ خرچ ہوئے۔

مسئلہ: اگر ساری عمر ایسی نہ ملا، جس کے ساتھ سفر کرے تو حج نہ کرنے کا گناہ نہ ہوگا؛ لیکن مرتے وقت یہ وصیت کر جانا واجب ہے کہ میری طرف سے حج کرا دینا مر جانے کے بعد اس کے وارث اسی کے مال میں سے کسی آدمی کو خرچ دے کر بھیجیں کہ وہ جا کر مردے کی طرف سے حج کر آئے، اس سے اس کے ذمہ کا حج اتر جائے گا اور اس حج کو دوسرے کی طرف سے کیا جاتا ہے، حج بدل کہتے ہیں۔

مسئلہ: اگر کسی کے ذمہ حج فرض تھا اور اس نے سستی سے دیر کر دی، پھر وہ اندھا ہو گیا، یا ایسا بیمار ہو گیا کہ سفر کے قابل نہ رہا، اس کو بھی حج بدل کہتے ہیں کی وصیت کرنی چاہیے۔

مسئلہ: اگر اتنا مال چھوڑ کر مرا کہ قرض وغیرہ دے کر تہائی مال سے حج بدل کر سکتے ہیں، تب تو وارث پر اس کی وصیت کا پورا کرنا واجب ہے اور اگر مال تھوڑا ہے کہ ایک تہائی میں سے حج بدل نہیں ہو سکتا تو اس کا ولی حج نہ کرائے۔

مسئلہ: اگر وہ حج بدل کی وصیت کر کے مر گیا، لیکن مال کم تھا؛ اس لیے تہائی مال میں حج بدل نہ ہو سکا اور تہائی سے زیادہ لگانے کو وارثوں نے خوشی سے منظور نہ کیا اس لئے حج نہیں کرایا گیا تو اس بیچارے پر کوئی گناہ نہیں۔

مسئلہ: بغیر وصیت کئے اس کے مال سے حج بدل کرانا درست نہیں ہے، ہاں اگر سب وارث خوشی سے منظور کر لیں تو جائز ہے؛ مگر نابالغ کی اجازت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر یہ عورت عدت میں ہو تو عدت چھوڑ کر حج کو جانا درست نہیں۔

مسئلہ: جس کے پاس مکہ کی آمد و رفت کے لائق خرچ ہو اور مدینہ کا خرچ نہ ہو تو اس کے ذمہ حج فرض نہیں، یہ بالکل غلط خیال ہے۔ (ماخوذ از: دین کی باتیں)

حج کی فرضیت سے متعلق مسائل

کیا ہر شخص کے مناسب حال کی فرضیت کے لیے ضروری ہے:

سوال: جو شخص رئیس ہے، ہمیشہ ملازم خدمت کرتے ہیں، ریل میں فرسٹ کلاس میں سفر کرتا ہے تو اس شخص پر حج جب فرض ہوگا کہ روپیہ قابل کرایہ آ گبوٹ فرسٹ کلاس کے ہو اور ملازم کے لائق بھی کرایہ ہو؛ کیوں کہ ظاہر ہے کہ رؤسا نہ بغیر ملازم گزر کر سکتے ہیں اور طوطق میں تو کیا عجب ہے کہ مریض ہو جاویں۔ غرض اس تخمینہ میں ایسے لوگوں پر ایک ہزار روپیہ ضرور ہوگا، یا ان پر بھی تین سو روپے سے ہی حج فرض ہو جائے گا؟

الجواب

فی الدر المختار: (ذی زاد،یصح به بدنه فالمعتاد للحم ونحوه إذا قدر علیٰ خبز وجبن لایعد قادراً. (۱)

فی ردالمحتار: لیس من الحوائج الأصلیة ماجرت به العادة المحدثة برسم الهدیة للأقارب والأصحاب فلایعذر بترک الحج لعجزه عن ذلک. (۲)

ان عبارت سے مستفاد ہوا کہ جو عادت ایسی ہو، جن کے ترک سے بیمار ہو جاوے، اس عادت کے موافق سامان ہونا شرط ہے وجوب حج کی اور یہ بھی مستفاد ہوا کہ تحائف لانے پر قدرت شرط نہیں اور اسی کے حکم میں ہے مدینہ کا سفر اور اس کی استطاعت بھی شرط حج نہیں اور یہ معلوم ہی ہے کہ اگر حوائج اصلیہ سے زائد کچھ سامان ہو اور نقد روپیہ نہ ہو تو اس سامان کو فروخت کر دینا واجب ہے اور اس کے ہونے سے بھی حج فرض ہو جاوے گا۔

۲۲ر جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ (حوادث اول، ص: ۱۴۱) (امداد الفتاوی جدید: ۲/۱۵۵)

حج کی فرضیت فارم بھرنے اور ویزا آنے پر ہوتی ہے یا اشہر حج کے آنے پر:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حج کی فرضیت کا وقت ہمارے ملک میں مسلمان پر کب لازم ہوگا؟ کیوں کہ حج کے فارم حج پر جانے سے تقریباً ۵ر مہینے پہلے بھرے جاتے ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ حج کی فرضیت مسلمان پر شوال میں ہوگی، یا جس وقت حج کے فارم بھرے جاتے ہیں؟

---

(۱) الدر المختار علی ردالمحتار، کتاب الحج: ۳/۴۵۸، مکتبة الریاض

(۲) رد المحتار، کتاب الحج: ۳/۴۶۱، مکتبة الریاض

امدادالاحکام ۳/ ۱۵۷ پر حاشیہ میں لکھا ہے کہ حج کا وقت ہندوستان میں شوال کے مہینے سے شروع ہوتا، فإنه وقت خروج الحاج منه، دارالافتاء سے اس سلسلہ میں وضاحت مطلوب ہے۔

ہمارے یہاں ایک صاحب رمضان میں اس لائق ہوئے کہ حج کر سکیں؛ مگر اس وقت فارم نہیں بھرا جا سکتا تھا، آئندہ سال تک عمر نے وفا نہ کی تو کیا شریعت ان کو گنہگار اور تارک حج شمار کرے گی؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

ہندوستان سے جو شخص حج کو جاتا ہے، وہ پرائیوٹ ٹور کے ذریعہ ذی قعدہ؛ بلکہ ذی الحجہ کے مہینہ میں بھی جا سکتا ہے؛ اس لیے جس شخص کے پاس حج کے مہینوں (شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن) میں حج کو جانے کی استطاعت اور قدرت ہو جائے، اس پر حج فرض ہو جائے گا، اب اگر اس نے کوشش کی؛ لیکن کامیابی نہ ملی تو وہ گنہگار تو نہ ہوگا؛ لیکن اس پر آئندہ حج کی وصیت ضروری ہوگی؛ تاکہ اس کی وفات کے بعد اس کے مال سے اس کا حج بدل کرایا جا سکے۔

عن ابن عباس والفضل رضي الله عنهما أو أحدهما عن الآخر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أراد الحج فليتعجل، فإنه يمرض المريض وتضل الراحلة وتعرض الحاجة. (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱/ ۳۵۵، رقم: ۳۳٤، سنن ابن ماجة، لمناسک، باب الخروج إلى الحج: ۲/ ۲۰۷، رقم: ۲۸۸۳، المستدرک للحاکم، المناسک: ۲/ ٦۳۲، رقم: ۱٦٤٥)

فالمحبوس والخائف من السلطان كالمريض لا يجب عليهما أداء الحج بأنفسهما ولكن يجب عليهما الإحجاج أو الإيصاء به عند الموت عندهما. (غنية الناسک، ص: ۲٤، إدارة القرآن کراتشي، فتح القدير: ۲/ ٤۱۷، زکریا، الفتاویٰ الهندية: ۱/ ۲۱۸، کوئٹه، إعلاء السنن: ۱۰/ ۸، کراتشي، البحر الرائق: ۲/ ۳۱۱، کوئٹه)

على الفور في العام الأول عند الثاني، وهو الإتيان به في أول أوقات الإمكان. (الدر المختار: ۳/ ٤٥٤، زکریا) فقط واللہ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۶/ ۱۰/ ۱۴۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/ ۳۰۳)

جب شیعہ کافر ہیں تو حج کرنے کیوں جاتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا شیعہ بالاتفاق کافر ہیں؟ اگر بالاتفاق کافر ہیں تو پھر وہ حج کرنے کیوں جاتے ہیں؟ اور اگر حج کرنے جاتے ہیں تو حکومتِ وقت کافروں کو حج کرنے کی اجازت کیوں کر دیتی ہے؟ اس لیے کہ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ اگر شیعہ بالاتفاق کافر ہیں تو پھر ان کو یعنی کافروں کو حج کی اجازت کیوں دی گئی اور اگر اجازت دی گئی تو یہ بات اس پر دلیل ہے کہ شیعہ بالاتفاق کافر نہیں ہے۔ حکومتِ وقت کا ان کو حج کی اجازت دینا ان کے مسلمان ہونے کی دلیل ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

آج کل اثنا عشر شیعہ جو صراحۃ صحابہ رضی اللہ عنہم کے کفر، تحریف قرآن اور عقیدہ امامت کے قائل ہیں، ان کے بارے میں علماء امت سلف خلف کا اتفاق ہے کہ وہ اپنے باطل عقائد کی بنا پر دائرہ اسلام سے خارج ہیں، سعودی حکومت اگر آج ان کو اپنی سیاسی مجبوریوں کی بنا پر حج کی اجازت دیتی ہے تو اس سے ان کے کفر کا حکم نہیں بدل سکتا، محض حج کے لیے جانا کسی ایمان کی دلیل نہیں ہے، کوئی کافر بھی مسلمان کے نام سے پاسپورٹ بنا کر اس وقت حج کو جا سکتا ہے تو کیا محض اس وجہ سے اس کو مسلمان کہہ دیا جائے گا؟

لاشک فی تکفیر من قذف السيدة عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أو أنكر صحبة الصديق أو اعتقد الألوهية فی علی أو أن جبرئيل غلط فثی الوحی أو نحو ذلک من الكفر الصريح المخالف للقرآن. (ردالمحتار، باب المرتد: ۲۳۷/٤، دارالفكر بيروت، حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار، باب المرتد: ٤٨٣/٢، زكريا، الفتاویٰ الهندية: ٢٦٤/٢، كوئته)

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۸۹/۷)

پانچ سو روپیہ بتایا، قبضہ میں نہیں کرایا تو کیا حکم ہے:

سوال: زید کے باپ نے روپیہ اس قدر چھوڑا کہ حج کے قابل تھا؛ مگر وقت مرگ والدین زید موجود نہ تھا؛ بلکہ اس کا بیٹا عمر تھا، اس نے ڈیڑھ ہزار روپیہ چرایا اور خرچ کر ڈالا، بعدہ مرض الموت میں پانچ سو روپیہ عمر کے دادا نے اس کو بتایا کہ فلاں جگہ سے نکال لو، اب فرمائیے کہ یہ پانچ سو روپیہ ملک عمر کی ہے؟ اور حج اس فرض ہے، یا نہیں؟

مرض الموت کے وقت ہبہ کے لیے کیا شرط ہے:

سوال: بہشتی زیور حصہ پنجم میں سے کہ مرض الموت میں ثلاث کے ہبہ میں قبضہ شرط تو ترکہ والد زید کا کل دو ہزار روپیہ تھا، جس میں سے پانچ سو روپے اس نے عمر کو بتلائے؛ مگر قبضہ نہیں کرایا تو وہ مالک اس روپے کا ہوا، یا نہیں؟ اور حج فرض ہوا، یا نہیں؟

پوتے نے جو روپیہ چرایا ہو تمام ورثہ کا حصہ ہے:

سوال: زید جب مرا تو اس کے وارث دو بیٹے ایک بیٹی تھی اور عمر جو اس کا بیٹا ہے وہ ان پانچ سو روپے کو جو دادا نے دیئے تھے کھا پی چکا تھا؛ مگر ڈیڑھ ہزار روپیہ جو دادا کا اس نے چرایا تھا، اس میں کا چار سو روپیہ باقی ہے تو آیا اس چار سو روپے کو ملک عمر سمجھا جاوے گا، یا اس کو سب ورثہ پر حسب حصص کیا جاوے گا؟ اور اس میں سے جو اس کے حصہ کا ہوگا، وہ اگر حج کے قابل ہو تو حج فرض ہوگا؟

مکان کا مالک ہو تو کیا حج فرض ہو جاتا ہے:

سوال: ایک شخص کے پاس نیچے کا مکان زاید از حاجت ہے؛ مگر اوپر جو اس کا مکان ہے، اس میں وہ خود رہتا ہے، پس اس پر حج فرض ہے، یا نہیں؟

جائداد کی وجہ سے حج فرض ہوتا ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص کسی پنشن سے گزر اوقات کرتا ہے اور جائداد بھی ہے کہ وہ گزارنے کو کافی نہیں اور اس پر مدار بھی ہے؛ لیکن جائداد اس قیمت کی ہے کہ اگر اس کو فروخت کرے تو حج ہوسکتا ہے۔ اس پر حج فرض ہے، یا نہیں؟

ہبہ میں روپیہ ملا تو حج فرض ہوا، یا نہیں:

سوال: جس شخص نے کسی عزیز غیر وارث کو بلا اجازت ورثہ اس قدر روپیہ دیا کہ وہ حج کو کافی ہے تو اس پر حج فرض ہو جاوے گا؟

حج کے زمانے سے پہلے روپیہ تھا، بعد میں قرض دے دیا اور وصول نہ ہوا تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص کے پاس ماہ صفر میں اس قدر روپیہ ہوا کہ حج کو چلا یا جائے؛ مگر ربیع الثانی میں کسی کو قرض دے دیا اور اب تک وصول نہیں ہوا تو اس شخص پر حج فرض ہوا، یا نہیں؟ مولانا حسین احمد صاحب مہاجر مدنی (مراد شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ صدر المدرسین وشیخ الحدیث دار العلوم دیوبند ہیں) فرماتے تھے کہ حج فرض ہوتا ہے کہ جب اس شہر سے سفر حج جانے کا زمانہ ہو اس وقت شرائط پائی جائیں۔ تجربہ سے یہاں کے لوگوں کا جانا ماہ شوال میں ہوتا ہے۔ فقط

الجواب

(۱) اس پانچ سو روپے کا بھی عمر مالک نہیں ہوا،(۱) پس روپے کی وجہ سے بھی حج فرض نہیں ہوا۔

(۲) جو رائے حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی ہے، بندہ کے نزدیک صحیح ہے۔

(۳) کل دو ہزار میں سے عمر کو حصہ پہنچے گا؛ مگر جو چار سو روپے موجود ہیں، یہ سب دیگر ورثہ کو دے دے، عمر کا حصہ اس میں محسوب نہ ہوگا، جو وہ صاف کر چکا، بعد وضع اپنے حصہ کے باقی سب دیگر ورثہ کو دیوے اور جب کہ اس کے پاس کچھ باقی نہ رہے گا تو حج فرض نہ ہوگا۔ فقط

(۳) یہی صحیح ہے کہ عمر پر حج فرض نہیں ہوا۔ فقط (۲)

---

(۱) چوں کہ یہ ہبہ ہے کہ جس کے لئے قبضہ شرط ہے۔ جمیل الرحمٰن

(۲) ومنه المسكن ومرمتنه ولو كبير ايمكنه الاستغناء ببعضه والحج بالفاضل فانه لايلزمه بيع الزائد. (الدر المختار علٰى هامش ردالمحتار: ۱۹٦/۲)

(۵) اگر جائداد گذر اوقات سے زیادہ نہیں تو حج اس پر نہیں ہوا اور فروخت کرنا اس کا ضروری نہیں، وجہ یہ ہے کہ ملک غیر سے بسر اوقات کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے، اپنی ہی آمدنی کا لحاظ کیا جاتا ہے اور شریعت میں لحاظ جائز آمدنی کا ہے۔(۱)

(۶) اگر وہ روپیہ ثلث سے زیادہ نہیں تو حج فرض ہو جاوے گا۔

(۷) جو کچھ مولانا حسین احمد صاحب نے اس بارے میں فرمایا، صحیح ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/ ۵۳۵-۵۳۸)

حج سے متعلق چند ملکی مسائل:

(سہ روزہ اخبار الجمعیۃ، شمارہ نمبر: ۳، جلد نمبر: ۱، مورخہ: ۱۴/ فروری ۱۹۲۵ء، مطابق ۱۹/ رجب ۱۳۴۳ھ)

حجاج کے لیے واپسی ٹکٹ کی ناروا قید:

آج کل مجلس واضع قوانین ہند (اسمبلی) میں قانون جہاز رانی ہند کے بعض دفعات کی ترمیم و اضافہ کا ایک مسودہ قانون زیر غور ہے، جس کا مفاد یہ ہے کہ زائرین بیت الحرام (حجاج) پر قانوناً لازم کر دیا جائے کہ وہ جاتے وقت واپسی کا ٹکٹ خریدیں، یا بقدر ٹکٹ واپسی کی رقم اس افسر کے پاس جمع کر دیں، جو گورنمنٹ کی جانب سے اس کام کے لیے نامزد کر دیا جائے گا، اس پابندی کے عائد کرنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ہندوستانی حاجیوں کی ایک معقول تعداد جدہ میں بوجہ کرایہ واپسی نہ ہونے کے پڑی رہتی ہے اور خود بھی ناداری اور فقر و فاقہ کی وجہ سے طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اہل جدہ کے لیے بھی ایک مصیبت اور بلائے بے درماں ہو جاتی ہے، عرب حکومت ایسے حاجیوں کو ہندوستان لے جانے کے لیے تقاضا کرتی ہے اور گورنمنٹ ہند کے پاس ایسی کوئی مد نہیں کہ اس میں سے ان نادار حجاج کو کرایہ دے کر ہندوستان پہنچایا جائے؛ اس لیے ضروری ہے کہ اس قسم کا ایک قانون بنایا جائے کہ کوئی حاجی ہندوستان سے اس وقت تک روانہ نہ ہو سکے، جب تک وہ اپنی واپسی کا باقاعدہ انتظام نہ کر لے اور اس کی صورت یہی ہے کہ یا واپسی کا ٹکٹ خرید ے، یا اس قدر رقم جمع کر دے۔

مسلمان ممبران اسمبلی میں اختلاف:

اسمبلی کے مسلمان ممبروں میں اس قانون کے متعلق اختلاف رائے ہو گیا، بعض ممبران نے اس کو مذہبی مداخلت سمجھا اور اس بنا پر اس کی مخالفت کی اور بعض ممبران نے اس کو ایک انتظامی ضروری قانون قرار دیا اور اس میں مذہبی مداخلت کو تسلیم نہ کیا اور اس کے حق میں رائے دی۔

گورنمنٹ نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان ممبران اسمبلی میں اختلاف ہے، اس مسودہ قانون کو بہت سے تعلیم یافتہ اور

---

(۱) وإن كان صاحب ضيعة إن كان له من الضياع مالوباع مقدارما يكفى الزاد والراحلة ذاهباً وجائياً ونفقة عياله و أولاده الضيعة ويبقى له من الضيعة قدرمايعيش بغلة الباقي يفترض عليه الحج وإلا فلا. (الفتاوى الهندية، الباب الأول فى تفسير الحج وفرضيته: ۱/ ۲۱۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

عہدے داران اور رؤسا کے پاس بھیجا اور جمعیۃ علما کے پاس بھی بھیجا کہ اس کے متعلق اہل الرائے اور مذہبی جماعتیں اپنی رائے کا اظہار کریں، جمعیۃ علما کے اجلاس مرادآباد میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا اور دو گھنٹے کامل اس پر مباحثہ ہوتا رہا، موافق ومخالف آرا کا اظہار اور طرفین سے استدلال وجواب کا خوب معرکہ رہا، بالآخر اجلاس نے اس وقت یہ فیصلہ کیا کہ اس مسئلہ کو جمعیۃ علما کی مجلس عاملہ کے سپرد کردیا جائے؛ تاکہ وہ آخری فیصلے سے گورنمنٹ کو مطلع کردے۔

جمعیۃ علما کی مجلس عاملہ کا اجلاس:

۲۸ر جنوری کو یہ مسودہ اسمبلی میں پیش ہونے والا تھا؛ اس لیے ۲۶ر جنوری کو جمعیۃ علما کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا اور اس میں اس مسئلے پر از سرنو مباحثہ ہوا، بالآخر کثرت رائے سے طے ہوا کہ اس قسم کا قانون مذہبی عبادت میں ایک قسم کی رکاوٹ ہے؛ اس لیے مسلمان ہرگز اس قانون سے اتفاق نہیں کرسکتے۔

اس تجویز کی پوری نقل اس سے قبل شائع ہوچکی ہے اور گورنمنٹ ہند کے پاس بھی بھیج دی گئی ہے، ۲۸ر جنوری کو یہ مسئلہ اسمبلی میں پیش نہیں ہوا؛ بلکہ آج ۹ر فروری تک بھی اسمبلی میں نہیں آیا، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مسلمان ممبران اسمبلی میں سے کئی صاحب اب بھی اس قانون کے حق میں ہیں اور وہ اس کو مذہبی مداخلت تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں؛ اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر بحث کرکے اچھی طرح روشن کردیا جائے، امید ہے کہ ممبران اسمبلی اور دیگر اہل الرائے حضرات سطور ذیل پر پوری توجہ سے غور فرمائیں گے:

قانون زیر تجویز میں مذہبی مداخلت کیوں ہے:

حج بیت اللہ ایک مذہبی عبادت ہے، جو مسلمان کہ زاد وراحلہ کی استطاعت رکھتے ہیں، ان پر فرض ہے اور جو لوگ استطاعت نہیں رکھتے، ان پر تو فرض نہیں؛ لیکن اگر حج ادا کریں تو یقیناً ان کا حج بھی عبادت اور موجب ثواب ہے، پس غیر مستطیع اصحاب کو روکنا ایک عبادت سے روکنا ہے اور یہی مذہبی مداخلت ہے، بہت سے لوگ جن کے پاس جانے کے لیے جہاز کے کرایہ کے سوا کچھ نہیں ہوتا؛ مگر وہ زیارت بیت اللہ کے شوق میں اخلاص قلب کے ساتھ جاتے ہیں اور کسی صنعت وحرفت کے ذریعے سے وہاں روپیہ حاصل کرکے نہ صرف گزارہ کرتے ہیں؛ بلکہ واپسی کا کرایہ بھی مہیا کرلیتے ہیں، بہت سے لوگ وہاں رہنے اور واپس نہ آنے، یا ایک سال دو سال کے بعد واپسی کے ارادہ سے جاتے ہیں، بہت سے لوگ بعد فراغ حج دیگر بلاد اسلامیہ کی سیاحت کا ارادہ رکھتے ہیں، ایسے تمام لوگوں پر واپسی کا ٹکٹ لازم کردینا ان کے ایک نیک کام اور عبادت کے ارادے میں مشکلات پیدا کرنا اور روکنا نہیں تو اور کیا ہے؟

قانون زیر تجویز مسلمانوں کے لیے بے حد مضر ہے:

حجاج کی جو تعداد واپس نہیں آتی، اس میں کئی قسم کے لوگ ہوتے ہیں، ایک تو وہ جو حج کرکے دیگر بلاد اسلامیہ کی سیر وسیاحت کے لیے چلے جاتے ہیں، دوسرے وہ جنہوں نے ہمیشہ کے لیے، یا ایک طویل مدت کے واسطے حجاز میں

اقامت کرلی، تیسرے وہ جو بیماری یا کسی دوسری وجہ سے انتقال کر گئے، گزشتہ سال تقریباً پانچ چھ ہزار ہندوستانی حاجی وفات پا گئے تھے اور ہر سال اس قسم کے واقعات کم وبیش آتے رہتے ہیں، ان تمام لوگوں کا کرایہ واپسی ضائع، یا مثل ضائع شدہ کے سمجھنا چاہیے۔

اعداد وشمار کے لحاظ سے نقصان عظیم:

اعداد وشمار سے واضح ہوتا ہے کہ تقریباً بیس ہزار ہندوستانی حاجی حجاز کو جاتے ہیں اور اگر کرایہ واپسی فی کس ہوتو بیس ہزار حاجیوں کا جمع شدہ کرایہ پندرہ لاکھ روپیہ ہوتا ہے اور نادار حاجی جو جدہ میں رہ جاتے ہیں، ان کی اوسط تعداد ایک ہزار ہے، ان کے لیے واپسی کے کرایہ کی مقدار بحساب فی کس پچھتر ہزار روپیہ ہوتی ہے، ان اعداد وشمار کے لحاظ سے اب نقصانات ملاحظہ فرمائیے۔

پہلا نقصان:

ایک ہزار حاجیوں کی ناداری کے تاوان میں انیس ہزار حاجیوں پر ایک ایسی پابندی عائد کی جاتی ہے، جسے وہ مذہبی مداخلت سمجھتے ہیں اور اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ اس چھوٹی سی جماعت کی ناداری کے نتائج رفع کرنے کے لیے سبیل کی جائے، نہ یہ کہ اس کا وبال اس سے بیس گنی جماعت اور عام حجاج پر ڈال دیا جائے۔

دوسرا نقصان:

ان ایک ہزار نادار حجاج کے کرایہ واپسی (پچھتر ہزار روپیہ) کو محفوظ کرنے کے لیے انیس ہزار حاجیوں سے ۴/ لاکھ پچیس ہزار روپیہ دو تین مہینے اور بعض حالات میں چار مہینے پہلے وصول کر لینا کون سے تجارتی 'اقتصادی' انتظامی اصول کی رو سے جائز ہے، میں پوچھتا ہوں کہ یہ چار لاکھ پچیس ہزار تو ایسے مستطیع اصحاب کا ہے، جن کی واپسی میں کوئی خطرہ ہی نہیں تھا تو یہ روپیہ جہاز راں کمپنی، یا گورنمنٹ کے افسر مجاز نے تین چار مہینے پہلے کس حق سے ان حجاج سے وصول کیا اور اتنی بڑی رقم کو ایک عرصہ دراز تک اپنے قبضہ میں رکھ کر خود فائدہ اٹھایا اور حجاج کو خسارہ اور نقصان پہنچایا۔

تیسرا نقصان:

تجربہ شاہد ہے کہ حج کو جانے کے وقت جہازوں کے کرایہ کی شرح زیادہ ہوتی ہے اور واپسی میں بسا اوقات بہت کم کرایہ ہو جاتا ہے، اکثر ایسا ہوا ہے کہ جاتے وقت روپیہ دیکر حاجی گئے ہیں اور واپسی میں دے کر آئے ہیں، پس واپسی کا ٹکٹ لازم کر دینے میں حاجیوں کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ ان کو جاتے وقت کی زیادہ شرح کرایہ کے موافق واپسی کا کرایہ بھی ادا کرنا پڑے گا اور واپسی کے وقت کمی کرایہ کی صورت ان کے لیے مسدود ہو جائے گی، کمپنیاں کرایہ کم نہ

کریں گی؛ کیوں کہ یا تو وہ بذریعہ واپسی ٹکٹ کے پہلے ہی پورا کرایہ وصول کر چکی ہوں گی، یا ان کو اطمینان ہوگا کہ باقی ماندہ حجاج کا روپیہ حسب شرح سابق جمع ہے۔

پس اگر روپیہ شرح کرایہ سے بیس ہزار حاجی آتے تو ان کو چار لاکھ روپیہ ادا کرنا ہوتا ہے؛ لیکن قانون زیر تجویز کے بموجب ان کو پندرہ لاکھ روپے پہلے ہی دینا ہوگا؛ یعنی گیارہ لاکھ روپیہ کا حاجیوں کو نقصان ہوگا، جو جہاز راں کمپنی ان سے ناحق وصول کرے گی۔

مسودہ قانون واپسی ٹکٹ قطعاً نامعقول ہے:

پس یہ مسودہ قانون کسی طرح معقول اور قابل قبول نہیں؛ کیوں کہ ایک ہزار حجاج کی ناداری اول تو کوئی جرم نہیں؛ کیوں کہ بسا اوقات ناداری ایسے اسباب سے پیدا ہو جاتی ہے، جس میں حاجی بچارے قطعاً معذور بے گناہ ہوتے ہیں، دوسرے یہ کہ اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ ان کی مجرمانہ کوتاہی بھی ہے؛ تاہم ایک ہزار کی کوتاہی میں انیس ہزار پر پابندی عائد کر دینی اور ان سے چودہ لاکھ پچیس ہزار کی رقم خطیر دو یا تین یا چار مہینے پہلے جمع کرا لینی کسی طرح معقول نہیں، یہ کہنا کہ چوں کہ ابتدا میں معلوم نہیں ہوسکتا کہ کون شخص ناداری میں پڑا رہ جائے گا اور کون نہیں؛ اس لیے مجبوراً سب پر ٹکٹ واپسی لازم کرنے کا قانون بنانا پڑتا ہے، عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔

ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ ریل میں بہت سے لوگ مقدار معین سے زیادہ اسباب لے جاتے ہیں، یا اپنے ہمراہیوں کے ٹکٹ کم لیتے ہیں؛ یعنی بجائے چار ٹکٹوں کے تین ہی لیے اور راستہ میں چیکر، یا منزل مقصود کا ٹکٹ بابو انہیں پکڑ کر باقی کرایہ مانگتا ہے اور بسا اوقات مجرم کے پاس ادائے مطالبہ کے لیے کچھ نہیں ہوتا اور گھنٹوں جھگڑا رہتا ہے اور ملازمین ریلوے کو سخت پریشانی اٹھانی پڑتی ہے، پس اگر اس کے انسداد کے لیے ایسا قانون بنایا جائے کہ ہر مسافر جو ٹکٹ خریدے، وہ ایک خاص مقدار کی مزید رقم بھی جمع کر دے؛ تا کہ اس کی کوتاہی، یا خیانت ثابت ہونے پر اس رقم سے ریلوے کا مطالبہ وصول کیا جا سکے تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس قانون کو کوئی ذی رائے آدمی معقول قرار دے سکتا ہے، جس طرح ریلوے کے ایسے خائن اور دیدہ دلیر مسافروں کی ان حرکات کا انسداد ضروری ہے؛ مگر اس کا یہ طریقہ نہیں کہ تمام شریف اور بے گناہ مسافروں سے بلاوجہ روپیہ وصول کیا جائے، اسی طرح جدہ کے معذور نادار حجاج کی تکلیف رفع کرنے کی فکر بھی ضروری ہے؛ مگر اس کا یہ طریقہ معقول نہیں کہ بلاوجہ تمام مستطیع حجاج پر ایک خلاف مذہب پابندی عائد کر دی جائے اور ان کا چودہ پندرہ لاکھ روپیہ دو تین مہینے پہلے بلاوجہ جمع کرا لیا جائے اور واپسی میں کرایہ کی کمی کے فائدے کو مسدود کر کے دس گیارہ لاکھ روپیہ کا صریح نقصان پہنچایا جائے۔

اگر گورنمنٹ اور ممبران اسمبلی اس مشکل کا کوئی معقول حل نہیں کر سکتے تو میں جو تجویز اس مضمون کے آخر میں ذکر کروں گا، اس پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے، مجھے امید ہے کہ وہ تجویز اس مشکل کا بہترین حل کر دے گی۔

بعض ممبران اسمبلی کے شبہات کا جواب:

اس کے بعد بعض ممبران اسمبلی کے ان شبہات کا جواب دینا چاہتا ہوں، جو مجھ تک پہنچے ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ میرے ناچیز جوابوں کو غور سے ملاحظہ فرمائیں گے۔

پہلا شبہ:

حج ان ہی لوگوں پر فرض ہے، جو زاد وراحلہ پر قادر ہوں یعنی کھانے پینے کے علاوہ جانے اور واپس آنے میں ریل، جہاز، اونٹ وغیرہ سواریوں کے کرایہ پر بھی قدرت رکھتے ہوں۔(۱) پس جب کہ ان کے پاس واپسی کا کرایہ موجود ہوگا (جیسا کہ شرعی حکم ہے) تو جمع کردینے، یا واپسی کا ٹکٹ خریدنے میں کوئی نئی پابندی عائد نہ ہوئی؛ بلکہ اسی پابندی کو جو شریعت نے مقرر کردی ہے، عمل میں لایا گیا اور اگر ان کے پاس جانے کے وقت واپسی کا کرایہ نہیں ہے تو ان پر حج فرض نہیں ہے، پس اگر وہ اس پابندی کی وجہ سے نہ جاسکے تو کچھ حرج نہیں؛ کیوں کہ شریعت نے بھی ان پر حج فرض نہیں کیا ہے، لہٰذا قانون نے ان کو کسی مذہبی فرض سے نہیں روکا؛ اس لیے اس قانون کو مذہبی مداخلت کہنا درست نہیں۔

پہلے شبہ کا جواب:

اگرچہ کئی معزز ممبران اسمبلی اس شبہ میں گرفتار ہیں اور اس کو قوی ترین شبہ سمجھتے ہیں؛ مگر میں ان سے پورے غور وتامل کی درخواست کرتا ہوا جواب عرض کرتا ہوں۔

مذہبی مداخلت:

ایک لفظ ہے، جو اکثر مواقع پر استعمال کیا جاتا ہے؛ مگر جہاں تک میرا خیال ہے، اس کے مفہوم پر پوری طرح غور نہیں کیا جاتا۔ بعض حضرات تو یہ سمجھتے ہیں کہ صرف فرائض سے روکنے کو مذہبی مداخلت کہتے ہیں، بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ مذہب کی چند موٹی موٹی اور کھلی کھلی باتیں ہی ایسی ہیں کہ ان سے روکنا مذہبی مداخلت ہے اور بس مثلاً کسی کو نماز سے روکا جائے، یا روزہ سے روکا جائے تو مذہبی مداخلت ہے اور اگر مسلمان بھائی کی اعانت سے روکا جائے تو مذہبی مداخلت نہیں؛ مگر میں یہ کہتا ہوں کہ یہ دونوں خیال صحیح نہیں ہیں، مذہبی مداخلت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ کسی کے مذہب میں مداخلت کی جائے؛ یعنی کسی مذہبی حکم کے خلاف ایسا حکم دیا جائے، جو مذہبی حکم سے متصادم ہو اور ٹکرا جائے یہی تصادم اور ٹکر مداخلت ہے، عام اس سے کہ وہ مذہبی حکم کسی چیز کی فرضیت، یا مسنونیت، یا استحباب، یا اباحت کا ہو، یا حرمت وکراہت کا۔ مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

---

(۱) الحج واجب علی الأحرار البالغين العقلاء الإصحاء إذا قدروا علی الزاد، والراحلة فاضلاً عن المسكن مما لابدمنه، وعن نفقة عياله إلی حين عوده، وكان الطريق اٰمان. (الهداية، كتاب الحج: ۱/۲۱۱، ط: شركة علمية، ملتان)

پہلی مثال:

ظہر کی نماز کے تعلق مذہبی حکم یہ ہے کہ وہ ہر عاقل بالغ مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے، اس کے خلاف اگر کوئی یہ حکم کرے کہ ظہر کی نماز کو مسنون کہو، یا مستحب سمجھو، یا اباحت کے قائل ہو تو یہ یقیناً مذہبی مداخلت ہے، اگر چہ اس میں اس حکم دینے والے نے ظہر سے منع نہیں کیا؛ لیکن اس کا حکم مذہبی حکم سے متصادم ضرور ہے؛ اس لیے مذہبی مداخلت ہے۔(۱)

دوسری مثال:

شریعت میں دنبہ کی قربانی مباح، یا مستحب ہے۔(۲) اگر کوئی مسلمانوں کو حکم دے کہ تم دنبہ کی قربانی کو فرض سمجھو اور لازمی طور پر دنبہ کی قربانی کرو؛ تو یقیناً یہ مذہبی مداخلت ہے؛ کیوں کہ اس کا یہ حکم شرعی حکم سے ٹکراتا ہے اور مسلمانوں کے اس اختیار کو جو شریعت نے دیا تھا باطل کرتا ہے، حالاں کہ اس میں ایک مباح، یا مستحب سے روکا نہیں؛ بلکہ اس کی تاکید کی ہے۔

تیسری مثال:

شریعت نے مسلمانوں کے لیے ختنہ مسنون کیا ہے۔(۳) اگر کوئی حکومت مسلمانوں کے لیے قانون بنادے کہ ختنہ نہ کریں، ورنہ مجرم ہوں گے تو یقیناً یہ مذہبی مداخلت ہوگی؛ کیوں کہ یہ حکم شریعت کے حکم سے ٹکراتا ہے، حالاں کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فرض سے روکا گیا ہے؛ کیوں کہ ختنہ فرض نہیں ہے۔

چوتھی مثال:

ہر مسلمان کو شریعت نے اجازت دی ہے کہ وہ شراب کی حرمت بیان کرے اور لوگوں کو اس کے استعمال سے روکے؛ لیکن اگر کوئی حکومت قانون بنائے کہ کوئی مسلمان شراب کی حرمت بیان نہ کرے، ورنہ مجرم ہوگا تو یقیناً یہ مذہبی مداخلت ہوگی؛ کیوں کہ یہ قانون شرعی حکم سے ٹکراتا ہے، شریعت ہر مسلمان کو تبلیغ اور اظہار حرمت شراب کی اجازت دیتی ہے،(۴) اور یہ قانون روکتا ہے، حالاں کہ ہر مسلمان کے ذمہ حرمت شراب فرض نہیں۔

---

(۱) بلکہ فرض کو مستحب کہنے والا فرضیت کے انکار کے طور پر بغیر کسی تاویل کے کہے تو کفر ہے۔

(۲) قال: والأضحية من الإبل، والبقر، والغنم؛ لأنها عرفت شرعًا ولم تنقل التضحية بغيرها، إلخ. (الهداية، كتاب الأضحية: ٤/٤٤٨، ط: ملتان)

(۳) لأن الختان سنة للرجال من جملة الفطرة لايمكن تركها، إلخ. (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر، والمس: ٦/٣٧١، ط: سعيد)

(۴) صرف اجازت ہی نہیں؛ بلکہ ضروری ہے، بواسطہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ نے حکم دیا ﴿بلغ ما أنزل إليك من ربك﴾ (سورة المائدة: ٦٧) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا: "بلغوا عني ولو آية" (پوری حدیث ان الفاظ میں حضرت عبداللہ بن عمر بن عاص سے مروی ہے: بلغوا عني ولو آية وحدثوا عن بني إسرائيل ولاحرج ومن كذب علي متعمداً فليتبرأ مقعده من النار. (صحيح البخاري، رقم الحديث: ٣٤٦١) جس میں حرمت شراب کی تبلیغ بھی داخل ہے۔فقط

پانچواں مثال:

اگر آج قانون بنایا جائے کہ مسلمان عمامہ نہ باندھیں، ورنہ مجرم ہوں گے تو یقیناً یہ مذہبی مداخلت ہوگی، اگر چہ عمامہ باندھنا مسنون ہے، فرض نہیں ہے۔(۱)

چھٹی مثال:

بعض مقامات میں مسلمانوں کو اذان کہنے سے روکا جاتا ہے، یہ یقیناً مذہبی مداخلت ہے، اگر چہ نماز کے لیے اذان سنت ہے، فرض نہیں۔(۲)

ساتویں مثال:

نماز سنت ونفل گھر میں افضل ہے، مگر مسجد میں بھی جائز ہے، اگر حکومت قانون بنائے کہ مسلمان مسجد میں صرف فرض پڑھا کریں اور سنت ونفل گھر جا کر پڑھیں، مسجد میں جو سنت ونفل پڑھے گا، وہ مجرم ہوگا، یا مثلاً فرض کے بعد فوراً زبردستی مسجد کو سنت ونفل پڑھنے والوں سے خالی کرالیا جائے تو اگر چہ نماز سنت ونفل گھر میں مستحب ہے؛(۳) مگر یہ قانون مذہبی حکم سے ٹکراتا ہے؛ اس لیے یقیناً مذہبی مداخلت میں داخل ہوگا۔ اسی طرح سینکڑوں مثالیں بیان کی جاسکتی ہیں، جن کو ہمارے معزز ممبران بھی مذہبی مداخلت کہنے پر مجبور ہوں گے؛ کیوں کہ مذہبی مداخلت کا مفہوم اس کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا کہ جو قانون مذہبی حکم سے ٹکراتا ہو، وہ مذہبی مداخلت میں داخل ہوگا۔

اب حج کے متعلق دیکھئے، یہ صحیح ہے کہ شریعت مقدسہ نے حج اسی شخص پر فرض کیا ہے، جو زاد وراحلہ کی استطاعت رکھتا ہو اور جو لوگ کہ زاد وراحلہ پر قادر نہیں، شریعت ان پر حج فرض نہیں کرتی؛(۴) لیکن شریعت کا حکم یہ نہیں ہے کہ ان کے لیے حج کرنا ناجائز ہے؛ بلکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ حج کو جانا ان کے لیے جائز، بلکہ مستحسن ہے اور جب کہ وہ اخلاص قلب کے ساتھ جسمانی مشقت برداشت کر کے حج کریں تو زیادہ ثواب کے مستحق ہیں۔ ہاں اگر وہ خود ارادہ نہ کرے، یا ان کو نہ جانے کا مشورہ دیا جائے تو مضائقہ نہیں؛ لیکن جبراً روکنا، یا روکنے کے اسباب پیدا کرنا یقیناً مذہبی مداخلت ہے؛ کیوں کہ جس شخص کو شریعت حج کی اجازت دیتی ہے، اس کو یہ قانون روکتا ہے، یا روکنے کے ذرائع پیدا کرتا ہے اور یہی مصادمت اور قانون کا حکم شرعی سے ٹکرانا ہے۔

---

(۱) جاء رجل إلٰی ابن عمر فقال: یا أبا عبدالرحمن، العمامة سنة، فقال: نعم. (عمدة القاری، کتاب اللباس، باب العمائم: ۳۰۷/۲۱، ط: إدارة الطباعة المنیرة، دمشق)

(۲) الأذان سنة للصلوات الخمس، والجمعة لاسواه للنقل المواتر. (الهدایة، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۸۶/۱، ط: ملتان)

(۳) یہ بھی اس وقت ہے، جب کہ گھر میں اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ پڑھ سکتا ہو، ورنہ آج کل تو آدمی گھر جا کر بھول ہی جاتا ہے۔

(۴) والحج واجب علی الأحرار البالغین العقلاء إلا صلحاء إذا قدروا علی الزاد والراحلة، فاضلاً عن المسکن مما لابد منه، وعن نفقة عیاله إلٰی حین عوده، وکان الطریق اٰمنًا. (الهدایة، کتاب الحج: ۲۳۱/۱، ط: شرکة علمیة، ملتان)

پس جو ممبران اس وجہ سے کہ غیر مستطیع پر حج فرض نہیں اس کو حج سے روکنے کو مذہبی مداخلت نہیں سمجھتے، کیا براہ کرم بتائیں گے کہ اگر مساجد میں قانوناً اذان بند کردی جائے، یا قانوناً نماز تراویح، یا سنتوں اور نفلوں کے لیے مساجد بند کردی جائیں، یا کوئی حکومت (کسی طبی یا غیر طبی اصول کی بنا پر) سنت ختنہ کو قانوناً روک دے تو یہ مذہبی مداخلت ہوگی، یا نہیں؟

دوسرا شبہ:

جب کہ ہندوستانی حاجی واپسی کا ارادہ رکھتے ہیں اور جہاز کی سواری پر ہی واپس آنا چاہتے تو اس قانون کا مفاد اسی قدر رہا کہ خود ان کے ارادہ اختیار سے پسند کئے ہوئے طریق (۱) کے لیے ایک اطمینانی صورت پیدا کرلی، پس جس طرح کہ جاتے وقت ان سے جہاز کا کرایہ لینا (۲) مذہبی مداخلت نہیں ہے، اسی طرح واپسی کا ٹکٹ لازم کردینا، یا رقم جمع کرالینا (۳) مذہبی مداخلت اور رکاوٹ نہیں ہوسکتی۔

دوسرے شبہ کا جواب:

بے شک جہاز کو استعمال کرنے کے لیے کرایہ لینا کسی حال میں مذہبی مداخلت اور رکاوٹ نہیں ہے؛ مگر قانون زیر تجویز میں صرف یہی چیز نہیں ہے کہ جہاز کو استعمال کرنے کا کرایہ لیا جائے؛ بلکہ اس کے علاوہ ایک زائد پابندی بھی ہے، وہ یہ کہ واپسی کے وقت دو تین ماہ پہلے کرایہ واپسی ادا کرو اور جب تک واپسی کا کرایہ ادا نہ کرو جانے بھی نہیں دیا جاتا، حالاں کہ واپسی میں جہاز کا استعمال؛ بلکہ خود واپسی بھی ابھی یقینی نہیں ہوتی اور یہ یقیناً مداخلت اور رکاوٹ ہے، اگر جانے کے لیے بھی ایک کافی مدت پہلے ٹکٹ خریدنے، یا کرایہ جمع کردینے کی پابندی عائد کردی جائے، مثلاً قانون اسی طرح بنایا جائے کہ صرف وہی حاجی حج کو جاسکے گا، جو حجاز جانے کے لیے جہاز کی روانگی سے تین ماہ پیشتر جانے کا کرایہ جمع کردے، یا اسی قدر پہلے ٹکٹ خریدے اور کسی جہاز میں کوئی ایسا حاجی روانہ نہ ہوسکے گا، جس نے تین ماہ پہلے ٹکٹ نہ خریدا ہو، یا کرایہ جمع نہ کردیا ہو، یقیناً یہ بھی مذہبی مداخلت اور رکاوٹ ہوگی، ظاہر ہے کہ جہاز، یا ریل کو استعمال کرنے پر اس کا کرایہ لینا تو تجارتی اور اقتصادی اصول کے مطابق مسلمہ مسئلہ ہے؛ مگر استعمال سے دو تین مہینے پہلے کرایہ لے لینا اگر مداخلت اور رکاوٹ اور ناقابل برداشت پابندی عائد کرنا نہیں تو کیا ہے؟

تیسرا شبہ:

جب تک واپسی کا ٹکٹ لازم کردینے کی ممانعت کسی قرآنی آیت سے پیش نہ کی جائے، اس وقت تک یہ مذہبی مداخلت نہیں ہوسکتی۔

---

(۱) یعنی واپسی اور طریق واپسی۔

(۲-۳) اس لیے کہ وہ جانے کے بعد جہاز کا استعمال کریں گے۔

تیسرے شبہ کا پہلا جواب:

یہ شبہ تمام شبہات سے زیادہ خطرناک اور افسوسناک ہے، خطرناک اس لیے کہ اس میں شبہ کرنے والے نے قرآن پاک سے دلیل مانگ کر بظاہر اپنی قرآن دانی اور عامل بالکتاب ہونے کا دعویٰ کیا، جو ناواقف مسلمانوں کے دلوں میں شبہ ڈال سکتا ہے کہ یہ مسودہ قانون قرآن پاک کے خلاف نہیں ہے اور اس کو مذہبی مداخلت کہنے کے لیے کتاب اللہ میں کوئی دلیل نہیں اور افسوسناک اس لیے کہ اس سے شبہ کرنے والوں کے اصول اسلامیہ سے ایسی گہری اور عمیق ناواقفیت کا پتہ لگتا ہے، جو علمی وعقلی شہرت پر نہایت بدنما دھبہ ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ کیا ان معزز ممبروں نے قرآن پاک میں اذان کی بندش، قربانی کی بندش، نفل نماز کی مسجد میں پڑھنے کی بندش، ختنہ کی بندش، تمام، مذہبی امور خیر کی بندش کے مذہبی مداخلت ہونے کی تصریحات آیات قرآنیہ میں پڑھ لی ہیں، اگر ایسا ہے تو وہ آیات بتائی جائیں اور اگر تصریحات نہیں ہیں تو کیا یہ تمام بندشیں ان کے نزدیک مذہبی مداخلت نہیں ہیں، اگر کہا جائے کہ ہاں نہیں ہیں تو اسلام کا خدا حافظ ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ یہ سب باوجود قرآن پاک میں صراحۃ مذکور ہونے کے مذہبی مداخلت میں داخل ہیں تو پھر وجہ بیان کی جائے کہ یہ سب کیوں مذہبی مداخلت ہیں اور غیر مستطیع کو حج سے روکنا کیوں مذہبی مداخلت سے خارج ہے۔

تیسرے شبہ کا دوسرا جواب:

قرآن پاک میں فرمایا ہے:

﴿اَرَأَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰیo عَبْدًا اِذَا صَلّٰی﴾(۱)

یعنی کافروں کی مذمت میں حضرت حق نے یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ وہ بندگان خدا کو نماز پڑھنے سے روکتے ہیں اور اس نماز میں فرض اور نفل سب شامل ہیں؛ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اوقات مکروہ میں بھی نماز پڑھنے والوں کو اس آیت کے خوف سے نہیں روکا کہ کہیں میرا شمار مانعین نماز میں نہ ہو جائے۔(۲)

اسی طرح حق تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وصد عن سبیل اللّٰہ وکفربه والمسجد الحرام﴾(۳)

تفسیر خازن وفتح البیان وغیرہما میں سبیل اللہ کی تفسیر حج کے ساتھ کی ہے؛ یعنی حج سے روکنا اور خدا کا انکار کرنا اور

---

(۱) سورة العلق:۹-۱۰

(۲) یروی أن علیاً رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه رأی فی المصلی أقوامًا یصلون قبل صلاة العید، فقال: مارأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یفعل ذالک، فقیل له: ألا تنهاهم، فقال أخشی إن أدخل تحت قوله أرأیت الذی ینهی عبدًا إذا صلی، فلم یصرح بالنهی. (تفسیر غرائب القرآن علی هامش، جامع البیان: ۱۲۸/۱۲، ط: دارالمعرفة بیروت)

(۳) سورة البقرة:۲۱۷

مسجد حرام (کی زیارت) سے روکنا خدا کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے اور حضرت حق نے فرمایا:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ﴾(۱)

(یعنی اس سے زیادہ ظالم کون ہے، جو خدا کی مسجدوں میں اس کا نام ذکر کرنے سے روکے۔)

تفسیر فتح البیان میں ہے کہ لوگوں کو مسجد میں نماز وتلاوت وذکر اللہ وتعلیم کے لیے آنے سے روکے۔ (ملاحظہ ہو، تفسیر فتح البیان)(۲)

اور جب کہ عبادت اور امر خیر سے روکنا (خواہ وہ فرض ہو یا نفل) سخت گناہ اور ظلم قرار دیا گیا ہے تو ایسے تمام ذرائع جو رکاوٹ پیدا کرتے ہوں، اپنے درجات کے موافق گناہ اور ظلم اور مذہبی مداخلت میں داخل ہوں گے۔

انسداد مصائب کی تدابیر:

گورنمنٹ اور ممبران اسمبلی کی جانب سے کہا گیا اور کہا جاتا ہے کہ اچھا اگر یہ قانون نہ بنایا جائے اور واپس کا کرایہ پہلے وصول نہ کرلیا جائے تو اس مصیبت کا کیا علاج ہے، جو جدہ میں نادار حاجی خود بھی اٹھاتے ہیں اور اہل جدہ کو بھی مصیبت میں ڈالتے ہیں۔(۳)

میں اس سوال کے جواب میں اپنی ناچیز شخصی رائے کا اظہار کرتا ہوں، اگر اہل الرائے اس کے ساتھ اتفاق کریں تو یہ مشکل رفع ہو جائے گی، جیسا کہ سابق الذکر اعداد وشمار سے ثابت ہوا ہے کہ جہاز راں کمپنیاں ہندوستاں کے حجاج سے آمد ورفت میں تقریباً تیس لاکھ روپیہ کرایہ کا وصول کرتی ہیں اور اس مقدار میں کئی لاکھ روپیہ خالص منافع ہوتا ہوگا۔

گورنمنٹ نے متعدد تجارتوں میں خاص خاص قیود وشرائط کے لائسنس مقرر کئے اور خاص خاص ٹیکس لگائے ہیں، پس اگر گورنمنٹ جہاز راں کمپنیوں پر یہ شرط عائد کردے کہ حجاج سے، جس قدر کرایہ کمپنی وصول کرے، اس میں سے فی روپیہ چھ پائی گورنمنٹ کو ادا کرے اور یہ رقم گورنمنٹ نادار حجاج کے جدہ لانے اور ان کی دوسری ضروریات میں خرچ کرے، اگر صرف جانے؛ یعنی ایک ہی طرف کے کرایہ میں سے ۶/ پائی فی روپیہ وصول کرلیا جائے تو بیس ہزار حاجیوں کے کرایہ (بحساب فی کس) کی رقم پندرہ لاکھ روپے میں سے ۴۶۸۷۵/روپیہ حاصل ہو جاتا ہے، جو واپسی میں کمی کرایہ کو مدنظر رکھتے ہوئے حجاج کو لانے کے لیے کافی ہوسکتا ہے۔

---

(۱)　سورة البقرة:۱۱٤

(۲)　يمنع مساجد الله أى من يأتي إليها للصلاة و التلاوة و الذكر وتعليمه،إلخ.(فتح البيان: ۱/ ۲۰۷،ط:مطبعة العاصمة، شارع الفلكى،القاهرة)

(۳)　اس وقت اس سے قطع نظر کر کے کہ آیا فی الحقیقت گورنمنٹ کا مقصود یہی ہے کہ نادار حجاج کی تکلیف رفع کرنے کی صورت نکالی جائے، یا یہ صرف کہنے کی بات ہے کہ مقصود کچھ اور ہے؛ کیوں کہ ہندوستان میں لاکھوں آدمی بھوک اور فاقہ سے مر رہے ہیں، ہزاروں گداگری کا پیشہ رکھنے والے مخلوق کو ستاتے ہیں؛ لیکن ان تمام مصائب کے رفع کرنے کے لیے مہربان گورنمنٹ کبھی توجہ نہیں کرتی؛ مگر اس کو ہزار بارہ سو نادار حجاج کے جدہ میں پڑے رہنے سے اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ ان کے حج کے لیے جانے میں قانونی رکاوٹیں ڈالنے کے لیے بے چین ہے۔

کمپنیاں حجاج کے ذریعہ سے لاکھوں روپے کا نفع حاصل کرتی ہیں تو اتنی رقم ان سے لینا نہ کوئی ظلم ہے، نہ ان کے تجارتی حقوق میں مداخلت ہے اوراس صورت میں واپسی کے وقت کرایہ کی کمی کا فائدہ بھی حجاج کو پہنچنے کی امید رہتی ہے اور مذہبی مداخلت سے بھی امن ہو جاتا ہے، اگراسی کے ساتھ گورنمنٹ ناداری کے ان اسباب کو رفع کرنے کا بھی انتظام کرے جو کمپنیوں کے اعلان تاریخ اور پھر التوائے روانگی جہازات اور اضافہ کرایہ وغیرہ کے متعلق ہیں تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ تمام مصیبت نہایت آسانی سے دفع ہوسکتی ہیں۔ میں نے مختصر طور پر اس مسئلہ کے پہلوؤں کو واضح کر دیا ہے، ضرورت ہوئی تو آئندہ اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بحث کروں گا۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ (کفایت المفتی:۴/۳۲۸-۳۳۸)

حج کی ادائیگی میں کیا خلیفہ کی موجودگی ضروری ہے:

سوال: ادائے حج کی لیے خلیفہ کا موجود ہونا ضروری ہے، یا نہیں؟ تقرر خلیفہ تک حج بند رہے گا، یا نہیں؟

الجواب

حج کسی وقت بند نہیں ہوسکتا اور حج کی فرضیت خلیفہ کے ہونے پر موقوف نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وللّٰه على الناس حج البيت من استطا ع إليه سبيلاً﴾(۱)

پس استطاعت سبیل اور استطاعت زاد وراحلہ سے حج فرض ہو جاتا ہے اور جو شروط فقہا نے مثل امن طریق وغیرہ لکھی ہیں، وہ بھی استطاعت سبیل میں داخل ہیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۶/۵۲۸-۵۲۹)

کیا شریف مکہ کے عہد حکومت میں حج صحیح ہوگا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جب کہ شریف مکہ پر فتوی ہو چکا ہے تو جو لوگ گزشتہ سال میں اور اب حج کو گئے ہیں، ان کا حج ہوا اور ہوگا، یا نہیں؟

اور ایک عالم کہتے ہیں: دارالحرب کے مسئلہ کی رو سے کہ جب کہ خطبہ حج شریف، یا اس کا قائم مقام پڑھے گا، حج نہیں ہوگا اور ہوا تو ناقص ہوگا اور خاکسار نے تردید پیش کی بحوالہ رسالہ مناسک حج تصنیف مولانا مولوی شاہ رشید احمد صاحب، جس میں آپ نے لکھا ہے کہ اگر ۹ رتاریخ ذی الحجہ بعد ظہر؛ یعنی حج کے دن محض میدان عرفات شریف سے گزر جائے تو بھی حج اس کا ہو چکا اور میری یہ بھی عرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ مکہ معظّمہ کافروں کے قبضہ میں تھا حج کیے اور اب تو مکہ معظّمہ دارالسلام؛ بلکہ دارالایمان ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص کا تو عمل بگڑے اور دوسرے شخصوں کا عمل نہ سمجھا جائے؛ اس لیے جواب مرحمت فرمادیں؟

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۹۷، انیس

الجواب

آپ کی خوش فہمی سے دل خوش ہوا، جو سمجھا بے شک یہی بات ہے، حج کے جواز میں کچھ شبہ نہیں، خصوصاً جن پر حج فرض ہے، اگر محض اس وجہ سے نہ جاویں گے تو سخت گنہ گار رہوں گے اور نفل بھی درست ہوگا۔

۱۲رشوال ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ، ص:۱۵۶) (امداد الفتاوی جدید:۲/۱۵۷)

شریف مکہ کی وجہ سے حج کی فرضیت میں فرق نہیں آتا:

سوال: علمائے پنجاب دربارۂ حج بیت اللہ شریف یہ فرماتے ہیں کہ آج کل حج بوجہ اس کے کہ وہ مقام شریف کے قبضہ میں ہے، ناجائز ہے، کیا یہ درست ہے؛ کیوں کہ میری ہمشیرہ اور برادر کا ارادہ امسال حج کا ہے؟

الجواب

حج بیت اللہ ان لوگوں پر جن کو استطاعت ہو فرض ہے، یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اب بوجہ مذکورہ حج فرض نہیں رہا، ان کو بے تامل حج کا ارادہ کرنا چاہیے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۲۷-۵۲۸)

بزمانہ شریف مکہ حج ساقط نہیں:

سوال: اعتراض کیا جاتا ہے کہ خانہ کعبہ غیر مسلم سیادت میں ہے، اب وہ دارالامن نہیں رہا، اگرچہ بظاہر ادائے رسوم مذہبی میں کوئی مذاحمت نہ ہو، اس حالت میں حج ساقط ہے، یا نہیں؟

الجواب

جب کہ حج کی ممانعت نہیں ہے اور ارکان حج میں کچھ ممانعت نہیں ہے اور طریق مامون ہیں؛ تو استطاعت زاد راحلہ کی صورت میں حج کرنا فرض ہے۔ پس بوجہ مذکورہ حج ساقط نہ ہوگا۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۲۸)

شاہ ابن مسعود کی حکومت میں حج درست ہے، یا نہیں:

سوال: سلطان ابن مسعود کے تسلط کے بعد سے ارض حجاز میں کامل امن وامان ہے، جس کی تصدیق امسال کے حجاج کرتے ہیں؛ لیکن بعض حضرات ابن مسعود کے ہدم قیامت واعلان ملوکیت حجاز کی بنا پر اس وقت تک حج کے التوا کا مشورہ نہ دے رہے ہیں، جب تک حجاز سے ابن سعود کی حکومت کا اخراج نہ ہو اور منہدم قبہ جات کی تعمیر نہ ہو، شرعاً یہ مشورہ

---

(۱) هو ... فرض ... مرة ... علیٰ مسلم ... حر مكلف ... زاد ... و راحلة ... فضلاً عما لابد منه.(الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، كتاب الحج:۳/٤٤٧-٤٦٠، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) هو فرض مرة على الفور بشرط حرية وبلوغ إلخ وأمن طريق(كنز) وحقيقة أمن الطريق أن يكون الغالب فيه السلامة.(البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۳۳۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

صحیح ہے، یا نہیں؟ درصورت ثانی وہ مستطیع حضرات جن پر حج فرض ہو چکا ہے، صرف اس مشورہ پر عامل ہو کر ادائیگی فرض میں تاخیر کر دیں اور اس توقف میں خدانخواستہ اگر موت کے شکار ہو جائیں تو عنداللہ ماخوذ ہوں گے، یا نہیں؟

الجواب

یہ مشورہ مانعین حج کا صحیح نہیں ہے اور ایسا مشورہ دینے والے عاصی ہیں، فریضۂ حج کسی طرح اس صورت میں جائز نہیں ہے اور جن لوگوں پر حج فرض ہو چکا ہے، اگر وہ بدون حج کے، یا وصیت حج کے فوت ہو جاویں گے تو عنداللہ وہ ماخوذ ہوں گے اور اس وعید کے مستحق ہوں گے جو کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جس پر حج فرض ہوا اور اس حج ادا نہ کیا اور وہ مرگیا تو وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے، اللہ تعالیٰ کو کچھ پروا نہیں ہے۔ (**والعياذ بالله تعالىٰ جل ذكره**)(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵۲۴/۶-۵۲۵)

کیا حج کا ویزا نہ ملنا مانع وجوبِ ادا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید ایک صاحبِ ثروت اور مال دار شخص ہے، کئی سال سے مسلسل حج کا ویزا لگانے کی کوشش کر رہا ہے؛ لیکن حکومتی رکاوٹوں کی وجہ سے اب تک اس کو حج کا ویزا نہ مل سکا تو کیا ویزا نہ ملنے کی وجہ سے حج میں تاخیر کے سبب زید گنہگار رہوگا؟ اور اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمه سبحانه تعالىٰ ، الجواب ـــــــــ وبالله التوفيق

سعودی حکومت کے انتظامات کے پیشِ نظر ہر ملک میں مسلم آبادی کے تناسب سے حج کے لیے ویزوں کا کوٹہ مقرر ہے، اس مقررہ تعداد سے زیادہ ویزے نہیں دیئے جاتے، اسی طرح ویزے کے اجرا کے لیے دیگر شرائط بھی لازمی کردی گئی ہیں، جن کو پورا کیے بغیر ویزا ملنا مشکل ہوتا ہے۔

بریں بنا اگر کوئی شخص صاحب استطاعت ہو اور تندرست بھی ہو؛ لیکن کوشش کے باوجود اسے حج کا ویزا نہ مل پائے تو اس کے حق میں وجوب ادا کی شرط نہیں پائی جائے گی اور اس بنا پر حج میں تاخیر کا گناہ اسے نہ ہوگا؛ تاہم اس پر لازم ہے کہ وہ ہر سال ویزے کی کوشش کرتا رہے اور زندگی سے مایوس ہونے کے وقت اپنی طرف سے حج کی وصیت کرے۔

فالمجوس والخائف من السلطان كالمريض لايجب عليهما أداء الحج بأنفسهما ولكن يجب عليهما الاحجاج أوالايصاء به عند الموت عند هما. (غنية الناسک، ص: ۲۴، ومثله في فتح القدير: ۴۱۷/۲-۴۱۸، زکریا، الفتاویٰ الهندية: ۲۱۸/۱، إعلاء السنن: ۸/۱۰، کراتشی، البحر الرائق: ۳۱۱/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاه: احقر محمد سلمان منصور پوری، ۱۴۳۶/۳/۶ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ (کتاب النوازل: ۳۰۲/۷)

---

(۱) عن علي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ملك زاداً وراحلة تبلغه إلى بيت الله ولم يحج فلا عليه أن يموت يهودياً أونصرانياً الحديث. (مشكاة المصابيح، كتاب الحج، الفصل الثانی، ص: ۲۲۲، ظفير)

جس شخص پر حج فرض نہ ہو اور کسی نے تبرعاً حج کرادیا تو اس کا فرض حج ادا ہوجائے گا، یا نہیں:

سوال: اگر کوئی شخص اپنے ہمراہ خدمت کے واسطے، یا ویسے ہی تبرعاً ایسے شخص کو حج کو لے جائے، جس پر فی الحال حج فرض نہیں تو اس کا وہ فرض جو آئندہ ہونے والا ہے، ادا ہو جائے گا، یا نہیں؟ اور نیز شخص مذکور کو یہیں اس قدر روپیہ دے کر قبضہ کرادیا جائے، جس سے فرضیت عائد ہوجائے تو بھی فرض ادا ہوجائے گا، یا نہیں؟

الجواب ــ

ہاں دونوں صورتوں میں اس شخص کے ذمہ سے حج فرض ادا ہوجائے گا۔ (امدادالاحکام: ۱۵۹/۳)

اپنی کمائی سے والدین کو حج کرانا فرض ہوگا، یا نفل:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کا ایک بیٹا ہے جو کماتا ہے، وہ اگر اپنی کمائی سے والدین کو حج کرائے تو والدین کی طرف سے وہ حج فرض ادا ہوگا، یا حج نفل ادا ہوگا۔

بیٹا جو والدین کو حج کراتا ہے، وہ اگر حج نفل ادا ہوگا تو اگر اپنی کمائی سے والدین کو حج کرائے تو والدین کی طرف سے وہ حج حج فرض ادا ہوگا، یا حج نفل ادا ہوگا؟

بیٹا جو والدین کو حج کراتا ہے، وہ اگر حج نفل ادا ہوگا تو آگے چل کر اگر والدین مال دار ہوجائیں، جس سے وہ حج کرکے آسکتے ہیں تو کیا وہ کیا ہوا حج نفل فرض کے لیے متبادل بنے گا، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالى ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

بیٹا اگر اپنی کمائی سے والدین کو حج کرائے اور والدین حج فرض کی نیت کریں تو ان کا فرض حج ادا ہوجائے گا، حتیٰ کہ اگر والدین بعد میں صاحب استطاعت ہوجائیں تو انہیں دوبارہ حج کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ومنها القدرة على الزاد والراحلة بطريق الملك أو الإجارة دون الإعارة والإ باحة، سواء كانت الإ باحة من جهة من لا منة له عليه كالو الدين ،والمو لودين أو من غيرهم كالأ جانب كذا فى السراج الوهاج. (الفتاویٰ الهندية: ۲۱۷/۱)

إن القدرة على الزاد والراحلة لا بد فيها من الملك دون الإباحة والعارية. (شامی: ٤٦٠/٣)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۳۰/۴/۱۴۳۲ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۵۰/۷)

کیا خود حج کرنے سے قبل والدین کو حج کرانا ضروری ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ عبداللہ ملازم پیشہ فرد ہے،

اب اس کے پاس اتنی رقم ہوگئی ہے کہ اس پر حج فرض ہوگیا، اس کے والدین حیات ہیں، اس نے جب اس فرض کی ادائے گی کا اظہار خیال اپنے عزیز واقارب سے کیا تو کچھ لوگوں نے اس سے کہا کہ تمہارا حج جب تک نہیں ہوسکتا، جب تک پہلے اپنے والدین کو حج نہ کراؤ گے، کیا ان لوگوں کا کہنا از روئے شرع درست ہے، یا نہیں؟ ایسی شکل میں عبداللہ کو کیا کرنا چاہیے؟ والدین کے پاس اس قدر مال نہیں ہے، جس پر حج فرض ہوتا ہے، کل خرچ عبداللہ کو برداشت کرنا ہے، ایسی صورت میں از روئے شریعت عبداللہ کو کیا کرنا چاہیے؟ عبداللہ کے پاس اس وقت اس قدر مال نہیں ہے کہ وہ والدین کے خرچ کو برداشت کرسکے؟

باسمه سبحانه تعالىٰ ، الجواب ———— وبالله التوفيق

مسئولہ صورت میں صرف عبداللہ پر حج فرض نہیں ہے اور اس کے حج کی ادائے گی، اس کے والدین کے حج پر موقوف نہیں ہے، لہذا اسے پہلے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے، بعد میں اگر اللہ تعالیٰ وسعت دے تو والدین کو بھی حج کرادے تو مستحق اجر وثواب ہوگا۔

ولا تثبت الاستطاعة بالعارية والإباحة، فلو بذل الابن لأبيه الطاعة وأباح له الزاد والراحلة لا يجب عليه الحج، وكذا لو وهب مالاً ليحج به لا يجب عليه قبوله. (غنية الناسک، ص: ۲۱، ومثله فى البحرالرائق: ۵۴۸/۲، زکریا)

إن القدرة على الزاد والراحلة لابد فيها من الملك دون الإباحة والعارية. (شامی: ۴۶۰/۳، زکریا)

ومنها القدرة على الزاد والراحلة بطريق الملك أو الإجارة دون الإعارة والإباحة سواء كانت الاباحة من جهة منلا منة له عليه كالولدين، والمولودين أو من غيرهم كالأجانب، كذا في السراج الوهاج. (الفتاویٰ الهندية: ۲۱۷/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۴/۱۱/۱۴۲۵ھ۔ (کتاب النوازل: ۳۷۰/۷)

صاحب نصاب کسی سبب حج نہ کرسکے اور مال خرچ ہوجائے تو اس پر حج فرض ہوگا، یا نہیں:

سوال: جنگ یورپ کے زمانہ میں ایک شخص کے پاس اتنی رقم تھی کہ وہ حج ادا کرسکے؛ لیکن علماءِ کرام کے ارشاد پر کہ راستہ کی حالت از حد مخدوش ہے وہ حج ادا نہ کرسکا اور اسی حالت جنگ میں وہ رقم اس کے پاس سے صرف ہوگئی، اب گزارش ہے کہ اس کے لیے شرعا کیا حکم ہے؟

الجواب ————

محض علما کا کہنا کافی نہ تھا؛ کیوں کہ راستہ کا مخدوش ہونا، یا نہ ہونا علمی مسئلہ شرعاً تھوڑا ہی ہے؛ بلکہ یہ تو تحقیق اخبار سے متعلق تھا، پس اگر تحقیق سے اس وقت یہی ثابت ہوا تھا کہ راستہ مخدوش ہے، جب تو سائل کے ذمہ اب حج فرض

نہیں اور اگر تحقیق نہیں کی تو اس کے ذمہ حج فرض ہے، رقم جمع کر کے حج ادا کرنے کی کوشش کرے اور یہ جواب اس صورت میں ہے، جب کہ کسی سال ماہ شوال، یا ذی قعدہ میں اس کے پاس بقدر حج کے رقم فاضل عن الحوائج الضروریہ جمع رہی ہو اور اگر ان مہینوں میں کبھی رقم جمع نہیں رہی تو سوال دوبارہ کیا جاوے۔ فقط

۲/ذی قعدہ ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام:۱۶۱/۳)

قحط کی حالت میں حج:

سوال: عبد الرشید کی ایک لڑکی شادی شدہ ہے؛ لیکن داماد لڑکی کو بہت زدوکوب کرتا ہے، ہر چند سمجھایا؛ مگر باز نہیں آیا، عبد الرشید حج کو جانا چاہتا ہے؛ مگر ڈر یہ ہے کہ سفرِ حج میں اگر کچھ ہو گیا تو لڑکی یتیم ہو جائے گی اور اس کی زندگی بھیانک گزرے گی، اسی طرح اس علاقہ میں قحط پڑ رہا ہے تو پھر حج کو چلا جاوے، یا اس وقت ملتوی کر دے تو یہ کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

لڑکی کی مذکورہ حالت کی بنا پر حج فرض کو ترک ہرگز نہ کرے، اسی طرح بارش نہ ہونے کی وجہ سے ترک نہ کرے؛(۱) الا یہ کہ وقتِ حج سے پہلے پہلے اپنا روپیہ غرباء کو صدقہ کر دے؛ تا کہ قحط زدہ غریبوں کی امداد ہو جاوے تو حج خود ہی امسال لازم نہیں رہے گا۔(۲) فقط اللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند (فتاویٰ محمودیہ:۳۰۱/۱۰-۳۰۲)

کیا دوسرے کے اخراجات پر حج کرنے سے حج کی فرضیت ساقط ہو جائے گی:

سوال: جس شخص بالغ عاقل آزاد پر بوجہ مال نہ ہونے کے حج فرض نہیں ہے، اس کو نفل حج کرنے کے لیے کسی نے پیسے دیئے اور اس نے خود کی طرف سے نفل حج ادا کیا، بعد میں وہ نفل حج کردہ شخص مالدار ہو گیا اور وہ حج کرنے نہ جاوے تو پہلا نفل حج جو اس نے کیا ہے اس سے حج کی اس پر سے فرضیت ساقط ہو جاوے گی، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

پہلا حج جو اس شخص نے کیا ہے، اگر خالص نفل کی نیت کی ہے تو وہ نفل ادا ہو گا اور فرض حج ساقط نہ ہو گا اور اگر مالدار

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ:﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾(سورة آل عمران: ۹۷)
"والحج واجب على الأحرار البالغين العقلاء الأصحاء إذا قدروا على الزاد والراحلة فاضلاً عن المسكن،إلخ". (الهداية، كتاب الحج: ۲۳۱/۱، مكتبة شركة علمية،ملتان)
"شروط الوجوب: وهي التي إذا وجدت بتمامها،وجب الحج،وإلا فلا". (رد المحتار،مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۸/۲،سعيد)

(۲) السابع: الوقت وهو أشهر الحج أو وقت خروج أهل بلده إن كانوا يخرجون قبلها،فلا يجب إلا على القادر... وإن ملكه فيه،فليس له صرفه إلى غير الحج،الخ. (البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۳۹/۲، رشيدية)

ہوا تو حج فرض پھر ادا کرنا ہوگا اور اگر خاص نفل کی نیت نہ کی تھی؛ مگر فرض کی بھی نیت نہ کی تھی؛ بلکہ مطلق حج کی نیت کر لی تھی تو اس سے فرض ساقط ہو گیا، اب مالدار ہونے سے دوبارہ حج فرض نہ ہوگا۔

فی رد المحتار: بأن الحج يصح بمطلق النية بلا تعيين الفرضية بخلا ف الصلاة.(۱)

إلا تحت قول الدر المختار: (حرمكلف)عالم بفرضيته إما بالكون بدارنا.

وفی نور الأنوار، بحث الطرف والمعيار: ويتأدى (الحج)باطلاق النية لا بنية النفل أی إن أدّى الحج بمطلق النية بأن يقول نويت الحج يقع من الفرض بخلاف ما إذا قال نويت حج النفل فإنه يقع عن النفل، آه.

۸/رجب ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ، ص:۲۷۰) (امداد الفتاوی جدید:۱۵۸/۲)

مرض تنفس سے فرضیت ساقط نہ ہوگی:

سوال: ایک شخص کے پاس دوسو روپے تھے، اس نے نیت کی تھی کہ میں ان روپیوں سے حج بیت اللہ کروں گا؛ مگر اب تک وہ صورت خدا نے نہ دکھائی اور اس میں سے پچاس روپے صرف ہو گئے اور شخص مذکور کو عارضہ تنفس کا ہو گیا اور یہ خوف ہے کہ سفر میں شاید اور زائد ہو جاوے، اب یہ نیت کرتا ہے کہ ان روپیوں سے اپنے محلّہ کی مسجد جو بے مرمت ہے، اس کی مرمت کرادوں، شریعت کیا فرماتی ہے؟

الجواب

اس پر حج فرض ہو گیا تھا اور جو عارضہ تنفس کا لکھا ہے، وہ عذر کافی نہیں۔

فی الدر المختار: صحيح البدن فی رد المختار أی سالم عن الآفات المانعة عن القيام بما لابد منه فی السفر، إلخ.(۱)

(تتمہ اولیٰ، ص:۱۷) (امداد الفتاوی جدید:۱۵۸/۲)

صاحبِ وسعت پر حج فرض ہے:

سوال: زید کے گھر میں کافی دولت ہے، مگر حج کو نہیں جاتا اور جب اس سے کہا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے اوپر ذمہ داری بہت ہے، یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

اگر زید کے پاس اتنی دولت ہے، جس سے اس کے اوپر حج فرض ہے تو وہ گناہ گار ہے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند (فتاویٰ محمودیہ:۲۸۹/۱۰-۲۹۰)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج:٤٥٧/٣، مكتبة الرياض

(۲) وعن أبی أمامة رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من لم يمنعه من الحج==

معذور لیکن صاحب استطاعت شخص کے حج کا حکم:

سوال: زید پیروں سے معذور ہے، تھوڑی دور بھی مشکل سے چل سکتا ہے، استطاعت ہے؛ اس لیے حج کا ارادہ رکھتا ہے، ایک آدمی ساتھ رکھنا ہوگا، جس کا صرفہ زید کو دینا ہوگا، اتنی استطاعت ہے کہ آدمی کے خرچ کو برداشت کرلے گا، ایسی معذوری میں بھی زید پر حج فرض ہے، یا کیا؟

الجواب

قال في الهندية: ومنها سلامة البدن حتٰى أن المقعد والزمن والمفلوج ومقطوع الرجلين لا يجب عليهم حتٰى لايجب عليهم الإحجاج وإن ملكوا الزادو الراحلة ولا الإيصاء في المرض هٰذا ظاهر المذهب عن أبي حنيفة وهو رواية عنهما وظاهرالرواية عنهما أنه يجب عليهم فإن أحجوا أجزاهم مادام العجز مستمراًبهم" فإن زال، فعليهم الإعادة بأنفسهم وظاهرما في التحفة اختياره فإنه اقتصرعليه وكذا الإسبيجابي وقواه المحقق في فتح القدير، والأعمٰى إذا ملك الزاد والراحلة إن لم يجد قائداً إلا يلزمه الحج بنفسه في قولهم وهل يجب الاحجاج بالمال فعند أبي حنيفة لايجب وعند هما يجب وإن وجد قائداً عند أبي حنيفة لايجب الحج بنفسه و عن صاحبيه فيه روايتا ن: .... ولوملك الزاد والراحلة وهوصحيح البدن ولم يحج حتٰى صار زمنا أومفلوجاً لزمه الاحجا ج بالمال بلا خلاف اه ملخصاً. (۱)

صورت مذکورہ میں زید پر خود حج کرنا تو فرض نہیں؛ لیکن حج بدل کرا دینا ضروری ہے؛ لیکن بعد میں اگر تندرست ہوگیا تو دوبارہ خود حج کرنا پڑے گا اور اگر خود حج کو چلا جاوے یہ بہت ہی بہتر ہے۔ واللہ اعلم (امداد الاحکام: ۱۵۲/۳)

== حاجة ظاهر ة أوسلطان جائر أومرض حابس، فمات ولم يحج، فليمت ان شاء يهودياً وإن شاء نصرانياً. (مشكاة المصابيح: ۲٤٠/۱، كتاب المناسك، الفصل الثالث، قديمي)

دیکھئے: مسند الدارمي، رقم الحديث: 1826، البيهقي، شعب الإيمان، رقم الحديث: 3693؛ لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے؛ اس لیے کہ اس کے ایک راوی ليث بن أبي سليم، میں جو ضعیف ہیں، امام احمد، امام یحیٰ ابن معین اور امام نسائی وغیرہ نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے: ميزان الاعتدال: ٤٢٠/۱)

وعن علي رضي الله عنه: قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ملك زادا وراحلة تبلغه إلٰى بيت الله، و لم يحج، فلا عليه أن يموت يهودياً أونصرانياً وذلك إن الله تعالٰى يقول ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا. (مشكاة المصابيح: ۲۲۲/۱، كتاب المناسك، الفصل الثاني، قديمي/سنن الترمذي، رقم الحديث: ۸۱۲، البيهقي في شعب الإيمان، رقم الحديث: ۳٦۸۲، امام ترمذی نے اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "هٰذا حديث غريب" لا تعرفه الأمن هٰذا الوجه، وفي إسناده مقال، دهلال بن عبد الله مجهول، والحارث يضعف في الحديث. (الترمذي، باب ماجاء من التغليظ في ترك الحج: ۱٦۷/۱ـ۱٦۸، امام بخاری نے ہلال کو منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ (تهذيب التهذيب: ۸۲/۱۱)

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب المناسك، باب في تفسير الحج وشروطه:

جس کے پاس جائیداد زیادہ ہو اور نقد روپیہ نہ ہو، اس پر وجوب حج کا حکم:

سوال: جس شخص کے پاس زمین زیادہ ہے اور روپیہ نقد موجود نہیں، اس کے ذمہ حج فرض ہے، یا نہیں؟ یعنی اس شخص کو زمین فروخت کر کے حج کرنا فرض ہے، یا نہیں؟ مثلاً ایک شخص ہے کہ اس کے پاس پانچ ہزار روپیہ نقد موجود ہے اور دوسرے کے پاس زمین دس ہزار روپیہ کی زمین ہے اور نقد موجود نہیں ہے۔ اب فرمایئے کہ ان میں کس کے ذمہ حج فرض ہے، یا دونوں کے ذمہ حج کرنا فرض ہے؟

(۱) ایک شخص کے پاس پانچ ہزار روپیہ کا سامان دکان میں موجود ہے، اس پر حج فرض ہے، یا نہیں؟

(۲) ایک شخص کے چار ہزار روپیہ کا مویشی موجود ہیں، اس پر حج کرنا فرض ہے، یا نہیں؟

(۳) ایک شخص کے پاس پانچ ہزار روپیہ کا غلہ موجود ہے، اس پر حج فرض ہے، یا نہیں؟

الجواب

جس شخص کے پاس اتنی زیادہ زمین ہو کہ اس کا اس کا ٹکڑا مصارف حج کے لیے فروخت کرنے کے بعد بھی اتنی زمین باقی رہے، جو اس کے اور اس کے اہل وعیال کے تعیش کے لیے کافی ہے تو ایسے شخص کے ذمہ اپنی زمین کا کچھ حصہ حج کے لیے فروخت کرنا لازم ہے اور اس پر حج فرض ہے اور اگر مصارف حج کے واسطے ایک ٹکڑا بیع کرنے کے بعد باقی زمین اس کے اور اس کے اہل وعیال کے گزارہ کو کافی نہیں رہتی تو اس حالت میں اس پر حج فرض نہیں اور نہ زمین کا فروخت کرنا فرض ہے۔

قال فی غنیة الناسک: وإن کان له من الضیاع ما لوباع مقدارما یکفی الزاد والراحلة یبقی بعد رجوعه من ضیعته قدرما یعیش بغلة الباقی یفترض علیه الحج وإلا فلا کذا فی الخانیة، آه. (۱)

۲۱ /صفر ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۳/۱۵۲)

جواب سوال دوم سوم:

قال فی غنیة الناسک: السادس: الاستطاعة: وهی القدرة علیٰ زاد یلیق بحاله فاضلاً عن الحوائج الأصلیة المذکورة فی الزکاة کمسکنه وعبید خدمته وفرسه المحتاج إلیٰ رکوبه ولو أحیاناً ومرمة مسکنه ورأس مال حرفته إن احتاجت لذلک والآلات حرثه من البقر ونحو ذلک إن کان حراثا أکاراً أورأس مال التجارة إن کان تأجراً یعیش بالتجارة والمراد ما یمکنه الاکتساب به قدر کفایة عیاله لاأکثر لأنه لا نهایة له. (۲)

وفیه أیضاً: وإن کان له مسکن فاضل لایسکنه أوعبد لایستخدمه أومتاع لایمتهنه أوکتب

(۱) الفتاویٰ الهندیة، کتاب المناسک: ۱/۲٤۰

(۲) رد المختار، کتاب الحج: ۳/٤٦١

لایحتاج إلٰی استعمالها أو كرم زائد علٰی قدر التفكه بها ونحو ذلک مما لایحتاج إلیها یجب بیعها إن كان به وفاء بالحج.(۱)

پس جس شخص کے پاس پانچ ہزار کا سامان دوکان میں ہے، اگر اس میں سے بقدر مصارف حج کے فروخت کر کے اتنا سرمایہ باقی رہے کہ اس میں تجارت کر کے یہ شخص مع اہل وعیال کے متوسط حال سے گزر کر سکے تو بقدر مصارف حج کے سامان کا بیع کرنا لازم ہے اور اس پر حج فرض ہے اور اگر باقی میں تجارت کر کے گزر نہ ہو سکے تو واجب نہیں، بشرطیکہ اس شخص کا گذر تجارت ہی پر ہو اور جس شخص کے پاس چار ہزار کے مویشی ہیں تو اگر یہ شخص کاشتکار، یا زمیندار ہے اور یہ مواشی سب کے سب کھیتی کے کام میں مشغول ہیں، یا یہ جانور سواری کے ہیں اور گاہے گاہے سواری کے کام میں آتے ہیں تو اس حالت میں اس پر حج فرض نہیں، نہ ان مواشی کا بیچنا لازم ہے اور اگر یہ جانور دودھ پینے کے ہیں اور اس کے اہل وعیال کا گزران کے دودھ ہی پر ہے، اس کے سوا اور کوئی صورت معاش کی نہیں، نہ زمین کا غلہ ہے اور نہ کچھ، تب بھی اس پر ان کا بیچنا لازم نہیں، بشرطیکہ اگر مصارف حج کے لیے بعض کو فروخت کیا جائے تو باقی مویشی سے گزارہ نہ ہو سکے اور نہ حج فرض ہے اور اگر اس کی معاش ان جانوروں کے دودھ پر موقوف نہیں، یا موقوف ہے؛ لیکن ان میں سے بقدر مصارف حج کے ایک دو، یا زیادہ جانوروں کے فروخت کرنے کے بعد باقی ماندہ مویشی گزارہ کو کافی ہیں، یا یہ جانور تجارتی ہیں اور ان کی تجارت پر اس کا گزر موقوف نہیں، یا موقوف ہے؛ مگر مصارف حج کے لیے ایک دو، یا زیادہ کو بیع کرنے کے باقی ماندہ کی تجارت اس کے گزر کو کافی ہے تو بقدر حج کے ایک دو یا زیادہ جانور کو بیع کر کے اس پر حج کرنا فرض ہوگا۔

رہا غلہ جو پانچ ہزار کا ہے تو اگر یہ سارا غلہ صرف کھانے ہی کے صرف میں آتا ہے، تب تو حج فرض نہیں اور اگر کچھ کھایا جاتا ہے، باقی بیچا جاتا ہے تو جتنا ضرورت سے زائد ہے، اس کو بیع کر کے حج کرنا فرض ہوگا، اگر وہ زائد غلہ فروخت ہونے کے بعد زادوراحلہ ومصارف حج کو کافی ہو۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون، ۲۱ر صفر ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۳/۱۵۳)

استطاعت سے پہلے حج کا حکم:

سوال: ایک مسکین نے مسکینی کی حالت میں کسی طرح حج کرلیا، اب وہ مالدار ہوگیا تو کیا حج فرض دوبارہ ادا کرنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر اپنی ہی طرف سے حج کیا ہے تو اب مالدار ہو جانے کی وجہ سے دوبارہ حج فرض نہیں۔(۲) اگر حج بدل کیا ہے تو

---

(۱) رد المختار، کتاب الحج: ۳/ ٤٦١، والفتاویٰ الهندية، کتاب المناسک فی تفسیر الحج وشروطه: ۱/ ۲٤٠

(۲) وقد قدمنا أن من الشرائط: الوقت، أعني أن يكون مالكاً لما ذكر في أشهر الحج، حتٰی لو ملک ==

اب مالدار ہوکر اپنا حج کرنا ضروری ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۹۲/۱۰-۲۹۳)

حج کا ارادہ کر کے پھر ترک کرنا:

سوال: ایک دیندار اور محتاج بزرگ حج بیت اللہ شریف کا ارادہ پختہ کر چکے تھے؛ لیکن جنتری سے معلوم ہوا کہ اب کے سال ۹/ذی الحجہ جمعہ کا دن پڑے گا اور سعودی گورنمنٹ غالباً اس دن حج ہونے نہیں دیتی۔ سوال یہ ہے کہ کیا حج کا ارادہ اب کے سال فسخ کر دیا جائے، دوسرے یہ کہ اگر ۹/ذی الحجہ کو یوم الحج ہو اور سعودی گورنمنٹ اپنی عادت کے مطابق روک دے تو کیا دس تاریخ کو حج ہو جائے گا، ایک کتاب فتاویٰ عثمانی، جلد نمبر: ۶، کتاب الحج والزیارۃ مصنفہ مولوی منور الدین دہلوی میں لکھا ہے کہ عرفہ کا دن زوال آفتاب کے وقت سے عید کے روز صبح ہونے سے پہلے تک ہے۔ (نزد امام اعظم)؟
(المستفتی: ۲۰۷۴، علیم اللہ صاحب انصار، گورکھپور، ۲۴/رمضان ۱۳۵۶ھ، ۲۹/نومبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

حج کا ارادہ فسخ کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور یہ خبر کہ سعودی گورنمنٹ جمعہ کے دن حج ہونے نہیں دیتی، سراسر جھوٹ اور افترا ہے، عرفہ کا دن تو غروب آفتاب پر ختم ہوتا ہے؛ مگر حج میں وقوف عرفات کے لیے زوال آفتاب ۹/ذی الحجہ سے قبل طلوع الفجر (۱۰/ذی الحجہ) وقت ہے۔(۲) غالباً کتاب الحج والزیارۃ کی عبارت کا یہ مطلب ہوگا۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۳۴۰/۴)

== مابه الاستطاعة قبلها، كان في سعة من صرفها إلىٰ غيره، وأفاد هٰذا قيدا في صيرورته ديناً إذا فتقر، هو أن يكون مالكاً في أشهر الحج، فلم يحج، والأولىٰ أن يقال: إذا كان قادراً وقت خروج أهل بلده إن كانوا يخرجون قبل أشهر الحج لبعد المسافة أو كان قادراً في أشهر الحج إن كانوا يخرجون فيها، ولم يحج حتىٰ افتقر، تقرر ديناً، وإن ملك في غيرها وصرفها إلىٰ غيره، لاشيء عليه كذا في فتح القدير. (البحر الرائق: ۵۵۰/۲، كتاب الحج، رشيدية)

ثم ما ذكر من الشرائط لوجوب الحج: من الزاد والراحلة وغير ذلك، يعتبر وجودها وقت خروج أهل بلده إلىٰ مكة، حتىٰ لو ملك الزاد والراحلة في أول السنة قبل أشهر الحج وقبل أن يخرج أهل بلده إلىٰ مكة، فهو في سعة من صرف ذلك إلىٰ حيث أحب. وإذا صرف ما له ثم خرج أهل بلده، لايجب عليه الحج. فأما إذا جاء وقت خروج أهل بلده فيلزمه التأهب، فلا يجوز له صرفه إلىٰ غيره، فإن صرفه إلىٰ غير الحج، أثم وعليه الحج، كذا في البدائع. (الفتاوىٰ الهندية: ۲۴۵/۱، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، رشيدية)

(۱) ثم الصحيح من المذهب في من حج عن غيره أن أصل الحج يقع عن المحجوج عنه، ولهٰذا لا يسقط به الفرض عن المأمور، وهو الحاج، كذا في التبيين. (الفتاوىٰ الهندية: ۲۵۷/۱، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، رشيدية)

(۲) ومن أدرك الوقوف يعرفة مابين زوال الشمس من يومها إلىٰ طلوع الفجر من يوم النحر فقد أدرك الحج فأول وقت الوقوف بعد الزوال عندنا إلخ. (روى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: الحج عرفة فمن وقف بعرفة ساعة من ليل أو نهار فقد تم حجة. (نصب الرأية في تخريج أحاديث الهداية، كتاب الحج، باب الاحرام: ۱۸۷/۳) (الهداية، كتاب الحج، فصل في مايتعلق بالوقوف: ۲۵۴/۱، ط: ملتان)

اگر صرف مکہ جانے بھر روپیہ ہو، مدینہ کا خرچ نہ ہو تو حج فرض ہوا، یا نہیں:

سوال: اگر کسی شخص کے پاس اتنا روپیہ ہو کہ صرف حج کر سکتا ہے اور مدینہ منورہ نہیں جا سکتا تو اس پر حج فرض ہے، یا نہیں؟ یا انتظار کرے کہ مدینہ منورہ کا بھی خرچ ہو جاوے؟

الجواب

حج فرض ہو گیا انتظامیہ نہ کرنا چاہیے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۱۸)

شاہان کفارہ ومشرکین کے اثر میں والی حجاز ہو تو کیا حج جائز ہے، یا نہیں:

سوال: جب کہ کفار ومشرکین کا اثر خانۂ کعبہ وجزیرہ عرب پر ہے اور انہیں کے حسب الاشارہ وہاں کی حکومت حرکت کرتی ہے تو کیا اس حالت میں حج جائز ہے؟

الجواب

بصورت مذکورہ حج فرض ہے، پس جن لوگوں پر حج فرض ہے، ان کو حج کرنا ضروری ہے۔ **قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾** (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۲۵)

کیا اس شخص پر حج فرض ہے، جس کی تمام آمدنی خرچ ہو جاتی ہو:

سوال: ایک زمیندار کے پاس چار پانچ سو روپے کے منافع کی جائداد ہے، اہل وعیال کے خرچ ایسے ہیں کہ سال میں کچھ بھی بچت نہیں ہوتی تو آیا اس پر حج واجب ہے؟

الجواب

وفي التتارخانية عن الصغرىٰ: له دار يسكنها لكن تزيد علىٰ حاجته بأن لايسكن الكل يحل له أخذ الصدقة فى الصحيح وفيها سئل محمد عمن له أرض يزرعها أوحا نوت يستغلها أودار غلتها ثلٰثة آلاف ولاتكفي لنفقته ونفقة عباله سنة يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ الوفا عليه الفتوىٰ وعندهما لايحل،آه. (۳)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس شخص پر حج واجب نہیں۔

اصلاح سوال میں اجمال ہے؛ کیوں کہ نہ خرچ میں ضروری وغیر ضروری کی تفصیل ہے، نہ اہل وعیال میں واجب

(۱) هو ... مرة ... على الفور فى العام الأول وعند الثاني ... علىٰ مسلم ... مكلف ... عما لابد منه كما مر فى الزكاة،إلخ. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج:۳/۴۴۷ ـ ۴۶۳،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۲) سورة آلِ عمران:۹۷

(۳) ردالمحتار،باب مصرف الزكاة والعشر: ۲/۳۴۸،دارالفكر بيروت،انيس

النفقہ وغیر واجب النفقہ کی تفصیل ہے اور بہت سے لوگ اخراجات غیر ضروریہ کو ضروریہ سمجھ کر فضول خرچی کرتے ہیں اور بہت سے اپنی کریم النفسی، یا عرف ورواج کی بنیاد پر غیر واجب النفقہ اشخاص کا بار اپنے ذمہ لے لیتے ہیں، پس جواب کو اسی صورت کے ساتھ مخصوص سمجھنا چاہیے، جب کہ مالی ضروریات واقعہ وشرعیہ سے زائد نہ ہو اور حکم کو مطلق نہ سمجھنا چاہیے۔ (تصحیح الاغلاط،ص:۳۲) واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

۴؍ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد:۱؍۱۸۴) (امداد الفتاوی جدید:۲؍۱۵۹)

حج کے لیے رقم ناکافی ہوتو اپنا دوسرا انتظام کرنا:

سوال: زید نے فریضۂ حج ادکرنے کی نیت کی ہے، یہ سفر رمضان سے ۵؍ ماہ قبل کا ہوگا، حکومت سے ۱۵۷۵؍روپئے ملیں گے، جس کے ۹۲۹؍ریال ملیں گے، جب کہ صرف حج کا خرچہ ۹۴۶؍ریال بتلایا گیا ہے، یہ رقم سفر میں بالکل ناکافی ہے، کیا اس کے لیے جائز ہوسکتا ہے کہ سعودی عرب میں اخراجات کی کفایت کے لیے اپنے طور پر کوئی دوسرا انتظام کرے؟ برائے کرم فوری جواب سے نوازیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اپنے طور پر دوسرے انتظام کی اجازت ہے؛ مگر قانونی تحفظ کا لحاظ کرلیا جائے کہ کوئی مصیبت نہ آئے۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰؍۳۱۵)

جب خود اپنے ذمہ حج فرض ہے تو والد کو حج کرانے سے اس کا فرض ادا ہوگا، یا نہیں:

سوال: ایک آدمی کے ذمہ حج فرض ہے؛ لیکن اس کے والدین کے پاس اس قدر مال نہیں جو حج کرسکیں، اب اس آدمی کو خود حج کرنا چاہیے، یا اپنے باپ کو بھیج کر حج کرادے، اگر باپ کو حج کرادے گا تو اس کے ذمہ سے فرض ادا ہوجائے گا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

اس کو خود حج کرنا چاہیے، اگر باپ کو حج کرادے گا تو پھر بھی اس کو خود اپنا حج کرنا لازم ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶؍۵۴۱-۵۴۲)

---

(۱) قال اللّٰہ تعالٰی: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربكم﴾ فجعل ذلک رخصة فى التجارة فى الحج، وقد ذكرنا ما روى فيه فى سورة البقرة. (أحكام القرآن للجصاص، سورة الحج، باب التجارة فى الحج: ۳/۳٤٥، قديمى)

وككراهيتهم فى التجارة موسم الحج ظنا منهم أنها تخل باخلاص العمل للّٰه، فنزل: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربكم﴾ ... ﴿فضلا﴾ رزقاً ﴿تبتغوا فضلاً من ربكم﴾: أى تبتغوا رزقا بالتجارة فى الحج، وقد نزلت هٰذه الآية رداً علىٰ كراهيتهم ذلک". (حجة اللّٰه البالغة، كره الجاهلون التجارة فى موسم الحج من أبوب الحج: ۲/١٤٨، قديمى)

(۲) (والمركبة منهما) كحج الفرض (تقبل النيابة عند العجز فقط) لكن (بشرط دوام العجز إلى الموت)؛ لأنه فرض العمر حتىٰ تلزم الإعادة بزوال العذر (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، رد المحتار، باب الحج عن الغير: ١٥/١٤، زكريا ديوبند، انيس)

وجوب حج سے پہلے ایک شخص حج کر چکا ہے، کیا اب استطاعت کے بعد پھر حج کرے گا:

سوال: ایک شخص ملازم ہوکر حج کو گیا، بعد چند سال کے وہ صاحب نصاب ہوگیا تو کیا دوبارہ اس پر حج فرض ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

دوبارہ اس پر حج فرض نہ ہوگا، حج فرض ادا ہو چکا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۲۵)

کیا پیروں سے معذور شخص پر حج فرض ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص پر حج فرض ہے، لیکن چلنے پھرنے کے لیے دونوں ہاتھوں میں لکڑی لے کر چلتا اور بار بار پیشاب کی حاجت ہونے کی وجہ سے پریشانی زیادہ ہے، دیر تک روکنا بھی مشکل ہے، ایسی حالت میں حج بدل کرایا جا سکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب وباللّٰہ التوفیق

اگر وہ شخص معذور ہے؛ یعنی بلا کسی سہارے کے نہیں چل سکتا تو اس پر حج فرض نہیں ہے، خواہ وہ کتنا ہی مال دار ہو اور نہ اس پر حج بدل کرانا فرض ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ عنہما قال: کان الفضل ردیف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، فجائت امرأۃ من خثعم، فجعل الفضل ینظر إلیہا وتنظر إلیہ وجعل النبی یصرف وجہ الفضل إلی الشق الآخر، فقالت: یارسول اللّٰہ إن فریضۃ اللّٰہ علیٰ عبادہ فی الحج أدرکت أبی شیخاً کبیراً لا یثبت علی الراحلۃ، أفأحج عنہ، قال: نعم، وذلک فی حجۃ الوداع. (صحیح البخاری، المناسک، باب وجوب الحج وفضلہ: ۱/۲۰۵، رقم: ۱۴۹۱، مسند أحمد: ۵/۴، رقم: ۱۶۲۲۴)

ومنہا سلامۃ البدن حتی أن المقعد والزمن والمفلوج ومقطوع الرجلین لا یجب علیہم حتی لا یجب علیہم الإحجاج، إن دام العجز، وإن زال أعادوا بأنفسہم. (شامی: ۲/۴۵۹، کراتشی، ۳/۴۵۷، زکریا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۳/۷/۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۳۰۵)

حکم منع زوج از حج زنے را کہ بچہ، شیر خوار داشتہ باشد:

سوال: ایک شخص مستطیع حج فرض کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اس کی بیوی جو مستطیع ہے، اس کے ساتھ حج

---

(۱) ھو ... فرض مرۃ؛ لأن سببہ البیت وھو واحد و الزیادۃ تطوع. (الدرالمختار علیٰ ھامش ردالمحتار، کتاب الصوم: ۳/۴۴۷-۴۵۲، مکتبۃ زکریا دیوبند، انیس)

کرنا چاہتی ہے، شوہر کہتا ہے، چونکہ رضاعت وحضانت میں میرا فرزند ششماہی ہے، ریل جہاز، اونٹ کی سواری پر جانا ہے، خوف ہے کہ لڑکے کو ضرر پہونچے، تم اپنا ارادہ ملتوی رکھو، ان شاء اللہ تعالیٰ ہم بڑے لڑکے کے ساتھ حج کروادیں گے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ صورت مسئولہ میں ششماہی بچہ کے ضرر کا خوف تاخیر حج کے لیے عذر شرعی ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ اور شوہر اگر بیوی کو روک دے تو شرعاً ماخوذ ہوگا، یا نہیں،؟

الجواب ـــ

جزئی تو تلاش کرنے سے نہیں ملی؛ مگر بمقتضائے قواعد شرعیہ جواب یہ ہے کہ چوں کہ ارضاع اور تربیت زوج پر واجب ہے نہ عورت پر، رضاعت وحضانت حق لہا ہے، حق علیہا نہیں ہے، **إلافی بعض الصور**، لہٰذا زوج کو اس عذر سے جائز نہیں کہ زوجہ کو حج سے منع کرے اور بچہ پر اول تو کوئی ضرر مظنون نہیں اور علی سبیل التسلیم مرد کسی عورت کو ارضاع کے لیے نوکر رکھے اور بچہ کو چھوڑ جائے اور رہم بمفارقت الولد عذر شرعی نہیں ہے اور اگر بچہ کو ساتھ لے جانے میں اس بچہ کا کوئی ضرر مظنون نہیں تو یہ امر یعنی ماں سے جدا کر کے اس کا گھر چھوڑ جانا جائز نہیں، **لأن فيه إتلاف الحق للمرأة من الرضاعة والحضانة، والله أعلم**

۲۰/رجب ۱۳۲۱ھ (تتمہ خامسہ، امداد، جلد اول) (امداد الفتاوی جدید: ۱۵۹/۲)

سلسل بول والے مریض پر استطاعت کے باوجود حج فرض نہیں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید پیشاب کی دائمی بیماری میں مبتلا ہے اور بوڑھا بھی ہے، جس کی وجہ سے بوتل اور نلکی ان کی پیشاب کے اخراج کے لیے لگی رہتی ہے، ایسا شخص حج کی استطاعت کے باوجود حرم میں داخل ہوسکتا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــ وبالله التوفيق

ایسے دائمی مریض پر حج کو جانا فرض نہیں ہے، اگر چہ وہ مال داری ہو، اسے چاہیے کہ اپنی طرف سے حج بدل کرادے، بعد میں اگر اس کا مرض ختم ہوجائے اور وہ صاحب استطاعت ہو تو پھر اسے خود حج کرنا ہوگا۔

كذا صحة الجوارح؛ لأن العجز دونها لازماً، وأما المقعد فعن أبي حنيفة أنه يجب؛ لأنه يستطيع بغيره فأشبه المستطيع بالراحلة، وعن محمد رحمه الله أنه لا يجب؛ لأنه غير قادر الأداء بنفسه، بخلاف الأعمى. (الهداية: ۱۵۳/۲، مكتبه البشرى كراتشى)

حتىٰ إن المقعد والزمن والمفلوج ومقطوع الرجلين لا يجب عليهم الإحجاج إذا ملكوا الزاد والراحلة، ولا الإيصاء به في المرض ... وكذا المريض؛ لأنه بدل الحج بالبدن، وإذا لم يجب المبدل لا يجب البدل. (فتح القدير: ۳۲۶/۲، كذا في التعليقات على الهداية: ۱۵۳/۲، مكتبه البشرى)

وفـي الذخيرة: ثم إنما يسقط فرض الحج عن الإ نسان بإحجاج غيره إذا كان الحجاج وقت الأداء عـاجزاً عن الأداء بنفسه و دام عجزه إلى أن مات، أما إذا زال عجزه بعد ذلک فلا يسقط عنه حج الفرض. (الفتاویٰ التاتارخانية: ٦٤٨/٣، زكرياديوبند)

ولايجب علیٰ مقعد ومفلوج وشيخ كبير ... وظاهر الرواية عنهما وجوب الإحجاج عليهم، ويجز يهم إن دام العجز ،وإن زال أعاد و ا بأنفسهم. (شامي: ٤٥٩/٢، كراتشي، ٤٥٧/٣، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۹/۱۰/۱۴۱۳ھ۔ (کتاب النوازل: ۳۰۶/۷)

اگر حج کیا تو کچھ باقی نہ رہ پائے گا:

سوال: کچھ قرض دام کر کے دکان کی تھی، اس سے بحمد اللہ مصارف ضروریہ پورے ہو جاتے تھے؛ لیکن پس انداز کچھ نہ تھا اور یہ خیال تھا کہ اس قدر کچھ ہو جاوے کہ سفر حج کے لیے کافی ہو، تمنا قلبی تھی کہ حق تعالی اس مراد کو پہونچا دیں؛ لیکن نہ ہوا، اب امسال پانچ سو روپیہ تر کا ماموں صاحب سے ملے ہیں اور یہی سرمایہ کلی ہے، جس سے تجارت کرتا ہے اور مصارف ضروریہ کو اس کی آمدنی غالباً کافی ہو جائے گی اور اس وقت نقد روپیہ بالکل موجود نہیں ہے، البتہ اتنا مال تجارت ہے کہ اس کو فروخت کر کے سفر ہو سکتا ہے اور اور خانہ داری کے لیے بھی کافی ہوگا؛ مگر بعد واپسی کوئی سامان ظاہری نظر نہیں آئے گا، ایسی حالت میں مشورہ مناسب سے مطلع فرمایا جاوے؟

الجواب

حالت کذائیہ میں سفر حج مناسب نہیں ہے۔

فی الدرالمختار: وحرر فی النهر أنه يشتر ط بقاء رأس المال بحرفته إن احتاجت لذلک وإلا لا. (۱)

فـي ردالمختار: كتاجر ودهقان ومزارع كما في الخلا صة، ورأس الما ل يختلف باختلا ف، بحر، قلت والمراد ما يمكنه الاكتساب به قدر كفايته و كفاية عياله لا أكثر لأنه لا نهاية له آه. (۲) فقط واللہ اعلم

۱۰/ شوال ۱۳۲۴ھ (امداد: ۱۸۵/۱) (امداد الفتاوی جدید: ۱۶۰/۲)

فرضیتِ حج کے لیے مدینہ طیبہ کا خرچ ہونا ضروری نہیں:

سوال: زید کے پاس صرف مکہ معظّمہ تک جانے آنے کا خرچ ہے تو ایسی صورت میں زید کے ذمہ حج کے لیے جانا فرض ہوگا، یا مدینہ طیبہ کے سفر خرچ ہونے تک حج کو ملتوی رکھے، پھر جب بھی حرمین تک کا خرچ میسر آ جائے، اس وقت جائے؟

الجواب حامداً و مصلياً

جس کے پاس مکہ معظّمہ تک جانے آنے اور حج کرنے کا خرچ موجود ہو، اس کے ذمہ حج لازم ہوگا، (۳) پھر مدینہ

(۱-۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج: ٤٦١/٣، مكتبة الرياض

(۳) البحر الرائق: ٥٤٤/٢، كتاب الحج، رشيدية

طیبہ کے لیے کوشش کرے اور اللہ سے دعا کرے، اگر گنجائش ہو جائے؛ تو وہاں حاضری کی سعادت بھی حاصل کرے، حج کو اس انتظار میں مؤخر نہ کرے کہ جب مدینہ طیبہ کا خرچ بھی پاس ہوگا، تب حج کرے گا۔(۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(فتاویٰ محمودیہ:۳۱۸/۱۰)

اگر مکہ تک کا ہی خرچ ہو، مدینہ کا نہ ہو تو حج کرے، یا نہیں:

سوال: بندہ کی والدہ زندہ ہے اور حج کو دل چاہتا ہے، والدہ کہتی ہیں یا تو مجھ کو ساتھ لے چل، یا میرے مرنے کے بعد حج کو جانا، اگر میں ساتھ لے جاؤں تو روپیہ اتنا نہیں ہے کہ مدینہ شریف تک دونوں جاسکیں، مکہ شریف تک جاسکتے ہیں، اس صورت میں مجھ کر کیا کرنا چاہیے؟

الجواب

اگر اس قدر روپیہ موجود ہے کہ مکہ شریف تک دونوں جاسکتے ہوں تو حج فرض ہے، آپ اپنی والدہ کو لے کر حج کرادیں؛ تاکہ فرض ادا ہو جاوے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۵۲۰/۶)

۶۰/ہزار روپے جمع کرکے ۳۵/ہزار میں حج کرانے کی اسکیم چلانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ موسم حج سے تقریباً پانچ، یا چھ ماہ قبل عازمین کے لیے حکومت کی جانب سے کبھی کبھی اس طرح اعلان ہوتا ہے کہ جو حضرات حج کا ارادہ رکھتے ہوں، وہ فوراً ساٹھ ہزار روپیہ نقد جمع کرادیں، حکومت انہیں ۳۵/ہزار میں حج کرائے گی اور حج سے واپسی کے بعد ۲۵/ہزار روپیے واپس کردے گی تو کیا اس طرح سے پانچ چھ ماہ قبل ۶۰/ہزار روپے نقد حکومت کے حوالے کرکے ۳۵/ہزار میں حج کرلینا کیسا ہے؟ شرعاً درست ہے، یا نہیں؟ اگر کوئی اس طرح سے حج کرے تو کیا اس کا حج کرنا درست ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب وباللّٰه التوفيق

سوال میں حکومت کی طرف سے جو حج کی اسکیم لکھی گئی ہے، وہ ہمارے علم میں نہیں ہے، حج کمیٹی کا دستور یہ ہے کہ وہ زرمبادلہ کی رقم واپس کردیتی ہے اور ہوائی جہاز کے کرائے اور مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کی رہائش کی اجرت وغیرہ حاجی

---

(۱) ومنها القدرة على الزاد والراحلة) بطريق الملك ... و تفسير ملك الزاد والراحلة أن يكون له مال فاضل عن حاجته، وهو ما سوى مسكنه ولبسه وحدمه وأثاث بيته قدرما يبلغه إلىٰ مكة ذاهباً وجائياً وراكباً، لاما شياً، وسوىٰ ما يقضي به ديونه ويمسك لنفقة عياله ومرمة مسكنه ونحوه إلىٰ وقت إنصرافه، كذا في محيط السرخسي.(الفتاوىٰ الهندية: ٢١٧/١، كتاب المناسك، رشيدية)

(۲) فرض إلخ علىٰ حرٍ ... مكلف ... ذی زاد ... وراحلة، الخ. (الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الحج: ٤٥٦/٣)

سے وصول کرتی ہے اور یہ کل رقم مل کر کٹے گری کے فرق کے اعتبار سے کم وبیش ہوتی ہے، اگر ایسی صورت کے بارے میں سوال ہے تو یہ معاملہ شرعاً درست ہے۔

وأما بيان أنواعها فنقول : إنها نوعان : نوع يرد على منافع الأعيان كا ستيجار الدور والأراضي والدواب والثياب ،ومما أشبه ذلك ... وأما حكمها :فوقوع الملك في البدلين ساعة فساعة. (الفتاویٰ الهندية: ٤/ ٤١١،دار أحياء التراب العربي بيروت) **فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم**

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۹/۵/۲۹ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۲۷۷)

حج وعمرہ کی ایک اسکیم اور اس کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ یہاں ضلع ویلور میں ایک اسکیم شروع ہوئی ہے، یہ اسکیم صرف عمرہ، یا حج کو جانے والوں کے لیے ہے، اس کے شرائط وضوابط درج ذیل ہیں:

(۱) ماہانہ کم از کم فی فرد ایک ہزار روپیہ جمع کرنا ہوگا اور اس طرح دس سال تک جمع کرنا ہوگا۔

(۲) درمیان میں اگر کسی وجہ سے اس اسکیم سے دست بردار ہونا چاہیے تو اپنی جگہ دوسرے کو تیار کر کے داخل کرنا ہوگا اور وہ اب تک کی کل رقم جمع کرے؛ تا کہ پہلے شخص کو دست براداری کے موقع پر اس کی جمع شدہ رقم دی جا سکے۔

(۳) پندرہ افراد کی تکمیل پر ایک شخص کو بیس پر دو، تیس پر تین کو سالانہ حج، یا عمرہ کو جانے کے لیے ہر شخص کو ایک لاکھ بیس ہزار روپئے دیے جائیں گے۔

(۴) دس سال کی مدت سے پہلے حج، یا عمرہ کرنے والے حج وعمرہ سے فراغت کے بعد اپنی باقی حسبِ سابق میعاد پوری ہونے تک ادا کرنا ہوگا۔

(۵) خدانخواستہ بعد حج وعمرہ ان کا انتقال ہوگیا تو اس کے ورثہ کو اس کی میراث میں سے ادا کرنا ہوگا، وارث کی تعین شروع ہی میں کردی جائے گی اور وہ وارث بھی اقرار وقبول کرنے کے ساتھ ساتھ دستخط بھی کرنا ہوگا۔

(۶) حج وعمرہ سے پہلے اگر خدانخواستہ یہ اللہ کو پیارا ہوگیا تو اس کے وارث کو حج وعمرہ کرنا ہوگا۔

(۷) سال بھر میں جمع شدہ رقم بینک میں رہے گی، سود کی رقم کے متعلق دس سال کی مدت پوری ہونے کے بعد یعنی تمام شرکاء کے حج وعمرہ سے فارغ ہونے کے بعد سوچا جائے گا۔

(۸) ایک ہزار سے زائد بھی جمع کر سکتے ہیں؛ مگر کم از کم ایک ہزار ہی ہوگی۔

(۹) ہر سال ماہ ربیع الاول میں قرعہ ڈالا جائے گا، خواہش منداحباب کا قرعہ ہی سے فیصلہ ہوگا، جو کسی وجہ سے اگلے سالوں، یا میعاد پوری ہونے پر حج وعمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں، ان کا نام قرعہ میں نہیں ڈالا جائے گا، اگر مناسب وجائز ہو تو بندہ بھی اس اسکیم میں شامل ہونا چاہتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ، الجواب ـــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

سوال نامہ میں اسکیم کی شرط نمبر ۵، اور شرط نمبر ۶ میں دیگر وا ثین کی حق تلفی کا خطرہ یقینی طور پر ہوگا، اور میت کی زندگی میں قول وقرار کا کوئی اعتبار نہیں؛ اس لیے کہ وارث کے حق میں وصیت شرعاً معتبر نہیں ہوتی، نیز اس معاملہ میں دراصل دیگر شرکاء کی طرف سے قرض کی تحصیل قرعہ پر موقوف ہے، اس اعتبار سے اس میں قمار کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے: لہٰذا یہ اسکیم شرعاً مشتبہ اور قابل اشکال ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

عن شرجيل بن مسلم قال: سمعت أبا أمامة رضي الله عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث. (الحديث)(أخرجه أبو داؤد: ۳۹٦/۱، رقم: ۲۸۷۰)

وسمي القمار قماراً، لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن ي يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص. (ردالمحتار: ۵۷۷/۹، زكريا، ۴۰۳/٦، كراتشي، فتاویٰ محمودیہ: ۴۰۲/۱٦، ڈابھیل، ایضاح النوادر: ۱۲۵/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۲۹/۱۱/۱٦ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۷۸/۷)

۲۰۰/لوگوں سے ۳۰۰-۳۰۰ روپیہ جمع کر کے قرعہ اندازی سے ایک شخص کو حج کے لیے بھیجنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص جس کا مقصد مالی اعتبار سے کمزور مسلمانوں کو حج کی طرف راغب کرنا اور وہ یوں ہے کہ دوسو لوگوں سے فی کس ۳۰۰/روپیہ اکٹھا کرتا ہے، دوسو آدمی مکمل ہو جانے پر ان دوسو پرچیوں میں سے ایک آدمی کا انتخاب بذریعہ قرعہ اندازی کے کرتا ہے، اس قرعہ اندازی میں منتخب ہونے والا آدمی باقی ایک سوننانوے آدمیوں کو ۳۰۰/روپیہ کی رسید دیتا ہے اور دیتے وقت پیسہ ادا کرنے والے کے سامنے یہ واضح کر دیتا ہے کہ قرعہ اندازی میں تمہارا انتخاب نہ ہونے کی صورت میں یہ تمہارے روپیوں سے قرعہ اندازی میں منتخب آدمی کو حج کے لیے روانہ کر دیا جائے گا، نیز یہ بھی واضح کر دیتا ہے کہ منتخب شخص ہی کو حج کرنے کا حق ہوگا، پیسوں کی ادائے گی کا مطالبہ قابلِ قبول نہ ہوگا، نیز حج کی تمام کاروائی وروانگی وصول کرنے والے شخص کے ذمہ ہوگی، تو اب دریافت یہ کرنا ہے، مندرجہ بالا طریقہ سے شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے، منتخب شخص کا حج ہوگا، یا نہیں؟ (جو غیر منتخب اشخاص کی رضا مندی سے ہوگا)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ، الجواب ـــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

غور کرنے سے معلوم ہوا کہ حج کے لیے پیش جمع کرنے کی یہ شکل بھی درحقیقت ایک طرح کی لاٹری اور جوئے کی شکل ہے اور لینے والے کے لیے اپنے جمع کردہ ۳۰۰/روپیہ سے زیادہ لینا قطعاً حرام ہے اور قمار میں داخل ہے اور اس روپیہ کو

حج جیسے مقدس فریضہ میں خرچ کرنا بھی نہایت جسارت اور شقاوت کی بات ہے،اس رقم سے اداشدہ حج مقبول نہ ہوگا۔

وفیہ معنی القمار؛أن التملیک لایحتمل التعلیق لإ فضائہ إلیٰ معنی القمار.(کذا فی البنایة فی شرح الهدایة،باب البیع الفاسد:۱۵۸/۸،نعیمیه دیوبند)

ویجتهد فی تحصیل نفقة حلال،فإنه لا یقبل بالنفقة الحرام،کما ورد فی الحدیث مع أنه یسقط الفرض عنه معها ولا تنافی بین سقوطه وعدم قبوله فلا یثاب لعدم القبول،ولا یعاقب عقاب تارک الحج. (ردالمحتار،کتاب الحج،مطلب:فیمن حج بمال حرام: ۴۵۶/۲، کراتشی،۴۵۳/۳، زکریا،الفتاویٰ الهندیة: ۲۲۰/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۲۲/۱۰/۱۴۱۴ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۲۸۰/۷)

حج سبسڈی کی رعایت سے فائدہ اُٹھانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حجاجِ کرام کو مرکزی حکومت کرایہ کی دوتہائی رقم حج سبسڈی کے نام سے دیتی ہے،بعض لوگوں کے قول کے مطابق یہ حاجیوں سے پیشگی وصول کردہ کرایہ کی رقم سے وصول شدہ سودی رقم ہوتی ہے اور یہ سودی رقم سے ملی ہوئی رعایت حج سبسڈی کے نام سے دی جاتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ حکومت کی جانب سے دی جانے والی اس سودی رقم سے حج کے لیے جانا جائز ہے،یانہیں؟ اور اگر یہ سودی رقم نہ بھی ہو؛ بلکہ حکومت اپنے خزانے سے دیتی ہو،جب کہ حکومت کا مال مکمل حلال ہونا بھی محل نظر ہے تو حج جیسے مقدس فریضہ کی ادائے گی کے لیے اس رعایت کا حاصل کرنا جائز ہے،یانہیں؟ مناسب ہے،یانہیں؟ براہ کرم مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

حج سبسڈی حکومت ہند کی طرف سے حجاج کے لیے تعاون کی ایک شکل ہے،اس لیے حجاج کو اس رعایت سے فائدہ اٹھانے میں شرعاً کچھ حرج نہیں ہے اور حکومت پر اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کو حاصل ہے؛اس لیے ان کے آپسی معاملات اگرچہ سودی ہوں، پھر بھی ان کا تعاون لینا منع نہیں ہے اور سبسڈی کی رقم کا سودی رقم سے ادا کئے جانے کا دعوی بجائے خود محتاج دلیل اور غیر معقول ہے۔(مستفاد:کتاب الفتاویٰ ۱۱۰/۴)

وهدیة أهل للمشرکین وأهل الکتاب، وقبول هدایا هم کل ذٰلک جائز،إذا کانوا ذمة لنا، وکذٰلک إذا کانوا أهل حرب. (إعلاء السنن، کتاب الهبة،باب الهدیة للمشرکین وقبول الهدیة منهم:۱۴۶/۱۶،إدارة القرآن کراتشی)

قال العلامة التهانوی :إن الهدیة والصدقة والهبة والعطیة معانیها متقاربة. (إعلاء السنن،کتاب الهبة،باب فی قبول الهبة:۸۱/۱۶،دار الکتب العلمیة بیروت)

وأهل الذمة في حكم الهبة بمنزلة المسلمين، لأنهم التزموا أحكام الإسلام فيما يرجع إلى المعاملات. (الفتاویٰ الهندية: ٤/٤٠٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۸/۲/۱۴۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۱۸۲)

حکومتی سبسڈی سے فائدہ اٹھا کر حج کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حج اسلام کا پانچواں رکن ہے، جو صاحب استطاعت اہل ایمان پر فرض ہے اور ادائے گی حج کے لیے حاجی کی ذاتی ملکیت کا زادِ راہ ہونا ضروری ہے۔ ہمارے ملک سے جو حجاج کمیٹی کی معرفت اس فریضہ کو انجام دیتے ہیں، ان کے سفر کے کرایہ میں حکومتِ ہند ایک حصہ سبسڈی دیتی ہے، جس کی وجہ سے ان کا ہوائی سفر دوسرے ذرائع سے حج کرنے والے حجاج کے مقابلہ میں کافی کم ہوتا ہے، نیز زرمبادلہ کی شرح کم ہوتی ہے، سال گزشتہ بمبئی کے اخبارات میں سعودی عرب کے علما سے منسوب یہ بیان شائع ہوا تھا کہ حکومت، یا کسی اور طرح سے سبسڈی سے فائدہ لے کر ادا کیا ہوا حج صحیح نہیں ہوگا، یا ادا نہیں ہوگا۔ برائے مہربانی اس بات کا خلاصہ کریں کہ حکومت کی سبسڈی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کیا ہوائی حج صحیح ہوگا، یا نہیں؟ اور ادا ہوگا، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

حجاج کرام کو حکومت کی طرف سے دی جانے والی سبسڈی کی رقم ایک عطیہ اور تبرع ہے، جس کے لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے اور سبسڈی لے کر حج کرنے میں حج کی عبادت میں کسی طرح کی خرابی نہیں آتی، جن علما کی طرف سے سبسڈی لینے کی ممانعت منسوب کی گئی ہے اور سبسڈی لے کر حج کرنے والوں کے حج کی ادائے گی سے انکار کیا گیا ہے، ان کی بات بے اصل اور بے دلیل ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ: ۱۷/۱۹۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۳/۶/۱۴۲۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۲۸۳)

اہل اقتدار کے سودی معاملات کے باوجود حج سبسڈی سے فائدہ اُٹھانا جائز ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حج اسلام کا مقدس اہم بنیادی اور آخری فریضہ ہے، جو ہر صاحب استطاعت پر شرائط کے ساتھ صرف ایک بار فرض ہے؛ یعنی وہ شخص جو مکمل طور پر سفر خرچ، حرمین شریفین میں قیام وطعام پر نیز غیر حاضری میں اہل وعیال اور متعلقین کا نان ونفقہ اور دیگر ضروریات پوری کرنے کی حیثیت رکھتا ہے، اس پر فریضہ حج لازم آتا ہے، اسلام اس کے لیے تکلفات قرض اور کسی کے احسان کو پسند نہیں کرتا، ہمارے ملک ہندوستان سے عازمین حج بڑی تعداد میں مرکزی حج کمیٹی کے ذریعہ سفر کرتے ہیں اور پرائیویٹ ٹورز اور ٹراولس کے ذریعہ حج کرنے والوں کی بھی خاصی تعداد ہے، سینٹرل حج کمیٹی حکومتِ ہند کا ایک ادارہ ہے، جس کا کام پلی گریم پاس؛ یعنی عارضی پاس پورٹ بنانا، زرمبادلہ دینا، حرمین شریفین میں قیام کا انتظام

کرنا وغیرہ ہے، بحری جہاز میں کرایہ کم تھا، اس وقت سبسڈی دی جاتی تھی، یا نہیں؟ اس کا علم نہیں ؛ لیکن جب سے وہ بند ہوئے اور ہوائی جہاز سے سفر شروع ہوا تو کرایہ میں بھی زبردست اضافہ ہوگیا، اس وقت مسلمان قائدین کی درخواست پر حکومت ہند نے کرایہ میں سبسڈی کے نام سے رعایت دینی شروع کی، ہوائی جہاز ایئر انڈیا کی چارٹر ہو، یا کسی بھی ایئر لائنس کی ہو، حکومت ہر ایئر لائنس کو فی کس ۷۰۰ /ڈالر تقریباً ۳۵۰۰۰ روپے اپنی طرف سے ادا کرتی ہے، امسال جو ایک لاکھ حاجی سنٹرل حج کمیٹی کے ذریعہ حج کے سفر پر گئے ہیں، ان کی طرف سے حکومت نے ۲۲۵/کروڑ روپیہ ادا کیا ہے، یہ امر بھی تحقیق طلب ہے کہ وہ رقم کہیں مشکوک تو نہیں، حکومت سبسڈی آخر کس مد سے دیتی ہے؟ عام طور پر حجاج اس سے ناواقف ہوتے ہیں ؛ لیکن اب یہ بات علم وشعور میں آنے لگی ہے کہ حکومت اس کو احسان سمجھتی ہے اور ملک کے دیگر طبقات میں اس کا اظہار بھی کیا جاتا ہے، اور مسلمانوں کے ساتھ مراعات واحسانات میں سبسڈی کو گنایا اور جتلایا جاتا ہے، یہ کہنا کہ حکومت ہم سے بہت سے ٹیکس وصول کرتی ہے اور پھر وہی رقم ہمیں سبسڈی کے نام سے دے دیتی ہے، کہاں تک صحیح ہے، جب کہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ حکومت کی طرف سے بہت سے فلاح و بہبودی کے کام عوام کے لیے بلا تفریق مذہب وملت انجام دیے جاتے ہیں، جیسے اسکول چلانا، ہسپتال چلانا اور سڑکیں بنوانا وغیرہ، اسی طرح یہ کہنا کہ حکومت جب دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو ان کے مذہبی تہواروں میلوں کے لیے رعایتیں دیتی ہے تو مسلمانوں کو بھی وہ رعایتیں حاصل کرنی چاہیے، کہاں تک صحیح ہے؟ مسلمان کی اپنی ایک شان ہے، اس کا امتیاز ہے، دوسروں کی نقالی کرنا بالخصوص فریضہ اسلام کی ادائے گی میں اس کو کیا زیب دیتا ہے؟

ملت کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ حج کے لیے مسلمان کو شرائط کی روشنی میں خود کفیل ہونا چاہیے، تکلفات، احسانات، اور بالخصوص حکومت کے زیر احسان کرے، یہ امر روحِ اسلام کے خلاف معلوم ہوتا ہے، پتہ نہیں یہ سبسڈی صرف ہمارے سیکولر ملک میں ہے یا دیگر اسلامی ممالک میں بھی اس کی نظیر پائی جاتی ہے، حضرات علماء کرام سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

حج سبسڈی حکومت ہند کی طرف سے حجاج کرام کے تعاون کی ایک شکل ہے، مسلمانوں کو اس رعایت سے فائدہ اٹھانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اور حکومت پر اقتدار اعلیٰ چوں کہ غیر مسلموں کو حاصل ہے، اس لیے، اس لیے ان کے آپسی معاملات اگرچہ سودی ہوں، پھر بھی ان کا تعاون لینا منع نہیں ہے۔

وهدية أهل الحرب إلى للإمام فهي للآخذ فقط. (تقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين، باب العشر، ص: ۱۳۹، زكريا)

وأما الهدية للمشركين وأهل الكتاب، وقبول هدايا كم كل ذلك جائز إذا كانوا ذمة لنا،

وکذٰلک إذا کانوا أھل حرب. (إعلاء السنن ،کتاب الھبة،باب الھدیة للمشرکین وقبول الھدیة:١٦/١٤٦،إدارة القرآن کراتشی)

قال العلامة التھانوی: إن الھدیة والصدقة والھبة والعطیة معانیھا متقاربة. (إعلاء السنن،کتاب الھبة،باب فی قبول الھبة:١٦/٨١،دار الکتب العلمیة بیروت)

وأھل الذمة فی حکم الھبة بمنزلة المسلمین لأنھم التزموا أحکام الإسلام فیما یرجع إلی المعاملات. (الفتاویٰ الھندیة:٤/٤٠٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۵/۲/۱۴۲۷ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۷/۲۸۴)

ٹریول ایجنسی کا اپنے ایجنٹ کو فری حج پر بھیجنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ٹریول ایجنسیاں سفر حج پر یہ طے کرلیتی ہیں کہ اگر آپ نے دس آدمیوں کے فارم بھرا کران کے سفر حج کی فیس ہمارے دفتر میں بھیج کر جمع کرادی تو ہم ایک آدمی کو حج کے سفر کی سہولیات فری مہیا کرائیں گے،اسی طرح اپنے مفاد خاص کی خاطر مقررہ تعداد کے لوگ حج کے فارم بھروا کر بھیجنا اور یہ کام صرف اس لیے کرنا کہ میں نے اگر ٹریول ایجنسیوں کی مقررہ تعداد پوری کردی تو،تو وہ ٹریول ایجنسی مجھے حج بیت اللہ کا اہم فریضہ بلا کسی میرے خرچ کے ادا کرادے گی،یا اگر مقررہ تعداد پوری نہ ہوئی تو باقی روپیہ اپنے پاس سے جمع کرا کر کمیشن کے روپیہ کے ساتھ حج کی ادائیگی کرادے گی،اس میں مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں،اس طرح حج جیسے ایک اہم اور مقدس فریضہ کی ادائے گی کرنا شرعاً کیسا ہے،اس طرح کے کمیشن کی شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں جائز وناجائز ہونے کے اعتبار سے بھی روشنی ڈالی جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ، الجواب ———— وباللّٰہ التوفیق

کسی مقررہ عمل اور محنت پر کوئی متعین اجرت مقرر کرنا شرعاً ممنوع ہے،مسئولہ صورت میں جب کہ ٹریول ایجنسی اپنے ایجنٹ کو دس آدمیوں کے فارم بھروانے پر اس کے حج کے اخراجات اپنی طرف سے دینے کا وعدہ کررہی ہے تو یہ ایجنٹ کی محنت یعنی افراد کو تیار کرنے اور ان سے فارم بھروانے کا معاوضہ سمجھا جائے گا اور اس کی اپنی ذاتی کمائی میں شامل ہوگا؟ لہٰذا اس رقم سے اس کے لیے حج کے سفر پر جانا بلاشبہ درست ہوگا۔

عن أبی ھریرة رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من رجل إلٰی مکة،ویضمن لہ الکری نفقتہ إلٰی أن یبلغ،قال: لا،أن یوقت أیاماً معلومة،وکیلاً معلوماً من الطعام یعطیہ إیاہ کل یوم. (المصنف لعبد الرزاق،البیوع:٨/٢١٤،رقم:١٤٩٣٨،بحوالہ:التعلیقات علی الفتاویٰ التاتارخانیة:١٥/١٠١، زکریا)

لا تصح حتٰی تکون المنافع معلومة والأجرة معلومة. (الھدایة:٤/٢٧٧)

كـذا استـفيـد مـن هٰذه الجزئية: استأ جره ليصيد له أو يحطب له فإن وقت لذٰلک وقتاً جاز ذلک. (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإ جارة الفاسدة: ٦٢/٦، دار الفكر بيروت، ٨٥/٩، زكريا)

وكذا يستفاد جوازه من مسئله أجرة المسمار له، فإن وقت لذلک. (الدرالمختار، باب ضمان الأجير، مطلب في أجرة الدلال: ٦٣/٦، دارالفكر بيروت، ٨٧/٩، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۸/۱/۲۰ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۸۷/۷)

کم پیسوں میں حج کرنے کی نیت سے خدام الحجاج کی معیت میں حج کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جولوگ خدام کی حیثیت سے ملک عرب مکہ ومدینہ جاتے ہیں اور ایجنٹ کے ذریعہ جاتے ہیں اور ان خدام حجاج سے ایجنٹ کرایہ اور محنت ورسائی کے اعتبار سے تقریباً چالیس ہزار روپیہ وصول کرتے ہیں، کیا اس طریقہ سے خدام حجاج کا جانا درست ہے، یا نہیں؟ خدام کا کہنا یہ ہے کہ ہم کم پیسوں میں حج اور عمرہ ادا کرلیں، دل میں خلوصِ نیت بھی ہے، کیا یہ دینی کام اس طریقہ سے کرنا جائز اور درست ہے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ———— وبالله التوفيق

مذکورہ صورت میں اگر ایجینٹ یہ کہتا ہے کہ میں خدام الحجاج کو بھیجنے، ویزا لگوانے اور ٹکٹ وغیرہ کا انتظام کروانے کی محنت کے عوض میں متعین طور پر چالیس ہزار روپیہ لوں گا، تو یہ عقد اجارہ جو شرعاً جائز ہے، لہٰذا خدام الحجاج کے نام پر اس طرح حجاز مقدس جانا شرعاً درست ہے۔

عـن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم: ... ومن استاجر أجيراً فليعلمه أجره. (السنن الكبرىٰ للبيهقي: ١٩٨/٦، رقم: ١١٦٥١)

أخـرج عبـد الـرزاق عن الثوري في رجل يكترى من رجل إلٰى مكة، ويضمن له الكرى نفقته إلٰى أن يبلغ، قال: لا، أن يوقت أيا ماً معلومة، وكيلاً معلوماً من الطعام يعطيه إياه كل يوم. (المصنف لعبد الرزاق، البيوع: ٢١٤/٨، رقم: ١٤٩٣٨، بحواله: التعليقات على الفتاوىٰ التاتارخانية: ١٠١/١٥، زكريا)

لا تصح حتى تكون المنافع معلومة والأ جرة معلومة. (الهداية: ٢٧٧/٤)

كـذا استـفيـد مـن هذه الجزئية: استاجره ليصيد له أو يحطب له فإن وقت لذٰلک وقتاً جاز ذلک. (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٦٢/٦، دارالفكر بيروت، ٨٥/٩، زكريا)

وكـذا يستـفـاد جوازه من مسئلة أجرة المسمار له، وقت لذٰ لک. (الـدرالـمختار، باب ضمان الأجير، مطلب في أجرة الدلال: ٦٣/٦، دار الفكر بيروت، ٧٨/٩، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۳/۶/۲۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۸۱/۷)

سرکاری روپیہ سے حج:

سوال: حکومتِ ہند موسم حج میں حاجیوں کی دیکھ بھال کے لیے ویلفیئر آفیسر بنا کر کسی کو منتخب کر کے اس کے تمام مصارف برداشت کرتی ہے اور اس کے لیے بقدرِ ضرورت تمام رقم پیشگی دے دیتی ہے، وہ منتخب آفیسر اپنے فرائض انجام دینے کے ساتھ حج بیت اللہ بھی ادا کر لیتے ہیں۔اس کا یہ حج کیسا ہوگا؟ اس کا وہ حج فرضیتِ حج میں شمار ہوگا، یا نفل؟ کیا حکومت نے جب رقم دی اس وقت وہ صاحبِ نصاب شمار نہیں ہوگا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جب کوئی شخص خود صاحبِ نصاب نہیں، جس سے اس پر حج فرض ہو؛ یعنی زادِ راہ پر قادر نہیں؛ مگر وہ پیدل پہنچ جائے، یا کوئی شخص اس کو اپنے ساتھ لے جائے، یا کسی نے اس کو روپیہ دے دیا، جس سے وہ وہاں پہنچ گیا اور حج ادا کر لیا تو اس کا حج ادا ہو جائے گا،(۱) پھر غنی ہو جانے پر اس کے ذمہ دوبارہ حج فرض نہیں ہوگا۔(۲)

الاشباہ والنظائر میں ہے کہ کسی فرض کی ادائیگی کے لیے جو شرائط ہوں، ان کی تحصیل مقصود نہیں؛ بلکہ جب ان کا حصول ہو جائے، خواہ کسی طریقہ سے ہو، تو بھی کافی ہے، مثلاً: نماز کے لیے طہارت شرط ہے، ایک شخص بلا اختیار نہر میں گر گیا، پانی اس کے بدن پر پہونچ گیا اور بہہ گیا، پھر اس نے نماز پڑھی تو اس کی نماز ہو جائے گی، یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے اپنے قصد سے وضو نہیں کیا؛ اس لیے اس کی نماز نہیں ہوئی، اسی طرح یہاں بھی اس کا حج ادا ہو جائے گا۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۱۴۰۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۰۷-۳۰۸)

سرکاری ملازم کا دورہ پر حج ادا کرنا:

سوال: زید ایک سرکاری ہسپتال میں کمپونڈر رہے، اس سال حکومتِ ہند کی جانب سے وہ بحیثیتِ ملازم سعودی

---

(۱) والثاني: أن الفقير إذا وصل إلى المواقيت، صار حكمه حكم أهل مكة، فيجب وإن لم يقدر على الراحلة. (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/ ٥٤٦، رشيدية)

(۲) والفقير إذا حج ماشياً ثم أيسر، لاحج عليه. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/ ٤٣٧، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشي)

(۳) أما يراعى حصولها (أي شرائط) لاتحصيلها". (الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها: ۱/ ۱۳٥، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي)

"أما إذا كان شرطا لحكم، لاتشترط النية في هٰذا الشرط؛ لأن الشرط يراعى وجوده مطلقاً، لاوجوده قصداً ...أنه لو سال عليه المطر، فغسل أعضاء وضوءه أوجميع البدن أجزأه عن الوضوء والغسل". (الأشباه والنظائر، القاعدة: لاثواب إلا بالنية: ۱/ ٦٨، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي)

عرب چار ماہ کے لیے بھیجا جارہا ہے، اس مدت میں اس کو تنخواہ کے ساتھ دیگر سہولتیں بھی حکومت کی طرف سے حاصل رہے گی، مثلاً سفرخرچ وغیرہ۔ زمانۂ حج میں وہ سعودی عرب میں مقیم رہے گا، ایسی صورت میں اگر وہ فریضۂ حج ادا کرے گا تو کیا اس کے ذمہ سے فرض اتر جائے گا؟ یا صاحبِ استطاعت ہونے کی صورت میں دوبارہ اپنے ذاتی مصارف سے حج کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر وہ سرکار کے دیئے ہوئے مصارف سے حج کرے گا، تب بھی فریضۂ حج ادا ہوجائے گا، (۱) پھر صاحبِ استطاعت ہونے سے دوبارہ حج فرض نہیں ہوگا۔ (۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۳۸۹/۹/۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۹/۱۰-۳۱۰)

مشترکہ تجارت میں حج کس پر ہے:

سوال (۱) مثلاً کئی بھائی مشترکہ زندگی گزارتے ہیں اور سب کماتے ہیں کوئی تجارت سے، کوئی زراعت سے؛ مگر تجارت کرنے والے بھائی زیادہ کماتے ہیں کہ سب کا اخراجات مشترکہ اٹھانے کے بعد بھی اتنا روپیہ بچ رہتا ہے کہ گھر کا ہر فرد حج کرسکتا ہے اور مشترکہ گھر جس میں نصاب سے کم کماتے ہیں۔ حسب ذیل قسم کے لوگ شامل ہیں: اس تاجر کے بھائی اور ان کی بیویاں اور اس کے والدین اور اس تاجر کے بالغ لڑکے غیر شادی شدہ تو شرعاً ان میں کس پر حج فرض ہوگا اور کس پر نہیں؟

(۲)　خاندان مشترکہ میں سوال نمبر: ۱، کی نوعیت کے لوگ شامل ہوں اور روپیہ صرف تین، یا چار آدمی کے ہوں کہ حج کے لیے کفیل ہوتا ہو اور سب کے لیے کفالت نہیں کرتا تو کیا ان میں چار آدمیوں پر حج فرض ہوگا، یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں خاندان کے کن لوگوں کو پہلے جانا ضروری ہے؟

---

(۱)　والثانی: أن الفقیر إذا وصل إلی المواقیت، صار حکمه حکم أهل مکة، فیجب وإن لم یقدر علی الراحلة. (منحة الخالق علی البحر الرائق، کتاب الحج: ۵٤٦/۲، رشیدیة)

فإذا تحمل الحرج وقع موقعه کالفقیر إذا حج، والعبد إذا حضر الجمعة فأداها، ولأنه إذا وصل إلیٰ مکة، صار کأهل مکة، فیلزمه، إلخ. (بدائع الصنائع، فصل فی شرائط فرضیته: ۵۷/۳، دار الکتب العلمیة بیروت، لبنان)

فی اللباب: الفقیر الآفاقی إذا وصل إلیٰ میقات، فهو کالمکی ... ونظیره ما سنذکره فی باب الحج عن الغیر من أن المأمور بالحج إذا وأصل إلیٰ مکة، لزمه أن یمکث لیحج حج الفرض عن نفسه، لکونه صار قادراً علیٰ ما فیه، کما ستعلمه إن شاء اللّٰه. (ردالمحتار، مطلب فی من حج بمال حرام: ٤٤٩/۳، دار عالم الکتب ریاض)

(۲)　(والفقیر إذا حج ماشیاً ثم أسیر لا حج علیه). (التاتارخانیة، کتاب المناسک، شرائط الوجوب: ٤۳۷/۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة، کراتشی)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) جب سب بھائی الگ الگ کماتے ہیں؛ تو ہر ایک اپنی کمائی کا مالک ہے، جس کے پاس حاجتِ اصلیہ سے زائد بقدرِ حج روپیہ ہو، اس پر حج فرض ہے، (۱) ان کا ایک ساتھ مشترکہ زندگی گزارنا اور ایک دوسرے کی اعانت کرنا یہ آپس کی ہمدردی ہے، جن کا کمایا ہوا روپیہ ہے، اگر وہ پہلے حج کرلیں پھر نمبر وار دوسروں کو حج کرائیں تو سب کو یہ سعادت حاصل ہوجائے گی، نابالغ پر حج فرض نہیں، اگر وہ حج کرلیں تو ثواب کے وہ بھی مستحق ہوں گے؛ مگر بالغ ہونے پر اگر فرض ہوا تو پھر ادا کرنا ہوگا۔ (۲)

(۲) نمبر: اسے ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۰۳-۳۰۴)

قرضدار بغیر قرض ادا کئے حج کو جاسکتا ہے، یا نہیں:

سوال: اگر کوئی شخص حج کو جانا چاہے اور وہ قرضدار ہو تو اس کو حج کو جانے سے پہلے قرض ادا کرنا ضروری ہے، یا نہیں؟ اور بغیر قرض ادا کئے حج کو جاسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

درمختار میں ہے:

(وغيرها سنن و آداب) كان يتوسع فى النفقة ويحافظ على الطهارة وعلىٰ صون لسانه ويستاذن أبويه و دائنه و كفيله.

---

(۱) قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطا ع إليه سبيلاً﴾ (سورة آل عمران: ۹۷)

(ومنها القدرة على الزاد والراحلة) بطريق الملک أوالاجارة، دون الاعارة والاباحة ... وتفسيرملک الزاد و الراحلة أن يكون له مال فاضل عنه حاجته، وهوما سوىٰ مسكنه ولبسه وخدمه وأثاث بيته قدرما يُبلغه إلىٰ مكة ذاهباً و جائياً. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب المناسک، الفصل الأول: ۱/ ۲۴۳، رشيدية)

الحج واجب على الأحرار البالغين العقلاء الأصحاء إذا قدروا على الزاد والراحلة فاضلاً عن مسكنه وما لابد منه. (اللباب فى شرح الكتاب، كتاب الحج: ۱/۱۶۴، قديمى)

(۲) فمنها البلوغ، ومنها العقل، فلاحج على الصبى والمجنون لأنه لاخطاب عليهما، فلا يلزمهما الحج، حتىٰ لوحجاء ثم بلغ الصبى وأفاق المجنون، فعليهما حجة الاسلام وما فعله الصبى قبل البلوغ يكون تطوعاً، وقد روى عن النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: أيما صبى حج عشر حجج، ثم بلغ، فعليه حجة الاسلام. (بدائع الصنائع، فصل فى شرائط فرضيته: ۳/۴۴، دارالكتب العلمية بيروت) (یہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن عباس مرفوعاً منقول ہے: عن ابن عباس قال: احفظو عنى ولا تقولوا قال ابن عباس: "أيما عبد حجبه أهله، ثم أعتق فعليه الحج وأيما صبى حج به أهله صبياً ثم فعليه حجة الرجل وأيما أعرابياً حج أعرابيا ثم هاجر فعليه حجة المهاجر. (المصنف لابن أبى شيبة: ۹/۵۶۹، رقم الحديث: ۱۵۱۰۵)

اور شامی میں ہے:

وكذا يكره بلا إذن دائنه وكفيله والظاهر أنها تحريمية لاطلاقهم الكراهة ويدل عليه قوله فيما مر في تمثيله للحج المكروه كالحج بلا إذن مما يجب استيذانه فلا ينبغي عده ذلك من السنن والآداب .(۱)

ان روایات (عبارتوں) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج میں جانے کے وقت اجازت لینا یا مستحب ہے یا واجب، ادائے قرض کا ضروری ہونا ثابت نہیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۴۴-۵۴۵)

جس روپیہ سے زکوٰۃ نہیں نکالی ہو، اس روپیہ سے اور قرض روپیہ سے حج کرنا:

سوال: گزارش یہ ہے کہ جس روپیہ میں زکوٰۃ نہ نکالی جاوے، اس روپیہ سے حج کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ جواز وعدم جواز سے مفصل مطلع فرمایا جاوے؟ اور قرض لے کر جانا ہے، یا نہیں؟ حج ہو جائے گا، یا نہیں؟ یعنی کچھ روپیہ تو اس کے پاس ہے، جو حج کو جاتا ہے اور کچھ روپیہ قرض لے کر جاتا ہے، اس کا بالغ لڑکا ہے، وہ قرض ادا کردے گا تو اس روپیہ سے حج ادا ہوگا، یا نہیں؟ اور اگر وہ بالغ لڑکا کہے کہ میں خود تنگدست ہوں بال بچوں کو کیا کھلاؤں گا، میں قرض نہ دوں گا تو اس کا کیا حکم ہے جو والد کا کہنا نہیں مانتا؟

الجواب

جس روپیہ سے زکوٰۃ نہیں نکالی گئی، اس سے اگر حج کیا جائے تو حج تو جائز ہو جائے گا؛ مگر زکوٰۃ کی تاخیر کا گناہ بھی رہے گا؛ اس لیے بہتر یہ ہے کہ اول زکوٰۃ ادا کی جائے، اس کے بعد جو رقم بچے اس سے حج کیا جاوے، اگر وہ رقم کافی نہ ہو تو قرض لے کر حج کرنا اس شرط سے جائز ہے کہ اداء قرض کے واسطے کچھ سرمایہ پیچھے چھوڑ جائے، مثلاً جائداد و مکانات وغیرہ، اگر سرمایہ کچھ نہ ہو تو قرض لے کر اولاد کے ذمہ ڈالنا جائز نہیں اور جو لڑکا قرض کے ادا کرنے سے انکار کرتا ہے، اس کا کچھ قصور نہیں اولاد کے ذمہ ماں باپ کی اطاعت وخدمت لازم ہے، قرض ادا کرنا ان کے ذمہ نہیں۔ فقط

۲۹/ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ (امدادالاحکام:۳/۱۶۲)

اولاد اداء قرض کا وعدہ کرے تو مدیون باپ کو حج پر جانا جائز ہے:

سوال: میں کاروبار پنراوہ کا کرتا ہوں، میرے ذمہ قرضہ بارہ سو روپیہ ہے اور مال دو ہزار کا ہے، علاوہ مکانات زائد رہائشی کے۔ میری اولاد میرے فریضہ حج کو اس طرح پر منظور کرتی ہے کہ تم حج کو چلے جاؤ ہم قرضہ ادا کریں گے، کیا اس طرح پر شریعت مجھے اجازت اداء فریضہ کی دے سکتی ہے؟ دعا فرمائیے کہ وقت روانگی تک قرضہ ادا ہو جائے۔

(۱) رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في فروض الحج وواجباته: ۳/۴۷۳-۴۷۴، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

میری زوجہ عمر رسیدہ اور دائم المریض ہے، اس کا بھی اصرار ہے کہ مجھے بھی لے کر چلو، ورنہ میں اجازت نہیں دیتی، اس حال میں کہ خرچ آمد ورفت ایک ہی کا کافی ہے، دوسری عورت کا خرچ بہ نسبت مرد کے زیادہ ہوتا ہے، پس کیا عورت کی اجازت کا مرد شرعی طور پر ادا فریضہ حج کے لیے پابند ہے؟

الجواب ______________________

ہاں! اس صورت میں سائل کو حج کے لیے چلا جانا چاہیے اور قرض خواہوں کا اطمینان کر جائے کہ میری اولاد تمہارے قرض کا انتظام کرے گی، اگر اولاد کا وعدہ جی کو لگے۔ مرد حج کے بارہ میں بیوی کی اجازت کا پابند نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے لیے واپسی تک نفقہ کا انتظام کر جائے۔ واللہ اعلم

۲۵/رجب ۱۳۴۵ھ، از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔ (امداد الاحکام: ۱۵۶/۳)

قرضۂ فرم کیا مانعِ حج ہے:

سوال: فرم کا قرضہ حج سے مانع ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ______________________ حامداً ومصلیاً

مانع نہیں؛ بلکہ مالی حیثیت یہ ہے کہ اہل وعیال کا خرچہ ادا کرنے کے بعد حج کا خرچہ پاس ہو۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۴/۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۲/۱۰)

وسعت کے بعد مقروض ہوجانے سے حج کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میرے والد صاحب بنگال میں کوئلہ کی کان میں سرکاری نوکری کرتے تھے، اس دوران کبھی زیادہ روپیے پیسے جمع ہوئے، یا نہیں؟ مجھے اس کے

---

(۱) (فضلاً عما لاد منه) كمامر في الزكاة.(الدر المختار)

(قوله: كما مر في الزكاة):أي من بيان ما لابد منه من الحوائج الأصلية كفرسه وسلاحه وثيابه وعبيد خدمته و آلات حرفته وأثاثه وقضاء ديونه وأصدقته،ومؤجلة كما في اللباب وغيره.المراد قضاء ديون العباد،ولذا قال في اللباب أيضاً:وإن وجد مالاً،وعليه حج وزكاة يحج به، قيل إلا أن يكون المال من جنس ماتجب فيه الزكاة فيصرف إليها.(رد المحتار،كتاب الحج،مطلب فيمن حج بمال حرام: ٤٦١/٢،سعيد)

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾(سورة آل عمران:٩٧)

شروط الوجوب،وهي التي إذا وجدت بتمامها،وجب الحج،وإلا فلا.(رد المحتار،مطلب في من حج بمال حرام:٤٥٨/٢،سعيد)

ولذا قلنا:لايستقرض ليحج إلا إذا قدرعلى الوفاء،كمامر.(ردالمحتار،كتاب الحج،مطلب في قوله:يقدم حق العبد علىٰ حق الشرع:٤٦٢/٢-٤٦٣،سعيد)

متعلق معلوم نہیں؛ لیکن ۱۹۹۲ء میں میرے والد نوکری سے رٹائر ہوگئے، اس وقت قریب قریب ڈھائی تین لاکھ روپے والد صاحب کو ملے تھے اور اس وقت کوئی قرض وغیرہ بھی والد صاحب کے ذمہ نہیں تھا۔

اب مسئلہ قابلِ غور یہ ہے کہ میرے والد کے ذمہ حج فرض ہوا ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو کوئی بحث نہیں؛ لیکن اگر فرض ہو چکا ہے تو پھر اب کیا حکم ہے؟ جب کہ اس وقت حالت یہ ہے کہ میرے والد کے اوپر بہت زیادہ قرض ہو چکا ہے اور کھیت وغیرہ بھی اتنا نہیں ہے جس میں سے کچھ فروخت کر کے اس فریضہ کو ادا کر سکیں اور نہ ہی کوئی پیشہ، یا تجارت ہے، اب کوئی ذریعہ، یا صورت نہیں ہے اور نہ ہی آئندہ کوئی ایسی امید ہے، جس سے میرے والد فریضہ حج کو ادا کر سکیں تو کیا کوئی ایسی صورت شریعت میں موجود ہے کہ حج کیے بغیر ہی مسئلہ حل ہو جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

موجودہ دور میں ڈھائی لاکھ کے اندر اطمینان اور فراغت کے ساتھ حج کیا جا سکتا ہے، بریں بنا مسئولہ صورت میں اگر آپ کے والد صاحب کے پاس حج کرنے کے بقدر رقم اتنی مدت تک رہی کہ اگر وہ حج کرنا چاہتے تو کر لیتے تو ان پر حج فرض ہو چکا ہے اور بعد میں مقروض ہو جانے اور مذکورہ رقم کے خرچ ہو جانے کے باوجود ان سے حج کی فرضیت ساقط نہ ہوگی؛ بلکہ جس طرح بھی ہو سکے، زندگی میں حج کرنے کی کوشش کریں اور اگر حج کرنے کا مرتے وقت تک انتظام نہ ہو تو وصیت کر کے جائیں اور اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار مسلسل کرتے رہیں۔

قال اللّٰہ تبارک تعالیٰ (وَلِلهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا)(آل عمران:۹۷)

عن طارق قال: سمعت ابن أبی أوفٰی رضی اللّٰہ عنہ یسأل عن الرجل یستقرض ویحج، قال: یسترزق اللّٰہ ولا یستقرض، قال: وکنا نقول: لایستقرض إلا أن یکون لہ وفاء. (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۵۴۴/۴، رقم: ۸۶۵۴، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

من جاء وقت خروج أہل بلدہ، أو أشہر الحج وقد استکمل سائر شرائط الوجوب والأداء وجب علیہ الحج من عامہ، ووجب أداؤہ بنفسہ، فیلزمہ التأہب والخروج معہم فلو لم یحج حتی مات فعلیہ الإیصاء بہ، وکذلک لو لم یحج حتی افتقر تقرر وجوبہ دینا فی ذمتہ ولا یسقط عنہ بالفقر. (غنیۃ الناسک، ص: ۳۳، ومثلہ فی الدر المختار مع الشامی: ۴۵۵/۳، زکریا، الفتاویٰ الخانیۃ علی الفتاویٰ الہندیۃ: ۲۸۴/۱، البحر العمیق: ۳۸۶/۱، الطحطاوی علی المراقی، ص: ۳۹۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۹/۱/۲۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۰۸/۷)

زکوٰۃ کے روپے سے حج درست ہے، یا نہیں:

سوال: زید استطاعت حج ندارد، بکر اورا از مال زکوٰۃ خود امداد نمود، آیا حجش جائز خواہد شد، یا نہ؟(۱)

(۱) زید حج کی استطاعت نہیں رکھتا ہے، بکر نے اس کی امداد زکوٰۃ کے مال سے کی تو کیا اس مال سے اس کا حج ادا ہوگا، یا نہیں؟ انیس

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

بخشش ادا خواہد شد، (۱) اور زکوٰۃ دینے والے نے جب دے دی اور اس نے حج ادا کیا؛ تو اس کے درست ہونے میں کیا اشکال ہے۔ واللہ اعلم (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۳۰)

جو شخص زکوٰۃ نہ نکالے، اس کا حج کے لیے جانا کیسا ہے:

سوال: جو صاحب نصاب ہیں؛ مگر زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور حج کے لیے تیار ہیں، ان کا حج کو جانا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر کوئی شخص ایک فرض ادا نہ کرے اور دوسرا فرض ادا نہ کرے تو ظاہر ہے کہ جو فرض ادا کیا جائے گا، وہ ادا ہو جائے گا اور جو فرض ادا نہ ہوگا، اس کا گناہ رہے گا، بناء علیہ حج اس کا ادا ہو جاوے گا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۲۴)

اس کی کیا اصل ہے کہ ہندو سے روپیہ قرض لے کر حج کرنا بہتر ہے:

سوال: مولانا عاشق الٰہی صاحب نے لکھا ہے: ہندو سے قرض لے کر حج کو جانا بہتر ہے، اس کی کیا اصل ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اس کی اصل یہ ہے کہ کفار مخاطب بالفروع نہیں؛ اس لیے ہندو سے جو قرض لیا جائے گا، وہ شبہات سے خالی ہوگا۔ دوسرے اگر حج کو جانے والے کے پاس مشتبہ رقم ہو تو اس مشتبہ رقم سے حج کرنا بہتر نہیں، اس کو چاہیے کہ قرض لے کر حج کو جائے؛ مگر مسلمان سے قرض لے کر اس کے قرض کو مشتبہ مال سے ادا کرنا اشد ہے اور ہندو کے قرض کو اس سے ادا کرنا اشد نہیں گو شدید ہے۔ (امداد الاحکام: ۳/۱۵۹)

کافر کے روپیہ سے حج کرنا:

سوال: کافر کے روپیہ سے حج کر سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر اس نے ہبہ کر دیا ہے؛ تو کر سکتا ہے۔ (۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۱۳۶۰ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۱۰)

---

(۱) اس کا حج ادا ہو جائے گا۔ انیس (وکره الاغناء وندب عن سوال (کنز) أی کره أن یدفع إلیٰ فقیر ما یصیر به غنیاً وندب الأغناء عن سؤال الناس. (البحر الرائق، کتاب الزکاة باب الصرف: ۲/۲٦۸)

(۲) وکذا لو تصدق به علیه ... ما لایحج به لایجب علیه القبول عندنا ... فإن قبل المال وجب. (المسلک المتقسط، ظفیر)

(۳) وأما الهدیة للمشرکین وأهل الکتاب، وقبول هدایاهم کل ذلک جائز إذا کانوا ذمة لنا، وکذالک إذا کانوا أهل حرب. (إعلاء السنن، باب رد الهدیة لعلة وأن هدایا الأمراء: ١٦/١٥٢، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراتشی) ==

زرعی زمینیں ہوں؛ مگر روپیہ نہ ہو تو ہندو سے سو روپیہ لے کر اس کا حج کرنا جائز ہے، یا نہیں:

سوال (۱) شخصے است دولتمند نزد او زمینات زرعی بسیار موجود اند لیکن فی الحال نزد او روپیہ نقد موجود نہ اند آن کس می خواہد کہ روپیہ مثلاً یک ہزار بقرض بر سود از ہندو بگیرم و حج کنم بعدہ، آن قرض بمع سود ادا خواہم نمود پس زید فتوی می دہد کہ آن کس را گرفتن قرض بر سود جائز نیست و ازین عقد ناجائز آن مال مستقرض ہم حرام گشت پس حج کردن آن را ازیں مال حرام جائز نیست و عمر فتوی می دہد کہ ایں مال حرام نیست چرا کہ زیادتی ربوا حرام است و حرمت عقد ازین مال مستقرض اثر نمی کند پس حج کردن آن شخص ازین مال جائز است کہ ازیں عقد ناجائز آن مال مستقرض حرام می شود، یا نہ؟(۱)

(۲) ثانیاً در صورت مذکورہ کہ نزد آن شخص نقدیات موجود نہ اند، و بر او حج اسلام ہم فرض است و ایام حج بر سر آمدہ اند اگر ہمان شخص قدرے از زمینات خود می فروشد پس ایام حج می گذرند و می داند کہ اگر درین سال بمیرم، پس مرتکب کبیرہ خواہم شد، اکنون دریں صورت اگر چند مبالغ بر سود بگیرد بہ سبب ہمیں ضرورت جائز است یا نہ؟ و ہمیں ضرورت شرعی است یا نہ جواب ہر دو سوال بحوالہ کتب مرحمت فرمانید کہ اطمینان قلبی حاصل گردد۔(۲)

الجواب

(۱) قول زید کہ گرفتن قرض بر سود جائز نیست صحیح است واما قول او کہ ازین عقد ناجائز آن مال مستقرض ہم حرام گشت پس حج کردن ازیں مال حرام جائز نیست، الخ، صحیح نیست زیرا کہ عقد استقراض بشرط فاسد فاسد نمی شود۔

قال فی الدرالمختار: القرض بالشرط حرام والشرط لغو، آہ.(٢٦٦/٢)

بلکہ شرط فاسد خود لغو می گردد پس مال مستقرض حرام نہ گشت؛ بلکہ شرط ربوا باطل گردید و چون مال ربوا بمال او مخلوط

== قال العبد الضعيف: إن الهبة والصدقة والهدايا والعطية معانيها متقاربة.(إعلاء السنن، باب فی قبول الهدية: ٤٥/٣، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراچی)

وأهل الذمه فی حكم الهبة بمنزلة المسلمين؛ لأنهم التزموا أحكام الاسلام فيما يرجع إلى المعاملات.

(الفتاوی الهندية، كتاب الهبة، الباب الحادی عشر فی المتفرقات: ٤٠٥/٤، رشيدية)

(۱) ایک دولت مند شخص کے پاس بہت ساری زرعی زمینیں ہیں؛ لیکن اس کے پاس نقد رقم نہیں ہے، سود کے ساتھ قرض ادا کرے گا؛ لیکن زید نے اسے فتویٰ دیا کہ سود پر قرض لینا جائز نہیں ہے اور اس عقد حرام سے جو مال اس نے بطور قرض حاصل کیا ہے، وہ جائز نہیں ہے، اس کے اس مال حرام سے حج کرنا درست نہیں ہے، جب کہ عمر کہتا ہے کہ وہ مال حرام نہیں ہے گو کہ سود کی رقم حرام ہے اور اس معاہدہ کی حرمت کا اثر اس قرض کی رقم پر نہیں پڑے گا؛ اس لیے اس رقم اس کا حج کرنا جائز ہے؛ اس لیے وضاحت فرمائیں کہ اس طور پر قرض لی گئی رقم حرام ہے، یا نہیں؟

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس نقد رقم موجود نہ ہو، تو کیا اس شخص پر حج فرض ہے جب کہ حج کے ایام آنے والے ہیں اور وہ اپنی زمینیں فروخت کر دیتا ہے، تو ایام حج میں اس کے پاس رقم ہو جائے گی واضح رہے کہ اگر وہ اس سال حج کو نہیں جاتا ہے تو کیا مرتکب کبیرہ ہوگا؟ اب اگر اس صورت میں اس نے کچھ رقم بطور قرض سود پر لے لے تو کیا اس ضرورت کی وجہ سے جائز ہے، دونوں سوالوں کا جواب مرحمت فرمائیں تا کہ اطمینان قلب حاصل ہو سکے۔

نگردید؛ بلکہ بمال مقرض مخلوط شدہ لہٰذا مال مستقرض حلال باشد وحج ادا کردن باو ہم صحیح باشد، اگر چہ گناہ عقد ربوا ودادن ربوا ہم بذمہ او باشد۔(۱)

(۲) تاوقتیکہ زمین مذکور فروخت شود ونزد مرد رقم نقد بوقت خروج حجاج بدست نیاید براو حج فرض نیست پس بدین ضرورت کہ امسال حج ادا کردہ شود قرض برسود گرفتن جائز نباشد۔(۲) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵/ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ (امدادالاحکام:۱۶۵/۳)

والدہ کے روپیہ سے حج:

سوال: میں خیریت سے رہ کر اس سال فریضۂ حج کے لیے اپنی والدہ محترمہ کا محرم بن کر ان کے ساتھ جانا چاہتا ہوں، میری عمر غالباً ۱۸/سال ہے، مجھ سے بڑے ایک بھائی ہیں جن کی عمر تقریباً ۲۱/سال ہے، میرے اس مسئلہ کا حل فرما کر مجھ پر احسان فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر خرچ کا روپیہ آپ کی ملک کر دیا جائے، یا پہلے سے آپ کے پاس اتنا ہو کہ جس میں آپ حج کر سکیں؛ تو پھر والدہ محترمہ کے ساتھ جانے اور حج کرنے سے آپ کا حج ادا ہو جائے گا، اگر والدہ محترمہ اپنے روپیہ سے آپ کو ساتھ لے جائیں اور حج کرلیں، تب بھی حج ادا ہو جائے گا، اس فکر میں نہ رہیں کہ بڑے بھائی نے حج نہیں کیا تو میں کیسے حج کرلوں، آپ کا حج ہر حال میں ادا ہو جائے گا۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۱۴۰۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۳۰۸/۱۰)

---

(۱) زید کا فتویٰ کہ سود پر قرض لینا ناجائز ہے، صحیح، رہی یہ بات کہ اس ناجائز معاہدہ کی وجہ سے قرض پر لی گئی رقم میں حرام شامل ہو جائے گا اور اس رقم سے حج کرنا نہیں ہے، صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ قرض کا معاہدہ شرط فاسد کیوجہ سے حرام نہیں ہوگا؛ بلکہ شرط فاسد خود فاسد ہو جائے گا، اس لیے قرض لی گئی رقم حرام نہیں ہے، البتہ سود کی شرط باطل ہو جائے گی اور چوں کہ سود کا مال اس رقم سے مخلوط نہیں ہوا؛ اس لیے قرض پر لی گئی رقم حلال ہے اور اس سے حج کرنا درست ہے گو کہ اس طرح کا معاہدہ کرنا گناہ سے خالی نہیں ہے۔ انیس

(۲) جب تک کہ وہ اپنی زمین فروخت نہ کرے اور نقد رقم حاجیوں کے جانے کے وقت تک اس کے قضیہ میں نہ کر جائے اس پر حج فرض نہیں ہے، تو اس ضرورت کے لیے کہ اسی مسائل حج کرے اس کا سودی قرض لینا جائز نہیں ہے۔ انیس

اس فتوی کے متعلق خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے مفتی حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امدادالاحکام کے رجسٹر:۹، کے شروع میں تحریر فرمایا ہے کہ اس میں مجھے تردد ہے۔ افسوس کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اس مسئلہ میں میں معلوم نہیں ہوسکی۔

احقر ناکارہ محمد رفیع عثمانی، خادم طلبہ ودارالافتاء دارالعلوم کراچی، ۲۸/ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ۔

(۳) (ومنها القدرة على الزاد والراحلة)بطريق الملك،أو الاجارة دون الإعارة،والاباحة،سواءٌ كانت الاباحة من جهة من لا منة له عليه كالوالدين والمولودين، أومن غيرهم كالأجانب،كذا فى السراج الوهاج.(الفتاوىٰ الهندية، كتاب المناسك،الباب الأول فى تفسير الحج: ۲۱۷/۱، رشيدية)

==

جو باپ کے مال سے حج کر چکا ہو گیا، اس پر دوبارہ حج فرض ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنے باپ کے مال سے باپ کی موجودگی میں حج کیا تھا، بعد انتقال باپ یہ شخص مالک مال اور قادر زاد و راحلہ ہوا آیا اس پر دوبارہ حج فرض ہے، یا نہیں؟

الجواب ______________

اگر پہلا حج بلوغ کے بعد ہو، حج فرض ادا ہو گیا دوبارہ حج فرض نہیں ہے۔

درمختار میں ہے:"**فلو جدد الصبی الإحرام قبل وقوفه بعرفة ونوٰی حجة الإسلام أجزأه**".

وفی ردالمحتار: ولو أحرم الصبی أو المجنون أو الکافر ثم بلغ أو أفاق ووقت الحج باق فإن جدد وا الاحرام یجزیهم عن حجة الإسلام، إلخ". (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۳۰)

والدین کی جائیداد سے ملے ہوئے حصہ کو فروخت کر کے حج کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے والدین نے اپنی حیات (زندگی) میں میرا حصہ میرے نام کر دیا تھا اور بھائیوں میں برابر کا عدالتی تقسیم بھی ہو چکا ہے اور مین نے حج کا ارادہ بھی کر لیا ہے، کیا میں اس زمین کو فروخت کر کے حج کر سکتا ہوں؟ اور مکان زمین خرید سکتا ہوں، یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مکمل جواب عنایت کریں۔

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ______________ وباللّٰه التوفیق

جو حصہ آپ کی ملکیت اور قبضہ میں ہے، اس کو آپ اپنی مرضی سے فروخت کر سکتے ہیں اور اس کی قیمت اپنی ضروریات میں حسبِ منشا خرچ کرنے کے مجاز ہیں، کسی دوسرے کو اس میں دخل دینے کی اجازت نہیں ہے اور اگر اس کی قیمت سے آپ حج کرنا چاہیں تو حج کرنا بھی جائز ہے۔ **المالک: هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک**. (تفسیر البیضاوی، ص:۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱/۳۰/۱۴۲۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل:۷/۳۲۱)

جس کے پاس سات بیگھہ زمین ہو، اس پر حج فرض ہے، یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کی عمر ستر سال ہے، ان کے پاس سات بیگھہ زمین ہے، ایک لڑکا سرکاری اسکول کا ماسٹر ہے، جسے اٹھارہ ہزار روپیہ ملتا ہے، دوسرا لڑکا کسان

== (قوله: ذی زاد وراحلة) أفاد أنه لایجب الابملک الزاد وملک أجرة الراحلة، فلایجب باالاباحة أو العاریة، کما فی البحر، وسیُشیر إلیه. (رد المحتار، مطلب فی من حج بمال حرام: ۲/۴۵۹، سعید)

(۱) دیکھئے: ردالمحتار، کتاب الحج: ۳/۴٦۷، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

ہے، کسان کے دولڑکے ہیں، جو سالانہ دولاکھ انکم کرتا ہے، زید کے پاس ایک بچی ہے، جسے بہت پہلے یعنی ۳۰/ سال پہلے ایک سرکاری معلم کے رشتہ ازداوج میں منسلک کردیا گیا ہے، زید حج کرنے کے لیے رقم اپنے بچوں سے مانگتے ہیں، تو زید کے لڑکے یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ آپ پر حج فرض نہیں ہے، اس لیے کہ ہم لوگوں کے پاس بچیاں ہیں جو شادی کے لائق ہیں، زید کھیتی بیچنا چاہتا ہے، تو ان کے لڑکے خریدنے والوں کو سختی سے منع کردیتا ہے، زید کے دماغ میں یہ بس چکا ہے کہ میں فریضہ سے بری ہوں یا نہیں؟ زید پر حج فرض ہے ہے یا نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر آپ کی ملکیت والی سات بیگھہ زمین کی قیمت اس قدر ہے کہ اس میں اس میں سے حج کر اخراجات کے بقدر بیچنے کے بعد اتنی زمین کا مذکورہ حصہ بیچ کر حج کو جانا فرض ہوگا، اور اگر زمین کم قیمت ہے، یا آپ کے ضروری اخراجات اتنے زیادہ ہیں کہ حج کے صرفہ کے بقدر فروختگی کے بعد بقدر ضرورت زمین بچے گی تو آپ پر حج فرض نہیں ہے اور بہرصورت آپ کے بچوں پر آپ کے حج کا خرچہ دینے کی ذمہ داری نہیں ہے؛ لیکن اگر وہ خرچ کردیں تو ان کے لیے بڑی سعادت کی بات ہوگی۔

وإن كـان لـه مـن الضياع ما لوباع مقدارما يكفى الزاد والراحلة يبقى بعد رجوعه من ضيعته قـدرما يعيش بفلته الباقى افترض عليه الحج،وإلا لا. (غنية الناسک، ص: ۲۰، إدارة القرآن كراتشى، شامى: ۴۹۱/۳، زكريا، البحر العميق: ۳۸۱/۱، الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴۷۲/۳، رقم: ۴۸۷۷، زكريا، أنوار مناسک، ص: ۱۶۹)

ومنهـا القـدرة على الزاد والراحلة بطريق الملک والإجارة دون الإعارة والإباحة، سواء كانت الإبـاحة مـن جهة مـن لا منة لـه عـليه كالو الدين والمولدين أومن غيرهم كالأجانب، كذا فى السراج الوهاج. (الفتاوىٰ الهندية: ۲۱۷/۱، دار إحياء التراث العربى، الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴۷۱/۳، زكريا) **فقط والله تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۹/۱۰/۱۲ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۹۰/۷)

صحرائی جائداد بیچ کر حج کو جانا ضروری ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص کے پاس روپیہ نقد نہیں ہے؛ لیکن اس کے نام جائداد صحرائی اس قدر ہے کہ اس میں سے کچھ جز وحصہ جائداد فروخت کرکے واسطے سفر خرچ بیت اللہ شریف اور نیز گھر والوں کے واسطے انتظام روے کا ہوسکتا ہے، اس شخص پر حج فرض ہے، یا نہیں؟

الجوابـــــــــــــــ

اگر جائداد صحرائی اس قدر ہے کہ اس کی آمدنی اور پیداوار اس کے اور اس کے عیال کے خرچ سالانہ سے زیادہ نہیں

ہے تو اس پر حج فرض نہیں ہے اور فروخت کرنا زمین کا اس کے ذمہ لازم نہیں۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۶/۵۱۵)

جائداد رہن کر کے حج کرنا کیسا ہے:

سوال: میں حج کو جانا چاہتا ہوں، نقد میرے پاس نہیں ہے، البتہ جائداد ہے، کیا اس جائداد کو رہن کر کے اس روپیہ سے حج کو جا سکتا ہوں اور حج کر سکتا ہوں؟

الجواب

اگر حج فرض ہو چکا ہے تو قرض لے کر حج کر سکتے ہو،(۲) اور رہن کرنا جائداد کا اس طرح کہ نفع اس کا مرتہن لیوے، جائز نہیں ہے اور اگر منافع زمین کا مرتہن نہ لیوے تو درست ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۶/۵۱۷)

اگر کسی کے پاس مقدار فرضیت حج مال نہ ہو؛ مگر صاحب جائداد ہو اور جائداد فروخت کر کے حج کر سکتا ہو تو اس پر حج فرض ہے، یا نہیں:

سوال: یہ ہے کہ میری اہلیہ اپنا حج فرض پہلے ادا کر چکی ہے، اب اس مرتبہ اگر وہ اپنے مرحوم لڑکے کی طرف سے حج بدل کی نیت کر لیں تو کچھ کراہت تو نہیں ہے، میرے لڑکے مرحوم کی بائیس سال کی عمر تھی اور کچھ جائداد بھی اس کے نام اس کی نانی صاحبہ نے کر دی تھی، جس کی آمدنی اس کے خورد و نوش و اخراجات ضروری کی کفیل نہیں ہو سکتی تھی؛ مگر قیمت اس کی اس قدر ضرور تھی اس کو فروخت کر کے وہ بآسانی حج کر سکتا تھا؛ ایسی صورت میں اس کے ذمہ حج فرض ہو گیا، یا نہیں؟

الجواب

فی الهندية: وإن كان صاحب ضيعة إن كان له من الضياع ما لو باع مقدار ما يكفي الزاد والراحلة ذاهباً وجائياً ونفقة عياله وأولاده يبقى له من الضيعة قدر ما يعيش بغلة الباقي يفترض عليه الحج وإلا فلا. (الفتاویٰ الهندية، كتاب المناسك في تفسير الحج وشروطه: ۱/۲۴۰)

---

(۱) وهو فرض علیٰ مسلم حر صحيح بصير ذي زاد فضلاً عما لا بد منه ... وحرر في النهر أنه يشترط بقاء رأس مال لحرفته. (الدر المختار)

كتاجر و دهقان ومزارع كما في الخلاصة ورأس المال يختلف باختلاف الناس، بحر، قلت: والمراد ما يمكنه الاكتساب به قدر كفايته وكفاية عياله لا أكثر؛ لأنه لا نهاية له. (ردالمحتار، كتاب الحج: ۳/۴۴۷، انيس)

(۲) قوله: (وسعه أن يستقرض) ويحج: أي جاز له ذلك وقيل يلزمه الاستقراض. (رد المحتار، كتاب الحج: ۳/۴۵۵، ظفير)

(۳) يكره للمرتهن أن ينتفع بالرهن وإن أذن له الراهن قال: وعليه يحمل ما عن محمد بن أسلم من أنه لا يحل للمرتهن ذلك ولو بالأذان. (الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، كتاب الرهن، باب التصرف في الرهن: ۱۰/۱۴۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگر اس کے پاس اس جائداد کے علاوہ مقدار فرضیت حج مال نہ تھا تو حج فرض نہ ہوا تھا۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ، ۲۸ رشعبان ۱۳۴۴ھ۔

الجواب صحیح: ظفر احمد عفا اللہ عنہ، از تھانہ بھون، ۲۸ رشعبان ۱۳۴۴ھ۔ (امدادالاحکام: ۱۵۴/۳)

ایضا:

سوال: ایک عورت جس کے نان ونفقہ کا متکفل اس کا شوہر ہے اور اس عورت کے پاس ایک مکان ہے، جس کا کرایہ بھی گھر کے اخراجات میں صرف ہو جاتا ہے اور کچھ بچتا نہیں ہے، ایسی صورت میں عورت کو اپنا مکان بیچ کر حج کرنا فرض ہے، یا نہیں؟ اور مکان کی حیثیت آٹھ، یا دس ہزار روپیہ ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اور جب عورت کا نفقہ شوہر دیتا ہے اور دوسرے کسی شخص کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں، تو یہ مکان حاجت اصلیہ سے زائد ہے؛ اس لیے حج کرنا اس کے ذمہ فرض ہے۔

وفی الهندية: وفی التجريد إن كان له دارلا يسكنها وعبد لايستخدمه فعليه أن يبيعه ويحج به.

وفيه أيضاً بعد أسطر: وإن كان صاحب ضيعة إن كان له من الضياع ما لوباع مقدارما يكفى الزاد والراحلة ذاهباً وجائياً ونفقة عياله وأولاده يبقى له من الضيعة قدرما يعيش بغلة الباقى يفترض عليه الحج وإلا فلا.

وفيه أيضاً: والعيال من يلزمه نفقته، كذا فى البحر الرائق. (۱)

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔ الجواب صحیح: احقر ظفر احمد عفا عنہ، ۳ رمحرم ۱۳۴۵ھ۔ (امدادالاحکام: ۱۵۵/۳)

دکان بیچ کر حج کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کے پاس پانچ دوکانیں اور رہنے کے لیے ایک مکان ہے، چار دوکانیں کرایہ پر ہیں زید خود بھی دوکان کرتا ہے، اتنا پیسہ نہیں ہے کہ حج کر سکے، اس کے ذمہ دوکان بیچ کر حج کرنا فرض ہے؟ جب کہ صورتِ حال یہ ہے کہ اگر دوکانوں کا کرایہ نہ آئے، تب بھی گزر بسر ہو سکتی ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

جو ضرورت سے زائد دوکانیں ہیں، اگر ان کی قیمت اتنی ہے کہ وہ مصارفِ سفر حج میں کافی ہو جائے تو مسئولہ صورت میں زید پر دوکانیں فروخت کر کے حج کو جانا لازم ہے۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب المناسک باب فی تفسير الحج وشروطه: ۲۴۰/۱

بخلاف الفاضل عنه من مسكن أوعبد أومتاع أو كتب شرعية أو اٰ تية ... تثبت بها الاستطاعة. (رد المحتار: ٤٦٠/٣، زكريا، انوار مناسک، ص: ١٦٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱/۴/۱۴۲۰ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۱۱/۷)

فریضۂ حج کی ادائیگی میں تاخیر جائز ہے، یا نہیں:

سوال: اگر بر کسے حج فرض شدہ باشد در ادائیگی تاخیر کردن جائز است، یا نہ؟ واگر والدین از سفر حج مانع آیندہ از جہت آنہا مؤخر کردن جائز است یا نہ؟ (۱)

الجواب

بصورت فرض شدن حج تاخیر نباید کرد، اگر والدین منع کنند باز نہ آید البتہ اگر والدین محتاج خدمت ایں کس باشند وہیچ خادم دیگر نہ باشد مؤخر کند۔ (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵۳۸/۶)

حج فرض ہونے کے بعد کسی مصلحت سے اس میں تاخیر جائز نہیں ہے:

حضرت مولانا السلام علیکم

سوال: اس عاجز نے پانچ چھ ماہ ہوئے، اس سال حج کرنے کا اردہ کیا تھا، چنانچہ اس کے سامان اور انتظام کی کوشش میں رہا، ایک مکان کی تعمیر میرے ذمہ تھی اور امید تھی کہ ایام حج سے پہلے مکمل ہو جائے گی، صورتیں ایسی وقوع میں آئیں کہ کسی طرح بھی عمارت مذکور کی تکمیل ایام حج تک ہونی ناممکن ہے، مصلحت کہتی ہے کہ اس سال ارادہ ملتوی کرکے آئندہ سال اس فریضہ کا انجام دوں؛ کیوں کہ حج اب مجھ پر فرض ہے؛ لیکن مصلحت سے مقدم شریعت ہے؛ اس لیے جناب سے استفسار کرتا ہوں کہ آیا اس سال حج کا التوا آئندہ سال کے لیے گناہ تو نہ ہوگا اور آیا کوئی صورت

---

(۱) اگر کسی شخص پر حج فرض ہو چکا ہے تو ادائیگی میں تاخیر کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ یا والدین کی وجہ سے سفر حج میں تاخیر کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

(۲) اگر حج فرض ہے؛ تو والدین کے منع کرنے کے باوجود حج کرے اور والدین کی بات نہ مانے؛ لیکن اگر والدین اس کی خدمت کے محتاج ہیں اور کوئی خادم وغیرہ بھی نہ ہو؛ تو مؤخر کر سکتا ہے۔

کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب وكره بمعصية فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة. (صحيح البخاري، رقم الحديث: ٧١٤٤، الصحيح لمسلم: رقم الحديث: ١٨٤٠، مسند أحمد، رقم: ٦٢٢)

قال في الدرالمختار: وقد يتصف بالحرمة كالحج بمال حرام و بالكراهة كالحج بلا إذن ممن يجب استيذانه.

قال الشامي: كأحد أبويه المحتاج إلىٰ خدمته. (ردالمحتار، كتاب الحج: ٤٥٣/٣-٤٥٤، زكريا ديوبند، انيس)

وقال في الدرالمختار: فرض مرة على الفورفي العام الأول عند الثاني وأصح الروايتين عن الإمام، إلخ. (كتاب الحج: ٤٥٠-٤٥٤، مكتبة زكريا يودبند، انيس)

ایسی ہے کہ اس التوا کی اجازت ہوگی، اپنے فہم میں قرآن شریف کی آیت ﴿الحج أشهر معلومات﴾(۱) سے حج کی نیت اشہر حج سے پہلے معتبر نہ ہونی چاہیے؛ مگر میں اس لائق نہیں ہوں کہ اپنے فہم کو معتبر سمجھوں؛ اس لیے جناب کو تکلیف دیتا ہوں کہ مجھے صحیح راہ بتائیں؟

الجواب

قال في الغنية: يجب(الحج) على الفور في أول سني الوجوب وهو أول سني الإمكان على القول الأصح عندنا وهو قول أبي يوسف وأصح الروايتين عن أبي حنيفة رضي الله عنهما فيقدم على الحوائج الأصلية كمسكنه وخادمه والتزوج وإن لم يجب بها كما سيأتي (ص ا) وقال محمد والشافعي فرض على التراخي.

وفيه أيضاً: ومن لامسكن له ولا خادم وهو محتاج إليهما وله مال يكفيه لقوت عياله من وقت ذهابه إلٰى حين إيابه وله مال يبلغه فليس له صرفه إليهما إن حضر وقت خروج أهل بلده،آه. (ص:۷)(۲)

صورت مسئولہ میں آپ پر اسی سال حج کرنا واجب ہے، مصلحت مکان کا انتظام کر دیا جائے، یا تعمیر کو درمیان میں روک دیا جائے۔ ﴿**الحج أشهر معلومات**﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اشہر حج سے پہلے حج کا احرام نہ باندھا جائے، یہ مطلب نہیں کہ ان مہینوں میں نیت کی جائے تو حج واجب ہوگا، ورنہ نہیں، وجوب حج کا مدار نیت پر نہیں ہے؛ بلکہ وقت حج میں وجود زاد وراحلہ واستطاعت پر ہے، جس شخص کے پاس ہندوستان میں مثلاً شوال کے مہینہ میں آمد ورفت سفر حج کا کرایہ وغیرہ اور اہل وعیال کا نفقہ واپسی تک موجود ہو اور دین وحوائج اصلیہ سے فاضل ہو، اس پر اس سال حج فرض ہو جائے گا، خواہ نیت کرے، یا نہ کرے۔ واللہ اعلم (امداد الاحکام:۳/۱۶۰)

ملازمت ختم ہونے کے خوف سے حج میں تاخیر کرنا:

سوال: میری عمر اس وقت ۲۹/سال کی ہے اور میں نے ابھی تک فرض حج بھی ادا نہیں کیا ہے، وجہ یہ ہے کہ اب تک کا زمانہ میرا مختلف پریشانیوں سے کٹا ہے، مثلاً والد صاحب کا انتقال ہوا اور گھر بار سب میرے سر پڑا اور اپنی تعلیم کی فکر تھی۔ وہ الگ اب وقت یہ ہے کہ میری ملازمت ایک سرکاری؛ یعنی انگریزی دفتر میں ابھی تک غیر مستقل ہے اور غیر مستقل ہونے کی وجہ سے میرے حکام کو بالکل اختیار ہے کہ چاہے، جس روز اور جس وقت مجھے (خواہ کوئی قصور ہو، یا نہیں) برخواست کر دیں، چوں کہ حج کے واسطے مجھے طویل رخصت کی درخواست دینا ہوگی، لہٰذا بجائے رخصت کی درخواست منظور کرنے کے مجھے غالب اندیشہ ہے کہ وہ یہی حکم دیں گے کہ چاہے ہم نے ہمیشہ کے واسطے آپ کو برخاست کر دیا۔ دوم میں ایک سادہ لوح اور نا تجربہ کار سا آدمی ہوں، لہٰذا اس انتظار میں ہوں کہ میرے اعزا میں سے

---

(۱) سورة البقرة:۱۹۷

(۲) رد المحتار، كتاب الحج:۳/۴۵۱

ایک عزیز چند سال بعد حج کو جانے والے ہیں، ان شاء اللہ ان کے ہمراہ میں بھی جاؤں گا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ جو میں اب تک فرض حج کو ادا کرنے نہیں گیا اور ابھی چند سال تک بوجہ مندرجہ بالا مجبوریوں کے میرا جانا ملتوی رہے گا تو میں از روئے شرع شریف تو گنہگار نہ ہوں گا؟

الجواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

تاخیر حج بلا عذر سے گناہ ہوتا ہے اور جو تاخیر بعذر ہو اس سے گناہ نہیں ہوتا۔ یہ تو قاعدہ کلیہ ہے۔ اب رہا یہ کہ جو عذر آپ نے بیان کیا ہے؛ وہ عذر ہے یا نہیں، مجھے اس میں تردد ہے دیگر علما سے رجوع کیا جائے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ، ۱۴ر شوال ۱۳۴۸ھ۔

حضرت حکیم الامۃ سے دریافت کیا تو فرمایا کہ میرے نزدیک پریشانی روزگار عذر ہے۔

حکاہ عنہ المولوی عبد الکریم سلمہ (امداد الاحکام: ۱۶۴/۳)

معالج ضرر کے خیال سے حج سے روکے تو کیا کرے:

سوال: زید اپنی استطاعت وغیرہ کے خیال سے ادائے فریضۂ حج کے لیے تیار ہے؛ لیکن اس سے وہ اطبا جو اس کے اکثر مالک رہتے ہیں، یہ رائے دیتے ہیں کہ سفر دریا کا مضر ہوگا۔

ثانیاً یہ کہ ملک کے بہت سے حضرات ابن مسعود نجدی کی حکومت کی وجہ سے حج کو نہ جانے کی رائے ظاہر کر رہے ہیں۔ یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

جو لوگ ابن مسعود نجدی کے تسلط حرمین شریفین پر ہونے کی وجہ سے حج کو نہ جانے اور حج نہ کرنے کی رائے دیتے ہیں، وہ راہ صواب سے دور ہیں اور سخت غلطی پر ہیں اور حکم صریح ﴿**ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلًا**﴾ (۱) کے خلاف کرتے ہیں اور جس پر حج فرض ہوا اور وہ تندرست ہو اور سفر کی طاقت اور قدرت رکھتا ہو؛ تو اس کو حج کرنا چاہیے اور کسی طبیب کے اس کہنے سے کہ تمہارے لیے دریا کا سفر مضر ہوگا، فرض حج کو ترک نہ کرنا چاہیے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵۲۳/۶)

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۹۷، ظفیر

(۲) الحج واجب على الأحرار البالغين والعقلاء الأصحاء إذا قدروا على الزاد والراحلة فاضلاً عن المسكن وما لابد منه وعن نفقة عياله إلىٰ حين عوده وكان الطريق آمناً وصفه بالوجوب وهو فريضة محكمة تثبت فرضيتهما بالكتاب وهو قوله تعالىٰ ولله على الناس حج البيت الآية. (الهداية، كتاب الحج: ۲۱۳/۱، ظفير)

حج واجب کی تاخیر سے گنہگار ہوگا، یانہیں، اعلان ملوکیت ابن سعود کی وجہ سے حج کا التوا:

سوال: بعض حضرات التواء حج کا پروپگنڈہ کررہے ہیں، حجاز کے حالات حاضرہ، اعلان ملوکیت سلطان ابن سعوداور مقابر وقبا کے انہدام کی وجہ سے حج کا التوا شرعاً جائز ہے؟ جب کہ راستے اور حجاج کی جان مال کی حفاظت پہلے سے بھی زیادہ ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ہمارے ائمہ کرام حنفیہ میں اختلاف ہے کہ بعد فرضیت حج، یعنی سفر حج پر قدرت ہو جانے کے بعد اور واپس آنے تک کے اہل وعیال کے اخراجات بھی کافی موجود ہوں اور امن بھی ہو اور جان ومال کا خطرہ غالب نہ ہو، ایسی صورت میں اگر کوئی شخص اداء حج میں تاخیر کرے؛ یعنی جس سال فرض ہو اس سال نہ کرے؛ تو کیا محض تاخیر سے گناہ ہوگا، یا نہیں؟ بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ تاخیر سے گناہ اس صورت میں ہے جب بغیر اداء حج فوت ہو جائے اور بعض ائمہ فرماتے ہیں، محض اداء حج میں تاخیر کرنا بھی گناہ ہے۔(۱) پس مسئلہ شرعی کی اصل صورت یہی ہے، اب رہا موجودہ حالات میں ابن سعود کے اخراج یا متنبہ کے لئے جو تاخیر حج کی تجویز بعض لوگ پیش کررہے ہیں؛ تو اس کی بابت ابھی تک امارت شرعیہ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے اور نہ ذاتی حیثیت سے ہم لوگوں نے کوئی رائے قائم کی ہے۔ فقط واللہ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۱۳۴۵/۶/۱۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۸۱/۱-۸۲)

(۱) (فرض مرة علی الفور) ... وأما كونه على الفورفهوقول أبي يوسف وأصح الروايتين عن أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ عندمحمد يجب على التراخي والتعجيل أفضل كذا في الخلاصة وتحقيقه أن الأمرإنما هوطلب المأموربه ولا دلالة على الفورولا على التراخي فأخذ به محمد وقواه بأنه عليه السلام حج سنة عشروفرضية الحج كانت سنة تسع. فبعث أبا بكرحج بالناس فيها ولم يحج هوإلیٰ القابلة وأما أبوحنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ وأبويوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ فقالا الاحتياط في تعيين أول سني الإمكان؛لأن الحج له وقت معين في السنة والموت في سنة غيرنادرفتأخيره بعدالتمكن في وقته تعريض له على الفوات فلا يجوز وبهٰذا حصل الجواب عن تأخيره عليه الصلاة والسلام إذ لايتحقق في حقه تعريض الفوات وهوالموجب للفور؛لأنه كان يعلم أنه يعيش حتیٰ يحج ويعلم الناس مناسكهم تكميلاً للتبليغ،بهٰذا التقريرعلم أن الفورظنية؛لأن دليل الاحتياط ظني و مقتضاه الوجوب،فإذاأداه بعد ذلك وقع أداء ويأثم ويصيرفاسقاً مردودأخره فعلى الصحيح يأثم بالتأخيرلترك الواجب،وثمرة الاختلاف تظهرفيما إذا أخره فعلى قولهمايأثم ويصيرفاسقاً مردود الشهادة وعلیٰ قول محمد،لا،و ينبغي أن لا يصير فاسقاً من أول سنة على المذهب الصحيح،بل لابد أن يتوالى عليه سنون؛لأن التأخيرفي هٰذه الحالة صغيرة؛لأنه مكروه تحريماً ولا يصيرفاسقاً بارتكاب بها مرة بل لابد من الاصرارعليها وإذاحج في آخره عمره،ارتفع الاثم اتفاقاً،قال الشارح ولو مات ولم يحج أثم بالاجماع ولايخفیٰ مافيه،فإن المشائخ اختلفوا علیٰ قول محمد فقيل يأثم مطلقاً وقيل لايأثم مطلقاًوقيل إن خافت الفوات بأن ظهرت له مخائل الموت في قلبه فأخره حتیٰ مات أثم وإن خافت فجأه الموت يأثم،وينبغي اعتماد القول الأول وتضعيف القول الثاني؛لأنه حينئذٍ يفوت القول بفرضية الحج؛ لأن فائدتها الإثم عند الفعل سواء كان مضيقاً أوموسعاً،اللهم إلا أن يقال فائدتها علیٰ هٰذا القول وجوب الايصاء عليه قبيل موته فإذا لم يوص يأثم لترك هٰذا الواجب لالترك الحج.(البحرالرائق:۳۳۳/۲-۳۳۴)

مستطیع فوراً حج نہ کرے تو گنہ گار ہوگا، یا نہیں:

سوال: شخصی توفیق زاد راحلہ حج میدار دو رقلب ارادہ صادق میدارد؛ مگر بسبب گردش زمانۂ تاخیر واقع شود بموجب روسایت فوراً آثم میشود ووجوہ ذیل رفع اثم اومی کنند، یانہ؟ اگر در آخر عمر ادا کرد فبہا اگر فوت شد فرض از و ساقط شد یانہ ووجہ ضعیف مقابل اصح است نہ و یک قوی است وجہ ضعیف قول امام محمد علیہ الرحمۃ انہ علی التراعی، شامی باب الحج، ص:۳۲۶، این وجہ برائے رفع اثم است نہ سقوط فرض، وجہ ضعیف قول صاحب: ''**قيل اختلف في سقوطه إذا لم يكن بد من ركوب البحر فقيل يسقط وقال الكرماني: إن كان الغالب فيه السلامة من موضع جرت العادة بركوبه. يجب وإلا فلا وهو الأصح**''. (شامی، باب حج، ص:۲۳۳) وجہ قوی در رکوب بحر بسبب چکر وسرگردانی وقتے کہ حجاج را در سفر واقع می شود ونماز ہا قضا میشوند پس بروایت ذیل حج از و ساقط میشود یا کم از کم رافع اثم تاخیر است ذکر صاحب اللباب ''**إن منها أي من الشرائط أن يتمكن من أداء المتكوبات في أوقاتها، قال الكرماني: لأنه لايليق بالحكمة**''. اگر رائے جناب مطابق آید فبہا ورنہ بدلائل قطعی تر دید فرمایند؟

الجواب

أثم تأخير أداء حج قبل موت ساقط ميكند لاغير ولذا أجمعوا أنه لو تراخى كان أداء. (الدرالمختار) **ويسقط عنه الإثم.** (۱)

و ہر گاہ رکوب بحر را اولا وجہ ضعیف گفتہ شد و در حقیقت ضعیف است وخلاف اصح است پس آنچہ بر رکوب بحر از گردش راس وغیرہ مرتب اند واز لوازم رکوب بحر اند چگونہ وجہ قوی خواہد شد۔

وفي الدر المختار: (والعبرة لوجوبها) أي العدة المانعة من سفرها (وقت خروج أهل بلدها) وكذا سائر الشروط وازیں شروط است انچہ از شارح اللباب نقل کردہ اند إن منها أن يتمكن من أداء المكتوبات، إلخ. (۲)

پس بہ وقت خروج از بلد ظاہر است کہ برائے مکتوبات متمکن است وضرورت رکوب بحر و مایترب علیہ مانع عن الفرضیۃ نیست، پس ایں وجہ را مسقط فرضیت گفتن واز ہمہ کساں کہ رکوب بحر او شاں را ضروری باشد حج اسلام را ساقط گفتن کار فقیہ نیست، وباید دانست کہ آناں کہ رکوب بحر را مانع عن الفرضیت گفتہ اند بہمیں وجہ دوران راس وغثیان وغیرہ گفتہ اند، پس دوران وغیرہ را وجہ مستقل گفتن نشاید و ہر گاہ آں وجہ معتبر نیست، این ہم معتبر نہ خواہد شد۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۲۶-۵۲۷)

خلافت میں جھگڑے کی وجہ سے حج چھوڑا نہ جائے:

سوال: امسال میرا عزم سفر حج کا ہے؛ مگر خلافت کے بارہ میں جو جھگڑا پیدا ہوا ہے، میرے دل میں ایسا خطرہ

(۱) ردالمحتار، کتاب الحج: ۲/۱۹۲

(۲) ردالمحتار، کتاب الحج: ۳/٤٦٦، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

پیدا ہوتا ہے کہ شاید ادائے ارکان حج میں کسی قسم کا نقصان یا فتور واقع ہو اور میری صعوبت راہ و اخراجات کثیر فعل عبث ہو جائے، آیا مسئلہ خلافت کو حج سے کسی قسم کا تعلق ہے، یا نہیں؟ اور خلیفۃ المسلمین کے نہ ہونے سے حج درست ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

حج میں اس سے کچھ خلل اور نقصان نہیں ہے آپ شوق سے ارادۂ حج بت اللہ کریں اور زیارۃ حرمین شریفین سے مشرف ہوں۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۲۷)

وجوب حج علی الفوراور حج واجب ہونے کے بعد رقم حوائج ضروریہ میں صرف کرنا جائز نہیں ہے:

سوال: شامت اعمال سے فی الحال فریضہ حج کی ادائیگی سے بوجہ مالی حالت اس قابل نہ ہونے کے معذور ہوں، حالات اس قسم کے ہیں؛ جن کی تفصیل دشوار طویل ہونے کی وجہ سے عرض نہیں کی گئی کہ مجھ کو ایک مختصر اور قابل گزر مکان بنانے کی شدید ضرورت لاحق ہوگئی ہے، لہٰذا عرض یہ ہے کہ اگر ضرورت سے مجبور ہو کر مکان بنالوں اور اس کے بعد جس وقت بھی مالی حالت اس قابل ہو جائے، حج کروں تو شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟ حضور والا مطلع فرما کر مطمئن فرمائیں۔ فقط والسلام ورحمہ اللہ

الجواب

حج میں مختار قول یہ ہے کہ واجب ہونے کے بعد علی الفور واجب ہے، پس اگر آپ پر حج واجب ہو چکا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ سال گزشتہ میں، اس سے پہلے کسی سال میں حج کے وقت (۲) آپ کے پاس حج کرنے کے لیے کافی رقم موجود تھی تو اب اس رقم کو مکان میں صرف کرنا جائز نہیں اور اگر حج کے وقت میں کسی سال کے اندر رقم جمع نہ تھی؛ بلکہ اس سال رقم وقت حج کے بعد جمع ہوئی ہے، یا ہمیشہ حج کے وقت سے پہلے جمع ہوئی اور وقت سے پہلے ہی صرف ہو جاتی تھی تو اس صورت میں اس رقم کو مکان میں لگا دینا جائز ہے۔

قال في الغنية: ومن لامسكن له ولا خادم وهو محتاج إليهما وله مال يكفيه لقوت عياله من ذهابه إلٰى إيابه وله مال يبلغه فليس له صرفه إليهما إن حضر وقت خروج أهل بلده بخلاف من له مسكن يسكنه وخادم يخدمه لايلزمه بيعهما؛ لأنه لايتضرر بترك شراء المسكن والخادم بخلاف بيع المسكن والخادم فإنه يتضرر به. (لباب، ص: ۷، وغيره) (۳)

وفيه أيضاً: فإن ملك المال قبل الوقت فله صرفه حيث شاء لكن إن صرفه علٰى قصد الحيلة

(۱) هو... فرض مرة على الفور بشرط حرية وبلوغ ... وأمن طريق (كنز) وحقيقة أمن الطريق أن يكون الغالب فيه السلامة. (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۳۷-۵۵۰، دار الكتب العمية بيروت، ظفير)

(۲) حج کا وقت ہندوستان میں شوال کے مہینہ سے شروع ہوتا ہے، فإنه هو وقت خروج الحاج منه. ظفير

(۳) رد المحتار، كتاب الحج: ۳/۴۶۱، الفتاوى الهندية: ۱/۲۴۱

لاسقاط الحج يكره عند محمد ولابأس به عند أبي يوسف وإن ملكه في الوقت فليس له صرفه إلىٰ غير الحج على القول بالفور فلو صرفه لايسقط عنه الوجوب على القولين وإن ملك في الوقت لايقدر علىٰ أداء الحج قال الفارسي في منسكه: والأظهر أنه لايجب وعليه الفتوىٰ. (كبير، ص: ۸۹)

وفيه أيضاً: على الفور في أول سني الوجوب وهو أول سني الإمكان على القول الأصح عندنا وهو قول أبي يوسف وأصح الروايتين عن أبي حنيفة فيقدم على الحوائج الأصلية كمسكنه وخادمه والتزوج إلىٰ أن قال فإن اٰخره إلى العام الثاني بلاعذر (أي معتبر شرعاً وليس المسكن منه) (۱) يأثم لترك الواجب. فقط

۱۹/ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام: ۱۵۸/۳)

مکان نہ ہو تو مستطیع حج کرے، یا مکان بنوائے:

سوال: ہمارے پاس مکان نہیں ہے تو مکان میں روپیہ خرچ کرسکتا ہے، یا حج کرنا فرض ہے؟

الجواب

جب کہ روپیہ حج کے موافق موجود ہے تو حج کرنا فرض ہے، مکان بنانا ضروری نہیں۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵۱۷/۶)

تعمیر مکان سے حج فرض مقدم ہے:

سوال: زید کو جائز طور سے اس قدر رقم نقد ملی کہ فقط حج بیت اللہ کرسکتا ہے؛ مگر حال یہ ہے کہ اس کا گھر بھی کھنڈر پڑا ہے تو زید پر اول حج بیت اللہ ادا کرنا فرض ہے، یا گھر بنانا؟

الجواب

قال في الهندية: وإن لم يكن مسكن وعنده دراهم يبلغ به الحج ويبلغ ثمن مسكن وخادم و

---

(۱) رد المحتار، كتاب الحج: ۴۶۲/۳

(۲) وهو فرض ... بشرط حرية و بلوغ وعقل وصحة وقدرة زاد وراحلة وفضلت عن مسكنه وعما لابد منه. (كنز: ۵۴۴/۲)

وفي قوله وما لابد منه إشارة إلىٰ أن المسكن لابد أن يكون محتاجاً إليه للسكنىٰ فلا تثبت الاستطاعة بدار يسكنها، إلخ. (البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۳۷/۲-۵۴۹، انيس)

وكذا لو كان عنده ما لو اشترىٰ به مسكناً وخادماً لايبقى بعده ما يكفي للحج لايلزمه، خلاصة. (الدر المختار)

والذي رأيته في الخلاصة هٰكذا أو إن لم يكن له مسكن ولاشئ من ذلك وعنده دراهم تبلغ به الحج و تبلغ ثمن مسكن وخادم وطعام وقوت وجب عليه الحج وإن جعلها في غيره آثم آه لكن هٰذا إذا كان قت خروج أهل بلده كما صرح به في اللباب أما قبله فيشتري به ماشاء؛ لأنه قبل الوجوب. (رد المحتار، كتاب الحج: ۴۶۱/۳، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير)

طعام و قوت فعليه الحج فإن جعلها فى غير الحج أثم، كذا فى الخلاصة. (۱)

صورت مسئولہ میں اس شخص پر حج فرض ہے، اس رقم کو مکان میں لگانا جائز نہیں، بشرطیکہ یہ رقم مکہ کی آمدورفت کے لیے کافی ہو اور اس مدت کے لیے اہل وعیال کو نفقہ بھی دے سکے۔ واللہ اعلم

۱۳ر رمضان ۱۳۴۴ھ، از تھانہ بھون (امداد الاحکام: ۱۵۴/۳)

روپیہ حج کے لیے تھا، اس سے مکان بنالیا، کیا اب بھی حج فرض ہے:

سوال: کہ ایک شخص کے پاس اتنا روپیہ تھا کہ وہ حج بیت اللہ کر سکے؛ مگر پھر بعض وقتوں کی وجہ سے اپنی سکونت دوسری جگہ اختیار کر لی، اب وہاں چوں کہ مکان بنانا پڑا؛ اس لیے وہ روپیہ خرچ ہوگیا، اب سوال یہ ہے کہ اس شخص پر اس وقت جب کہ اس کے پاس کافی روپیہ موجود تھا، اس وقت اس کے ذمہ حج فرض ہوگیا تھا، یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلياً

اگر مکان کی ضرورت حج سے پہلے ہی پیش آ گئی اور اس مجبوری کی وجہ سے مکان بنالیا گیا؛ تو اس کے ذمہ حج فرض نہیں ہوا تھا، اگر وقت حج یعنی جس وقت کہ لوگ آس پاس سے حج کے لیے جارہے تھے، اس وقت تو مکان کی ضرورت نہ تھی؛ بلکہ بعد میں ضرورت پیش آئی اور اس میں روپیہ خرچ کرلیا تو اس کے ذمہ حج فرض ہو چکا تھا:

قال ابن نجيم: لو لم يكن له مسكن ولا خادم وعنده مال يبلغ ثمن ذلك ولا يبقى بعده قدر ما يحج به، فإنه لا يجب عليه الحج؛ لأن هٰذا المال مشغول بالحاجة الأصلية؟ إليه أشار فى الخلاصة، آه. (۲)

هٰذا محمول علىٰ ما قبل حضور الوقت الذى يخرج فيه أهل بلده، فلو حضرت تعين أداء النسك عليه، فليس له أن يدفعه عنه إليه، كما ذكره ملا على قارى فى شرحه على باب المناسك. (۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ہذا، صحیح عبد اللطیف، ۶ر ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۹۰/۱۰-۲۹۱)

---

(۱) الفتاوىٰ الهندية، كتاب المناسك فى تفسير الحج وشروطه: ۲۴۰/۱

(۲) البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۴۹/۲، دار الكتب العلمية بيروت

(۳) منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۴۹/۲، رشيدية

ثم ما ذكر من الشرائط لوجوب الحج من الزاد والراحلة وغير ذلك، يعتبر وجودها وقت خروج أهل بلده إلىٰ مكة، حتىٰ لو ملك الزاد والراحلة فى أول السنة قبل أشهر الحج وقبل أن يخرج أهل بلده إلىٰ مكة، فهو فى سعة من صرف ذلك إلىٰ حيث أحب، وإذا صرف ماله ثم خرج أهل بلده، لا يجب عليه الحج، فأما إذا جاء وقت خروج أهل بلده، فيلزمه التأهب، فلا يجوز له صرفه إلىٰ غيره، فإن صرفه إلىٰ غير الحج أثم، وعليه الحج، كذا فى البدائع. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب المناسك، الباب الأول فى تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه، إلخ: ۲۴۵/۱، دار الكتب العلمية بيروت) ==

ایک شخص کے پاس چھ سو روپے ہیں تو وہ حج کرے، یا مکان بنوائے:

سوال: ایک شخص کے پاس چھ سو روپیہ ہے اور وہ شخص تین برس سے ارادہ حج کا رکھتا ہے اور اس شخص کے یہاں شریعت کے مطابق پردہ نہیں ہے اور مکان بھی ایسا نہیں کہ پردہ کر سکے تو یہ شخص اس حالت میں کیا کرے، مکان بنوائے، یا حج کو جاوے اور مکان بنوانے میں روپیہ صرف ہو جانے کا بھی خوف ہے؟

الجواب

اگر چھ سو روپے میں حج کا خرچ اور اہل وعیال کا خرچ واپس آنے تک پورا ہو سکے تو حج اس پر فرض ہے، حج ادا کرے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۶/۵۲۰)

مکان بنانے کی شدید ضرورت کے باوجود نفلی حج کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ احقر کے پانچ بیٹے ہیں اور پانچوں علاحدہ علاحدہ رہتے ہیں، جب ان کو علاحدہ کیا گیا تھا تو زمین مکان جو میرے پاس تھا، تقسیم کر دیا گیا تھا، احقر اور اہلیہ چھوٹے بیٹے کے ساتھ رہتے ہیں، وہ ناکارہ ہے، سارا بوجھ خرچ کا احقر پر ہے، مکان خستہ ہے، اب سے پہلے اس میں تقریباً پینتیس ہزار روپے خرچ کیے؛ مگر کوئی سہولت نہیں بن سکی ہے، اسی مکان میں اہلیہ تقریباً پچاس بچیوں کو دینی تعلیم دیتی ہے، اب مکان کی صورت حال یہ ہے کہ برسات میں پانی اندر داخل ہو گیا، جس کے باہر نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے، اگر بھراؤ کرا کر اونچا کرتا ہوں تو تمام دروازے اٹھانے ہوں گے، اس طرح بہت خرچ ہوگا، اس کے بعد دو صورتیں پیش آئیں گی۔

(۱)　ہمارے مرنے کے بعد دوسرے بیٹے مکان میں اپنا حصہ بنا کر چھوٹے لڑکے سے جھگڑا کریں گے۔

(۲)　ہمارا ارادہ دوسری بار والدین کی طرف سے حج کرنے کا تھا وہ نہیں ہو سکے گا۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ جب بیٹوں کو اپنی حیات میں علاحدہ کر کے ان کے حصص دیئے گیے، تو کیا مرنے کے بعد وہ چھوٹے بیٹے سے کچھ لینے کا حق رکھتے ہیں، دوسرے فرض حج ادا کرنے کے بعد مذکورہ بالا صورت میں والدین کی طرف سے حج کرنا بہتر ہے، یا مکان کو سدھارنا ضروری ہے؟ جس میں ہر طرح کی تکلیف ہے، برسات اور گرمی میں سخت پریشانی کا سامنا کرنا ہوتا ہے، از روئے شرع صحیح عمل کیا ہوگا؟

== والذی رأیته فی الخلاصة هكذا وإن لم يكن له مسكن ولا شيء من ذلك، وعنده دراهم تبلغ به الحج وتبلغ ثمن مسكن وخادم وطعام وقوت، وجب عليه الحج، وإن جعلها في غيره أثم، آه. لكن هٰذا اذا كان وقت خروج أهل بلده، كما صرح به في اللباب. أما قبله، فيشتري به ما شاء؛ لأنه قبل الوجوب. (رد المحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ٤٦٢/٢، سعيد)

(۱) علٰى مسلم ... وراحلة ... فضلاً عما لابد له منه وفضلاً عن نفقة عياله ... إلٰى حين عوده، الخ. (الدر المختار) قوله: ذي زاد أفاد أنه لا يجب إلا بملك الزاد أجرة الراحلة. (ردالمحتار، كتاب الحج: ٤٥٨/٣، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفيق

جب آپ نے جائیداد تقسیم کر کے اپنے لڑکوں کو علاحدہ کر کے دے دیا ہے تو وہ اس کے مالک ہوگئے، آپ کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ اپنے چھوٹے بیٹے کو بھی اسی کے برابر حصہ ہبہ کر کے اس کے نام رجسٹر کرادیں؛ تاکہ آئندہ کسی قسم کا جھگڑا پیدا نہ ہو اور جب کہ آپ کو مکان بنانے کی ضرورت ہے، نہ بنانے کی صورت میں مشقتوں کا سامنا ہوسکتا ہے تو اس صورت میں نفلی حج کے بجائے مکان کی ضروری تعمیر کا مشورہ مناسب ہے۔

(فرض مرة على الفور على مسلم حرمكلف صحيح بصير ذی زاد وراحلة فضلاً عما لابد منه). (تنوير الأبصار على الدرالمختار: ٥٥/٢-٤٦١، كراتشي، ٤٥٠/٣-٤٦٢، زكريا، الفتاویٰ الهندية: ٢١٩/١، كوئٹه، الهداية، كتاب الحج: ٢٣١/١، كنز الدقائق، كتاب الحج: ٣/١-٧، البحر الرائق: ٣١١/٢، كوئٹه، بدائع الصنائع: ٣٠١/٢، زكريا)

وأما تفسير الزاد والراحلة فهو إن ملك من المال مقدار ما يبلغه إلٰى مكة ذاهباً وجائياً راكباً وسلاحه وثيابه وأثاثه ونفقة عياله وخدمه وكسوتهم وقضاء ديونه. (بدائع الصنائع: ٢٩٧/٢، كذا في الفتاویٰ الهندية: ٢١٧/١، كوئٹه، الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب: في قولهم يقدم حق العبد على حق الشرع: ٤٦٢/٢، كراتشي، ٤٦١/٣-٤٦٢، زكريا)

فاضلاً عن حوائجه الأصلية ... كمسكنه ... وعن نفقة عياله ممن تلزمه نفقته وهي الطعام والكسوة والسكنیٰ. (غنية الناسک، ص: ١٩، إدارة القرآن كراتشي)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (الدرالمختار مع الشامي: ٤٩٣/٨، زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۲/۱۰ھ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۱۸/۷)

مالدار نے بچہ کی شادی میں روپیہ خرچ کر دیا، پھر دولت جمع نہ ہوئی تو جمع کا کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص کے پاس اس قدر مال تھا کہ وہ حج کر سکتا تھا؛ لیکن اس نے حج تو نہ کیا؛ بلکہ وہ روپیہ اپنی اولاد کے بیاہ میں خرچ کر دیا، اب مفلس ہوگیا، اگر وہ تمام عمر مفلس رہے اور مال جمع نہیں کیا اور مر گیا تو کیا تارک حج مرا اور گنہ گار مرا؟

الجواب ــــــــــــــ

اس پر حج فرض ہو چکا تھا، اگر بلا حج مر گیا، تارک حج فرض ہوا اور گنہ گار رہوا۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵۱۸/۶)

لڑکی کی شادی مقدم ہے، یا حج:

سوال: ایک شخص پر حج فرض ہو چکا؛ مگر اس کی لڑکی شادی کے قابل ہو چکی ہے تو اس صورت میں پہلے حج

---

(۱) هو (أي الحج) فرض ... مرة ... على الفور عند الثاني ... ولذا أجمعوا أنه لو تراخى كان أداء أو إن أثم بموته قبله. (الدرالمختار علٰى هامش ردالمحتار، كتاب الحج: ٤٥٤/٣-٤٥٥، ظفير)

کرے، یا لڑکی کی شادی؟ جب کہ شادی کرنے میں حج کو ملتوی کرنا پڑے گا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اس کی وجہ سے حج کو مؤخر، یا ملتوی نہ کرے، آج کل کے رسم رواج نے شادی کے لیے، جو پابندیاں لازم کر دیں ہیں، وہ اکثر ایسی ہیں، جو شرعاً لازم نہیں؛ بلکہ شرعاً ناجائز ہیں۔ شادی کا مسنون طریقہ تحفۃ الزوجین وغیرہ اردو رسائل میں دیکھنا چاہیے، اگر طریقہ مسنونہ پر شادی کی جائے تو حج کو ملتوی، یا مؤخر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۹۱/۱۰-۲۹۲) ☆

مالدار حج کرے، یا اولاد کی شادی:

سوال: اگر کسی شخص کے پاس اتنا روپیہ ہے کہ وہ حج کر سکتا ہے اور عیال دار بھی ہے تو اس کو اولاد کا نکاح کرنا واجب ہے، یا حج کرنا؟

تین سو پچاس روپے جس کے پاس ہوں، اس پر حج ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص کے پاس مبلغ تین سو پچاس روپیہ جمع ہے، آیا اس پر حج فرض ہے، یا نہیں؟ چوں کہ روپیہ نا کافی معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے اس کا ارادہ کنواں بنوالے کا ہے، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ اگر روپیہ کافی نہ ہو تو سال آئندہ کا انتظار ضروری ہے، یا نہیں؟

---

(۱) وفی الینابع: إن کان له مقدار مایحج به وعزم علی التزوج، ذکر ابن شجاع عن أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی أنه یحج ولا یتزوج. (التاتارخانیة: ۳۳/۲، کتاب الحج، الفصل الأول فی شرائط الوجب، إدارة القرآن کراتشی)

قال العلامة الحصفکی: وفی الأشباه: معه ألف وخاف العزوبة، إن کان قبل خروج أهل بلده فله التزوج، ولو وقته لزم الحج. (الدر المختار: ٤٦٣/١، کتاب الحج، سعید)

إذا وجد ما یحج به وقد قصد التزوج، یحج به ولایتزوج به؛ لأن الحج فریضة أوجبها اللّٰه تعالٰی علٰی عبده، کذا فی التبیین. (الفتاویٰ الهندیة: ٢٤٠/١، کتاب المناسک، الباب الأول فی تفسیر الحج، دار الکتب العلمیة، بیروت)

☆ **لڑکی کی شادی مقدم ہے، یا حج:**

سوال: بالغہ لڑکی بغیر شادی شدہ گھر میں موجود ہو اور والدین حج کو جانا چاہتے ہیں تو بالغہ کی شادی کرنا افضل ہے، یا حج کو جانا؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر حج فرض ہے اور لڑکی کی حفاظت کا انتظام بھی ہے تو اس کی شادی کی وجہ سے حج کو مؤخر نہ کیا جائے۔ (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ''لڑکی کی شادی مقدم ہے، یا حج'') فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳۸۸/۵/۲۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۹۲/۱۰)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر یہ محقق ہوجائے کہ ماہانہ روپے میں صرف مکہ معظّمہ کی آمد ورفت اور وہاں تازمانہ حج قیام کے لیے کافی ہوجاوے گا تو حج اس پر فرض ہوگیا؛ کیوں کہ حج کے فرض ہونے کے لیے مدینہ شریف کی آمدورفت کے خرچ کا لحاظ نہ کیا جاوے گا اور اگر کرایہ جہاز وغیرہ کی تحقیق سے یہ معلوم ہو کہ ماہانہ روپیہ صرف مکہ معظّمہ کی آمدورفت کے خرچ کو بھی کافی نہیں ہے تو پھر حج فرض نہیں ہوا، اس صورت میں اس روپے کو دوسرے کار خیر مثل تعمیر چاہ وغیرہ میں صرف کرنا درست ہے اور بہ صورت نہ فرض ہونے حج کے سال آئندہ کا انتظار لازم نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۵۱۹/۶)

پہلے شادی کرے، یا حج:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاس اپنے بچوں کی شادی کے لیے پیسہ رکھا ہوا تھا اور شادی کی تاریخ بھی قریب ہی تھی، اسی دوران حج کا وقت آ گیا تو یہ شخص پہلے حج کرے، یا اپنے بچوں کی شادی کرے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ، الجوابــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر شادی کی ضرورت ہے اور حج کا وقت آ جائے تو اولاً حج کرے اور اگر حج کے وقت میں دیر ہو تو شادی کرنے کو ترجیح ہوگی۔ یہی حکم اپنے بچوں کی دی شادی وغیرہ کا ہے کہ بچوں کی شادی کی وجہ سے حج کو مؤخر نہ کیا جائے۔

له ألف وخاف العزوبة إن كان قبل خروج أهل بلده فله التزوج ولو وقفه لزمه الحج. (غنية الناسك، ص: ۲۰، شامي: ۴۹/۳، زكريا، البحر العميق: ۳۸۱/۱، الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴۷۳/۳، الفتاوىٰ الهندية: ۲۱۷/۱، فتح القدير: ۴۱۳/۲، بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاء: احقر محمد سلمان منصور پوری، ۶/۳/۱۴۳۶ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۱۱/۷)

حکم تقدیم بر پرورش ونکاح اولاد:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید فقیر ہے گزر توکل علی اللہ، چار اولاد بالغ اور چار نابالغ رکھتا ہے، صاحب جائداد نہیں، البتہ علاوہ مکان سکونتی کے اس کی دوسری حویلی تھی، اس نے اس کو بعوض پانصد (پانچ سو) کے فروخت کر کے سو روپے اپنے قرض دے دیئے، اب ان چار سو روپے میں وہ ان بالغ اولاد کے نکاح سے فارغ ہوجاوے، یا ان مبالغ کو نابالغ بچوں کی پرورش کا سرمایہ سمجھیں، یا اس قدر یک مشت روپے کی ملکیت سے اس پر حج فرض ہوگیا، وہ حج کو چلا جاوے؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) على مسلم ... وراحلة ... فضلاً عما لابد له منه وفضلاً عن نفقة عياله ... إلىٰ حين عوده، إلخ. (الدر المختار)
قوله ذی زاد أفاد أنه لايجب إلا بملك الزاد أجرة الراحلة. (ردالمحتار، كتاب الحج: ۱۹۳/۲-۱۹۴)
ساڑھے تین سو روپے میں حج ۱۳۳۷ھ میں ممکن تھا اور اسی زمانہ کا فتویٰ ہے۔

الجواب ــ

في الدر المختار: فضلاً عما لابد منه إلٰى قوله وحرر في النهر أنه يشترط بقاء رأس المال لحرفته إن احتاجت لذلك وإلا لا، وفي الأشباه: معه ألف وخاف الغروبة إن كان قبل خروج أهل بلدة فله التزوج ولووقته لزمه الحج وفضلاً عن نفقة عياله ممن تلزمه نفقته لتقدم حق العبد إلٰى حين عوده وقيل بعده بيوم وقيل بشهرمع أمن الطريق بغلبته السلامة ولو بالرشوة علٰى ماحققه الكمال، آه.(۱)

في رد المختار: قوله إلٰى حين عودة متعلق بقوله فضلاً أوبما لا بد منه لأنه بمعنى ما يحتاجه أوينفقه أي فلايشترط بقاء نفقة لما بعد عوده وهٰذا ظاهر الرواية، آه.(۲)

بنابراس روایت کے جب اس شخص کو کسی پیشہ کے لیے روپیہ کی ضرورت نہیں اور نہ خوف غربت ہے اور دوسرا مکان بھی رہنے کو ہے اور وقت عود تک کے لیے اہل وعیال کا نفقہ نکل کر بھی حج کے لیے کافی خرچ بچ سکتا ہے؛ اس لیے اس شخص پر بشرط امن طریق حج فرض ہوجائے گا۔ واللہ اعلم

۲۰/ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ، ص:۱۸۹) (امداد الفتاوی جدید:۲/۱۶۵-۱۵۷)

دو بیویوں میں سے ایک بیوی کا نفقہ دیئے بغیر حج کو جانا کیسا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے شادی کی، شادی کے ایک سال بعد زید کی بیوی کے بچہ پیدا ہوا، اسی دوران زید نے اپنی بیوی کو گھر سے نکال دیا، زید کی بیوی اپنی ماں کے گھر چلی آئی، آج پانچ سال ہوگئے ہیں کہ زید کی بیوی اپنی ماں کے گھر چلی آئی، زید نے اپنی بیوی کو ابھی تک کسی قسم کا خرچ وغیرہ نہیں دیا اور نہ ہی اس مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کی، زید اپنی بیوی کو صورت تک نہیں دکھائی، صرف اپنے بچہ کے لیے ماہ وار پانچ سو روپیہ دیتا تھا، اب آٹھ ماہ سے وہ بھی دینا بند کردیا ہے، یہاں تک کہ عید پر کپڑے وغیرہ بھی نہیں دیئے، زید کی یہ دوسری شادی ہے، اب زید اپنی پہلی والی بیوی کے ہمراہ حج کرنے کے لیے جارہا ہے، جب کہ زید کی دوسری بیوی پریشانیوں میں مبتلا ہے، اب اسے ایک منٹ کے لیے سکون نہیں ہے، کیا زید کے لیے دونوں بیویوں کے حقوق برابر ہیں، کیا ایسی صورت میں حج بیت اللہ کے لیے جاسکتا ہے، جب کہ ابھی زید نے اپنی بیویوں سے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ کیا بیوی کی اجازت کے بغیر وہ حج کو جاسکتا ہے، زید اپنی بیوی کا خرچ مار کر حج کے لیے جارہا ہے۔

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

مسئولہ صورت میں اگر واقعی زید کی بیوی مظلومہ ہے اور بغیر کسی معقول وجہ کے اسے نفقہ سے محروم کیا گیا ہے تو زید کا

---

(۱) الدر المختار علی الرد، کتاب الحج: ۶۱/۳-۶۳، مكتبة الرياض

(۲) ردالمحتار، كتاب الحج: ۴۶۲/۳، مكتبة الرياض

یہ عمل ظلم ہے اور وہ سخت گنہگار رہے، اسے اپنی اس بیوی کے حقوق بھی ادا کرنے چاہئیں، احادیث طیبہ میں دو بیویوں کے درمیان برابری اور انصاف کرنے کی سخت تاکید وارد ہوئی ہے۔

عن أبی هريرة عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: إذا كانت عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط. (سنن الترمذی، رقم: ١١٤٠، سنن أبی داؤد، رقم: ٢١٣٤، مشكوٰة المصابيح: ٢٧٩/٢، رقم: ٣٢٣٦، مرقاة المفاتيح: ٣٥٢/٦، بيروت)

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود حج کو جاتے وقت زید کا اس بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری نہیں ہے، اس کا حج بلاشبہ صحیح ہوجائے گا۔ ہاں اگر دوسری بیوی سے اجازت لے کر اسے خوش کردے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔

عن عائشة رضی الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أراد سفراً أقرع بين نسائه، فأيهن خرج سهمها خرج بها معه. (صحيح البخاری، رقم: ٢٦٨٨، صحيح مسلم، رقم: ٢٧٧٠، مرقاة المفاتيح: ٣٤٩/٦، دار الكتب العلمية بيروت)

ولا قسم فی السفر دفعاً للحرج فله السفر بمن شاء منهن، والقرعة أحب تطبيباً بقلوبهن. (الدر المختار: ٢٠٦/٣، كراتشی، ٣٨٤/٤، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۷/۱۰/۲۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۱۷/۷)

صاحب استطاعت ہونے پر پہلے کار خیر کرے، یا حج کرے:

سوال: زید کہتا ہے کہ میرا ارادہ ہے کہ خدا تعالیٰ اگر مجھے روپیہ دے تو اس میں اپنے بھائیوں کے ساتھ صلہ رحمی کروں (وہ تنگ دست ہیں) اور وسعت ہونے پر کنواں اور مسجد بنواؤں، اگر خدا تعالی اس کو مال عطا فرمادے تو وہ پہلے حج ادا کرے، یا اپنی بھائیوں کو روپیہ دے، یا مسجد، یا کنواں بنادے؟

حج مقدم ہے، یا تعمیر مسجد:

سوال: زید صاحب نصاب ہے اور ان کی مسجد بھی خراب ہے تو پہلے حج کرے، یا مسجد کی تعمیر کرادے اور نیت اس نے دونوں کی کرلی ہے اور روپیہ اتنا ہے کہ ایک کام کرسکتا ہے؟

الجواب

حج فرض ہے، پہلے حج کرنا چاہیے، اس کے بعد اگر گنجائش ہو تو مسجد بھی تعمیر کرادی جاوے، وہ کار ثواب ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵۲۰/۶)

---

(۱) فرض مقدم ہے۔

هو فرض مرة على الفور فی العام الأول عند الثانی وأصح الروايتين عن الإمام مالک وأحمد ... فيفسق و ترد شهادته بتأخيره إلخ. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الحج: ٥٤٥/٣)

مالِ حرام سے حج:

سوال: مالِ حرام سے حج کرنا چاہیے کہ نہیں؟

الجواب ________________ حامداً و مصلیاً

نہیں چاہیے؛ تاہم اگر کرلیا جائے گا تو فریضہ ادا ہوجائے گا؛ لیکن حجِ مقبول کا ثواب حاصل نہ ہوگا۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ:۳۱۰/۱۰-۳۱۱)

جائز و ناجائز مخلوط مال سے حج:

سوال: ایک شخص نے ارادۂ حج بیت اللہ شریف کے لیے پونجی جمع کی، جو اس وقت حج کے لیے کافی معلوم ہوتی ہے؛ لیکن اس نے چند ایک کتب دینیات مطالعہ کیں، جس سے اس نے اپنی غلطیاں محسوس کیں اور اس کو شک ہے کہ ایسی پونجی سے حجِ بیت اللہ شریف شاید واجب نہ ہو، لہٰذا معلوم ہو کہ پونجی جمع شدہ ایسی رقوم سے ہے:

(۱) شخصِ مذکور آج سے ۷، ۸/سال پہلے کمیٹی کے گھر میں ملازمت لال ٹین جلانے کی ۶، ۷/سال کرتا رہا، اس میں حسبِ دستور ملازم تیل کی بچت کرتے ہیں، چناں چہ اس نے بھی ایسا ہی کیا اور تیل فروخت کرکے رقم جمع کرتا رہا؛ لیکن معلوم نہیں ہے کہ ایسی کتنی رقم اس نے جمع کی ہے؛ لیکن رقم تیل فروخت شدہ تنخواہ سے زائد ہوا کرتی تھی۔

(۲) نیز یہ شخص حافظِ قرآن شریف ہے، جو عرصہ ۱۶، ۱۷/سال سے ماہ رمضان المبارک کے موقعہ پر لوگوں کو مسجدوں میں سنایا کرتا ہے، بعد ختمِ قرآن کریم پر رسم کے طور پر لوگوں سے معقول رقم حاصل کرتا ہے، جس کی بچت وہ جمع کرکے اس پونجی میں جمع کرلیتا ہے۔

(۳) یہ شخص تمام رقوم پس انداز کو ڈاکخانہ سرکاری میں آج تک جمع رکھتا ہے، جس پر اس کو ہر سال سود ملتا ہے، جو اصل رقم میں شامل ہوجاتا ہے۔

---

(۱) ويجتهد في تحصيل نفقة حلال،فإنه لايقبل الحج بالنفقة الحرام،كما ورد في الحديث،مع أنه يسقط الفرض عنه معها،ولا تنافي بين سقوطه وعدمه قبوله، فلا يثاب لعدم القبول،ولا يعاقب عقاب تارك الحج.(رد المحتار:۴۵/۳ ،مطلب في من حج بمال حرام،ط،رياض)

ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لايقبل الحج بالنفقة الحرام مع أنه يسقط الفرض معها وإن كانت مغصوبة، كذا في فتح القدير.(الفتاوىٰ الهندية،الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته إلخ: ۲۴۳/۱،رشيدية)

وقدرة زاد وراحلة ... فلا تجب بإباحة ولا بمال حرام، لكن لو حج به،جاز؛لأن المعاصي لاتمنع الطاعات، فإذا أتى بها لايقال:أنها غيرمقبولة، كما في مكروهات صلاة الخزانة،ذكره القسهتاني.(مجمع الأنهرشرح ملتقى الأبحر،كتاب الحج: ۲۶۱/۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۴) انہیں رقوم پیدا شدہ سے اس نے چند ایک زیورات خانہ داری اور ایک معمولی مکان رہائشی بھی بنایا ہے، لٰہذا کیا ایسے پیسہ سے حج بیت اللہ شریف واجب ہے؟ اگر نہیں تو ایسی رقم کا صحیح مصرف کیا ہوسکتا ہے؟

(۵) اور کیا وہ شخص نمبر:۲ یعنی قرآن کریم کا سنانا اور اس پر بغیر طلب کئے اجرت کا حصول ہو جائے، فی سبیل اللہ تو لینے کا حقدار ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو مل جانے پر صحیح مصرف کیا ہوسکتا ہے، یا انکار لازمی ہے؟ والسلام

(نور محمد، دفتر جنگلات، لاہور)

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

”ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه،فتجب الزكاة فيه،ويورث عنه؛لأن الخلط استهلاک إذا لم يكن تمييزه عند أبی حنيفة رحمه الله عليه،وقوله أرفق؛إذ قلما يخلو مال عن غصب.وهٰذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفی دينه،وإلا فلا زكاة،كما لو كان الكل خبيثاً،كما فی النهر عن الحواشی السعدية،آه“. (۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جو مال ناجائز طریقہ سے جمع کیا ہے اس کو منہا کرنے کے بعد اگر حج کے لیے کافی ہو تو حج فرض ہوگا، ورنہ حج فرض نہ ہوگا اور جو مال حرام جمع کیا ہے، اس کا اصل مالک کو، اگر وہ مر چکا ہے تو اس کے ورثہ کو واپس کرنا ضروری ہے، اگر نہ مالک موجود ہوں، نہ اس کے ورثہ موجود ہوں تو بہ نیتِ گلوخلاصی اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (۲)

(۱) چوری ہے۔ (۳)

(۲) بھی ناجائز ہے کہ یہ قرآن شریف رمضان شریف میں سنانے کی اجرت ہے۔ (۴)

(۳) اکثر علما کے نزدیک جائز ہے، بعض کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے۔ (۵) تاہم اس کی واپسی ڈاکخانہ میں ہرگز جائز نہیں، اگر زیادہ احتیاط مطلوب ہو تو غربا پر اس کو صدقہ کر دیا جائے۔ (۶) ورنہ اپنے پاس رکھنے میں بھی گنجائش ہے۔

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة،باب زكاة الغنم،مطلب فيما لو صادر السلطان جائراً فنوى بذلک أداء الزكاة إليه: ۳۱۸/۳،ط،الرياض

(۲) والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم،وإلا فإن علم عين الحرام لايحل له،ويتصدق به بنية صاحبه“.(رد المحتار،مطلب فيمن ورث مالاً حرام: ۹۹/۵،سعيد)

(۳) هی لغة أخذ الشیء من الغير خفية“.(الدرالمختار، كتاب السرقة: ۱۳۶/٦،سعيد)

(۴) أقول:المفتی به جواز الأخذ استحساناً علٰى تعليم القرآن لا على القراءة المجردة،كما صرح به فی التاتارخانية.(رد المحتار،باب الإجارة الفاسدة،مطلب:تحرير منهم فی عدم جواز الاستيجار على التلاوة و التهليل ونحوه: ۷۷/۹،مكتبة الرياض)

(۵) قوله:لاربوا بين أهل الحرب،أقول:أنه لاربوا بين أهل الحرب وأهل الإسلام فی دارالحرب،وقال أبو يوسف والشافعی وأمد ومالک بخلافه.(إعلاء السنن،باب الربوا فی دار الحرب بين المسلم والحربی: ۳۳۳/۱٤، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية كراچی)

(٦) والسبيل فی المعاصی ردها وذلک ههنا برد المأخوذ ان تمكن من رده بأن عرف صاحبه،وبالتصدق به إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله إن كان لايصل إليه عين ماله.(الفتاوٰی الهندية،كتاب الكراهية،الباب الخامس عشر فی الكسب: ۳٤۹/۵،رشيدية)

(۴) یہ سب چیزیں جائز ہیں بشرطیکہ رقم ناجائز کا ضمان ادا کردیا جائے۔(۱)

(۵) قرآن کریم سنانے پر کوئی رقم لینا بغیر طلب بھی ناجائز ہے؛ **لأن المعروف كالمشروط**،البتہ اگر کسی جگہ یہ رواج ہو کہ سنانے والے کو کچھ نہ دیا جاتا ہو اور وہ محض ثواب کی غرض سے سناتا ہو اور اس کے ذہن میں بھی یہ نہ ہو کہ یہاں سے کچھ ملے گا، یا صاف طور پر تصریح کردی جائے کہ یہاں سے کچھ نہ دیا جائے گا اور پھر کوئی شخص از خود کچھ خدمت کردے تو اس کے قبول کرنے میں مضائقہ نہیں اور چندہ کرنے اور جبراً وصول کرکے حافظ کو دینے کا جیسا رواج ہے، یہ ہرگز درست نہیں، لینے والا اور دینے والا سب گناہ گار ہوتے ہیں، ایسی رقم کی واپسی ضروری ہے۔(كذا في الشامي)(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۶/۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبد اللطیف، ۱۸/ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۱۱-۳۱۴)

ناجائز آمدنی سے حج کرنا:

سوال: ہندہ کے پاس صرف ایک پختہ عمارت جس کی قیمت تقریباً ۱۶/ ہزار روپیہ ہے حلال اور حرام پیسے سے عمارت کی تعمیر ہوئی ہے؛ یعنی رشوت اور غیر رشوت کے پیسے سے رشوت کا روپیہ ۳/ گنا لگا ہے، اس صورت میں عمارتِ مذکور کو بیچ کر حج کرسکتی ہے، یا نہیں؟ حوالۂ حدیث مع کتب مدلل تحریر فرمادیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلياً

ہندہ کو چاہیے کہ کسی سے قرض لے کر اسی سے حج کرے (کسی محرم کے ساتھ)، پھر عمارتِ مذکورہ کی قیمت سے وہ قرض ادا کردے؛ تاکہ حج بلا شبہ حلال مال سے ادا ہو؛(۳) لیکن عمارتِ مذکورہ کی قیمت؛ بلکہ خالص حرام مال سے بھی اگر حج ادا کیا تو فریضۂ ساقط ہوجائے گا اور حرام مال اس میں خرچ کرنے کا گناہ بھی ہوگا۔

---

(۱) إذ لو اختلط بحيث لايتميز ،يملكه ملكاً خبيثاً،لكن لايحل له التصرف فيه مالم يؤ د بدله،كما حققناه قبيل باب زكاة المال،فتأمل.(رد المحتار،مطلب فيمن ورث مالا حراما: ۹۹/۵،سعيد)

(۲) (ويجبر المستأجر علىٰ دفع ما قبل) فيجب المسمى بعقد وأجر المثل إذا لم تذكرمدة؟ شرح وهبانية من الشركة (ويحبس به) به يفتى (ويجبر على) دفع (الحلوة المرسومة) هي مايهدى للمعلم على رؤس بعض سورة القرآن سميت بها؛لأن العادة اهداء الحلاوى.(الدرالمختار)

وقال ابن عابدين:وقال العيني في شرح الهداية:والآخذ والمعطى آثمان.(مطلب:تحريرمهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة والتهليل،الخ: ۵۶/۶،سعيد)

(۳) إذا أراد الرجل أن يحج بمال حلال فيه شبة،فإنه يستدين للحج ويقضي دينه من ماله،كذا في فتاوىٰ قاضي خان.(الفتاوىٰ الهندية،كتاب المناسك،الباب الأول: ۲۲۰/۱،رشيدية)

”قال فی البحر: ویجتهد فی تحصیل نفقة حلال، فإنه لایقبل النفقة الحرام، کما ورد فی الحدیث، مع أنه یسقط الفرض عنه معها، ولا تنافی بین سقوطه وعدم قبوله، فلا یُثاب لعدم القبول، ولا یعاقب تارک الحج، آه“. (۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۴؍ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۱۴-۳۱۵)

حرام آمدنی والے کو بوقت حج اپنے گروپ میں شامل کرنا:

سوال (۱) ایک شخص ریاست نیپال میں چمڑا اور شراب کی بھٹی وغیرہ کا ٹھیکہ لیتا ہے، وہ حجِ بیت اللہ کے لیے جانا چاہتا ہے، کچھ لوگ اسی گاؤں یا آس پاس کے ہیں، وہ بھی جا رہے ہیں، ان لوگوں کا شخص مذکور سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے، نہ کاروبار کا نہ رشتہ کا، شخص مذکور یا اس کی اہلیہ اس گروپ میں شامل ہونا چاہتا ہے، یا چاہتی ہے، اس کی اہلیہ کا محرم اس کا بھائی ہے، وہ بھی اس گروپ میں ہے اور بھائی کا اپنی بہن کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ گروپ بنانے کا مقصد یہ ہے کہ دورانِ سفر قیامِ مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ کھانا اور رہائش وغیرہ ایک ساتھ ہو، کیا ایسے گروپ میں شامل ہو کر حج کیا جا سکتا ہے؟

حرام آمدنی والا اگر کہے کہ میں نے قرض لیا ہے، یا حلال آمدنی ہے تو اس کا قول معتبر ہے:

(۲) اگر شخص مذکور یہ کہتا ہے کہ وہ حج حلال کمائی سے کر رہا ہے، حرام کی کمائی سے کوئی تعلق نہیں ہے تو کیا اس کی اس بات کو قبول کیا جا سکتا ہے؟ اور پھر اس کو گروپ میں شامل کیا جا سکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) حج ادا ہو جائے گا؛ (۲) مگر حرام مال ان کی شرکت میں نہ کھائیں۔ (۳)

---

(۱) ردالمحتار، مطلب فیمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۶، سعید

(۲) ویجتهد فی تحصیل نفقة حلال، فإنه لایقبل الحج بالنفقة الحرام، مع أنه یسقط الفرض معها، وإن کانت مغصوبة، کذا فی فتح القدیر. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب المناسک، الباب الأول فی تفسیر الحج: ۱/۲۲۰، رشیدیة)

(۳) وفی الذخیرة: سئل أبو جعفر عمن اکتسب ماله من أمر السلطان والغرامات المحرمة وغیر ذلک، هل یحل لمن عرف ذلک أن یأکل من طعامه؟ قال: أحب إلیّ فی دینه أن لایأکل ویسعه حکما إن لم یکن غصباً أو رشوة. (رد المحتار، فصل فی البیع: ۶/۳۸۶، سعید)

أکل الربا وکاسب الحرام أهدی إلیه أو أضافه وغالب ماله حرام، لایقبل ولا یأکل ما لم یخبره أن ذلک المال أصله حلال ورثه أو استقرضه. (الفتاویٰ الهندیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات: ۵/۳۴۳، رشیدیة)

(۲) اگراس کے پاس حلال آمدنی کا ذریعہ بھی ہے یا وہ کہتا ہے کہ یہ روپیہ قرض لیا ہے تو اس کا قول صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۵/۱۳۹۰ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۳۱۷-۳۱۸)

مال حرام سے حج فرض ہوتا ہے، یانہیں:

سوال: جس شخص کے پاس مال حرام ہے تو اس پر حج فرض ہے، یانہیں؟ اور جب کہ وہ روپیہ صرف ہو گیا اور مالک روپیہ سے اجازت لے لی تو اب وہ مال حلال ہوگیا؛ مگر اب صرف ہو چکا ہے تو اب اس پر حج ہے، یانہیں؟ اگر ہے تو سوال کرے، یا قرض لے کر ضروری ہے؟

الجواب

مال حرام جب اپنے مال میں مخلوط ہو جاوے، ملک میں داخل ہو جاتا ہے،(۲) اس لیے حج فرض ہو جاوے گا اور بعد فرض ہونے کے مال کے صرف ہو جانے سے فرض بحالہ رہتا ہے؛ لیکن سوال نہ کرے، البتہ اگر امید ادا ہو تو قرض لینا جائز ہے۔(کذا فی ردالمختار،أول کتاب الحج)(۳)

۱۶/محرم ۱۳۲۶ھ(تتمہ اولی،ص:۶۸)(امدادالفتاوی جدید:۲/۱۶۱)

زنا سے حاصل شدہ مال سے تجارت اور حج کرنا:

سوال(۱) کسی عورت کے خریدے ہوئے مکان میں بود و باش کرنا جائز ہے، یانہیں؟ اور تجارت کر سکتے ہیں، یانہیں؟

(۲) اور کسی عورت کے نقد مال سے کچھ تجارت کر کے اس مال کے نفع میں سے حصہ لینا جائز ہے، یانہیں؟

(۳) کسی عورت نے اپنے نقد مال کو زائل کر کے؛ یعنی عین شے کسی اور شخص کو دے کر اس کے بدلہ میں اور مال اسی شخص سے لے کر حج کرے تو کیا یہ حج ادا ہو جائے گا، یانہیں؟

(المستفتی:۱۱۴۷، بدست عبدالرزاق، متعلم مدرسہ ہذا، ۷/جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ، مطابق ۲۶/اگست ۱۹۳۶ء)

الجواب

کسی اور زانیہ عورت نے زنا سے جو مال کمایا ہے اور اس مال کے ذریعہ سے جائداد حاصل کی، وہ سب خبیث ہے،

---

(۱) فإن كان الغالب هوالحرام ينبغي أن لايقبل الهدية ولايأكل الطعام،إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل،كذا في الينابيع". (الفتاوى الهندية،الباب الثانى عشر فى الهدايات والضيافات: ۳٤۲/۱،رشيدية)

(۲) خلط کرنے سے حرام ملک میں داخل تو ہو جاتا ہے؛ مگر دین شمار ہوتا ہے؛ اس لیے مال حرام سے زائد اگر بقدر استطاعت مال ہو تو حج فرض ہوگا، ورنہ نہیں، اس کی تفصیل مسئلہ:۱۴،ص:۸، اور مسئلہ:۲۳،ص ۱۲، پر ملاحظہ ہو۔(رشید احمد عفی عنہ)

(۳) الدرالمختار على الرد، كتاب الحج: ٤٥٣/٣،مكتبة الرياض

اس نفع اٹھانا ناجائز ہے، اس مال سے تجارت کرنا بھی خباثت سے خالی نہیں۔(۱) ہاں اگر وہ کسی شخص سے قرض لے اور اس قرض لیے ہوئے روپے کو کسی کو دے دے اور وہ شخص اس سے تجارت کرے تو یہ تجارت جائز ہوگی اور اسی طرح قرض لیے ہوئے مال سے حج کر سکتی ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۴/۳۵۰-۳۵۱)

غیر کی زمین پر غاصبانہ قبضہ رکھتے ہوئے حج کرنا:

سوال: خالد نے عمر کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے تو اگر خالد حج کو جائے تو حج درست ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

زمین کے غصب کا گناہ مستقل ہے؛(۳) مگر حج ادا ہو جائے گا، اگر حرام روپیہ سے حج کیا ہے تو وہ مقبول نہیں ہوگا۔

وقد يتصف بالحرمة كالحج بمال حرام. (الدر المختار) **فقد يقال: أن الحج نفسه الذى هو زيارة مكان مخصوص، إلخ ... ليس حراماً بل الحرام هو انفاق المال الحرام، و لاتلازم بينهما، كما أن الصلاة فى الأرض المغصوبة تقع فرضاً ... لأن الفرض لايمكن اتصافه بالحرمة، و هنا كذلك، فإن الحج فى نفسه مأمور به، وإنما يحرم من حيث الانفاق، و كأنه أطلع عليه الحرمة؛ لأنه للمال دخلا فيه، فإن الحج عبادة مكربة من عمل البدن و المال كما قدمناه، ولذا قال فى البحر: ويجتهد فى تحصيل نفقة حلال، فإنه لايقبل بالنفقة الحرام، كما ورد فى الحديث، مع أنه يسقط الفرض عنه معها، و لاتنافى بين سقوطه و عدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، و لايعاقب عقاب تارك الحج، إلخ.** (۴)

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ناجائز اور حرام چیز کے ارتکاب سے نفس حج میں کوئی خرابی نہیں آتی؛ بلکہ حج ادا ہو جائے گا، لیکن دوسرا ناجائز فعل کا گناہ مستقل ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱/۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۱۶)

---

(۱) لیکن اگر ناجائز مال سے بھی حج کرے تو اس کے ذمے سے فرض ادا ہو جائے گا۔ قوله: كالحج بمال حرام، قد يقال: إن الحج نفسه الذى هو زيادة مكان مخصوص، إلخ، ليس حرامًا، بل الحرام هو إنفاق المال الحرام، ولا تلازم بينهما، كماأن الصلاة فى الأرض المغصوبة تقع فرضًا، وإنماالحرام مشغل إمكان المغضوب، مع أنه يسقط الغرض عنه معها. (ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب فيمن حج بمال حرام: ٢/٤٥٦، ط: سعيد)

(۲) اس صورت میں سقوط فرض کے ساتھ استحقاق اجر و ثواب بھی ہوگا۔

(۳) عن سعيد بن زيد رضى الله تعالىٰ عنه: قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبعين أرضين. (متفق عليه). (مشكاة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ٢٥٤، قديمى) (صحيح البخارى، رقم الحديث: ٢٤٥٢، الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ١٦١٢، عن عروة بن الزبير، انيس)

(۴) ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ٢/٤٥٦، سعيد

سود آمیزش والی رقم سے حج کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میرے پاس اتنی رقم ہے کہ ہم دونوں میاں بیوی حج بیت اللہ کو جاسکیں؛ لیکن اس میں تقریباً دس ہزار روپیہ بینک کے سود بھی ہیں تو میں ان دس ہزار روپیوں کو اپنی ضرورتوں میں لگا سکتا ہوں، یا نہیں؟ اور ان روپیوں کو اپنے فریضہ حج میں استعمال کرسکتا ہوں، یا نہیں؟ میرے پاس کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہے کہ میں دوسرے سے لے کر حج کو جاسکوں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

سودی رقم سفر حج کے صرفہ میں یا اپنی ضروریات میں استعمال کرنی ہرگز جائز نہیں ہے؛ بلکہ یہ رقم غریبوں کو بلانیت ثواب تقسیم کرنی لازم ہے، اگر آپ کو سفر حج کے لیے رقم کی ضرورت ہو تو کسی سے قرض حسن لے لیں۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أيها الناس! إن اللّٰه طيب لايقبل إلا طيباً (الحديث بطوله) **وفيه: ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغير يمد يديده إلى السماء يارب! يا رب! ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذى بالحرام، فأنى يستجاب لذٰلك.**

(الصحيح لمسلم: ۳۲۶/۱، رقم: ۱۰۱۵، سنن الترمذي: ۱۲۸/۲، مسند أحمد رقم: ۸۳۴۸، شعب الإيمان للبيهقي: ۳۸۸/۲، رقم: ۱۱۱۸، المصنف لعبد الرزاق: ۱۹/۵، رقم: ۸۸۳۹)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (ردالمحتار: ۵۵۳/۹، زكريا)

ولا بمال حرام، ولو حج به سقط عنه الفرض لكنه لا تقبل حجته، كما ورد في الحديث، ولا تنافي بين الحج، كما إذا صلى في أرض غصب ... والحيلة لمن ليس معه إلا مال حرام أو فيه شبهة أن يستدين للحج من مال حلال ليس فيه شبهة ويحج به، ثم يقضي دينه من ماله، ذكر قاضي خان. (غنية الناسك: ۲۱-۲۲، إدارة القرآن كراتشي، شامي: ۴۵۳/۳، زكريا، مجمع الأنهر: ۲۶۱/۱)

إذا أراد الرجل أن يحج بمال حلال فيه شبهة فإنه يستدين للحج ويقضي دينه من ماله، كذا في فتاوىٰ قاضي خان في المقطعات. (الفتاوىٰ الهندية: ۲۲۰/۱، دار إحياء التراث العربي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۲/۴/۱۴۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۲۴/۷)

بینک سے ملی ہوئی سودی رقم سے حج کو جانا جائز نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع میت مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کو بینک میں جمع کردہ روپیے سے زائد روپے بھی دیئے گئے اور وہ اس زائد روپیہ کو لے کر حج کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ اس زائد روپے سے حج کرسکتا ہے، یا نہیں؟ اگر جواز کی صورت ہے تو کیوں اور اگر عدم جواز کی صورت ہے تو کیسے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

حج حلال مال سے کرنا چاہیے، حرام مال سے کیا گیا حج مقبول نہیں ہوتا، لہٰذا بینک سے ملے ہوئے سود کے روپے سے ہرگز حج نہ کیا جائے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص حرام مال سے حج کو جاتا ہے اور سواری پر سوار ہوکر لبیک کہتا ہے تو آسمان سے فرشتہ اسے جواب دیتا ہے کہ ’’لا لبيک لا سعديک‘‘ (یعنی تیری لبیک غیر مقبول ہے) تیرا توشہ حرام ہے، تیرا خرچہ حرام ہے، تیرا حج معصیت ہے، مبرور نہیں ہے۔

وروی عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم : إذا خرج الحاج حاجاً ينفقه طيبةٍ ووضع رجله فی الغرز فنادیٰ، لبيک اللّٰهم لبيک، ناداه مناد من السماء: لبيک وسعديک، زادک حلال، وراحلتک حلال، وحجک مبرور غير مازور، وإذا خرج بالنفقة الخبيثة فوضع رجله فی الغرز، فنادی: لبيک ، ناداه مناد من السماء: لا لبيک ولا سعديک زادک حرام، ونفقتک حرام، وحجک مازور غير مبرور. (رواه الطبرانی فی الأوسط، الترغيب والترهيب، مكمل، ص: ٢٦٤، رقم: ١٧٤٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۹/۱۱/۱۴۱۳ھ۔ (کتاب النوازل: ۷/۳۲۵)

سودی قرض سے کئے گئے کاروبار کی آمدنی سے حج کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید بینک سے قرض بصورت لون لیتا ہے اور کاروبار بھی کرتا ہے، اسی روپیہ سے زید صاحب نصاب ہوگیا اور اس پر حج فرض ہوگیا تو زید کو اس بینک والے روپیہ سے جو آمدنی ہوئی ہے، اس سے حج کرسکتا ہے، یا نہیں؟ اور یہ قرض لینا کسی شکل میں جائز ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ جب کہ اس قرض کی ادائے گی اگر کریں تو زائد رقم بینک کو دینی پڑتی ہے، جو سود کی شکل ہے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

بینک کو سود دینا جائز نہیں ہے اور چوں کہ بینک سے لیے ہوئے قرض میں سود دینا لازمی ہوتا ہے، اس لیے بلا شدید ضرورت کے بینک سے قرض لینا بھی ممنوع ہے، لیکن جو روپیہ بینک سے لیا ہے اس سے کیے گیے کاروبار کی آمدنی حلال ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اس میں سود کی رقم کی ملاوٹ نہیں ہے، سودی رقم تو وہ ہے جو بینک کو دی جائے گی، لہٰذا صورت مسئولہ میں ایسی آمدنی سے حج کرنا درست ہوگا۔

عن علی رضی اللّٰه عنه مرفوعاً: كل قرض جر منفعة فهو ربا. (إعلاء السنن: ١٤/٥٦٦، رقم: ٤٨٥٨، وكذا فی المصنف لعبد الرزاق: ٨/١٤٦، رقم: ١٤٦٦٢)

عن مالک أنه بلغه أن رجلاً أتی عبد الله بن عمر، فقال: يا أبا عبد الرحمن إنی إسلمت رجلاً

سلفاً واشترطت عليه أفضل مما أسلفته ،فقال عبد الله بن عمر: فذلك الربا ... إلخ. (السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۲۷۷/۸،رقم: ۱۱۰۹۶)

كذا تستفاد من العبارة الآتية: القرض لا يتعلق بالجائز من الشروط فا لفاسد منها لا يبطله ... وفي الخلاصة : القرض بالشرط حرام والشرط لغو. (الدرالمختار ،كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۱۶۵/۵-۱۶۶، كراتشي، ۳۹٤/۷،زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۳/۱۲/۲۱ھ۔ (کتاب النوازل: ۳۲۶/۷)

ایڈوکیٹ اور وکالت کی آمدنی سے حج کرنا اور اس آمدنی کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص ایڈوکیٹ ہے، کچہری میں پرکٹس کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ اس سے حاصل شدہ آمدنی سے حج فرض ادا کرسکتا ہے، یا نہیں؟ وکالت کی آمدنی شرعاً جائز ہے، یا حرام؟ اگر حرام ہے تو کیا مطلقاً حرام ہے، یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

باسمه سبحانه تعالىٰ، الجواب ———— وبالله التوفيق

کچہری میں وکیل کا اس طرح وکالت کرنا کہ اپنے صحیح عمل، یا وقت پر مقررہ اجرت لے اور ناحق مقدمہ کی پیروی نہ کرے تو فی نفسہ وکالت جائز ہے اور اس پر حاصل شدہ آمدنی بھی حلال ہے، لہذا اس طرح کی آمدنی کسی وکیل کے پاس اتنی ہو، جس سے حج فرض ہو جاتا ہے تو اس کو حج کرنا لازم ہے؛ لیکن اگر عمل معصیت یا وقت واجرت کی تعیین نہ ہو، نیز ناحق مقدمہ کی پیروی، یا ظالم کی اعانت ہو، جیسا کہ آج کل اکثر وکیلوں کا پیشہ ہے تو اس طرح وکالت کا پیشہ جائز نہیں؛ اس لیے اس سے ملی ہوئی رقم حرام ہے، لہذا اس مال پر حج فرض نہیں ہوگا، البتہ اگر حاصل شدہ مال حرام سے زائد بقدر استطاعت مال حلال ہو تو حج فرض ہو جائے گا؛ تاہم اگر کسی نے مال حرام سے حج کرلیا تو فریضہ ساقط ہو جائے گا؛ مگر حج مقبول کا ثواب نہیں ہوگا اور ساتھ میں حرام مال خرچ کرنے کا گناہ بھی ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۷۷/۴، ۲۰۶/۳، امداد الفتاویٰ: ۱۶۰/۲)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يأتي على الناس زمان لا يبالي المرءُ ما أخذ َمنه، أمن الحلال أم من الحرام؟ (صحيح البخاری، رقم: ۲۰۵۹، بحواله: مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال: ۷/۶، رقم: ۲۷۶۱)

لا يجوز أخذ الأجرة على المعاصي ... لأن المعصية لا يتصور الستحقاقها بالعقد فلايجب عليه الأجر، وإن أعطاه الأجر وقبضه لايحل له ويجب عليه رده علىٰ صاحبه. (مجمع الأنهر: ۳۸٤/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

والإجارة على المعصية باطلة. (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۱۳۲/۱۵، زكريا)

ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكاة فيه ويورث عنه لأن الخلط

استهلاک إذا لم يمكن تمييزه عند أبي حنيفة ،وقوله ،أرفق إذ قلما يخلو مال عن غصب، وهذا إذا كان لـه مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفى دينه وإلا فلا زكاة ،كما لو كان الكل خبيثاً ،كما في النهرعن الحواشي السعيدية. (الدرالمختار، كتاب الحج: ٢١٧/٣، زكريا)

ويجتهد في تحصيل نفقة الحلال فإنه لايقبل الحج بنفقة الحرام، كما ورد في الحديث مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تنافي بين سقوطه وعدمه قبوله فلا يثاب لعدم القبول ولايعاقب عقاب تارک الحج. (ردالمحتار، كتاب الحج: ٤٥٣/٣، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۳/۲/۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۲۹/۷)

گورنمنٹ کی طرف سے اسکولوں کی تعمیر کے لیے دیئے گیے روپیوں سے حج کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ گورنمنٹ ایک شخص کو دو لاکھ روپیہ دیتی ہے کالج بنانے کے لیے، اب وہ شخص ڈیڑھ لاکھ میں کالج بنوا دیتا ہے اور پچاس ہزار بچا بنا لیتا ہے، آیا اس رقم سے حج کرنا صحیح ہے، یانہیں؟ نیز اگر حج کر لیتا ہے تو کیا وہ حج مقبول ہوگا؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

مذکورہ شخص گورنمنٹ کا وکیل ہے لہذا جتنا روپیہ کالج کی تعمیر میں خرچ ہوا تنا ہی گورنمنٹ سے لینا درست ہے، اس سے زائد جو پیسہ دھوکہ دے کر لیا جائے گا، وہ خیانت ہوگی، جو قطعاً جائز نہیں ہے اور اس طرح کے پیسہ کو سفر حج میں استعمال کرنا بھی منع ہے؛ تاہم اگر استعمال کرے گا تو اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا اور بہر حال زائد روپیہ گورنمنٹ کو لوٹانا لازم ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيها الناس! إن الله طيب لا يقبل إلا طيباً (الحديث بطوله) وفيه: ثم ذكر الرجل يطيل السفر إشعث أغبر يمد يديه إلى السماء يارب ! يارب! ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذى بالحرام ،فأنى يستجاب لذلک. (الصحيح لمسلم: ٣٢٦/١، رقم: ١٠١٥، سنن الترمذي: ١٢٨/٢، مسند أحمد، رقم: ٨٣٤٨، شعب الإيمان للبيهقي: ٣٨٨/٢، رقم: ١١٨، المصنف لعبد الرزاق: ١٩/٥، رقم: ٨٨٣٩)

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم: من غشا فليس منا. (الصحيح لمسلم، رقم: ١٠١، الترغيب والترهيب مكمل، ص: ٤٠٠، رقم: ٢٧٣٨)

ويجتهد في تحصيل نفقه الحلال فإنه لا يقبل الحج بنفقة الحرام ، كما ورد في الحديث مع أنه يسقط الفرض عنه معها ،ولا تنافي بين سقوطه وعدمه قبوله فلا يثاب لعدم القبول ولا يعاقب عقاب تارک الحج. (ردالمحتار، كتاب الحج: ٤٥٣/٣، زكريا)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد علىٰ صاحبه. (ردالمحتار، كتاب الحج: ۵۵۳/۹، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۷/۶/۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۳۱/۷)

ناجائز روپے سے حج فرض ہوتا ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص کے پاس سود چوری وغیرہ کا اس قدر روپیہ ہے کہ اس پر حج فرض ہے، اس سے حج کرے، یا نہ کرے؟ اگر کرے تو حج ادا ہوگا، یا نہ؟

الجواب

(۱) جب روپیہ ہو جاوے اور حج فرض ہو جاوے تو پہلے حج کرے پھر غریب بھائیوں کی امداد، پھر مسجد و چاہ بنوائے۔(۱)

(۲) حج فرض اور کرے، حج ادا ہو جائے گا، (۲) اور جن لوگوں کا روپیہ ناجائز طور سے لیا ہے، ان کو یا ان کے ورثہ کو اس قدر روپیہ دیوے، یا معاف کرادے، ورنہ صدقہ کرے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵۱۶/۶)

مہر دین مقدم ہے، یا حج:

سوال: اگر بر کسے حج فرض شدہ باشد و زوجۂ ش مانع شود و گوید کہ مہر ادا کن دریں صورت کہ نزدش برائے ادائیگی مہر سوائے ایں مال دیگر نیست، برآں کس فریضہ حج ادا کردن لازم است یا ادائیگی مہر زوجہ؟

---

(۱) حج فرض ہونے کے بعد پہلے اس کی ادائیگی ضروری ہے، بقیہ چیزوں کا درجہ اس کے بعد ہے۔

عن أبي هريرة قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم أي العمل أفضل قال إيمان بالله ورسوله قيل، ثم ما ذا قال الجهاد في سبيل الله قيل ثم ماذا قال حج مبرور متفق عليه. (مشكوة، كتاب المناسك، ص: ۲۲۱) (الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ۸۳، صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب من قال الإيمان هو العمل، رقم الحديث: ۲۶، سنن النسائي، كتاب الإيمان، باب ذكر أفضل الأعمال، رقم الحديث: ۵۰۰۰، عن أبي هريرة، انيس)

خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: أيها الناس إن الله قد فرض عليكم الحج فحجوا (مشكاة المصابيح: ۲۲۰، مكتبة قديمي كتب خانة، كراتشي، انيس)

(۲) (وقد يتصف بالحرمة كالحج بمال حرام) (الدر المختار)

فقد يقال أن الحج نفسه الذي هو زيادة مكان مخصوص، إلخ، ليس حراماً بل الحرام هو انفاق المال الحرام ولا تلازم بينهما كما أن الصلاة في الأرض المغصوبة تقع فرضاً إلخ قال في البحر ويجتهد في تحصيل نفقة حلال فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام كما ورد في الحديث مع أنه يسقط الفرض عنه معها، إلخ. (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۳/۲، ظفير)

الجواب

بصورت فرضیت حج اگر زوجہ مانع شود و گوید کہ میر اداء کردن لازم است حج را مؤخر کند و مری اداء کند۔ (۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵۳۸/۶ـ۵۳۹)

مہر مؤجل مانع وجوب حج نہیں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں یہ لکھ دیا کہ تم اپنے میکہ سے ایک ہفتہ کے اندر نہ آئی، یا میرا زیور نہ بھیجا؛ تو تم پر ایک طلاق ہے، چناں چہ وہ ہنوز نہیں آئی اور نہ زیور بھیجا اور معتبر ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ اس کو خط نہیں ملا تو کیا اس پر ایک طلاق دینے سے طلاق ہوگئی اور کیا ایک طلاق سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ کیا موجودہ صورت میں مرد حج کو جا سکتا ہے، بغیر رضا مند کئے ہوئے عورت کے اور رضا مند کر دے اور مہر نہ دے سکے؛ کیوں کہ اس کے پاس صرف اتنا روپیہ ہے کہ حج کر سکے، مہر ادا نہیں کر سکتا، اس کی دو لڑکیاں بھی ہیں تو کتنا حصہ مہر میں سے اس کو دیا جائے گا؟

الجواب

حج کو جانے کے لیے عورت کا راضی کرنا، یا اس کا راضی ہونا شرط نہیں ہے، اگر حج فرض ہوا ور نہ مہر ادا کر کے جانا ضروری ہے، جب کہ نکاح باقی ہو اور مہر مؤجل ہو؛ بلکہ عورت کو واپسی تک نان ونفقہ دے کر جانا واجب ہے۔ ہاں نکاح ٹوٹ چکا ہو اور عورت مہر کا مطالبہ کرے تو حج سے دین مہر ادا کرنا مقدم ہے اور یہ تفصیل اس وقت ہے، جب کہ دین مہر کو دوسرے قرضوں کی برابر نہ سمجھا جائے، جب کہ اس کی طرف سے بے التفاتی ہو، جیسا کہ عام اہل ہند کی یہی حالت ہے تو ایسا دین مہر وجوب زکوۃ وحج کے منافی نہیں، الا بوقت طلاق اور مطالبہ زن اور جو شخص دین مہر کو بھی دیون الناس کی طرح سمجھتا ہو اور اس کی ادا کی فکر میں ہو اور حسب ہمت قلیل وکثیر ادا کرتا ہو، اس پر حج اس وقت تک فرض نہ ہوگا، جب تک دین مہر ادا نہ ہو جائے، یا اتنی رقم اس کے پاس جمع ہو جائے، جو ادائے دین مہر کے بعد مصارف حج ونفقہ اہل وعیال کو تا واپسی کافی ہو۔ واللہ اعلم

۱۹ر رمضان شریف (امداد الاحکام: ۱۵۶/۳)

کیا مال ضائع ہونے سے حج ساقط ہو جائے گا:

سوال: ایک شخص پر حج فرض ہو چکا تھا؛ مگر کسی طرح اس کا مال ضائع ہو گیا، جس سے حج کو جانے کی طاقت جاتی رہی تو اب حج اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، یا نہیں؟

---

(۱) قال الشامی تحت قول الدرالمختار: (ممن یجب استیذانه) ... وکذا الغریم لمدیون لا مال له یقضی به والکفیل لوبالاذن فیکره خروجه بلا اذنهم کما فی الفتح وظاهره أن الکراهة تحریمیة ولذا عبر الشارح بالوجوب. (ردالمحتار، کتاب الحج: ۴۵۴/۳، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگراس کے پاس مال بقدرِ حج ایسے وقت تھا کہ لوگ حج کو نہیں جارہے تھے؛ بلکہ ابھی وقتِ حج میں دیرتھی اور وقتِ حج آنے سے پہلے ہی وہ مال ضائع ہوگیا تو اس کے ذمہ حج فرض نہیں، اگر زمانۂ حج میں مال تھا اور اس نے ارادہ کرلیا تھا؛ مگر بغیراس کے اختیار کے مال ضائع ہوگیا تب بھی اس کے ذمہ حج نہیں، اگر اس نے خود اپنے اختیار سے ایسی جگہ خرچ کردیا، جہاں شریعت کی طرف سے خرچ کرنے کا امر نہیں تھا تو اس کے ذمہ حج لازم ہوگیا۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۹۹/۱۰)

روپیہ ضائع ہونے سے فرضیتِ حج ساقط نہیں ہوتی:

سوال: عرصہ ۲۶/ سال کا ہوا جب زید پر حج فرض ہوا، اس رقم سے زید نے کھانڈ (چینی) خرید لی، چوں کہ حج کے جانے میں زیادہ دن تھے، قسمت کی بات کہ اس دوران میں کھانڈ سرکاری گرفت میں آئی گئی اور جو روپیہ تھا، وہ سب ختم ہوگیا اور زید حج سے محروم رہ گیا۔ اب قدرت نے پھر موقع عنایت فرمایا ہے، لڑکے اپنے پیسے حج بیت اللہ کو بھیج رہے ہیں، اب آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ جو زید کی حج کی فرضیت ماضی میں ہوچکی تھی، وہ پیسہ ختم ہونے کے بعد فرضیت ختم ہوگئی، یا باقی رہے گی؟ اور اگر باقی رہی تو کیا لڑکوں کے حج کرانے سے وہ فرضیت ختم ہوجائی گی، یا نہیں؟ تو پھر کیا صورت اختیار کیا جائے کہ جس سے حج بھی ہوجائے اور فرضیت بھی نہ رہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

روپیہ محفوظ نہیں رکھا، تجارت میں لگا دیا، جس کی وجہ سے وہ ضائع ہوگیا؛ اس لیے فریضۂ حج ختم نہیں ہوا؛ بلکہ ذمہ میں باقی ہے، لڑکے اگر پیسے دے رہے ہیں اور اس سے حج کرے گا، فریضۂ حج ادا ہوجائے گا۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۰/۱۰)

---

(۱) وقد قدمنا أن من الشرائط الوقت أعني أن يكون مالكاً لما ذكر في أشهر الحج، حتیٰ لو ملک ما به الاستطاعة قبلها، كان في سعة من صرفها إلیٰ غيره. وأفاد هٰذا قيداً في صيرورته ديناً إذا افتقر: هو أن يكون ما لكاً في أشهر الحج فلم يحج. والأولیٰ أن يقال: إذا كان قادراً وقت خروج أهل بلده إن كانوا يخرجون قبل أشهر الحج لبعد المسافة، أو كان قادراً في أشهر الحج إن كانوا يخرجون فيها ولم يحج حتیٰ افتقر، تقرر ديناً. وإن ملک في غيرها وصرفها إلیٰ غيره، لاشيء عليه، كذا في فتح القدير. (البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۵۰/۲، رشيدية)

ثم ما ذكر من الشرائط لوجوب الحج من الزاد والراحلة وغير ذلک يعتبر وجودها وقت خروج أهل بلده إلیٰ مكة، حتیٰ لو ملک الزاد والراحلة في أول السنة قبل أشهر الحج وقبل أن يخرج أهل بلده إلیٰ مكة فهو في سعة من صرف ذلک إلیٰ حيث أحب وإذا صرف ماله ثم خرج أهل بلده لايجب عليه الحج. فأما إذا جاء وقت خروج أهل بلده، فيلزمه التأهب، فلايجوز له صرفه إلیٰ غيره. فإن صرفه إلیٰ غير الحج، أثم وعليه الحج، كذا في البدائع. (الفتاویٰ الهندية، كتاب المناسک، الباب الأول في تفسير الحج: ۲۱۹/۱، رشيدية)

(۲) وقد قدمنا أن من الشرائط الوقت: أعني، الخ. (البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۵۰/۲، رشيدية)

بخلاف ما لو ملكه مسلماً فلم يحج حتیٰ افتقر، حيث يتقرر الحج في ذمته دينا عليه. (الفتاویٰ الهندية، كتاب المناسک، الباب الأول في تفسير الحج: ۲۱۷/۱، رشيدية)

حج کے بعد مالی پوزیشن صفر ہونے کی حالت میں حج:

سوال: سائل کی مالی حیثیت اتنی ہے کہ بیوی کا مہر ادا کرنے کے بعد اور اہل وعیال کے خرچہ کے بعد بہ آسانی حج کے اخراجات پورے ہو سکتے ہیں تو کیا حج فرض ہو جاتا ہے، گو کہ حج کے بعد مالی پوزیشن صفر ہو جائے گی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اس صورت میں حج فرض ہوگا۔ **"وتلک القدرة فاضلة عن نفقته ونفقة عياله إلٰى حين عوده، وقيل: بعده بيوم، وقيل: بشهر"**۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۴/۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۱/۱۰)

غلط افواہ سے حج کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی:

سوال: چند لوگ جن پر حج فرض تھا، امسال ارادہ حج بیت اللہ کا ارادہ رکھتے تھے کہ یہ خبر مشہور ہوئی کہ شریف مکہ حاجیوں سے بالجبر بیعت لیویں گے کہ امیر المومنین ہم ہیں، امسال حج کو جانا اور شریف مکہ سے بیعت کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

ایسی خبروں سے حج فرض ساقط نہیں ہوتا، لہٰذا جن لوگوں پر فرض ہے، ان کو حج کرنا چاہئے اور شریف مکہ سے بیعت کرنا درست نہیں ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵۳۳/۶)

بھیک مانگ کر حج کرنا کیسا ہے:

سوال: بھیک مانگ کر حج کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

یہ جائز نہیں ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵۱۸/۶)

---

(۱) **حاشية الطحطاوي علٰى مراقي الفلاح، كتاب الحج، ص: ۷۲۸، قديمي**

لأن الشرط في وجوب الحج زاد وراحلة، ونفقة أهله في ذهابه وعوده، ولا اعتبار بما بعده. (الحاوي الكبير، كتاب الحج: ۱۷/۵، المكتبة التجارية، مصطفٰى أحمد الباز)

(۲) **هو ... فرض مرة على الفور بشرط حرية وبلوغ وعقل وصحة وقدرة زاد و راحلة فضلت عن مسكنه وعما لابد منه ونفقة ذهابه وايابه وعياله وأمن طريق. (كنز الدقائق مع البحر الرائق) وحقيقة أمن الطريق أن يكون الغالب فيه السلامة كما اختاره الفقيه أبو الليث وعليه الاعتماد. (البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۳۷/۲ـ ۵۵۰، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)**

(۳) **وأما القدرة على الزاد والراحلة فالفقهاء علٰى أنه من شرط الوجوب أصلاً يتعلق بالفقير لاشتراط الاستطاعة في آية الحج. (البحر الرائق، كتاب الحج: ۴۶۶/۲)** اور حدیث میں ہے: **"السوال ذل"** اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **أمرني خليلي بسبع: أمرني بحب المساكين الدنو منهم، وأمرني أن أنظر هو دوني، ولا أنظر من هو فوقي، وأمرني أن أصل الرحم وإن أدبرت وأمرني أن لا أسأل أحداً شيئاً، وأمرني أن أقول بالحق وإن كان مراً و أمرني أن أخاف في اللّٰه لومة لائم وأمرني أن أكثر من قول: لا حول ولا قوة إلا باللّٰه. فإنهن من كنز تحت العرش. (كذا في المشكاة، باب فضل الفقر، ص: ۴۴۹، ظفير) (مسند أحمد، رقم الحديث: ۲۱۴۱۵، انيس)**

کیا نابالغ سمجھ دار بچے پر حج فرض ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا نابالغ سمجھ دار بچے پر حج فرض ہے؟ یعنی اگر اس کے پاس اتنا پیسہ ذاتی ملکیت میں جمع ہوجائے، جس مقدار سے سفر حج کے اخراجات پورے ہوجائیں تو کیا اس بچے پر حج کرنا فرض ہوگا؟ یا بالغ ہونے کا انتظار کیا جائے گا؟ نیز اگر وہ نابالغی کی حالت میں حج کرلے تو کیا اس کی طرف سے یہ حج فرض مانا جائے گا، یا نفل؟ اور بلوغ کے بعد دوبارہ حج کرنا ضروری ہوگا، یا وہی حج فرض کی طرف سے کافی ہوجائے گا؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

جو بچہ سمجھ بوجھ رکھتا ہو، وہ اگر حج کے تمام ارکان ادا کرلے تو اس کا حج صحیح ہوجاتا ہے؛ لیکن وہ اس کے حق میں نفل شمار ہوتا ہے۔

ولو أن الصبي حج إذا كان قبل البلوغ فلا يكون ذٰلك عن حجة الإسلام ويكون تطوعاً.

(الفتاویٰ الهندية: ۲۱۷/۱، ومثله في البدائع: ۲۹۳/۲، الفتاویٰ الخانية: ۲۸۱/۱)

أما الصبي يعقل الأداء فيصح منه أداء الحج بنفسه إجماعاً. (غنية الناسک، ص: ۱۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱۰/۱۴۱۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۹۷/۷)

بچے کو حج پر ساتھ لے جانے سے اس پر حج فرض ہوجاتا ہے:

سوال: بچہ کو حج کے لیے لے جانا مناسب نہیں؛ کیوں کہ اس پر بیت اللہ شریف دیکھنے سے فرض ہوجائے گا اور اگر وہ بڑھ کر مالدار نہ ہوا اور مر گیا تو گنہگار رہوگا، بوجہ متعلق ہوجانے فرضیت حج کے بسبب دیکھنے بیت اللہ شریف کے؟

الجوابــــــــــــ

بچہ اگر حج کرکے چلا آوے تو بالغ ہونے کے بعد اس پر حج فرض نہیں ہوتا۔ ہاں اگر بلوغ کے بعد مالدار بھی ہوجائے تو فرض ہوگا بوجہ مالداری کے، نہ بوجہ اس زیارت سابقہ کے۔ فقط

احقر عبدالکریم عفی عنہ، ۱۱/شوال ۱۳۴۸ھ۔ الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ، ۱۲/شوال ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۱۶۳/۳)

جس کے لڑکے مراہق ہوں، وہ حج کرسکتا ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص کے دو لڑکے مراہق ہیں ایک ماہوار دوسرا ماہوار کا ملازم ہے اور ایک بھائی ہے، کیا یہ شخص ان لڑکوں کی پرورش کرے یا چچا کے سپرد کرکے حج کو جاسکتا ہے؛ کیوں کہ اس کو ایک معذور شخص اپنی ہمراہ حج کو لے جانا چاہتا ہے۔

الجوابــــــــــــ

اس شخص کو حج کو جانا درست ہے؛ کیوں کہ اولاد اس کی محتاج نہیں ہے اور نگرانی ان کی ان کے چچا کے سپرد کردی جاوے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۶/۵۳۰-۵۳۱)

---

(۱) **(و) فضلاً عن (نفقة عياله) ممن تلزمه نفقته لتقدم حق العبد (إلىٰ) حين (عوده).** (الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، كتاب الحج: ۴۶۱/۳-۴۶۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

خواتین سے متعلق حج کے احکام

عورت پر حج کی فرضیت کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ عورت پر حج کب فرض ہوتا ہے؟ کیا عورت پر حج فرض ہونے کے لیے اپنے اخراجات کے ساتھ ساتھ کسی محرم، یا شوہر کے خرچ کا ہونا بھی ضروری ہے، یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

عورت پر حج کی فرضیت کی شرائط وہی ہیں جو مردوں کے لیے ہیں؛ یعنی تندرست ہونا اور مالی وسعت کا ہونا وغیرہ، البتہ عورت کے لیے مزید شرط یہ ہے کہ وہ اپنے حج کے اخراجات کے ساتھ محرم، یا شوہر کے حج کے اخراجات کی بھی مالک ہو، لہٰذا اگر اس کے پاس صرف اپنے حج کے بقدر مال ہے تو اس پر راجح قول کے مطابق حج فرض نہیں؛ تاہم اگر وہ کسی محرم، یا شوہر کے ساتھ اسی روپیہ سے حج کو چلی گئی تو اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا۔

فیشترط أن تکون قادرة علیٰ نفقتها و نفقته. (شامی:۴۶۴/۳، زکریا، انوار مناسک، ص:۱۷۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(کتاب النوازل:۶۱۱/۷)

حج کب فرض ہوتا ہے اور عورت بغیر محرم جا سکتی ہے، یا نہیں:

سوال: عورت کو بغیر کسی محرم کے حج کو جانا جائز ہے، یا نہیں؟ اور عورت پر حج کس وقت فرض ہوتا ہے اور مرد پر کس وقت فرض ہوتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــ

عورت کو حج کو جانا بدون کسی محرم شوہر وغیرہ کے جائز نہیں ہے اور عورت پر حج اس وقت فرض ہوتا ہے کہ اس کے پاس اس قدر روپیہ ہو کہ دونوں کا خرچ وہ اٹھا سکے؛(۱) یعنی اپنا خرچ اور محرم کا خرچ اٹھا سکے اور مرد کے ذمہ حج اس وقت

---

(۱) **عن عبد اللّٰه بن عمر رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: لایحل لامرأة باللّٰه والیوم الآخر تسافر مسیرة ثلاث لیال إلا معها ذو محرم.** (الصحیح لمسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلیٰ حج وغیره، رقم الحدیث: ۲۴۷۰، انیس)

(ومنها المحرم للمرأة) شابة کانت أو عجوزاً إذا کانت بینها وبین مکة مسیرة ثلاثة أیام ... وتجب علیها النفقة و الراحلة فی مالها للمحرم لیحج بها. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب المناسک، الباب الأول فی تفسیر الحج وفرضیته: ۲۱۸/۱-۲۱۹، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

فرض ہوتا ہے کہ علاوہ اپنے خرچ کے اپنے اہل وعیال کے لیے مدت سفر کا خرچ کافی چھوڑ جاوے اور خرچ قرضہ ہو، وہ سب ادا کر دے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۲۱-۵۲۲)

شوہر نے جو روپیہ دیا، وہ بیوی کا ہے، حج کے لیے کافی ہے تو حج کرے:

سوال: ایک عورت کو اس کا لڑکا اور شوہر ساتھ روپیہ ماہوار دیتے ہیں، عورت نے بہت کم خرچ کیا اور حج کے لیے روپیہ جمع کیا، اب اس کا شوہر مرگیا تو جو روپیہ عورت نے حج کے لیے جمع کیا تھا، وہ عورت کا ہے، یا لڑکے کا؟

الجواب ــ

جو روپیہ اس عورت کے شوہر اور لڑکے نے اس کو دیا، اس روپیہ کی وہ عورت مالک ہوگئی، اگر وہ روپیہ اتنا ہے کہ حج کے سفر کے لیے کافی ہے اور اس کے محرم کا خرچ بھی اس میں پورا ہو سکتا ہے تو اس عورت کے ذمہ حج فرض ہے، اپنے محرم کے ساتھ حج کو جانا چاہیے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۲۱)

شوہر کا اپنے پیسہ سے بیوی کو حج کرانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بہت سے حضرات مع اہلیہ حج کے لیے جاتے ہیں، فرض فریضہ حج پر صرف ہونے والی رقم عورت کی ملکیت نہیں ہوتی؛ بلکہ اس کا مالک شوہر ہی ہوتا ہے اور شوہر بیوی کو فریضہ حج کی ادائیگی پر صرف ہونے والی رقم کا مالک بنائے بغیر اس کو حج کرا دیتا ہے۔ مذکورہ بالا شکل میں عورت کا حج کا فرض ادا ہوا، یا نفل؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

جب عورت نے مکہ معظّمہ پہنچ کر حج کر لیا تو اس کا فریضہ بلاشبہ ادا ہو گیا، اپنی ملکیت کی رقم سے ہی پہنچنا ضروری نہیں ہے۔

---

(۱) ومنها القدرة على الزاد والراحلة) ... وتفسير ملك الزاد والراحلة أن يكون له مال فاضل عن حاجته وهو ما سوىٰ مسكنه ولبسه وخدمه وأثاث بيته قدرما يبلغه إلىٰ مكة ذاهباً وجائياً راكباً، لاماشياً وسوىٰ ما يقضى به ديونه و يمسك لنفقة عياله ومرمة مسكنه ونحوه إلىٰ وقت انصرافه كذا فى محيط السرخسي ويعتبر فى نفقته ونفقة عياله الوسط من غير تبذير ولا تقتير، كذا فى التبيين. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب المناسك، الباب الأول فى تفسير الحج وفرضيته: ۱/۲۱۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) عن عبد اللّٰه بن عمر عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا يحل لامرأة تؤمن باللّٰه و اليوم الآخر تسافر مسيرة ثلاث ليال إلا ومعها ذو محرم. (الصحيح لمسلم، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلىٰ غج وغيره، رقم الحديث: ۲۴۷۰، انيس)

ويعتبر فى المرأة أن يكون لها محرم تحج به ... ونفقة المحرم عليها؛ لأنها تتوسل به إلىٰ أداء الحج. (الهداية، كتاب الحج: ۱/۲۱۵)

فإنه عند وصوله إلى الميقات صارقادراً بقدرة نفسه فيجب عليه. (ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب فی حج الضرورة: ۶۰۴/۲، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۲/۲۲ھ۔ (کتاب النوازل: ۶۱۱/۷)

بیوی پر حج فرض ہے، یا شوہر پر:

سوال: بیوی پر حج فرض ہے، یا نفل؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

اگر شرائط موجود ہیں تو بیوی پر بھی حج فرض ہے۔ (۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۲۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۸۷/۱۰)

شوہر پر حج فرض ہونے سے عورت پر فرض نہیں ہوتا:

سوال: کیا عورتوں پر حج کرنا فرض ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ جائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

شوہر پر حج فرض ہونے سے عورت پر حج فرض نہیں ہوتا، جب وہ خود مالدار ہوگی، تب حج فرض ہوگا، شوہر اس کو از خود کرادے تو اس کا احسان ہے۔ (۲) واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۵/۲۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۸۷/۱۰-۲۸۸)

---

(۱) شروط الوجوب، وهي التي إذا وجدت بتمامها، وجب الحج، وإلا فلا وهي سبعة: الإسلام، وبقائهه إلى الموت والعقل والحرية والبلوغ والأداء بنفسه إن قدر، وعدم نية النفل وعدم الإفساد، وعدم النية عن الغير". (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في من حج بمال حرام: ۴۵۵/۳، سعيد)

"فرض مرة على الفور بشرط حرية وبلوغ وعقل وصحة وقدرة زاد وراحلة فضلت عن مسكنه". (كنز الدقائق على البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۳۷/۲-۵۴۴، دار الكتاب ديوبند، انيس)

(شرائط الوجوب) وهي التي إذا وجدت جمعيها وجب الحج علىٰ صاحبها، وإذا فقد واحد منها، لايجب أصلاً. (إرشاد الساري إلىٰ مناسك الملاعلی القاری، باب شرائط الحج، النوع الأول، ص: ۲۱، مكتبة مصطفىٰ محمد مصر)

(۲) قال المزني: قال الشافعي: فرض الله تبارك وتعالىٰ الحج علىٰ كل حربالغ استطاع إليه سبيلاً بدلالة الكتاب والسنة. (الحاوی الكبير، كتاب الحج: ۳/۵، المكتبة التجارية مصطفى أحمد الباز)

"شروط الوجوب: وهي التي إذا وجدت بتمامها وجب الحج، وإلا فلا". (رد المحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۸/۲، سعيد/ وكذا في إرشاد الساري إلىٰ مناسك الملا على القاری، باب شرائط الحج، ص: ۲۱، مكتبة مصطفىٰ محمد صاحب المكة التجارية الكبرىٰ بمصر)

ويجوز الدفع لزوجة الغني الفقيرة. (الطحطاوی علىٰ المراقي، باب المصرف من كتاب الزكاة، ص: ۷۲۰، قديمي)

"ويدفع إلىٰ امرأة غني إذا كانت فقيرة". (الفتاوىٰ الهندية، الباب السابع في المصارف: ۲۰۸/۱، رشيدية)

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ غنائے زوج کی وجہ سے زوجہ غنی نہیں ہوتی، لہٰذا شوہر کے غنی ہونے سے عورت پر حج فرض نہیں۔

خاوند کے مالدار ہونے سے بیوی پر حج فرض نہیں ہوتا:

سوال: والد صاحب نے ایک مہاجن سے کچھ قرضہ لیا تھا، جو کہ کچھ عرصہ کے بعد ایک معقول رقم ہوگئی، جب اس کی ادائیگی نہیں ہوئی تو ڈگری ہوگئی، جب اس کے اجرا کی نوبت آئی تو میرے چھوٹے بھائی نے اپنے ایک دوست سے دست گرداں ڈگری کا روپیہ ادا کر دیا، میرے بھائی نے کوشش کی کہ کسی طرح ان کے دوست کا روپیہ واپس ہو جاتا؛ مگر نہیں ہوا، یہاں تک کہ ڈگری کی میعاد گزر گئی، ایک روز انہوں نے اظہار ناخوشی میں کھانا چھوڑ دیا، جب مجھ کو معلوم ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ تم گھبراؤ نہیں، جس طرح سے ممکن ہوگا، میں اس روپے کو رفتہ رفتہ کر کے واپس کروں گا، میرا قصد حج کرنے کو جانے کا تھا؛ مگر تاوقتیکہ روپیہ نہ ادا ہو جائے گا، نہ جاؤں گا، میں نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا؛ مگر میں نہیں جانتا کہ ایک مسلمان حج پر اسی طرح کے قرضہ کو مقدم کر سکتا ہے، یا نہیں؟ اس کے بعد میں نے کچھ روپیہ قرضہ میں ادا کر دیا؛ مگر اسی درمیان میری بھانجی بہت سخت علیل ہوئی اور اس کا انتقال بھی ہو گیا، اس کی علالت میں میں نے اپنی حیثیت سے بہت زیادہ روپیہ خرچ کیا، اس وجہ سے قرض کی ادائیگی بند ہوگئی اور اب تک بند ہے، میں اس کے جاری کرنے کا قصد کر رہا ہوں، میرا روپیہ تجارت میں لگا ہوا ہے اور وہ اسی قدر ہے، جو کہ میرے اور میری بیوی کے حج کے لیے کافی ہو اور اسی قدر روپیہ قرض بھی ادا کرنا ہے۔

(المستفتی: ۱۱۶۷، محمد عبدالصبور صاحب، بنارس، ۱۴/ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ، مطابق ۲/ ستمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

یہ قرضہ نہیں ہے، (۱) جو مانع وجوب حج ہو؛ لیکن اگر حج فرض نہیں ہو چکا ہے؛ تو آپ اس قرضہ میں روپیہ ادا کر سکتے ہیں خواہ اس کی وجہ سے روپیہ جمع ہونے کی نوبت نہ آئے، جس کے بعد حج فرض ہو جاتا ہے، نیز عورت (یعنی بیوی) کو حج کرانا تو کسی حال میں بھی فرض نہیں، (۲) جو روپیہ کہ اس کو حج کرانے میں خرچ کرنے کا ارادہ ہے، وہ ادائیگی قرضہ میں خرچ کرنا جائز بلکہ افضل ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۳۳۹/۴)

عورت شوہر کی اجازت کے بغیر حج کر سکتی ہے، یا نہیں:

سوال: عورت بغیر رضائے شوہر کر سکتی ہے، یا نہیں؟

---

(۱) جو حوائج اصلیہ میں داخل ہو؛ بلکہ یہ ایک تبرع شمار ہوگا۔

(۲) عورت پر حج اس وقت فرض ہوگا، جب اس کے پاس اپنا مال اتنا ہو، جس سے شرائط حج پوری ہوں اور یہاں تو مال شوہر کا ہے۔

(۳) عورت پر حج کرنا واجب نہیں اور بھائی پر قرض کی ادائیگی واجب ہے، لہٰذا واجب کی ادائیگی میں معین (مددگار) بننا غیر واجب کے مقابلے میں افضل ہے۔

الجواب______________________

حج فرض کرسکتی ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۲۸)

ضعیف العمر پر بھی بوقتِ استطاعت حج فرض ہے:

سوال: زید ایک چھوٹا زمیندار تھا، زمینداری ختم ہونے کے بعد معاوضہ میں اس کو کچھ روپیہ کے پونڈ ملے تھے، جس کو اس نے فروخت کر کے نقد روپے کی صورت میں اپنے پاس محفوظ کرلیا ہے، اس کے پاس چند بیگھے کاشتکاری بھی ہے کہ جس کی پیداوار اسی کے خورد ونوش کے لیے بمشکل کفایت کرتی ہے، بقیہ تمام ضروریاتِ زندگی کے اخراجات کے لیے نقد روپیہ میں سے کفایت اور تنگی ترشی کے ساتھ خرچ کرتا رہتا ہے۔ زید ضعیف آدمی ہے، اس کے لڑکے پاکستان میں ہیں، جو اس کی کچھ مدد نہیں کرسکتے۔ اس کی بیوی اور یہ دونوں اپنے مکان میں رہتے ہیں، فی الحال زید کے پاس اس قدر رقم ہے کہ وہ حج کے اخراجات کو برداشت کرسکتا ہے اور زکوٰۃ بھی ادا کرسکتا ہے، اگر اس کے اوپر عائد ہوتی ہے؛ مگر یہ بات کہ اس کے پاس جو رقم ہے، اس کی مثال ایک ایسے حوض کی سی ہے کہ جس میں پانی آنے کا راستہ نہ ہو؛ مگر نکلنے کا راستہ ہو، ظاہر ہے کہ جس قدر جلد پانی باہر خارج ہوجائے گا، اتنا ہی جلد حوض خشک ہوجائے گا۔

زید کی ضعیف العمری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کی امید نہیں ہے کہ وہ کوئی کمائی کرسکتا ہے، بس یہ پسماندہ رقم اس کی زندگی کا ظاہری سہارا ہے، اگر موت نے اسے جلد یاد نہ کیا تو جس قدر روپیہ جلد ختم ہوجائے گا، اتنا ہی جلد وہ قوم وملت پر ناخوشگوار بوجھ بن کر رہ جائے گا اور اگر روپیہ ختم ہونے سے پہلے انتقال کرگیا تو بقیہ روپیہ اس کے ورثاء کے حصہ میں آجائے گا، دونوں صورتوں کا امکان ہے، معلوم نہیں کیا پیش آئے۔ بہرحال ان احوال میں کیا زید پر حج فرض ہے؟

الجواب______________ حامداً ومصلیاً

ان حالات میں اس پر حج فرض ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۶/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۶/۱۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۸۸-۲۸۹)

---

(۱) عن عبداللّٰہ بن مسعود أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: ولاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق. (جامع الترمذی، أبواب الجهاد: ۱/۳۰۰، مکتبة قدیمی کتب خانة، کراتشی)

ولیس لزوجها منعها عن حجة الاسلام. (الدرالمختار علٰی هامش ردالمحتار، کتاب الحج: ۲/۲۰۰)

(۲) قال اللّٰہ تعالٰی: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (سورة آل عمران: ۹۷)

"ومن كان صحيح البدن، قادراً على المشی، وله زاد، فقد استطاع إليه سبيلاً، فيلزمه فرض إلخ". (بدائع الصنائع، فصل فی شرائط فرضيته: ۳/۵۲، دارالکتب العلمیة، بیروت لبنان)

"الحج واجب على الأحرار البالغين العقلاء الأصحاء إذا قدروا على الزاد والراحلة فاضلاً عن مسكنه وما لابد منه، وعن نفقة عياله إلٰی حين عوده". (الهداية، کتاب الحج: ۱/۲۱۱، ط: دیوبند)

بغیر محرم عورت کا حج کرنا کیسا ہے:

سوال: ایک عورت جو کسی طرح سے محل فتنہ نہیں، ثقہ بھی ہے، اس کے کوئی محرم نہیں، اس کو ایک شخص کو جو بظاہر دیندار ہے، اپنے ہمراہ لے جانا چاہتا ہے کہ سفر میں اس کی امداد کرے، ایسی صورت میں وہ شخص اس کے ہمراہ سفر کر سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

روایت فقہیہ جواز کی بعض مشائخ سے بعض معتبرات میں موجود ہے۔

قال الشامی من الحظر والإباحة: فصل البیع وفیه إشارة إلٰی أن الحرة لاتسافر ثلاثة أیام بلامحرم واختلف فیما دون الثلاثة وقیل أنها تسافر مع الصالحین والصبی والمعتوه غیر محرمین کما فی المحیط،قهستانی. (۱)

اور بعض وقائع صدر اول کے مثلاً مہاجرت حضرت زینبؓ کی زید بن حارثہؓ اور رجل من الانصار کے ساتھ مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ تک اور اس کے بھی قابل لحاظ ہیں اور واقعی یہ ہے کہ وقائع میں ایک ضرب اجتہاد سے کام لینا پڑتا ہے۔(۲)

قال فی الفتح: والحق أن علی المفتی أن ینظر فی خصوص الوقائع. (۳) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد انور عفا اللہ عنہ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۵۳۴)

عورت کا محرم کے بغیر حج:

سوال: کیا حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ عورت تنہا حج کو جا سکتی ہے؟ محرم سے مراد کون لوگ ہیں؟ بہنوئی بھی تو سالی سے نکاح نہیں کر سکتا تو کیا وہ بھی محرم میں داخل ہے؟ (عبد المجیب، نلگنڈہ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

(الف) عورت پر حج فرض ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم رشتہ دار موجود ہو، اگر اس کے ساتھ کوئی محرم چلنے کو تیار نہ ہو، یا تیار ہو؛ لیکن عورت کے اندر اتنی استطاعت نہ ہو کہ وہ اپنے علاوہ اپنے کسی محرم رشتہ

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء: ۹/۵۵۹، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۲) اس طرح کی بعض مثالیں عہد اول میں ملتی ہیں، کہ غیر محرم کے ساتھ مجبوری میں صحابیہ نے سفر کیا ہے، مثلاً حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب کا حضرت زید بن حارثہ اور ایک انصاری صحابی کے ساتھ ہجرت کرنا وغیرہ۔ (دیکھئے: ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۶۹۲، انیس)

(۳) رد المحتار، کتاب الطلاق، باب العدة، فصل فی الحداد، مطلب الحق أن علی المفتی أن ینظر فی خصوص الوقائع: ۵/۲۲۳، ظفیر

دار کے اخراجاتِ سفر بھی برداشت کر سکے تو اس پر حج فرض نہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے، اور جب تک عورت کے ساتھ محرم نہ ہو، کوئی اجنبی شخص اس کے پاس نہ آئے، ایک صاحب نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں فلاں اور فلاں جہاد میں جانا چاہتا ہوں اور میری بیوی حج کا ارادہ رکھتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی بیوی کے ساتھ حج میں جاؤ''۔(۱)

عورت کے محرم کے بغیر سفر نہ کرنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات ہیں، جو حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں؛ اس لیے خواتین کو محرم کے بغیر سفر حج سے گریز کرنا چاہیے؛ کیوں کہ عبادتوں کا اصل مقصود اللہ تعالی کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا ہے اور جب شریعت میں ایک بات سے منع کر دیا گیا ہو تو اس کے ارتکاب کی وجہ سے بجائے ثواب کے گناہ ہی کا اندیشہ ہے۔

شرعی اور فقہی نقطۂ نظر سے ہٹ کر عملی طور پر بھی سفر حج میں خواتین کے ساتھ شوہر، یا محرم کا ہونا نہایت ضروری محسوس ہوتا ہے، آب وہوا کی تبدیلی کی وجہ سے بار بار طبیعت خراب ہوتی ہے، مقام کی اجنبیت، ازدحام اور زبان کی عدم واقفیت کی وجہ سے خواتین کو بار بار مدد کی ضرورت پیش آتی ہے، بہت سی جگہ طویل قیام کرنا پڑتا ہے اور بہت سی دشوار قانونی کارروائیوں سے گزرنا پڑتا ہے، ان مواقع پر محرم رشتہ دار، یا شوہر کا قدم قدم پر تعاون مطلوب ہوتا ہے۔

(ب)　محرم رشتہ داروں سے وہ اقارب مراد ہیں، جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے، نسبی رشتہ داروں میں باپ دادا اور ان کا آبائی سلسلہ، چچا، ماموں، بیٹا، بیٹے اور بیٹی کی اولاد اور ان کا آبائی سلسلہ اولاد، بھتیجا، بھانجہ، سسرالی رشتہ داروں میں خسر اور ان کا آبائی سلسلہ، شوہر کی اولاد، اسی طرح داماد، یہ سب ہمیشہ کے لیے حرام ہیں، تیسرے وہ لوگ جو دودھ کے رشتہ سے حرام ہوں؛ یعنی رضاعی باپ، چچا، ماموں، دادا وغیرہ۔

جن لوگوں سے عارضی طور پر نکاح حرام ہو مثلا پھوپھا، خالو، بہنوئی، یہ محرم نہیں ہیں؛ کیوں کہ پھوپھی، خالہ اور بہن کے انتقال، یا ان کو طلاق دینے کے بعد نکاح کی حرمت ختم ہو جاتی ہے؛ اس لیے بہنوئی محرم میں داخل نہیں ہے، نہ اس کے ساتھ سفر حج درست ہے اور نہ عام سفر۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/ ۴۲-۴۴)

عورت کو بلا محرم سفر حج کرنا:

سوال: زید اپنی والدہ کو حج میں بلانا چاہتا ہے، جس میں زید کی والدہ کو صرف بمبئی سے جدہ تک بذریعۂ ہوائی جہاز بغیر محرم سفر کرنا ہوگا اور واپسی میں زید خود ساتھ رہے گا، کیا شریعت میں اس کی اجازت ہے؟

---

(۱)　صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۸٦۲

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

سفر شرعی (۴۸ر میل) کے بغیر محرم، یا بغیر شوہر کے عورت کو اجازت نہیں، خواہ کسی سواری سے ہو، ہے تو وہ سفر شرعی ہے، اس پر احکام شرعی مرتب ہوتے ہیں، مثلاً نماز کا قصر کرنا وغیرہ۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمد عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۳۰-۳۳۱)

محرم کے بغیر عورت کا حج پر جانا درست نہیں:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲ر مئی ۱۹۲۷ء)

سوال: ایک بیوہ عمر پچاس سال حج کے واسطے تیار ہے، کوئی ہمراہ نہیں ہے، بغیر محرم کے حج ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

بغیر محرم کے عورت کو حج کے لیے جانا نہیں چاہیے، اگرچہ بوڑھی عورت ہو؛(۲) لیکن اگر حج کرلیا تو ادا ہو جائے گا بکراہت تحریمی، **کما فی الدر المختار: ولو حجت بلا محرم، جاز مع الکراھۃ.** (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ، دہلی (کفایت المفتی: ۴/۳۴۱)

بغیر محرم کے سفر حج:

سوال: میں اس سال حج کے لیے جارہی ہوں، میرے شوہر اس دنیائے فانی سے کوچ کر چکے ہیں؛ اس لیے میں نے فارم بھرتے وقت محرم کے کالم میں اپنے خالہ زاد بھائی کا نام لکھ دیا ہے، جو میرے ساتھ مع اہلیہ کے شریک ہیں، میری عمر پچاس سال ہے اور میرے بھائی کی عمر پچاس سال سے بھی زیادہ ہے، کیا میں ان کے ساتھ حج کا سفر کرسکتی ہوں؟ (رقیہ بیگم، ورنگل)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کی قید کے بغیر کسی بھی مسلمان عورت کو اتنی مسافت کا سفر کرنے سے منع فرمایا، جو تین دن ورات، یا اس سے زیادہ میں طے کیا جاسکے،(۴) اور خالہ زاد بھائی بہرحال غیر محرم ہے؛ اس لیے آپ کا اپنے

---

(۱) والمراد سفر خاص، وھو الذی تتغیر بہ الأحکام من قصر الصلاۃ، وإباحۃ الفطر، وامتداد مدۃ المسح إلیٰ ثلاثۃ أیام، وسقوط وجوب الجمعۃ، والعیدین والأضحیۃ وحرمۃ الخروج علی الحرۃ من غیر محرم عن العنایۃ. (رد المحتار، کتاب الحج، باب صلاۃ المسافر: ۳/۵۹۹، ط: الریاض)

(۲) ومع زوج، أو محرم ... و لو عجوزًا. (الدر المختار، کتاب الحج: ۲/۴۶۴، سعید)

(۳) الدر المختار، کتاب الحج: ۲/۴۶۵، سعید

(۴) إن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لاتسافر المرأۃ ثلاثًا إلا ومعھا ذو محرم. (الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۳۲۵۸، باب سفر المرأۃ مع محرم إلی الحج وغیرہ، صحیح البخاري، رقم الحدیث: ۱۸۶۲، باب حج النساء)

خالہ زاد بھائی کے ساتھ سفر درست نہیں، اصل مقصود اللہ تعالی کی رضا و خوشنودی ہے، نہ کہ سفر حج تو اگر حرمین شریفین کا سفر کسی کے حق میں ثواب کے بجائے اللہ تعالی کی پکڑ کا باعث ہوجائے تو اس سفر کا کیا فائدہ؟ اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/ ۴۱-۴۲)

عورت بغیر محرم کے حج کرے گی تو حج بکراہت تحریمی ہوگا:

سوال: میں یہاں طائف کے سرکاری دواخانہ میں کام کرتا ہوں، میری بیوی یہاں آئی ہوئی ہے، مکہ کی قربت کی وجہ سے ان پر حج فرض ہوجاتا ہے؛ لیکن اس مسئلہ میں مشکل یہ ہے کہ حج کے دوران جب کہ تمام ملک میں چھٹی ہے، ڈاکٹروں کو حج کی خصوصی ڈیوٹی پر لگایا جاتا ہے، مجھے یا تو مکہ مکرمہ میں حج کی بولنگ ہوگی، یا کسی اور جگہ پر ہوگی؛ اس لیے مسئلہ یہ ہے کہ بیوی کے محرم کے لیے کیا کیا جائے، کیا میری موجودگی حدودِ حرم کے اندر ہونے کی وجہ سے اور بیوی کے ساتھ محرم شرعی نہ ہونے کے باوجود حج فرض ادا ہوجائے گا، یا پھر مجھے احرام باندھ کر ان کے ساتھ حج کے درمیان مستقل رہنا ضروری ہے، یا نہیں؟ بغیر محرم شرعی کے میری بیوی کا حج ادا ہوجائے گا، یا نہیں؟

(ڈاکٹر سید انور حسین، ہوسپٹل طائف، سعودی عربیہ)

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

بخاری شریف و مسلم شریف میں روایت ہے:

”لاتسافر المراة ثلاثا إلا ومعها ذومحرم أو كما قال عليه السلام“. (۱)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مسافتِ قصر، یا اس سے زائد کا سفر عورت کو بغیر محرم کے، یا شوہر کے کرنا جائز نہیں ہے، یہ عام اور مطلق ہے، سفرِ حج میں جانے والی عورت کے لیے بھی ہے؛ اس لیے آپ طائف سے تو حج کرنے کے لیے بغیر اپنے ساتھ لیے ہوئے، یا کسی محرم کے ساتھ گئے ہوئے تنہا نہ بھیجیں، البتہ آپ یہ کرسکتے ہیں کہ جب آپ کی ڈیوٹی مکہ مکرمہ، یا منیٰ میں، یا حدودِ حرم کسی جگہ میں ہونے والی ہے، آپ مکہ مکرمہ، یا منی میں، یا حدودِ حرم میں کہیں بھی اپنی ایک قیام گاہ کرایہ پر یا عاریۃً لے لیجئے اور وہاں ساتھ لاکر اہلیہ کا قیام کرادیجئے، پھر ۸/ ذی الحجہ کو جو مناسک حج ادا کرنے کے لیے جانا وغیرہ پڑے گا، وہ مسافت قصر سے بہت کم ہوگا اور مخالفت والا حکم جو اوپر حدیث پاک سے منقول ہے، لاگو نہ ہوگا؛ کیوں کہ منیٰ کا سفر ہوگا تو وہ صرف چار میل کا ہوگا، پھر منیٰ، عرفات، مزدلفہ کا سفر ہوگا وہ ۸/ ۹/ میل سے زیادہ کا نہ ہوگا، اسی طرح حدودِ حرم کے ہر مقام سے کہیں سے بھی مسافت قصر نہ ہوگی، البتہ چوں کہ اس سفر میں راتیں بھی گزریں گی؛ اس لیے اگر ممکن ہو تو آپ رات کو ان کے پاس خود رہ لیا کریں، یا ایسی معتبر اور حج کو جانے والی عورتوں کے ساتھ ان کو کردیں جن کے محرم، یا شوہر ساتھ ہوں اور وقتاً فوقتاً آپ بھی نگرانی کرتے رہیں تو اس

(۱) صحیح مسلم ۱/ ۴۳۴

طریقہ سے اہلیہ کا حج بھی ادا ہو جائے گا اور کوئی شرعی قباحت، یا خرابی بھی لاحق نہ ہوگی، ورنہ اگر عورت مسافتِ قصر کا سفر، یا اس سے بھی زیادہ کا سفر طے کر کے تنہا حج ادا کرے تو حج کا فریضہ ادا تو ہو جائے گا؛ مگر اس طرح سفر کا گناہ بھی ہوگا اور حج بکراہت ادا ہوگا، باقی مقبولیت کا مدار اخلاص پر ہے اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔(۱) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیو بند سہارنپور (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲/۳۳-۳۴)

سعودیہ ایئر پورٹ تک بلا محرم کے جا کر محرم کے ساتھ حج کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید سعودیہ میں کئی سال سے ملازمت کرتا ہے اور وہ اپنی والدہ محترمہ کو حج کرانا چاہتا ہے؛ لیکن گھر سے کوئی محرم پورے سفر کے لیے نہیں ہے اور والدہ کی عمر تقریباً ۵۰/سال کے قریب ہے تو کیا ایسی صورت میں حج کر سکتی ہیں، یا نہیں؟ حالاں کہ گھر سے ایئر پورٹ تک پہنچانے کے لیے زید کا بھائی موجود ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ، الجواب ——— وباللہ التوفیق

دلی ایئر پورٹ سے سعودیہ کے ایئر پورٹ تک بلا محرم جو سفر کرے گی، اس کا اسے گناہ ہوگا؛ لیکن وہاں سے اپنے بیٹے زید کے ساتھ جب حج ادا کرے گی تو حج بلا کراہت ادا ہو جائے گا۔

عن نافع ابن عمر رضى الله عنهما أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: لاتسافر المرأة ثلاثة أيام إلا مع ذى محرم. (صحيح البخارى: ١/١٤٧، رقم: ١٠٧٥)

لا بأس للمرأة أن تسافر بغير محرم مع الصالحين. (الفتاوىٰ الهندية: ٥/٣٦٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۶/۶/۱۰ھ۔ (کتاب النوازل: ۷/۶۲۸)

بغیر محرم کے بڑھیا کو سفر حج کرنا:

سوال (۱) ایک ساٹھ سالہ بوڑھی عورت حج کو جانا چاہتی ہے؛ مگر کوئی محرم ساتھ نہیں ہے، ایک بڑے میاں جو اس عورت کے محرم تو نہیں؛ مگر ان کی عمر بھی ساٹھ سے زیادہ ہے تو ایسی صورت میں وہ عورت ان بڑے میاں کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے، یا نہیں؟

(۲) مذکورہ بالا صورت میں اگر بڑے میاں عورت کے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیں؛ مگر وہ عورت دورانِ سفر میں ان بڑے میاں کے قافلے کے ساتھ لگ جائے تو اب ایسی صورت میں بڑے میاں کو اس عورت کی خبر گیری کرنی چاہیے، یا اس کو کسمپرسی کے عالم میں چھوڑ دینا چاہیے؟

---

(۱) ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة، قال الشامي قوله مع الكراهة أي التحريمية للنهى في حديث الصحيحين: لاتسافر امرأة ثلثاً إلا ومعها محرم۔ (ردالمحتار: ١/٢٠٠، كتاب الحج)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) بوڑھی عورت کو بھی بغیر شوہر، یا کسی محرم کے سفر نہیں کرنا چاہیے۔ (بحر: ۳۳۹/۲)(۱)

(۲) جب وہ ساتھ لگ ہی گئی ہے تو اس کی خبر گیری لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۲۹/۱۰)

بوڑھی عورت کا بلا محرم کے حج کرنا:

سوال: مسماۃ ہندہ عمر ۵۵/سالہ ہے، پردہ نشین بیوہ ہے، وارثوں میں صرف ایک لڑکا جو کہ ملازم ہے، لڑکے کی ایک لڑکی جو کہ غیر شادی شدہ ہے، اس کے علاوہ دو بچے چھوٹے و بیوی بھی موجود ہے۔ اس صورت میں ہندہ غیر کفو کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جائز نہیں، جب تک کوئی محرم ساتھ نہ ہو، حج کے لیے بھی سفر کرنا گناہ ہے؛ تاہم اگر حج کیا تو حج بھی ادا ہو جائے گا۔

”الرابع: المحرم، أو الزوج لامرة بالغة، ولو عجوزاً، ومعها غيرها من النساء الثقات والرجال الصالحين، آه“. (غنية المناسك، ص: ١٠٠)(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۴/ربیع الثانی/۱۳۶۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۳۰/۱۰)

کیا بوڑھی عورت بغیر محرم کے حج کر سکتی ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میری عمر اب قریب ۶۱/سال ہے، میں نے شادی نہیں کی تھی اور میں گورنمنٹ کالج میں لیکچرار کی جگہ کام کر رہی تھی، اب میں قریب ڈھائی سال سے ریٹائر ہو چکی ہوں، اب میرا ارادہ حج بیت اللہ کا ہے؛ مگر مجبوری یہ ہے کہ میرے رشتہ داروں میں کوئی ایسا نہیں ہے، جو محرم ہونے کے ناطے میرے ساتھ جائے اور یہ فرض پورا کر سکے اور نہ ہی میرے پاس اتنا روپیہ ہے کہ میں اس کا خرچہ

---

(۱) **ويشترط في حج المرأة من سفر زوج، أومحرم بالغ ... وأطلق المرأة فشمل الشابة والعجوز، لاطلاق النصوص.** (البحر الرائق، كتاب الحج: ٥٥٢/٢، رشيدية)

وسواء كانت المرأة شابة أوعجوزاً؛ أنها لا تخرج الا بزوج أو محرم؛ لأن ما روينا من الحديث لا يفصل بين الشابة و العجوز، الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ٥٦/٣، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) **غنية المناسك، باب شرائط الحج، وأما شرائط وجوب الأداء خمسة، ص: ٢٦، إدارة القرآن كراتشي**

أشاربه إلى أن ما استفيد من المقام من عدم جواز السفر للمرأة إلا بزوج أو محرم خاص بالحرة، آه. (رد المحتار، كتاب الحج: ٤٦٤/٢، سعيد)

برداشت کرسکوں، ایسی شکل میں قرآن وحدیث کی روشنی میں میرے اس فرض ادا کرنے کا کون سا ذریعہ ہوسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ، الجواب ـــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ جب تک محرم، یا شوہر ساتھ جانے والا نہ ملے، عورت پر حج کی ادائیگی واجب نہیں ہوتی؛ لیکن اگر کوئی عورت بوڑھی ہو اور فتنہ کا بظاہر اندیشہ نہ ہو اور اس پر مالی اعتبار سے حج فرض ہو چکا ہو تو آیا وہ کسی نامحرم کے ساتھ سفر حج جا سکتی ہے، یا نہیں؟ تو اس بارے میں فقہ کی عام کتابوں میں ممانعت ہی لکھی ہے اور صراحت کے ساتھ بوڑھی عورت کو بھی بلا محرم سفر حج کرنے سے منع لکھا گیا ہے؟

المرأة عجوزاً كانت المرأة أوشابة. (مناسک ملا علی القاری، ص: ٥٦)

الرابع المحرم أوالزوج لامرأة بالغة ولوعجوزاًأومعها غيرها من النساء الثقات والرجال الصالحين . (غنية الناسك، ص: ٢٦، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ حج، ص: ۶۹۳)

تاہم بعض اکابر مفتیان کی عبارات اور فتاویٰ سے ۶۰، ۷۰/سال کی بوڑھی عورت کو بلا محرم قابل اعتماد لوگوں کے قافلہ کے ساتھ سفر کی اجازت ثابت ہوتی ہے؛ اس لیے فتنہ سے مکمل حفاظت کے وقت خاص حالات میں اس کی گنجائش ہوگی۔

أما العجوز التي لا تشتهي فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا ومتٰى جازالمس جازسفره بها ويخلو إذا أمن عليه وعليها وإلا لا . (الدرالمختار: ٣٦٨/٦، کراتشی، امدادالفتاویٰ: ۲۰۱/۴، فیض الباری: ۳۹/۲، انوار مناسک، ص: ۱۷۷، ۱۷۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۶۲۱/۷)

غیر محرم کے ساتھ حج کرنا عورت کے لیے درست نہیں ہے:

سوال: ایک عورت ضعیف شوہر کی اجازت سے تنہا، یا دوسرے شخص کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــ

اجنبی لوگوں کے ساتھ سفر کرنا عورت کے لیے درست نہیں ہے؛ بلکہ ضرورت ہے کہ شوہر، یا کوئی دوسرا محرم اس کے ساتھ ہو۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵۳۲/۶)

---

(۱) **ومع (زوج أومحرم) ولوعبداً ...بالغ ... عاقل والمراهق كبالغ غيرمجوسي ولا فاسق) لعدم حفظهما مع وجوب النفقة لمحرمها (عليها) ... (وليس لزوجها منعها عن حجة الإسلام ولوحجت بلا محرم جازمع الكراهة. (الدرالمختار)أي التحريمية للنهي في حديث الصحيحين،الخ.** (ردالمحتار، كتاب الحج: ٤٦٤/٣-٤٦٥، مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

بیوہ غیر مرد کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے، یا نہیں:

سوال: ایک عورت جس کی عمر ۲۴/ برس کی ہے اور وہ بیوہ ہے ارادہ حج کی کرتی ہے، ایک غیر شخص کے ساتھ جاسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

بدون محرم کے ساتھ لیے عورت کو سفر کرنا درست نہیں ہے اور اس حالت میں حج اس پر فرض نہیں ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/ ۵۳۵)

نامحرم کے ساتھ عورت کا حج کو جانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ غیر محرم مرد کے ساتھ عورت کا حج بیت اللہ کو جانا کیسا ہے؟ جب کہ وہ نکاح کرنے کے قابل ہے۔

باسمه سبحانه تعالىٰ، الجواب وبالله التوفيق

عورت کا نامحرم کے ساتھ سفر حج کو جانا؛ بلکہ کسی بھی سفر شرعی میں جانا درست نہیں؛ بلکہ سخت گناہ ہے، البتہ اگر اس کا کوئی اور محرم نہ ہو تو شرائط نکاح کی رعایت رکھتے ہوئے کسی مرد سے نکاح کر کے اس کے ساتھ حج کو جانا درست اور جائز ہے۔

عن ابن عمر رضی الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لايحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر ثلاثاً إلا ومعها ذو محرم منها. (صحيح البخاری، رقم: ۱۰۸۷، صحيح مسلم، رقم: ۱۳۳۸، سنن أبی داؤد، رقم: ۱۷۲۷، الترغيب والترهيب مكمل: ٦٤٥، رقم: ٤٦٧٨)

ومع زوج أو محرم بالغ عاقل مع وجوب النفقة لمحر مها عليها وهل يلزمها التزوج؟ قولان. (الدر المختار)

---

(۱) هو ... فرض مرة على الفور بشرط حرية ... محرم أو زوج لامرأة فی سفر. (كنز الدقائق مع البحر الرائق: ٢/ ٥٤٥)

لما فی الصحيحين لاتسافر امرأة ثلا ثاً إلا ذی محرم وزاد مسلم (عن أبی سعيد الخدری رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لاتسافر امرأة ثلا ثة إلا ومعها. (الصحيح لمسلم، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلىٰ حج: ١/ ٤٣٣، مكتبة قديم كتب خانة، كراتشی)

فی رواية أو زوج وروی البزاز لاتحج امرأ ة إلا ومعها محرم. (نصب الرأية، كتاب الحج: ٣/ ١٠، رقم الحديث: ٣٩٤٨)

وأشار المصنف إلىٰ أن قال أمن الطريق والمحرم من شرائط الوجوب. (البحر الرئق، كتاب الحج: ٢/ ٣٣٨-٣٣٩، ظفير)

وفی الشامیة:قوله:مع زوج أومحرم هٰذا،وقوله:ومع عدم عدة علیها شرطان مختصان بالمرأة،وقوله:وهل یلزمها التزوج قولان:هما مبنیان علٰی أن وجود الزوج أوالمحرم شرط وجوب أم شرط وجوب أداء،والذی اختاره،فی الفتح أنه مع الصحة وأمن الطریق شرط وجوب الأداء،فیجب الإیصاء،إن منع المرض وخوف الطریق أو لم یوجد زوج، ولا محرم، ویجب علیها التزوج عند فقد المحرم وعلی الأول لا یجب شی ء من ذٰلک کما فی البحر وفی النهر: وصحح الأول فی البدا ئع ورجح الثانی فی النهایة تبعاً لقاضی خان، واختاره فی الفح. (رد المحتار: ۴۶۴/۲، کراتشی،۴۶۴/۳ـ۴۶۵،زکریا)

ومنها المحرم للمرأة شابة کانت أو عجوز اً، إذا کانت بینها وبین مکة مسیرة ثلاثة أیام. (الفتاویٰ الهندیة: ۲۱۸/۱)

ولو کان معها محرم فلها أن تخرج مع المحرم فی الحجة الفریضة. (بدائع الصنائع: ۳۰۰/۲، زکریا،الفتاویٰ التاتارخانیة: ۴۷۵/۹، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۲۰/۱۲/۱۴۱۰ھ۔ (کتاب النوازل:۶۱۷/۷)

عورت کے حج پر جانے کے لیے شوہر کی اجازت ضروری نہیں،البتہ محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے:

سوال: اگر عورت بلا اجازت مرد کے حج کو جائے تو اس کا حج قبول ہوگا، یا نہیں؟

(المستفتی:۲۳۱۸،اے سی منصوری،بمبئی،۱۵/ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ،مطابق ۱۵/جون ۱۹۳۸ء)

الجواب

عورت پر اگر حج فرض ہو تو اس کو خاوند کی اجازت ضروری نہیں ہے؛مگر محرم کے ساتھ جانا ضروری ہے،(۱) مثلا عورت کا باپ، بھائی، چچا، ماموں وغیرہ۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی:۳۴۱/۴)

عورت حج کے لیے غیر محرم کے ساتھ جانا چاہے تو شوہر روک سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: ایک عورت حج کے لیے اپنے پھوپی زاد بھائی اور خالہ زاد بہن اور دیگر عورتوں کے ہمراہ جانا چاہتی ہے، شوہر روکتا ہے۔آیا شرعاً شوہر اس کو روک سکتا ہے، یا نہیں؟

---

(۱) ولیس لزوجها منعها عن حجة الإسلام.(الدرالمختار)(وفی الشامیة) أی إذاکان معهامحرم،وإلا، فله منعها. (کتاب الحج: ۴۶۵/۲،ط:سعید)

(۲) ومع زوج أومحرم،ولوعبدًا،أوذمیًا،أوبرضاع،إلخ. (الدرالمختار، کتاب الحج: ۴۶۴/۲،سعید)

والمحرم من لایجوزله منا کحتهاعلی التابید بقرابة،أورضاع،أوصهریة،کما فی التحفة.(رد المحتار، کتاب الحج : ۴۶۴/۲،سعید)

الجواب

اگر عورت کے ذمہ حج فرض ہو تو شوہر اس کو حج سے نہیں روک سکتا، اگر شوہر ساتھ نہ جائے تو دوسرے محرم کے ساتھ حج کر سکتی ہے اور بلا محرم کے جانا مکروہ تحریمی ہے۔

كما قال فى الدر المختار: وليس لزوجها منعها عن حجة الإسلام ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة الخ أى التحريمية، الخ. (شامی)(۱)

اور پھوپی زاد بھائی محرم نہیں ہے، اس کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے،(۲) اسی طرح عورتوں کے ساتھ سفر کرنا درست نہیں ہے۔ یہ دراصل مذہب ہے،(۳) اور بعض نے کہا: اگر صلحا کے ساتھ سفر کرے تو درست ہے۔

وقيل: أنها تسافر مع الصالحين والصبى والمعتوه غير محرمين، كما فى المحيط عن القهستانى. (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۶/ ۵۳۹، ۵۴۰)

کیا عورت ان عورتوں کے ساتھ حج کے لئے جا سکتی ہے، جو اپنے محرم کے ساتھ جا رہی ہیں:

سوال: ایک بیوہ عورت جس کا کوئی محرم ساتھ نہیں ہے، حج کو جانا چاہتی ہے، باقی اور عورتیں اپنے اپنے خاوندوں کے ہمراہ جا رہی ہیں، زنانہ ساتھ دیکھ کر یہ بھی تیار ہوگئی تو کیا بغیر محرم جا سکتی ہے اور اگر کوئی منع کرے تو اس کی کیا سزا ہے؟

الجواب

جب تک اس عورت بیوہ کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو، اس وقت تک اس پر حج فرض نہیں ہے اور جانا جائز نہیں ہے۔(۵) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۶/ ۵۴۰)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الحج: ۲/ ۲۰۰، ظفير

(۲) والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع أو صهرية. (ردالمحتار، كتاب الحج تحت قوله مع زوج أو محرم: ۲/ ۱۹۹، ظفير)

(۳) ويعتبر فى المرأة أن يكون لها محرم تحج به أو زوج ولا يجوز لها أن تحج بغيرهما. وقال الشافعى: يجوز لها الحج إذا خرجت فى رفقة ومعها نساء ثقات لحصول الأمن بالمرافقة ولنا قوله عليه الصلاة والسلام لا تحجن امرأة إلا ومعها محرم ولأنها بدون المحرم يخاف عليها الفتنة وتزداد بأنضمام غيرها إليها ولهذا تحرم الخلوة بالأجنبية وإن كان معها غيرها. (الدراية فى تخريج أحاديث الهداية، كتاب الحج: ۲/ ٤، رقم الحديث: ۲۹۳، دارقطنى رقم: ۹۱۰، نصب الرأية: ۳/ ۱۰، انيس)

(۴) ردالمحتار، كتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء: ۹/ ۵۵۹، الرياض

(۵) (مع) زوج أو محرم ... مع وجوب النفقة لمحرمها ... (عليها) لامرأة حرة ولو عجوزاً فى سفر. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج: ۳/ ٤٦٤-٤٦٥، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

ہدایہ میں ممانعت کی صراحت موجود ہے، دیکھئے: فتح القدير، كتاب الحج: ۲/ ٤٢٠، ظفير

لے پالک لڑکے اور محلّہ کی عورتوں کے ساتھ سفر حج پر جانا جائز نہیں:

سوال: ایک عورت حج کو جانا چاہتی ہے؛ مگر کوئی اس کا محرم نہیں ہے، شوہر اور سب محرم مر گئے، صرف اکیلی عورت ہے اور ایک لڑکا لے پالک ہے، لڑکے کا سن ۱۵/ برس کا ہے، عورت کی عمر بھی ۵۰/ برس کی ہے، عورت پر حج فرض بھی ہے؛ کیوں کہ خدا نے حج بھر کا روپیہ بھی دیا ہے، پالے ہوئے لڑکے کے ساتھ حج کو جا سکتی ہے، یا محلّہ کی عورت اپنے محرم کے ساتھ جاتی ہو تو یہ عورت بھی اس عورت کے ساتھ جا سکتی ہے، یا نہیں؟ یا کہ حج بدل کرا دے؛ کیوں کہ اگر عورت مر گئی تو اس کا حج بدل کوئی نہیں کرائے گا۔ تینوں مسئلوں کا جواب برائے مہربانی بہت جلد روانہ فرمائیں، آپ ہی کے مسئلہ پر اس عورت کا بہت اعتقاد ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

صورت مسئولہ میں اس مسماۃ کو اپنی طرف سے حج بدل کرا دینا چاہیے، اپنے لے پالک کے ساتھ، یا ہمسایہ عورتوں کے ساتھ جانا جائز نہیں؛ لیکن اس وقت کا حج بدل کرایا ہوا اس شرط کے ساتھ معتبر ہوگا کہ عمر بھر کوئی محرم نہ ملے اور اگر کسی وقت محرم مل گیا، مثلاً نکاح کر لیا اور شوہر ساتھ چلنے پر راضی ہوا اور اس وقت بھی روپیہ بقدر حج عورت و محرم موجود ہوا، یا بعد کو جمع ہو گیا تو حج دوبارہ کرنا پڑے گا۔

قال في الشامية: تحت قول الدر: (هٰذا إذا كان العجز كالحبس والمرض يرجى زواله وإن لم يكن كذلك كالعمى والزمانة سقط الفرض بحج الغير فلا إعادة مطلقاً سواء استمر به ذلك العذر أم لا، آه، ما نصه: ومن العذر الذى يرجى زواله عدم وجود المرأة محرماً إلا إن دام عدم المحرم إلٰى أن ماتت فيجوز كالمريض إذا أحج رجلا ودام المرض إلٰى أن مات، آه. (۳۹۰/۲)(۱)

تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ، ۸/ رمضان ۱۳۴۶ھ۔ (امداد الاحکام: ۱۵۷/۳)

غیر محرم سے رشتہ داری جوڑ کر اس کے ساتھ حج کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک آدمی سے کسی عورت کی پہلے سے کوئی رشتہ داری نہیں تھی؛ لیکن حج پر جانے کے لیے کہیں سے دور کی رشتہ داری کی کڑیاں ملا کر انہوں نے رشتہ داری قائم کر لی تو کیا ایسے شخص کا حج ہو جائے گا، جو کہ بالکل ہی غیر محرم ہے؛ لیکن اپنا کام نکالنے کے لیے انہوں نے اس طرح کی قرابت داری قائم کر لی، ان کے حج میں کوئی فرق نہیں پڑے گا؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

غیر محرم کے ساتھ حج کو جانا جائز نہیں، جو عورت غیر محرم کے ساتھ حج کو جائے گی، وہ سخت گنہ گار ہوگی، اگر چہ اس

(۱) ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب فى الفرق بين العبادة والقربة: ۵۹۹/۲، دار الفكر بيروت، انيس

طرح جانے سے اس کا فریضہ حج ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح وہ مرد بھی گنہ گار ہوگا، جو اپنے ساتھ نامحرم عورت کو لے جارہا ہے؛ مگر حج کا فریضہ اس کا بھی ادا ہو جائے گا۔

ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة. (الدر المختار)

وفي الشامية: أي التحريمية للنهي في حديث الصحيحين لا تسافر امرأة ثلاثاً إلا ومعها محرم. (رد المحتار، كتاب الحج: ٤٦٥/٢، كراتشي)

ولو كان معها محرم فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة. (بدائع الصنائع: ٣٠٠/٢، زكريا)

والمرأة في وجوب الحج عليها كالرجل غير أن لها شرطين شابة كانت وعجوزاً أحدهما أن يكون خروجها مع زوجها، أو مع ذي رحم محرم. (الفتاوى التاتارخانية: ٤٧٥/٣، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۵/۹/۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۱۸/۷)

مجبوری میں نامحرم کے ساتھ حج کو جانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میری عمر تقریباً ۳۵ رسال ہے، بیوہ ہوں، کوئی بچہ نہیں ہے، میرا بھائی، بہن، ماموں، چچا، تایا غرض کوئی سگا رشتہ دار اس وقت حج پر جانے کی پوزیشن میں نہیں ہے، البتہ میرے مکان کے پاس میں دور کے رشتہ دار جا رہے ہیں، میں اکیلی بے سہارا ہونے کی وجہ سے ان کے گروپ میں حج کی درخواست لگا سکتی ہوں؟ یہ میرے رشتہ میں چچیری بہن بہنوئی ہوتے ہیں، ویسے تو اور بھی محلّہ کے لوگ جا رہے ہیں، جن سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں، اس کی اجازت شریعت سے جو گنجائش ہو تو تحریر فرمائیں؟

باسمه سبحانه تعالىٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

مسئولہ صورت میں آپ پر حج کو جانا ضروری نہیں ہے اور کسی بھی نامحرم کے ساتھ سفر کی اجازت نہیں ہے، آپ جب بھی جائیں تو ایسے شخص کے ساتھ جائیں، جو آپ کا محرم ہو، یا شوہر ہو۔ محرم اسے کہتے ہیں، جس سے کبھی بھی نکاح درست نہ ہو سکتا ہو۔ (معلم الحجاج، ص: ۸۴)

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر سفراً يكون ثلاثة أيام فصاعداً إلا معها أبوها، أو أخوها، أو زوجها، أو ابنها، أو ذو محرم منها. (صحيح البخاري، رقم: ١١٩٧، صحيح مسلم، رقم: ٨٢٧، سنن أبي داؤد رقم: ١٧٢٦، سنن الترمذي، رقم: ١١٦٩، سنن ابن ماجة، رقم: ٢٨٩٨، الترغيب والترهيب مكمل، ص: ٦٤٥، رقم: ٤٦٧٧، بيت الأفكار الدولية)

ومع زوج أو محرم، قال الشامي: والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التابيد بقرابة أو رضاع أو صهرية. (الدر المختار مع الشامي: ٤٦٤/٤، زكريا، امداد الفتاویٰ: ۲۰۱/۲)

ومنها المحرم للمرأة شابة كانت أو عجوزاً إذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام. (الفتاویٰ الهندية: ۲۱۸/۱)

وفي الشامي: قوله: ومع زوج أو محرم، هٰذا وقوله: ومع عدم عدة عليها، شرطان مختصان بالمرأة. (الدرالمختارمع الشامي: ٤٦٤/٢، كراتشي، ٤٦٤/٣، زكريا)

ولو كان معها محرم فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة. (بدائع الصنائع: ٣٠٠/٢، زكريا)

والمرأة في وجوب الحج عليها كالرجل غير أن لها شرطين شابة كانت أو عجوزاً، أحدهما أن يكون خروجها مع زوجها، أو مع ذي رحم محرم. (الفتاویٰ التاتارخانية: ٤٧٥/٣، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۹/۶/۱۴۱۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۶۱۹/۷)

عورت کا سفرِ حج کے لیے کسی کو اپنا دینی بھائی بنانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میں حج کرنا چاہتی ہوں اور میرا کوئی محرم ایسا نہیں ہے، جو فی الحال مجھے حج کرادے، میں اپنا دینی بھائی بنانا چاہتی ہوں، جس کے ساتھ حج کر آؤں۔ آپ براہ کرم مجھے اس کے طریقوں اور قاعدوں سے آگاہ کردیجیے، جس کے ساتھ میں حج کر آؤں۔

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

بغیر محرم کے حج کو جانا جائز نہیں، جب آپ کے ساتھ کوئی محرم نہیں جا سکتا تو آپ ہرگز سفر کا ارادہ نہ کریں، محض کسی کو دینی بھائی بنانے سے وہ آپ کا محرم نہیں بن سکتا۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم، ولا يدخل عليها رجل إلا ومعها محرم، فقال رجل: يارسول الله! إني أريد أن أخرج في جيش كذا وكذا، وامرأتي تريد الحج، فقال: أخرج معها. (صحيح البخاري، كتاب جزاء الصيد، باب حج النساء: ٢٥٠/١، رقم: ١٨٦٢، الصحيح لمسلم، الحج، باب سفر البخاري، كتاب جزاء الصيد، باب حج النساء: ٢٥٠/١، رقم: ١٣٤١)

والمحرم في حق المرأة شرط شابة كانت أو عجوزة إذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام. (الفتاویٰ التاتارخانية: ٤٧٤/٣، زكريا)

ومع زوج بالغ مع وجوب النفقة لمحرمها عليها لامرأة حرة ولو عجوزاً في سفر. (الدر المختار: ٤٦٤/٢، كراتشي، ٤٦٤/٣، زكريا)

ولو كان معها محرم فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة. (بدائع الصنائع: ٣٠٠/٢، زكريا)

والمرأة في وجوب الحج عليها كالرجل غير أن شرطين شابة كانت أو عجوزاً، أحدهما: أن يكون خروجها مع زوجها، أو مع ذي رحم محرم. (الفتاویٰ التاتارخانية: ٤٧٥/٣، رقم: ٤٨٨٨، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۵/۳/۱۴۱۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۶۱۵/۷)

انجان مرد کو بیوی کا محرم بنانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مفتی صاحب نے اپنی بیوی کا محرم انجان آدمی کو بنایا اور دوسری انجان عورت کے محرم یہ مفتی صاحب خود بنے تو کیا اس حال میں مفتی صاحب کا نکاح سلامت رہا، یا نہیں؟ اور اس طرح ان کا حج درست ہو گیا، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر کسی قانونی ضرورت کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے، مگر بیوی کو اپنے ساتھ سفر میں رکھا اور انجان عورت اپنے محرم کے ساتھ رہی؛ یعنی نہ تو بیوی کو غیر مرد کے ساتھ بھیجا اور نہ غیر عورت کو اپنے ساتھ لے گئے تو ان کے حج، یا نکاح میں کوئی فرق نہیں آیا۔

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر سفراً يكون ثلاثة أيام فصاعداً إلا ومعها أبوها أو أخوها أو زوجها أو ابنها أو ذومحرم منها. (صحيح البخاري، رقم: ۱۱۹۷، صحيح لمسلم، رقم: ۸۲۷، سنن أبي داؤد، رقم: ٤٦٧٧)

ومع زوج أو محرم بالغ مع وجوب النفقة لمحرمها عليها لامرأة حرة ولو عجوزاً في سفر. (الدر المختار: ٤٦٤/٢، كراتشي، ٤٦٤/٣، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۸/۲/۱۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۶۱۶/۷)

والدہ کو چچا اور چچی کے ساتھ حج کو بھیجنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میرے والد صاحب چار سال پہلے حج کر کے آئے ہیں، وہ ابھی حیات ہیں، امسال میرے سگے چچا اور چچی حج کو جا رہے ہیں، کیا میں اپنی والدہ کو چچا چچی کے ساتھ حج کو بھیج سکتا ہوں؟

باسمه سبحانه تعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

آپ کی والدہ کے ساتھ جانے کے لیے جب کہ محرم، یا شوہر کا نظم نہیں ہے تو ان پر حج فرض نہیں، اگر آپ انہیں حج کرانا چاہتے ہیں تو بہتر ہے کہ خود ساتھ جائیں؛ تاکہ ان کی خدمت وغیرہ میں کوئی دشواری نہ ہو؛ تاہم اگر ان کی عمر ۶۵ یا ۷۰ سال ہو چکی ہے اور کسی فتنہ کا بظاہر اندیشہ نہیں ہے تو اگر وہ دیگر رشتہ دار عورت کے ساتھ حج کو چلی جائیں تو ان پر گناہ نہ ہوگا۔ (ایضاح المناسک ۶۴، امداد الفتاویٰ: ۲۰۱/۴)

وأما العجوز التي لا تشتهي فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن، ومتىٰ جاز المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها، وإلا لا. (الدر المختار مع الشامي: ٥٢٩/٩)

لا بأس للمرأة أن تسافر بغير محرم مع الصالحين. (الفتاوى الهندية: ٣٦٦/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۶/۵/۲۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۶۲۵/۷)

والدہ کو اُن کے بہنوئی کے ساتھ حج پر بھیجنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک عورت کو اس کی اولاد حج کرانا چاہتی ہے؛ لیکن ان کے پاس صرف اتنی ہی رقم ہے، جس سے صرف والدہ ہی حج کر سکیں، کسی بیٹے، یا محرم کو ساتھ لے جانے کی استطاعت نہیں، اس عورت کے بہنوئی بھی حج کے لیے جا رہے ہیں تو کیا عورت اپنے بہنوئی کے ساتھ جا سکتی ہے، یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وباللہ التوفیق

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ والدہ پر خود حج فرض نہیں ہے؛ بلکہ اولاد انہیں اپنے روپئے سے حج کرانا چاہتی ہے تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ والدہ کو دوسرے کے ساتھ حج کو نہ بھیجیں؛ بلکہ جب ان میں سے خود کسی کے پاس حج کو جانے کی استطاعت ہو جائے تو وہ اپنی والدہ کو ساتھ لے جائے؛ تاکہ والدہ کی اچھی طرح سے خدمت ہو سکے اور ارکان کی ادائیگی میں دوسروں کی محتاجگی نہ رہے، والدہ کے لیے بہنوئی نامحرم ہیں، اس کے ساتھ حج کو جانے میں گناہ ہوگا۔

عن نافع ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لایحل لا مرأة تؤ من باللّٰہ والیوم الآخر تسافر مسیرة ثلاث لیال إلا ومعها ذو محرم. (الصحیح لمسلم: ٤٣٣/١)

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما لا تحجن امرأة إلا ومعها ذو محرم. (سنن الدار قطني: ١٩٩/٢، رقم: ٢٤١٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاء: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۴/۵/۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۶۲۶/۷)

ممانی کے ساتھ حج کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید اپنی ممانی کو اپنے ساتھ سفر حج میں لے جا سکتا ہے، یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وباللہ التوفیق

زید اپنی ممانی کے لیے محرم نہیں ہے، لہٰذا ممانی کا اس کے ساتھ سفر حج کرنا درست نہیں ہوگا۔

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لا تسافر المرأة ثلاثاً إلا ومعها ذو محرم. (الصحیح لمسلم، رقم: ١٣٣٨، سنن أبی داؤد، ص: ٣٢٤، رقم: ١٧٢٧، دار الفکر بیروت)

ومع زوج أو محرم بالغ عاقل. (الدر المختار: ٤٦٤/٣، کراتشی)

ومنها المحرم للمرأة شابة كانت أو عجوزاً إذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام. (الفتاویٰ الهندية: ۲۱۸/۱)

ولو كان معها محرم فلها أن تخرج مع المحرم فى الحجة الفريضة. (بدائع الصنائع: ۳۰۰/۲، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۸/۱۲/۲۲ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۶۲۶/۷)

کیا بوڑھی عورت اپنے نندوئی کے ساتھ حج کو جا سکتی ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میری والدہ اس سال حج کے لیے جارہی ہیں، منظوری بھی آچکی ہے، والدہ صاحبہ بیوہ ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ بغیر محرم کے سفر نہیں کرسکتی ہیں، اُن کے ساتھ اُن کے نندوئی بھی جارہے ہیں اور ساتھ میں اُن کی بیوی بھی ہیں، والدہ صاحبہ کی عمر ۷۰/سال ہے، کیا وہ اپنے نندوئی کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہیں، اس کے علاوہ تقریباً برادری کے ۱۸/آدمی اور بھی جارہے ہیں، جو سب ہی ساتھ میں رہیں گے، ان میں ۹/عورتیں ہیں۔ صورت مسئولہ میں مسئلہ کی اچھی طرح سے وضاحت فرمادیں اور کوئی شکل جواز کی تحریر فرمائیں؟

باسمه سبحانه تعالىٰ، الجواب ——————— وبالله التوفيق

اگر فتنہ اور معصیت کا اندیشہ نہ ہو تو ۷۰/سال کی بوڑھی عورت غیر محرموں کے ساتھ حج کے سفر پر جاسکتی ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ: ۲۰۱/۴، ایضا المناسک ۶۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۷/۱۰/۱۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۶۲۳/۷)

۶۰/سالہ عورت کا پڑوسی غیر محرم کے ساتھ حج کو جانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک مسماۃ ہیں، جن کی عمر تقریباً ۶۵/سال ہے، ان کی پڑوسن ۴۵/سالہ اپنے ۲۳/سالہ بھانجہ کے ساتھ حج کو جارہی ہیں تو کیا مسماۃ اپنی پڑوسن کے ساتھ حج کو جاسکتی ہیں، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالىٰ، الجواب ——————— وبالله التوفيق

مسئولہ صورت میں عورت کی عمر ۶۵/سال ہے اور غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے میں کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے تو اس کے ساتھ سفر حج کرنے کی گنجائش ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۲۰۱/۴، فتاویٰ دار العلوم: ۵۳۴/۶، ایضاح المناسک، ص: ۶۴)

أما العجوز التى لا تشتهى فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن، ومتى جاز المس جاز سفره بها ويخلو إذا أمن عليه وعليها وإلا لا. (الدر المختار مع الشامي: ۵۲۹/۹ زكريا، ۴۷۵/۹، بيروت)

لا بـأس للمرأة أ ن تسافر بغير محرم مع الصالحين. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الحج: ٥/٣٦٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۳/۵/۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۶۲۲)

ساٹھ سال کی عورت کا جیٹھ کے لڑکے کے ساتھ حج کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک عورت جس کا نام ''چھوٹی'' ہے، ان کے شوہر گزر گئے ہیں اور عمر ساٹھ سال ہے، ان کے لڑکے کی تمنا ہے کہ والدہ حج کرلیں؛ لیکن دونوں یعنی ماں بیٹا ساتھ ساتھ کرنے کے لائق نہیں ہیں، ان کے جیٹھ کے لڑکے اور لڑکے کی بیوی بھی ساتھ ساتھ جارہے ہیں، کیا ''چھوٹی'' اپنے جیٹھ کے لڑکے جس کی عمر ۵۰/سال ہے اور لڑکے کی بیوی کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

سفر حج محرم، یا شوہر کے ساتھ ہی کرنا چاہیے؛ اس لیے بہتر یہ ہے کہ ابھی آپ اپنی والدہ کو حج نہ کرائیں؛ بلکہ جب آپ کے پاس استطاعت ہوجائے تو آپ اپنے ساتھ حج کو لے جائیں؛ تاہم اگر وہ اس بڑھاپے میں اپنے جیٹھ کے لڑکے کے ساتھ حج کو جائیں گی تو بھی ان کا حج ادا ہوجائے گا۔

ومع زوج أو محرم قال الشامي: والمحرم من لا يجوز لا منا كحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع أو صهرية. (الدر المختار مع الشامي: ٤/٤٦٤، زکریا، امداد الفتاوی: ۲/۲۰۱)

لا بأس للمرأة أن تسافر بغير محرم مع الصالحين. (الفتاویٰ الهندية: ٥/٣٦٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۵/۳/۱۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۶۲۳)

۷۰/سال کی بیوہ خاتون کا بہن اور بہنوئی کے ساتھ حج کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک خاتون بیوہ ہیں، جن کی عمر تقریباً ستر سال ہے، اپنی سگی بہن بہنوئی کے ساتھ حج کو جانا چاہتی ہیں، بہنوئی کی عمر بھی ستر کے قریب ہے، کیا ان کے ہمراہ حج کرنے جاسکتی ہیں؟ بہن کی عمر تقریباً ۶۵/سال ہے۔

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

ستر سال کی عورت کے لیے اپنی ہمشیرہ اور بہنوئی کے ساتھ سفر حج میں جانے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ (مستفاد: ایضاح المناسک ۶۴)

لا بأس للمرأة أن تسافر بغير محرم مع الصالحين. (الفتاویٰ الهندية: ٥/٣٦٦)

وفي الدر: أما العجوز التي لا تشتهي فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن، ومتى جاز

المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها ،وإلا لا. (الدرالمختار على هامش رد المحتار: ۵۲۹/۹،زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۴/۵/۱۴۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۶۲۴/۷)

کسی عورت کا دوسری عورتوں کے ساتھ حج کرنا:

سوال: میری اہلیہ محترمہ ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ جن کی عمر پچاس برس کی ہے اور ان پر حج فرض ہو چکا ہے، فریضۂ حج ادا کرنے کی تڑپ رکھتی ہے؛ لیکن میں ایک خاص عذر کی وجہ سے مجبور ومعذور ہوں، ان کے ساتھ سفر نہیں کرسکتا اور نہ کوئی محرم موجود ہے، جو ان کے ساتھ سفر حج کر سکے۔ حسنِ اتفاق سے نواب بسالت جاہ حیدرآبادی مدظلہ العالی اور ان کی اہلیہ محترمہ اور ان کی والدہ محترمہ حج کو جارہے ہیں۔ آیا بصورتِ ہذا ان بزرگوں خواتین کے ساتھ میری اہلیہ محترمہ ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ سفرِ حج کو جانا چاہتی ہیں؟ میں اس پر راضی ہوں۔ آیا بصورت ہذا از روئے شرع شریف اپنا فریضہ حج ادا کرسکتی ہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب از مدرسہ حقانیہ بنگلور:

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

واضح ہو کہ سفر حج چوں کہ مہتم بالشان اور مقدس سفر ہے۔

حدیث شریف میں ہے: **"عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "لايخلون رجل بإمرة، ولا تسافرنّ امرأة إلا ومعها محرم". (متفق عليه)(۱)**

اور ہدایہ میں ہے: **"ويعتبر فى المرأة أن تكون لها محرم تحج معه، أوزوج، ولا يجوز لها أن تحج بغير هما، إذا كان بينها وبين مكة ثلثة أيام". (۲)**

اور مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے: **"وبهٰذا قال أبوحنيفة وأحمد رحمهما اللّٰہ تعالٰی وقال مالک رحمه اللّٰہ تعالٰی: يلزمها إذا كان معها جماعة النساء. وقال الشافعي رحمه اللّٰہ تعالٰی: يلزمها إذا كان معها إمرأة ثقة وقال الشمني: مذهب مالک: إذا وجدت المرأة صحبة مأمونة، لزمها الحج؛ لأنه سفر مفروض كالهجرة ومذهب الشافعي: إذا وجدت نسوة ثقات، فعليها أن تحج معهن". (۳)**

---

(۱) پوری حدیث اس طرح ہے: قال رسول اللّٰہ صلى الله عليه وسلم: لا يخلون بإمرأة ولاتسافرن إمرأة إلا معها محرم فقام رجل وقال: يا رسول الله! إن إمرأتى خرجت حاجة وإنى أكتتبت فى غزوة كذا كذا قال: انطلق فحج مع إمرأتک. (الصحيح لمسلم، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره رقم: ۱۳۴۱، وصحيح البخارى، كتاب الجهاد والسير، باب من اكتتب فى جيش فخرجت إمرأته حاجة إلخ، رقم: ۲۸۴۴، انيس)

(۲) الهداية، كتاب الحج: ۲۳۳/۱، مكتبة شركة علمية، ملتان

(۳) مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب المناسک، الفصل الأول: ۳۸۶/۵، رشيدية

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”عورت مطلق سفر یا سفرِ حج اس وقت کرسکتی ہے، جب کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر، یا اس کا کوئی محرم موجود ہو“۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے، امام مالک اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر معتبر عورتیں، یا ایک عورت ساتھ ہو اور امن ہو تو عورت بلا محرم بھی حج کرسکتی ہے۔

اب صورتِ مسئولہ میں ڈاکٹر آمنہ صاحبہ اگر مضطرب ہیں اور مضطر ہیں اور شوہر کی اجازت ہے؛ مگر وہ خود جانہیں سکتا اور کوئی محرم بھی نہیں ہے تو از روئے قرآن شریف حالتِ اضطراری میں جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿**فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا إثم علیه**﴾ (۱)

اس صورت میں فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر فقہ حنفی میں کسی مسئلہ میں سختی ہو اور امام مالک کے مذہب میں سختی نہ ہو تو مذہبِ مالک پر عمل کرنے کی اجازت خود فقہ حنفی دیتا ہے؛ بلکہ اس پر فتوی حنفی دے سکتا ہے، جیسا کہ مفقود الخبر کے مسئلہ میں مذہب حنفی کے خلاف مذہب مالکی پر فتوی حنفی علماء دیتے ہیں، دیکھو رد المختار، باب الرجعة میں ہے:

فالأولی الجمع بین المذهبین: مذهب أبی حنیفة ومذهب مالک رحمهما الله تعالیٰ؛ لأنه کالتلمیذ لأبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ، لذا مال أصحابنا الی بعض أقوال مالک رحمه الله تعالیٰ ضرورة. (۱)

اور ایک جگہ ہے: **وقد قال فی البزازیة: الفتوی فی زماننا علیٰ قول مالک.** (۳)

غرض تقلیدِ مالکیہ میں صورتِ مسئولہ میں ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحب عالی جناب نواب بسالت جاہ مدظلہ کی والدہ محترمہ اور ان کی اہلیہ محترمہ کے ساتھ فریضۂ حج کی غرض سے سفر کرسکتی ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ ابوالکمال محمد حبیب اللہ باقوی ندوی حنفی قادری، مفتی دارالافتاء مدرسہ حقانیہ عربیہ بنگلور

جواب از دار العلوم دیوبند:

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

عورت کے پاس اگر اپنے حج کے لیے روپیہ کافی ہو اور شوہر، یا کوئی محرم بھی جانے والا ہو، تب تو اس کے ذمہ حج کے لیے جانا فرض ہوتا ہے، ورنہ فرض نہیں ہوتا؛ بلکہ حجِ بدل کے لیے وصیت کرنا ضروری ہوتا ہے، جس کی تنفیذ ایک تہائی ترکہ سے لازم ہوتی ہے۔ عورت بوڑھی ہو، یا جوان اور قافلہ میں دوسری عورتیں ہوں، یا نہ ہوں، سب کا حکم یہی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔

دوسرے بعض حضرات نے ہجرت واسارت پر قیاس کرتے ہوئے عورت کو دوسری قابلِ اعتماد عورتوں کے ساتھ سفر کی اجازت دی ہے؛ مگر حنفیہ نے اس کی تردید کی ہے کہ یہ نص کے مقابلہ میں قیاس ہے، جس کی اجازت نہیں ہے

---

(۱)　سورة البقرة: ۱۷۳

(۲)　رد المحتار، باب الرجعة، مطلب: مال أصحابنا الی بعض أقوال مالک رحمه الله ضرورة: ۴۱۱/۳، سعید

(۳)　رد المحتار، کتاب المفقود، مطلب فی الإفتاء بمذهب مالک فی زوجة المفقود: ۲۹۶/۴، سعید

اور قیاس بھی قیاس مع الفارق ہے، جو شرعاً حجت نہیں ہے۔ اضطرار کا یہاں کوئی محل ہی نہیں کہ حرام شے کی حرمت مرتفع ہو جائے؛ اس لیے کہ اضطرار جان کے تحفظ کے لیے ہوتا ہے، یا ایمان کے تحفظ، یہاں حج کے لیے نہ جانے میں جان کا کوئی خطرہ نہیں، نہ ایمان میں کوئی نقص آتا ہے؛ کیوں کہ محرم نہ ہونے کی وجہ سے جانا فرض نہیں، بخلافِ زوجہ مفقود کے کہ وہاں نفقہ کا انتظام نہ ہونا اور در بدر بھیک مانگنا، نامحرموں کی ملازمت کرنا، عصمت کا محفوظ نہ رہنا، حرام کاری میں مبتلا ہونا، دین اسلام چھوڑ کر ارتداد اختیار کرنا، یہ امور قبیحہ شنیعہ ضرور ایسے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر عمل کرنے سے ان سب کا سدِ باب ہو جاتا ہے۔

صورت مسئولہ میں ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ کو سفرِ حج نہ کرنے سے کسی امرِ قبیح شنیع کا ارتکاب نہیں کرنا پڑتا ہے، سب سے حفاظت ہے۔ ہاں! سفر کرنے سے حدیث پاک کی مخالفت ہے، اپنے امام کے مذہب کی مخالفت ہے اور سفر بھی سفرِ حج ہے، جس کی بنیاد ہی گناہوں کو معاف کرانا ہے، گناہ معاف کرانے کے لیے مستقلاً گناہ کا راستہ اختیار کرنا ویسے بھی دانشمندی سے بعید تر ہے۔

(ومحرم أو زوج لامرأة في سفر):أي وبشرط محرم الٰى آخره،لما في الصحيحن:"لا تسافر إمرأة ثلاثاً إلا ومعها محرم"، وزاد مسلم في رواية: "أوزوج".وروى البزار: "لا تحج امرأة إلا ومعها محرم"،فقال رجل:يارسول الله!إني كتبت في غزوة وامرأتي حاجة؟ قال: "ارجع،فحج معها"،فأفاد هٰذا كله أن النسوة الثقاة لا تكفي قياساً على المهاجرة والمأسورة؛ لأنه قياس مع النص ومع وجود الفارق،فإن الموجود في المهاجرة والمأسورة ليس سفراً؟لأنها لا تقصد مكانا معينا،بل النجاة خوفاً من الفتنة، حتٰى لووجدت مأمنا كعسكر المسلمين،وجب أن تقر ولأنه يخاف عليها الفتنة،وتزاد بانضمام غيرها إليها،ولهٰذا تحرم الخلوة بالأجنبية،وإن كان معها غيرها من النساء ... وأطلق المرأة فشمل الشابة والعجوز،لاطلاق النصوص". (كذا في البحر الرائق: ۳۱۴/۲-۳۱۵)(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۲/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۲/۱۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۳۱/۱۰-۳۳۴)

مالدار عورت کے ساتھ محرم نہ ہو تو حج فرض نہیں:

سوال: ایک عورت حج بیت اللہ کے لیے جانا چاہتی ہے، زادراہ وغیرہ سب اس کے پاس موجود ہے؛ مگر اس کے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ اپنے ساتھ کسی محرم کو لے جا سکے۔ ایسی صورت میں اس پر حج کرنا فرض ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۰۹۹، سعید احمد انصاری صاحب، ۷؍شوال ۱۳۵۶ھ، مطابق ۱۱؍دسمبر ۱۹۳۷ء)

(۱) البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۵۱/۲-۵۵۲، رشيدية

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

عورت بغیر محرم کے حج کو نہیں جاسکتی اور نہ اس پر حج فرض ہے؛ لأن المحرم من السبیل. (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۳۴۰/۴، ۳۴۱)

عورت غیر محرم کے ساتھ ادا کرلیا تو فرض ساقط کے ساتھ ہوا، یا نہیں:

سوال: عورت نے غیر محرم کے ساتھ جا کر حج ادا کرلیا؛ تو جو فرض اس کے ذمہ تھا، وہ ساقط ہوگیا، یا نہ؟ اور عورت پر غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے کا گناہ ہے، یا نہ؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

حج کا اس کا ادا ہوگیا اور فرض ساقط ہوگیا اور غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے کا گناہ اس پر ہوا، توبہ واستغفار کرے۔

درمختار میں ہے: ولو حجت بلا محرم جاز مع الکراھة، إلخ. (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵۲۲/۶)

بیوہ عورت اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حج میں جاسکتی ہے:

سوال: ایک بیوہ عورت حج کرنا چاہتی ہے، جس کا کوئی محرم نہیں ہے، اس کے رشتہ داروں میں سے تین جوڑے؛ یعنی تین مرد اور تین عورتیں حج کو جارہی ہیں، اس بیوہ عورت کا مردوں سے کوئی رشتہ نہیں ہے، البتہ عورتوں میں سے کوئی اس کی چچازاد بہن ہے وغیرہ وغیرہ تو کیا یہ بیوہ عورت ان کے ساتھ حج کا سفر کرسکتی ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت کی جائے سکونت سے حرم کا فاصلہ اگر مسافتِ سفر یعنی اڑتالیس میل اور اس سے زیادہ کا ہے تو اس صورت میں ایسی عورت کسی محرم یا شوہر کے بغیر حج کے لیے نہیں جاسکتی۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاویٰ: ۲/۲۶۷-۲۶۸)

عورت کے ساتھ حج میں محرم کا ضروری ہونا اور نہ ہونے پر وصیت آخری عمر میں کرنا:

سوال: ایک عورت بیوہ ہے اور مقدار حج اس کے پاس روپیہ ہے؛ لیکن اس کے ساتھ جانے والا محرم کوئی بیٹا ہے، نہ باپ ہے، نہ بھائی ہے، غرض کوئی شخص نہیں۔ ایسی صورت میں اس پر حج فرض ہے، یا نہیں؟ اگر فرض ہے تو غیر شخص کے ساتھ جاسکتی ہے، یا تنہا؟ اور جو حج اس پر فرض نہیں ہے اور یہ عورت کچھ روپیہ، یا مقدار حج سارا روپیہ کسی نیک کام میں خرچ کرے تو اس کو حج کا ثواب مل سکتا ہے، یا نہیں؟

---

(۱) ومع زوج. (الدر المختار) وفی الشامیة: ھٰذا وقوله، ومع عدم عدة علیھا، شرطان مختصان بالمرئة، إلخ. (رد المختار، کتاب الحج: ۴۶۴/۲، ط: سعید)

(۲) الدر المختار علی ھامش ردالمحتار، کتاب الحج: ۴۶۵/۳، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۳) الدر المختار علی ھامش الشامی: ۱۵۷/۲

الجواب

اگر روپے کی مقدار اتنی ہے کہ صرف اس عورت کے حج کو کافی ہو جاوے، تب تو حج فرض ہی نہیں۔

فی الدر المختار: (ومع زوج أومحرم بالغ عاقل إلیٰ قوله مع وجوب نفقة لمحرمها عليها.

فی رد المختار (قوله مع وجوب النفقة، إلخ) أی فيشترط أن تكون قادرة علیٰ نفقتها وتفقته، آه. (۱)

اور اگر دو شخصوں کے لائق خرچ ہے تو نفس وجوب تو اس پر ہو گیا ہے وجوب ادا نہیں ہوا بوجہ محرم نہ ہونے کے؛ اس لیے اس کو اجنبی کے ساتھ سفر کرنا تو جائز نہیں؛ لیکن روپیہ محفوظ رکھے شاید کوئی محرم میسر ہو جاوے اور اگر اخیر عمر تک میسر نہ ہو تو وصیت کر جاوے (۲) کہ مرنے کے بعد اس کی طرف سے حج بدل کرا دیا جاوے۔

فی رد المختار: والذی اختاره فی الفتح أنه مع الصحة وأمن الطريق شرط وجوب الأداء فيجب الايضاء، إلخ. (۳) فقط

۲۲/رجب ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولی، ص: ۷۲) (امداد الفتاوی: ۱۵۶/۲)

رضاعی بھائی کے ساتھ حج:

سوال: رسولن اور خلیل دودھ شریک بھائی بہن ہیں اور رشتہ میں بھی چچا زاد بھائی بہن ہیں، رسولن کا کوئی محرم نہیں کہ جس کے ساتھ وہ حج کو جائے۔ کیا وہ خلیل کے ہمراہ حج کو جا سکتی ہے؟

الجواب ــــــــــــ حامداً ومصلياً

جا سکتی ہے۔ (درمختار) (۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ (فتاوی محمودیہ: ۳۳۴/۱۰-۳۳۵)

داماد کے ساتھ حج کا سفر:

سوال: ساس اپنے داماد کے ساتھ حج کر سکتی ہے، یا نہیں؟ ساس اور داماد کا رشتہ محرم کا ہے، یا غیر محرم کا؟

(غوثیہ سلطانہ، محبوب گارڈن کالونی)

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحج: ۴٦۴/۳

(۲) یا قبل موت ایسی حالت ہو جائے کہ اگر محرم بھی مل جائے، تب بھی سفر نہ کر سکے، تب بھی حج بدل کرا سکتی ہے۔ منہ

(۳) ردالمحتار، كتاب الحج: ۴٦۳/۳، دارعالم الكتب، رياض

(۴) (و) مع (زوج أو محرم) ولو عبدا أو ذميا أوبرضاع. (الدر المختار، كتاب الحج، مطلب فی قولهم: يقدم حق العبد علیٰ حق الشرع: ۴٦۴/۲، سعيد)

قوله: (ومحرم أو زوج لامرأة فی سفر): أی وبشرط محرم الیٰ آخره، لما فی الصحيحين: "لا تسافر المرأة الا ومعها محرم ... والمحرم من لا يجوز له منا كحتها علی التأبيد بقرابة، أورضاع، أومصاهرة. (البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۵۱/۲، رشيدية/بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل فی شرائط فرضيته: ۵٦/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

محرم سے مراد وہ رشتہ دار ہیں، جن کے ساتھ کبھی بھی نکاح حلال نہ ہو۔

"من لایجوز مناکحته علی التأبید بقرابة أو رضاع أو مصاهرة". (۱)

داماد سے بھی ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے، یہاں تک کہ اگر نکاح کے بعد بیوی سے قربت کی نوبت نہ آئی ہو اور اس سے پہلے ہی طلاق ہو جائے، تب بھی ساس اور داماد ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لیے حرام ہیں۔ خود قرآن مجید میں اس کی صراحت موجود ہے، (۲) اس لیے ساس کا اپنے داماد کے ساتھ سفر حج کرنا جائز ہے، البتہ اگر عمر میں زیادہ تفاوت نہ ہو، اس مرد، یا عورت کے اخلاق و عادات قابل اطمینان نہ ہوں، اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں ان کا ایک دوسرے کے ساتھ سفر کرنا مناسب نہیں ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۲)

بغیر شوہر کی اجازت کے بھائی کے ساتھ حج کرنا:

سوال: زید کی عورت اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف امسال حج کو جانے پر بضد ہے اور اس کے حقیقی بردار بھی حج کو جا رہے ہیں، زید اپنے خانگی حالات کی وجہ سے اس سال اجازت دینے سے روکتا ہے؛ یعنی زید کی بیوی اپنے شوہر کے حقوق ادا نہیں کرتی ہے۔ زید کی بہن نے بھی اپنے حج کی درخواست دے رکھی ہے، اگر خدا کو منظور ہو تو زید کا مکان تنہا رہ جائے گا اور اس کے مکان پر سوائے ان دونوں کے اور کوئی قابلِ اطمینان آدمی نہیں ہے تو زید کی بیوی اپنے برادر کے ساتھ زید کی بلا اجازت حج کو جا سکتی ہے، یا نہیں؟

اور زید کی بیوی اپنے حقوق کا اور خداوندی حقوق؛ یعنی صوم وصلوۃ میں پاکی ناپاکی کا خیال نہیں رکھتی ہے، جیسا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بہشتی زیور کے پانچویں حصہ میں صفحہ: ۶۳ تا ۷۰ میں تحریر فرمایا ہے اور دیگر حوالہ بہشتی زیور کے تیسرے حصہ کے صفحہ: ۶۷ / میں نامحرم بہنوئی ونندوئی وغیرہ وغسل آنے پر ہفتہ تا چالیس یوم تک بغل وغیرہ کے بال دور کرنا، بدن کو صاف ستھرا کرنا، سخت تحریر فرمایا ہے، جب اس عورت کو دو دو، تین تین ماہ ہو جاتے ہیں بغیر کسی مجبوری کے تو اس عورت پر کیسا گناہ ہوا، صغیرہ ہو یا کبیرہ؟ اب اس کو حج کے لیے اس صورت میں اجازت دی جائے، یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں اس کے ساتھ اس کے بھائی وغیرہ جو اس کے ساتھ حج کو جائیں گے تو ان کا یہ حج ہو سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جب اس عورت کی ملک میں اتنا روپیہ ہے کہ اس پر حج فرض ہو جائے اور ساتھ جانے والا محرم بھی موجود ہے تو اس کو ضرور اجازت دے دی جائے، شوہر کو حق نہیں کہ وہ اس حالت میں وہ حج سے اس کو روکے۔ (۳) وہ اگر ناپاکی سے پاک

---

(۱) رد المحتار: ۳/۴٦٤، ط: مکتبه زکریا، دیوبند

(۲) ﴿و امهٰت نسائکم﴾ (سورة النساء: ۲۳)

(۳) ولو کان معها محرم، فلها أن تخرج مع المحرم فی الحجة الفرضیة من غیر إذن زوجها عندنا، ==

نہیں ہوئی، خدا اور شوہر کے حقوق کو ادا نہیں کرتی ہے تو وہ سخت گنہگار ہے، اس کو توبہ لازم ہے، (۱) اور اس کی فہمائش کی جائے اور وعید سنائے اور بتایا جائے کہ خدا کے گھر جانے کے لیے پاکی کا اہتمام کرے، نماز وغیرہ کی پابند ہو جاوے، شوہر کی نافرمانی چھوڑ دے۔ امید ہے کہ وہ سفر حج کی برکت سے اس کی مزید اصلاح ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۳۶۔۳۳۷)

اپنے خسر کے ساتھ اپنی ہمشیرہ کا حج کو بھیجنا:

سوال: میری ہمشیرہ میرے خسر اور ساس کے ساتھ حج کو جانا چاہتی ہے، ان کا کوئی محرم نہیں ہے، کیا میری ہمشیرہ جاسکتی ہے، یا نہیں؟ ان کا حج ادا ہو جائے گا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

آپ کا خسر آپ کی ہمشیرہ کا محرم نہیں، ان کے ساتھ سفر حج کرنے کی اجازت نہیں، اگرچہ فریضہ ادا ہو جائے گا؛ لیکن بغیر محرم کے سفر کرنے کا گناہ بھی ہوگا۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۸/۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۳۵)

== وعند الشافعي: ليس لها أن تخرج بغير إذن زوجها ... ولنا أنها إذا وجدت محرماً، فقد استطاعت إلى حج البيت سبيلاً؛ لأنها قدرت على الركوب والنزول، وأمنت المخاوف؛ لأن المحرم يصونها. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۵۵/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

وإذا وجدت محرماً، ولا يأذن لها زوجها أن تخرج، فلها أن تخرج بغير إذنه في حجة الإسلام دون التطوع. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۴۳۵/۲، ادارة القرآن كراتشی)

(۱) ويستحب حلق عانته وتنظيف بدنه بالاغتسال في كل أسبوع مرة، والأفضل يوم الجمعة، وجاز في كل خمسة عشر، وكره تركه وراء الأربعين. (الدر المختار)

(قوله: وكره تركه): أي تحريماً، لقول المجتبى: "ولا عذر فيما وراء الأربعين، ويستحق الوعيد. (رد المحتار، كتاب الحضر والاباحة، فصل في البيع: ۴۰۶/۶۔۴۰۷، سعيد)

اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کاموں کے لیے یہی وقت مقرر فرمایا ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"وقت لنا في قص الشارب، وتعليم الأظفار، نتف الإبط وحلق العانة أن لا نترك أكثر من أربعين ليلة. (الصحيح لمسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، رقم الحديث: ۴۱۲، انيس)

(۲) (ومع زوج أو محرم) وهو من لا يحل له نكاحها على التأبيد للمرأة، ولو عجوزة، إن كان بينها وبين مكة مسافة سفر وإلا فلايحتاج، ولا تحج بلا أحدهما فإن حجت جاز مع الكراهة. (الدر المنتقى في شرح المتلقى: ۲۶۲/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

أنها لا تخرج الا بزوج أو محرم ... ثم صفة المحرم: أن يكون ممن لا يجوز نكاحها على التأبيد، أما بالقرابة أو الرضاع أو الصهرية. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۶۰/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

کیا بہو خسر کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بہو اپنے خسر (اپنے شوہر کے والد) کے ساتھ حج کو جاسکتے ہیں، یانہیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

بہو اپنے حقیقی خسر کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے، بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو؛ اس لیے کہ خسر محرم ہے۔ (ایضاح المناسک:۶۳)

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: لا يحل لا مرأة تؤمن بالله واليوم الآخر تسافر مسيرة يوم وليلة إلا مع ذی محرم عليها وفی رواية: مسيرة يوم"، وفی أخریٰ: "لايحل لا مرأة تؤ من بالله واليوم الآخر تسافر مسيرة ليلة إلا ومعها رجل ذو حرمة منها". (الموطأ لإمام مالك: ۲۷۹/۲، صحيح البخاری، رقم: ۱۰۸۸، الصحيح لمسلم، رقم: ۱۳۳۹، سنن أبی داؤد، رقم: ۱۷۲۳-۱۷۲۵، سنن الترمذی رقم: ۱۱۷۰، الترغيب والترهيب مكمل: ۶۴۵، رقم: ۴۶۷۹، بيت الأفكار الدولية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۶/۷/۱۴۱۷ھ۔ (کتاب النوازل: ۶۲۷/۷)

حقیقی خالہ کو حج میں ساتھ لے جانا:

سوال (۱) حاجی اپنی سگی وحقیقی خالہ کو ساتھ لے جاسکتا ہے، یا کہ نہیں؟

سردی کی وجہ سے سر میں کپڑا لپیٹنا:

(۲)　آج کل موسم حج میں سخت جاڑا ہوتا ہے تو کیا سر میں کوئی کپڑا لپیٹ سکتا ہے؛ کیوں کہ سردی بیماری ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، مثلاً اگر بیمار ہی پڑ جائے تو پھر کیا سر میں کپڑا باندھ سکتا ہے اور اگر باندھے تو کیا قربانی واجب ہوگی اور اگر قران کا احرام ہو تو کیا دو قربانیاں جرمانہ کی واجب ہوں گی، یا ایک؟ پھر یہ حکم ایک دن باندھنے کا ہے، یا پورے ایام بھر باندھنے کا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

(۱)　لے جاسکتا ہے۔(۱)

(۲)　اگر ممنوع احرام عذر سے بھی کرے گا تو جزا دینی واجب ہوگی؛ لیکن قانون یہ ہے کہ سر ڈھانکنے میں دم تب ہے جب کہ سارا دن ڈھانکے، (۲) اور اس سے کم ڈھاکنا اگر چہ گھنٹہ بھر ہو تو صدقہ دے نصف صاع اور گھنٹہ سے کم میں

---

(۱)　اس لیے کہ حقیقی خالہ محرم ہے، ﴿حرمت عليكم أمهاتكم وبناتكم وأخواتكم وعماتكم وخالاتكم﴾ (سورة النساء: ۲۳)

(۲)　أوستر رأسه بمعتاد اما بحمل اجانة أوعدل شئ فلا شئ عليه يوماً كاملاً أوليلة كاملة وفی الأقل صدقة. (الدر المختار: ۵۷۵/۳)

ایک مشت گندم دے اور دن سے زیادہ میں بھی ایک ہی دم ہے، اگر چہ کئی دن پہنے رہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیو بند سہارنپور، ۱۳۸۵/۸/۲۶ھ۔

الجواب صحیح محمد جمیل الرحمٰن، سید احمد علی سعید۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۳۵/۲، ۳۶)

شوہر کی اجازت کے بغیر حج کو جانا، جب کہ نفقہ نہ دیتا ہو اور اس کے بھائی حضرات حج کو جاتے ہوں:

سوال: اگر شوہر عورت کو نان نفقہ کچھ نہیں دیتا اور نہ کسی طرح کی خبر گیری کرتا ہے وہ اپنے میکہ میں رہتی ہے اور وہی اس کی خبر گیری کرتے ہیں تو اگر اس کے بھائی وغیرہ جو اس کی خبر گیری کرتے ہیں، حج کو جاویں تو یہ عورت بلا اجازت شوہر حج کو جا سکتی ہے، یا نہیں؟ اس عورت پر حج فرض نہیں ہے؛ بلکہ وہی لوگ اس کا سفر حج بھی برداشت کریں گے، اگر یہاں اکیلی رہتی ہے تو کوئی اس کا خبر گیراں نہیں رہتا اور شوہر سے خوف ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

اس عورت کے حق میں سفر حج ایسا ہے جیسا دوسرا سفر کہ اس کے میکہ والوں کو پیش آوے اور بہ ضرورت اس عورت کو ان کے ہمراہ رہنا پڑے اور یہ جائز ہے، پس وہ بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم

۱۷/رجب ۱۳۲۵ھ (امداد: ۱/۱۸۷) (امداد الفتاوی: ۱۶۰/۲)

بیوی کو حج کے لیے ساتھ لے جانا کب ضروری ہے:

سوال: زید حج بیت اللہ کے لیے جارہا ہے، اس کی بیوی کے پاس ایک ہزار روپے نقد موجود ہیں، جو کرایہ وغیرہ کے لیے کافی ہوگا؛ مگر زادِ راہ کا روپیہ اس کے پاس نہیں ہے، اس کی بیوی زید سے تقاضا کرتی ہے کہ آپ گھر رہنے کی صورت میں میرے نان ونفقہ کا انتظام کریں گے، وہی روپیہ مجھے دے دیجیے؛ تا کہ آپ کے ہمراہ میں بھی حج کو چلوں تو کیا اسی صورت میں زید کی بیوی پر حج فرض ہو جاتا ہے؟ کیا زید کی بیوی اپنے مطالبۂ نان ونفقہ میں حق بجانب ہے؟ کیا زید پر واجب ہے کہ بیوی کے زادِ راہ کا انتظام کر کے اپنے ہمراہ حج کے لیے لے جائے؟ اگر زید زحمت کی وجہ سے بیوی کو ساتھ لے جانے سے گریز کرے تو کیا وہ گناہ گار ہوگا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جب کہ زید حج کو جارہا ہے اور بیوی کے پاس خرچ راہ اور کرایہ آمد ورفت موجود ہے تو بیوی کا نان ونفقہ ساقط ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اگر بیوی نہ جاتی تو زید کے ذمہ لازم تھا کہ اس کو نان ونفقہ دے کر جاتا، البتہ ساتھ جانے کی صورت میں وہ نان ونفقہ لازم ہوگا، جو حضر میں لازم ہوتا۔ سفر کی وجہ سے جس قدر نان ونفقہ زائد خرچ ہوگا، اس کی ذمہ داری زید پر نہیں، زید کے ذمہ لازم ہے کہ اس کو ساتھ لے کر جائے، جب کہ بیوی کا حج فرض ہو۔

لو حجت معه فلها نفقة الحضر لا السفر... وعن الثاني لو أرادت حجة الاسلام يؤمر الزوج بالخروج معها، وبالانفاق عليها كمافي المحيط، آه. (سكب الأنهر: ۴۹۸/۱)(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۲۹۶/۱۰-۲۹۷)

چھوٹی بیوی کو لے کر حج کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میری دو بیویاں ہیں: پہلی بیوی سے تین بچے ہیں، وہ بچے میرے پاس ہیں، کسی بات پر بگاڑ ہو گیا ہے، بیوی ماں باپ کے گھر ہے، اب چھوٹی بیوی جو میرے پاس رہتی ہیں، اس کو لے کر حج کو جا سکتا ہوں، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

شوہر کو اختیار ہے، جس بیوی کو چاہے حج کے لیے لے جا سکتا ہے، البتہ دونوں کے درمیان قرعہ اندازی کرنا مستحب ہے۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أراد سفراً أقرع بين نسائه، فأيهن خرج سهمها خرج بها معه. (صحيح البخاري، رقم: ۲۶۸۸، الصحيح لمسلم، رقم: ۲۷۷۰، مرقاة المفاتيح: ۳۴۹/۶، رقم: ۳۲۳۲، دار الكتب العلمية بيروت)

ولا قسم في السفر دفعاً للحرج فله السفر بمن شاء منهن، والقرعة أحب تطييباً لقلوبهن. (الدر المختار، النكاح، باب القسم: ۳۸۴/۴، زكريا، الفتاوى الهندية: ۳۴۱/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۹/۴/۱۰ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۶۱۲/۷)

عورت کا شوہر کے ساتھ حج پر جانے کو ضروری سمجھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے کہ میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حج بیت اللہ پر جائے، روپیہ کا انتظام ان شاء اللہ میں کروں گا۔ اہلیہ کا کہنا ہے کہ والدین کے ساتھ حج نہیں ہوتا، شوہر کا ہونا ضروری ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

---

(۱) (ولو حجت معه) فرضاً أو نفلاً (فلها نفقة الحضر) بالاتفاق؛ لأن المقيمة في منزله، فمازاد على نفقة الحضر يكون في مالها؛ لأنه بازاء منفعة لها، لانفقة السفر ولا الكراء ... وعن الثاني: لو أرادت حجة الاسلام، يؤمر الزوج بالخروج معها، وبالانفاق عليها، كما في المحيط. (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۱۸۱/۲، باب النفقة، المكتبة الغفارية، كوئٹہ)

وأما إذا حج الزوج معها، فلها النفقة اجماعاً، وتجب عليه نفقة الحضر دون السفر، ولا يجب الكراء، أما إذا حجت للتطوع فلانفقة لها اجماعاً إذا لم يكن الزوج معها، هكذا في الجوهرة النيرة. وإن حجت مع زوجها حجة نفلاً كانت لها نفقة الحضر لا نفقة السفر، هكذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۵۴۶/۱، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول في نفقة الزوجة، رشيدية)

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ———— وباللّٰہ التوفیق

عورت کے لیے جس طرح شوہر کے ساتھ سفر حج میں جانا جائز ہے، اسی طرح اپنے دیگر محرم مثلاً والد کے ساتھ جانا بھی درست ہے، آپ کی اہلیہ کا یہ کہنا کہ سفر میں شوہر کا ساتھ ہونا ضروری ہے، درست نہیں ہے۔

عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لایحل لامرأة تؤمن باللّٰه والیوم الآخر أن تسافر سفراً یکون ثلاثة أیام فصاعداً إلا ومعها أبوها، أو أخوها، أو زوجها، أو ابنها، أو زو محرم منها. (صحیح البخاری رقم: ۱۱۹۷، صحیح مسلم، رقم: ۸۲۷، سنن أبی داؤد، رقم: ۱۷۲۶، سنن الترمذی، رقم: ۱۱۶۹، سنن ابن ماجة، رقم: ۲۹۹۸، الترغیب والترھیب مکمل، ص: ۶۴۵، رقم: ۴۶۷۷، بیت الأفکار الدولیة)

ولوکان معها محرم فلها أن نخرج مع المحرم فی الحجة الفریضة. (بدائع الصنائع: ۳۰۰/۲، زکریا)

والمرأة فی وجوب الحج علیها کالرجل غیر أن لها شرطین شابة کانت أوعجوزاً أحدهما أن یکون خروجها مع زوجها، أو مع ذی رحم محرم. (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۴۷۵/۳، زکریا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۹/۱۱/۱۴۳۲ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۶۱۳/۷)

بیوی سے کیا گیا حج کا وعدہ کیا شوہر کے حق میں مانع ہے:

سوال: سائل نے اپنی بیوی سے اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کو حج کرادے گا؛ لیکن بیوی اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ مروجہ قانون کے مطابق اس کو اجازتِ سفر مل جائے تو کیا یہ امر سائل کے حج میں مانع ہوگا؟

الجواب ———— حامداً ومصلیاً

بیوی کا اس پوزیشن میں نہ ہونا آپ کے لیے حج سے مانع نہیں ہے۔(۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۹۸/۱۰)

نافرمان بیوی کے ساتھ حج:

سوال: میری بیوی اطاعت گزار اور فرماں بردار نہیں، ایک زمانہ سے میرے اور اس کے درمیان جنسی تعلق بھی نہیں، سمجھانے کے باوجود اپنی شرارت پر اٹل ہے، کیا میں اس کو حج میں ساتھ لے جاسکتا ہوں؟

(ایم اے ایس، تالاب کٹہ)

---

(۱) قال المزنی: قال الشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ: فرض اللّٰه تبارک و تعالیٰ الحج علیٰ کل حربالغ استطاع إلیه سبیلاً بدلالة الکتاب والسنة. (الحاوی الکبیر، کتاب الحج: ۳/۵، المکتبة التجاریه، مصطفیٰ أحمد الباز)

شروط الوجوب: وهی التی إذا وجدت بتمامها وجب الحج، وإلا فلا. (رد المحتار، مطلب فیمن حج بمال حرام: ۴۵۸/۳، سعید)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

آپ کو چاہیے کہ کسی عالم دین، یا معاملہ فہم بزرگ خاندان کے سامنے باہمی اختلافات کو رکھ کر اسے طے کرائیں اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں۔ نہ بیوی کی طرف سے نافرمانی جائز ہے اور نہ شوہر کی طرف سے مسلسل بے تعلقی اور بے التفاتی، چوں کہ وہ آپ کے نکاح میں ہیں؛ اس لیے آپ انہیں حج میں لے جا سکتے ہیں، ہوسکتا ہے یہ سفر سعادت ہی ان کے طور وطریق میں تبدیلی کا باعث ہو جائے۔

والدین نے حج نہ کیا ہو تو کیا بیٹا اپنی بیوی کے ساتھ حج کو جاسکتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں:

میاں بیوی دونوں پانچ سال سے الگ رہتے ہیں اور بیوی کو ان کے والد صاحب نے ملکیت کے طور پر ان کے نام پر الگ پیسے دیے ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ شوہر کی ساس سسر کہتے ہیں کہ تم حج کا فارم بھر دو اور حج پڑھ لو اور اتنے پیسے ہیں کہ حج آسانی سے ہوسکتا ہے اور حج کا فارم وغیرہ بھی بھر دیا ہے اور دیگر تمام کاراوائی بھی ہو چکی ہے۔ اب اصل بات یہ ہے کہ بیوی کے والد والدہ نے تو حج پڑھ لیا ہے اور شوہر کے والد والدہ نے حج نہیں پڑھا اور بات ایسی بنی ہے کہ اگر شوہر بیوی کہ ساتھ حج کو جاتا ہے تو ماں باپ ناراض ہوتے ہیں اور ناراض ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ابھی تک حج نہیں پڑھا اور بیٹا حج کو جائے؟ یہ ظاہری وجہ ہے اور گاؤں میں ایک عام ذہن بنا ہوا ہے کہ جب تک ماں باپ حج نہ پڑھیں، وہاں تک اولاد حج کو نہیں جاسکتی اور اس خیال میں عوام وخواص سب ہی مبتلا ہیں اور سب کا کہنا ہے کہ اگر تم حج کو چلے گئے اور حج پڑھ لیا تو تمہارا حج قبول نہیں ہوگا اور شوہر کے پاس اتنی طاقت نہیں ہے کہ ان کو ساتھ میں حج پڑھائے اور شوہر کی تو یہ دعا ہے کہ اللہ تعالی والدین کو بھی حج نصیب فرمائے اور اللہ تعالی جب بھی ان کے لیے حج میں جانا مقدر فرمائیں گے، وہ حسب استطاعت ان کے خرچ میں پوری مدد کرے گا اور میاں بیوی جو حج میں جارہے ہیں، اس میں شوہر کا کچھ بھی حصہ نہیں ہے، وہ بیوی کی ملکیت ہے، جس میں شوہر محرم بن کر ساتھ میں جارہا ہے تو اس طرح ناراض کر کے حج کو جانے میں حج کے اندر کچھ خرابی آسکتی ہے؟ اور خواص وعوام کے اس طرح کہنے کی وجہ سے حج میں تاخیر کی جاسکتی ہے؟ کیا والدین کے حج کرنے کا انتظار کیا جاسکتا ہے؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر بیوی ساس سسر سے معافی مانگنے جائے، جو حقوق ادا نہیں ہوئے اس کی اور ساس سسر معاف نہ کریں تو بیوی کے حج میں کوئی خرابی آسکتی ہے؟

برائے کرم ان سوالات کے جوابات عنایت فرمائیں، بڑی احسان نوازی ہوگی۔

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

حج اسلامی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے، جس کی فرضیت کے لیے شریعت مطہرہ کی طرف سے کچھ شرائط ضروری قرار دیے گئے ہیں، ان میں سے ایک شرط استطاعت؛ یعنی مالدار ہونا ہے، استطاعت سے مراد یہ ہے کہ زادِ راہ

(توشہ) اور راحلہ (سواری) پر اس طرح قدرت ہو کہ وہ اس کا مالک ہو، یا کرایہ پر لے کر قابض ہو، زادِ راہ اور سواری کا مالک ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس اپنی حاجت سے زیادہ مال ہو؛ یعنی اس کے رہنے کا مکان، لباس، خادم اور گھر کے اسباب کے سوا اس قدر سرمایہ ہو کہ سواری پر مکہ مکرمہ کو جائے اور واپس آئے۔ (عمدۃ الفقہ: ۳۳/۴-۳۴)

حج فرض ہو جانے کے بعد اسی سال حج کرنا واجب ہے، بغیر عذر تاخیر کرنے سے گنہگار رہوگا۔ (انمول حج، ص: ۲۰)

اگر بیٹے میں حج کی فرضیت کی شرطیں پائی جاتی ہیں تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے، چاہے اس کے ماں باپ نے حج کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ بیٹا جب تک کہ والد صاحب کو حج نہ کرائے اپنا حج بھی نہ کرے، یہ شریعت کے خلاف اور غلط مشہور ہے۔ ''فتاوی محمودیہ'' سے ایک سوال جواب نقل کیا جارہا ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی کمائی سے حج کے لیے روپیہ اکٹھا کیا اور وہ حج کو جانا چاہتا ہے؛ مگر لوگ کہتے ہیں پہلے والد کو حج کرانا چاہیے، بعد میں خود کرے، اب اس کو کیا کرنا چاہیے، جب کہ اس کے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ والد کو بھی ساتھ لے جاسکے؟

جواب: اس کو خود اپنا حج کرنا چاہیے، پھر اگر کسی وقت وسعت ہو اور اپنے والد کو بھی حج کرادے تو عین سعادت ہے۔ یہ بات کہ جب تک والد کو حج نہ کرائے اپنا حج بھی نہ کرے، شرعی مسئلہ نہیں؛ بلکہ بے علم عوام میں غلط مشہور ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۷۸/۳)

اِسی طرح ''آپ کے مسائل اور ان کا شرعی حل'' میں ہے:

سوال (۱) جو شخص غیر شادی شدہ ہو اور اس کے والدین زندہ ہوں اور والدین نے حج نہیں کیا ہو اور یہ شخص حج کرنا چاہے تو کیا اس کا حج ہوسکتا ہے؟

(۲) اگر والدین اس کو حج پر جانے کی اجازت دیں تو کیا وہ حج کرسکتا ہے؟

جواب: اگر یہ شخص صاحب استطاعت ہو تو خواہ اس کے والدین نے حج نہ کیا ہو اس کے ذمہ حج فرض ہے اور حج فرض کے لیے والدین کی اجازت شرط نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا شرعی حل: ۳۷/۴)

اِس لیے صورت مسئولہ میں بیوی صاحب استطاعت ہے اور اس پر حج فرض ہو چکا ہے، وہ اپنا فرض حج ادا کرنے کے لیے سفر میں اپنے شوہر کو بھی لے جارہی ہے تو شوہر کو بیوی کے ساتھ حج کے لیے جانے میں شرعاً کوئی حرج یا گناہ نہیں، چاہے شوہر کے ماں باپ نے حج نہ کیا ہو، لوگوں کا یہ سمجھنا کہ ماں باپ نے اگر حج نہیں کیا ہے اور بیٹا حج کرلے گا تو اس کا حج قبول نہیں ہوگا یہ سب غلط اور بے اصل ہے، اور لوگوں کے اس طرح کہنے سے حج میں تاخیر کرنے کی وجہ سے عورت گنہگار رہوگی، اگر اس کا شوہر ماں باپ کا خیال کر کے حج میں آنے کے لیے تیار نہ ہو تو عورت کے لیے ضروری ہے کہ اپنے دوسرے محرم رشتہ دار باپ، بھائی یا چچا یا ماموں میں سے کسی کو ساتھ لے جائے اور اپنا فرض حج ادا کرے،

اور بیوی کو ایسا کرنے کے لیے شرعاً شوہر کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں اگر شوہر اجازت نہ بھی دے تب بھی عورت جاسکتی ہے، بیوی سفر حج سے پہلے ساس سسر سے معافی تلافی کے لیے جائے، پھر بھی ساس سسر معاف نہ کریں تو اس سے بیوی کے حج میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری۔الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ،۲۳/۶/۱۴۲۶ھ۔(محمود الفتاویٰ:۲/۳۰۴-۳۰۷)

حج کو جاتے وقت والد، والدہ، بیوی کو کس کو ساتھ لے جائے:

سوال: میں حج کو جارہا ہوں دریافت طلب امر یہ ہے کہ میں اپنی والدہ، بیوی اور والد میں سے کس کو اپنے ہمراہ لے جانے کا پہلے حق حاصل ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

والدہ صاحبہ کو اپنے ساتھ لے جائیں تو بہتر ہے، خدا جانے پھر ان کو ساتھ جانے کے لیے محرم میسر آئے، یا نہ آئے۔(۱) ویسے آپ والد صاحب اور اہلیہ میں سے جس کو دل چاہے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند،۱۹/۱۳۹۱ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۹۸)

کیا اپنے حج کے لیے پہلے والد کو حج کرانا ضروری ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی کمائی سے حج کے لیے روپیہ اکٹھا کیا اور وہ حج کو جانا چاہتا ہے؛ مگر لوگ کہتے ہیں کہ پہلے والد کو حج کرانا چاہیے، بعد میں وہ خود کرے، اب اس کو کیا کرنا چاہیے جب کہ اس کے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ والد کو بھی ساتھ لے جاسکے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اس کو خود اپنا حج کرنا چاہیے، پھر اگر کسی وقت وسعت ہو اور اپنے والد کو بھی حج کرادے؛ تو عینِ سعادت ہے۔یہ بات کہ ''جب تک والد کو حج نہ کرائے، اپنا حج بھی نہ کرے'' شرعی مسئلہ نہیں؛ بلکہ بے علم عوام میں غلط مشہور ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۳۰۴)

---

(۱) عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه قال: جاء رجل إلٰی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فقال: يارسول اللّٰه! من أحق بحسن صحابتی؟ قال: ''أمک'' قال: ثم من؟ قال: ''أمک'' قال: ثم من ؟قال: ''ثم أمک'' قال: ثم من؟ قال: ''ثم أبوک''.(صحيح البخاری، كتاب الأدب باب من أحق الناس بحسن الصحبة:۲/ ۸۸۳، قديمی)

(۲) قال اللّٰه تعالٰی: وللّٰه علی الناس حج البيت من الستطاع إليه سبيلاً﴾(سورة آل عمران:۹۷)

(وقدرة زاد وراحلة) ... ولولم يكن له زاد ولاراحلة، لايجب عليه.(حاشية الشيخ الشلبی علٰی تبيين الحقائق:۲/ ۲۳۵، كتاب الحج، دارالكتب العلمية، بيروت)

جھوٹا اندراج کر کے حجِ ثانی کرنا:

سوال: سائل نے ۱۹۴۰ء میں حجِ بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، امسال پھر حج کی خواہش ہے، ارادہ ہے کہ کلکتہ سے جہاں میرے ایک چچازاد بھائی بسلسلۂ تجارت مقیم ہیں، وہاں سے حج کی درخواست دوں؛ مگر ایک دشواری یہ ہے کہ درخواست کے فارم میں ایک سوال یہ چھپا ہوتا ہے کہ کیا آپ نے اس سے پہلے کبھی حج کیا ہے"؟ اگر جواب اثبات میں دیا جائے تو درخواست منظور ہونے میں دشواری ہوتی ہے؛ بلکہ منظور ہونے کی امید ہی نہیں رہتی ہے، اگر نفی میں جواب دیں تو یہ جھوٹ ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حج کا شرف حاصل کرنے کے لیے اتنا جھوٹ بولنے کے سلسلہ میں معذور قرار دیا جاسکتا ہوں، جب کہ جھوٹ کو جھوٹ اور غلط سمجھتا ہوں؟ بعض علما کا خیال ہے کہ یہ سوال مذہبی معاملات میں مداخلت ہے، لہٰذا اس سوال کے آگے (x) نشان اس نیت سے بنادے کہ میں اس سوال کا جواب نہیں دیتا، وہ سمجھیں گے کہ اس نے حج نہیں کیا ہے۔

(حاجی عبدالجلیل صاحب، مدن پورہ، ۱۴۸/۱۳۱ہاؤس:۱۴۸/۳۱/D، بنارس یوپی)

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

عمر بھر کا سوال نہیں ہوتا؛ بلکہ پانچ سال کا سوال ہوتا ہے، آپ نے پانچ سال میں حج نہیں کیا ہے، پس آپ کا اس میں انکار لکھ دینا صحیح ہوگا، جھوٹ نہیں۔ نیز جب آپ کلکتہ سے جارہے ہیں، تو وہاں سے آپ نے کبھی بھی حج نہیں کیا، یہ بات بھی صحیح ہے، جھوٹ کی ضرورت نہیں۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند ۱۳/۶/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۲۶/۱۰)

دروغ حلفی کر کے حجِ ثانی کرنا:

سوال: حج کے لیے یہ پابندی ہے کہ ایک مرتبہ حج کرنے کے بعد پانچ سال تک وہ حج کے لیے نہیں جاسکتا، حکومت نے اس سلسلہ میں ایک حلف نامہ بھی جاری کیا ہے، اگر ان پابندیوں کے باوجود کسی صورت میں ہم حج کے لیے چلے جائیں تو گناہ نہیں ہوگا اور حج ادا ہوگا کہ نہیں؟ حلف نامہ میں غلط بیانی کرنا درست ہے، یا نہیں؟

(حافظ محمد کلیم، کانپور)

---

(۱) (قوله: ويوري) التورية أن يظهر خلاف ما أضمر في قلبه، إتقاني، قال في العناية: فجاز أن يراد بها هنا اطمئنان القلب وأن يراد الإتيان بلفظ يحتمل معنيين. (رد المحتار، باب مطلب: بيع المكره فاسد زوائده مضمونة بالتعدي: ۱۳٤/٦، سعيد)

والتورية أن يظهر خلاف مايضمر، فجاز أن يكون المراد بها ههنا اطمئنان القلب، وجاز أن يكون الاتيان بلفظ يحتمل معنيين. (فتح القدير، كتاب الاكراه، فصل: ۲٤۷/۹ـ۲٤۸، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

دروغ، زبانی ہو یا تحریری، بہرحال دروغ ہے اور دروغ حلفی اس سے بھی زیادہ قبیح اور شنیع ہے، (۱) حج بدل کے لیے ایسے آدمی بھی بسہولت مل سکتے ہیں، جن کے لیے حلفیہ دروغ بینی کی ضرورت نہیں اور قانونی رکاوٹ بھی ان کے لیے نہیں ہوگی۔

پھر قانون کی مخالفت تو اور بھی خطرناک ہے، جعل کھل جانے پر مال، عزت دونوں کا خطرہ ہے، ایسا خطرہ مول لینا قرینِ دانش مندی نہیں؛ (۲) تاہم حج فرض ادا ہو ہی جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/ ۳۲۷-۳۲۸)

غلط نام اور پتہ بتا کر حج پر جانا:

سوال: لوگ اس وقت اپنا غلط نام پتہ اور ولدیت لکھوا کر اور بتلا کر حج بیت اللہ کے لیے جارہے ہیں؛ کیوں کہ

---

(۱) عن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ عنہ: قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إن الصدق یھدی إلی البر، وأن البر یھدی إلی الجنة ... وإن الکذب یھدی إلی الفجور، وإن الفجور یھدی إلی النار. (الصحیح لمسلم، باب قبح الکذب وحسن الصدق وفضلہ: ۲/ ۳۲۵، قدیمی/مسند الإمام أحمد، مسند عبداللّٰہ بن مسعود، رقم الحدیث: ۳۸۴۵/ صحیح البخاری، باب قول اللّٰہ تعالیٰ: یا أیھا الذین آمنوا، الخ. رقم الحدیث: ۶۰۹۴/مسند أبی یعلی الموصلی، مسند عبد اللّٰہ بن مسعود، رقم الحدیث: ۵۱۳۸/مسند الشھاب القضاعی، أصدق الحدیث کتاب اللّٰہ، رقم الحدیث: ۱۳۲۵/السنن الکبری للبیھقی، ۲۱۱۳۸، انیس)

عن أبی برزة قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: ألا إن الکذب یسود الوجہ والنمیمة عذاب القبر. (مسند أبی یعلی الموصلی، حدیث أبی برزة الأسلمی، رقم الحدیث: ۷۴۴۰/صحیح ابن حبان، ذکر البیان بأن الکذب یسود الوجہ، رقم الحدیث: ۵۷۳۵/شعب الإیمان، رقم الحدیث: ۴۴۷۳، انیس)

عن أبی ھریرة قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: الکذب ینقص الرزق. (مساویء الأخلاق للخرائطی، باب ماجاء فی الکذب وقبح ما أتی بہ أھلہ، رقم الحدیث: ۱۱۳، انیس)/الزواجر عن اقتراب الکبائر، الکبیرة الأربعون بعد الأربع مائة: الکذب: ۲/ ۳۲۴، دارالفکر بیروت، انیس)

قال: سمعت أنس بن مالک رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: ذکر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الکبائر أو سئل عن الکبائر، فقال: "الشرک باللّٰہ، وقتل النفس، وعقوق الوالدین". فقال: "ألا أنبئکم بأکبر الکبائر"؟ قال: "قول الزور". (صحیح البخاری، باب عقوق الوالدین من الکبائر: ۲/ ۸۸۴، قدیمی/مسند الإمام أحمد، مسند أنس بن مالک، رقم الحدیث: ۱۲۳۳۶/صحیح لمسلم، باب بیان الکبائر وأکبرھا، رقم الحدیث: ۸۸/الإیمان لابن مندہ، ذکر الذنوب التی تخرج من الإیمان، رقم الحدیث: ۴۷۵/شعب الإیمان، رقم الحدیث: ۷۴۸۳، انیس)

(۲) قال ابن عابدین رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: (قولہ: أمر السلطان إنما ینفذ): أی یتبع ولا تجوز مخالفتہ ... التعلیل بوجوب طاعة ولی الأمر، و فی ط عن الحموی: أن صاحب البحر ذکر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام فی غیر معصیة واجبة، فلو أمر بصوم یوم، وجب. (رد المحتار، کتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/ ۴۲۲، سعید)

دہلی کا کوٹہ ختم ہو چکا ہے؛ اس لیے دوسرے صوبوں کے کوٹہ سے لوگ جا رہے ہیں۔

(۱) بتایا جائے کہ اس صورت سے حج کے لیے جانا چاہیے، یا نہیں؟

(۲) نیز کیا ایسی صورت میں اگر ہم نہ جائیں تو ہم گناہ گار تو نہیں ہوں گے اور حج ہم پر فرض ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: حاجی محمد داؤد صاحب (ولی)، ۱۹۴۶/۹/۵ء)

الجواب

غلط نام اور پتہ لکھوا کر اور بتا کر حج کو جانا درست نہیں، اگر جھوٹ بول کر نہ جائیں تو گناہ گار نہ ہوں گے۔(۱) حج فرض ہے تو آئندہ سال ادا کر لینا چاہیے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۳۳۹/۴-۳۴۰)

غلط نام بتا کر حج کرنے سے حج ادا ہو جائے گا؛ مگر جھوٹ بولنے کا گناہ ہوگا:

سوال: دہلی کا کوٹہ ختم ہو جانے کی وجہ سے زید دوسرے صوبہ سے اپنا نام ولدیت اور سکونت غلط لکھوا کر حج کو جانا چاہتا ہے حج فرض ہو یا نفلی اس طرح جانا جائز ہے یا نہیں؟

(المستفتی: حاجی محمد داؤد د، دہلی، یکم ستمبر ۱۹۴۶ء)

الجواب

جھوٹ بول کر غلط بات بتا کر اور لکھوا کر جانا جائز نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

حج تو ہو جائے گا؛ مگر زید جھوٹ کا مرتکب رہے گا۔

محمد یونس غفرلہ، مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحبؒ دہلی

هو الموفق: بیشک حج ہو جائے گا؛ مگر جھوٹ کی سزا ضرور لازم آئے گی۔ فقط

محمد مظفر احمد غفرلہ، نائب امام مسجد فتح پوری، دہلی

حضرت مفتی اعظم قبلہ کا جواب صحیح ہے۔

فقیر احمد سعید کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۳۵۴/۴-۳۵۵)

---

(۱) يندب دخول البيت إذا لم يشتمل على إيذاء نفسه،أو غيره. (وفي الشامية) ومثله فيما يظهر دفع الرشوة على دخوله. (كتاب الحج،مطلب في دخول البيت: ۶۲۴/۲،ط:سعيد)

ہندوستانی کا پاکستانی پاسپورٹ سے حج کرنا:

سوال: کوئی شخص ہندوستانی (یعنی ہندوستان کا باشندہ) ہے، وہ پاکستان سے پاکستانی پاسپورٹ بنوا کر حج کو جائے تو حج درست ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اس کا حج درست ہو جائے گا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۱/۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۱/۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۴۹/۱۰)

محرم کے بغیر حج کے لیے جانے کی کراہت میں عرب وعجم برابر ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ معمر بیوہ گاں کی طبعی حالت نکاح کا متحمل نہیں ہوتا، لہٰذا اگر وہ معتمد آدمی کے ساتھ حج کے لیے جائیں تو کیوں جائز نہیں ہے؟ اور یہ عدم جواز کا مسئلہ صرف عجم کے لیے ہے یا عرب کے لیے بھی ہے؛ کیوں کہ مکہ مکرمہ میں بھی بیوہ عورتیں ہوں گے، جن کا کوئی محرم نہیں ہوگا، وہ تو وہاں حج ادا کرتی ہیں، کیا ان کے لیے بھی بغیر محرم کے حج ممنوع ہے؟ ہمارے ہاں یہ مشہور ہے کہ ایسی معمر بیوہ کا حج قبول نہیں جو نکاح نہ کرے، یا محرم ساتھ نہ ہو؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: عبدالکریم پشاور)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

محترم المقام وعلیکم السلام کے بعد واضح رہے کہ عورت کے لیے خاوند اور محرم کے بغیر حج کے لیے جانا مکروہ تحریمی ہے، اس حکم میں عجم اور عرب کا کوئی فرق نہیں ہے، البتہ جس عورت کا مقام مقدار سفر سے کم دور ہو تو اس کے لیے زوج اور محرم شرط نہیں ہے۔

فی الدرالمختار: مع زوج او محرم بالغ عاقل غیر مجوسی ولا فاسق... لامرأة حرة ولو عجوزاً فی سفر... ولو حجت بلا محرم جاز مع الکراهة. (مختصراً)(۲) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۳۰/۴-۲۳۱)

---

(۱) حج تو صحیح ہو جائے گا؛ لیکن قوانینِ حکومت کی خلاف ورزی کی بنا پر گناہ ہوگا۔ قبول حج کے نظائر میں سے یہ ہے:

وقد یتصف بالحرمة کالحج بمال حرام. (الدرالمختار) فقد یقال: أن الحج نفسه الذی هوزیارة مکان مخصوص ... لیس حراماً بل الحرام هوانفاق المال الحرام، ولا تلازم بینهما، کما أن الصلاة فی الأرض المغصوبه تقع فرضاً، وانما الحرام شغل المکان المغصوب لا من حیث کون الفعل صلاة؛ لأن الفرض لا یمکن اتصافه بالحرمة، وهنا کذلک، فان الحج فی نفسه مأمور به، وانما یحرم من حیث الانفاق، وکأنه أطلق علیه الحرمة؛ لأن للمال دخلا فیه، فان الحج عبادة مرکبة من عمل البدن والمال کما قدمناه، ولذا قال فی البحر: ویجتهد فی تحصیل نفقة حلال، فانه لا یقبل بالنفقة الحرام، کما ورد فی الحدیث، مع أنه یسقط الفرض عنه معها، ولا تَنافِیَ بین سقوطه وعدم قبوله، فلا یثاب لعدم القبول، ولا یعاقب عقاب تارک الحج، الخ. (رد المحتار، کتاب الحج، مطلب فیمن حج بمال حرام: ۴۵۶/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

(۲) وفی الهندیة: اذا وجد مایحج به وقد قصد التزوج یحج به ولا یتزوج لان الحج فریضة اوجبها الله تعالیٰ علی عبده، کذا فی التبیین. (الفتاویٰ الهندیة: ۲۱۷/۱، بحث ومنها القدرة علی الزاد والراحلة)

اردو کتب فتاویٰ

نمبر شمار	کتب فتاویٰ	مفتیان کرام	مطبع
(۱)	فتاویٰ عزیزی	حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	ایم ایچ سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی
(۲)	فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	محمد اسحاق صدیقی اینڈ سنز، تاجران کتب، وما لکان کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۳)	تالیفات رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری ممبئی ۱۰۲
(۴)	باقیات فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ضلع پربدھ نگر (مظفر نگر) یوپی، انڈیا
(۵)	عزیز الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۶)	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۷)	امداد الفتاویٰ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۸)	الحیلۃ الناجزۃ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	مکتبہ رضی دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۹)	امداد الاحکام	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی بن لطیف احمد/مولانا عبدالکریم گمتھلوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۰)	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۱)	جواہر الفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۲)	امداد المفتیین	حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۳)	مجموعۂ فتاویٰ عبدالحیٔ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	مکتبہ تھانوی، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۱۴)	فتاویٰ مظاہر علوم	ابوابراہیم خلیل احمد بن مجید علی انبہٹوی محدث سہارنپوریؒ	شعبۂ نشر واشاعت مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۵)	فتاویٰ محمودیہ	حضرت مولانا مفتی محمود حسن بن حامد حسن گنگوہی	مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۶)	فتاویٰ امارت شرعیہ	حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بن مولوی حسین بخش ودیگر مفتیان	شعبۂ نشر واشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ
(۱۷)	کفایت المفتی	حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی بن شیخ عنایت اللہ	حفیظ الرحمٰن واصف، کوہ نور پریس، دہلی، انڈیا
(۱۸)	فتاویٰ باقیات صالحات	حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری بن عبدالقادر	جامعہ باقیات صالحات، ویلور، بنگلور، انڈیا
(۱۹)	فتاویٰ احیاء العلوم	حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوری بن عبدالسبحان	جامعہ احیاء العلوم، مبارکپور، یوپی، انڈیا
(۲۰)	منتخبات نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۱)	نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا

کتاب	مصنف	ناشر
(۲۲) خیر الفتاویٰ	حضرت مولانا خیر محمد جالندھری	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۲۳) فتاویٰ شیخ الاسلام	شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی بن سید حبیب اللہ	مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۲۴) فتاویٰ حقانیہ	حضرت مولانا عبدالحق بن حاجی معروف گل پاکستانی	دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشرز، نزد واٹر ٹینک مغل پورہ، حیدرآباد
(۲۵) احسن الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی رشید احمد بن مولانا محمد سلیم پاکستانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۲۶) فتاویٰ عثمانی	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی بن محمد شفیع دیوبندی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۲۷) فتاویٰ قاضی	قاضی القضاۃ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۸) فتاویٰ رحیمیہ	حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر، سورت گجرات
(۲۹) کتاب الفتاویٰ	مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۳۰) محمود الفتاویٰ	مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب	مکتبہ نور، محمود نگر، متصل جامعہ، ڈابھیل
(۳۱) حبیب الفتاویٰ	مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب	سمیع پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹیڈ، دریا گنج، نئی دہلی
(۳۲) فتاویٰ فرنگی محل	حضرت مولانا محمد عبدالقادر صاحب فرنگی محلی	مطبع نامی نخاس، لکھنؤ، یوپی، انڈیا
(۳۳) فتاویٰ ندوۃ العلماء	حضرت مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب	مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء مارگ، پوسٹ باکس نمبر ۹۳ رلکھنؤ، انڈیا
(۳۴) فتاویٰ بینات	مفتیان جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، پاکستان	مکتبہ بینات، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان
(۳۵) فتاویٰ فریدیہ	مولانا مفتی محمد فرید صاحب پاکستانی	مولانا حافظ حسین احمد صدیقی نقشبندی مہتمم دارالعلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی، پاکستان
(۳۶) فتاویٰ مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانی	جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ، لاہور، پاکستان
(۳۷) آپ کے مسائل اوران کا حل	حضرت مولانا محمد یوسف بن چودھری اللہ بخش لدھیانوی	مکتبہ لدھیانوی ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان
(۳۸) مرغوب الفتاویٰ	مولانا مفتی مرغوب الرحمٰن صاحب لاجپوری	جامعۃ القرأت کفلیۃ، مولانا عبدالحیٔ نگر، سورت، گجرات
(۳۹) فتاویٰ دارالعلوم زکریا	مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، افریقہ	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی-۶، انڈیا
(۴۰) فتاویٰ شاکر خان	مولانا مفتی محمد شاکر خان صاحب پونہ، انڈیا	مدرسہ بیت العلوم کونڈوا، خردسروے نمبر ۱۴۲، شوکا میوز کے پیچھے، پونہ ۴۸، انڈیا
(۴۱) فتاویٰ ریاض العلوم	مفتیان کرام مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور	مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، چوکیہ گورینی، جونپور (یوپی)
(۴۲) فتاویٰ بسم اللہ	حضرت مولانا اسماعیل بن محمد بسم اللہ	جامعۃ القرءات، مولانا عبدالحی نگر، کفلیتہ، سورت گجرات
(۴۳) فتاویٰ یوسفیہ	مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند
(۴۴) کتاب النوازل	مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، انڈیا

مصادر ومراجع

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
		قرآن (مع تفاسیر وعلوم قرآن)	
(۱)	القرآن الکریم	کتاب اللہ	وحی الٰہی
(۲)	جامع البیان فی تأویل القرآن	ابوجعفر الطبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی	۳۱۰ھ
(۳)	احکام القرآن	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ بن عبدالملک بن سلمۃ الازدی الحجری المصری الطحاوی	۳۲۱ھ
(۴)	احکام القرآن	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۵)	التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب)	أبوعبداللہ، محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی، فخر الدین الرازی	۶۰۶ھ
(۶)	انوار التنزیل واسرار التأویل (تفسیر بیضاوی)	ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی	۶۸۵ھ
(۷)	تفسیر القرآن العظیم	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی	۷۷۴ھ
(۸)	تفسیر الجلالین	جلال الدین محمد بن احمد المحلی/جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۸۶۴ھ/۹۱۱ھ
(۹)	الإتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابوبکر	۹۱۱ھ
(۱۰)	شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی	شیخ زادہ، محی الدین بن مصطفیٰ مصلح الدین القوجوی	۹۵۱ھ
(۱۱)	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۱۲)	فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۳)	روح المعانی	محمود بن عبداللہ شہاب الدین ابوالثناء الحسینی الآلوسی	۱۲۷۰ھ
		عقائد (مع شروحات)	
(۱۴)	فقہ اکبر	ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۱۵)	العقیدۃ الطحاویۃ	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۶)	الشریعہ	ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری البغدادی المکی	۳۶۰ھ
(۱۷)	أبوالمعین علی ہامش شرح العقائد	ابوالمعین میمون بن محمد بن محمد بن معتمد بن محمد ابن مکحل ۔ الفضل النسفی المکحولی	۵۰۸ھ
(۱۸)	شرح فقہ اکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۹)	منح الروض الأزہر فی شرح فقہ أکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۰)	مبدأ ومعاد	حضرت مجدد الف ثانی احمد فاروقی سرہندی	۱۰۳۴ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
	﴿متون واطراف واجزاء حدیث﴾		
(۲۱)	مسند ابوحنیفہ بروایۃ الحصکفی وابی نعیم	امام اعظم ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۲۲)	جامع معمر بن راشد	ابوعروۃ البصری معمر بن أبی عمرو راشد الأزدی	۱۵۳ھ
(۲۳)	موطأ امام مالک	امام دار الہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۴)	کتاب الآثار بروایۃ أبی یوسف	ابویوسف القاضی، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتۃ انصاری	۱۸۲ھ
(۲۵)	الزھد والرقائق لابن المبارک	ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی الترکی ثم المروزی	۱۸۱ھ
(۲۶)	کتاب الآثار بروایۃ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۷)	موطأ امام مالک/موطأ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۸)	الجامع لابن وھب	ابومحمد عبداللہ بن وھب بن مسلم المصری القرشی	۱۹۷ھ
(۲۹)	مسند الشافعی بترتیب السندی	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن	۲۰۴ھ
(۳۰)	السنن الماثورۃ بروایۃ المزنی	عبد مناف الشافعی القرشی المکی	
(۳۱)	مسند ابوداؤد الطیالسی	ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی البصری	۲۰۴ھ
(۳۲)	مصنف عبدالرزاق صنعانی	عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی	۲۱۱ھ
(۳۳)	مسند الحمیدی	ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ القرشی الأسدی الحمیدی المکی	۲۱۹ھ
(۳۴)	الصلوٰۃ	ابونعیم الفضل بن عمرو بن حماد بن زہیر بن درہم القرشی المروف بابن دکین	۲۱۹ھ
(۳۵)	مسند ابن الجعد	علی بن الجعد بن عبید الجوھری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۶،۳۷)	مصنف ابن ابی شیبہ/مسند ابن ابی شیبہ	حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خوستی	۲۳۵ھ
(۳۸)	مسند اسحاق بن راھویہ	ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحنظلی المروزی، ابن راھویہ	۲۳۸ھ
(۳۹)	مسند امام احمد	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۴۰)	فضائل الصحابۃ	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۴۱)	المنتخب من مسند عبد بن حمید	ابومحمد عبدالحمید بن نصر الکسی	۲۴۹ھ
(۴۲)	صحیح البخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۳)	الادب المفرد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۴)	صحیح مسلم	ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری بن دردین النیشافوری	۲۶۱ھ
(۴۵)	أخبار مکۃ فی قدیم الدھر وحدیثہ	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن العباس المکی الفاکھی	۲۷۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۴۶)	سنن ابن ماجہ	حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی القزوینی، ابن ماجہ	۲۷۳ھ
(۴۷)	سنن ابوداؤد رمراسیل ابوداؤد	ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی السجستانی	۲۷۵ھ
(۴۸)	سنن الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۴۹)	شمائل الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۵۰)	مسند الحارث	ابومحمد الحارث بن محمد بن داھر التمیمی البغدادی الخطیب المعروف بابن ابی اسامہ	۲۸۲ھ
(۵۱)	البدع	ابوعبداللہ محمد بن وضاح بن بزیع المروانی القرطبی	۲۸۶ھ
(۵۲)	الآحاد والمثانی	ابوبکر بن أبي عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۳)	السنۃ	ابوبکر بن أبي عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۴)	البحر الزخار المعروف بمسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بن خلاد بن عبیداللہ العتکی، البزار	۲۹۲ھ
(۵۵)	تعظیم قدر الصلاۃ	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۶)	مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۷)	القدر	ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی	۳۰۱ھ
(۵۸)	سنن النسائی	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۵۹)	عمل الیوم واللیلۃ	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۶۰)	المسند	حافظ ابویعلی احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
(۶۱)	المنتقی	ابن الجارود ابومحمد عبداللہ بن علی النیشاپوری	۳۰۷ھ
(۶۲)	مسند الرویانی	ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی	۳۰۷ھ
(۶۳)	الکنی والأسماء	ابوبشر محمد بن احمد بن حماد بن سعید بن مسلم الانصاری الدولابی الرازی	۳۱۰ھ
(۶۴)	صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۵)	التوحید	محمد بن اسحق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۶)	السنۃ لابن ابی بکر بن الخلال	ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال البغدادی الحنبلی	۳۱۱ھ
(۶۷)	مسند السراج رحدیث السراج	ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران الخراسانی النیسابوری	۳۱۳ھ
(۶۸)	مستخرج ابوعوانہ	ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم النیسابوری الاسفرائنی	۳۱۶ھ
(۶۹)	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۷۰)	شرح مشکل الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۷۱)	مکارم الأخلاق رمساوی ءالاخلاق	ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر الخرائطی السامری	۳۲۷ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۷۲)	مسندالشاشی	ابوسعیدالھیثم بن کلیب بن سریج بن معقل الشاشی البنکثی	۳۳۵ھ
(۷۳)	معجم ابن الأعرابی	ابوسعید بن الأعرابی احمد بن محمد بن زیاد بن بشر بن درھم البصری الصوفی	۳۴۰ھ
(۷۴)	صحیح ابن حبان	ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ التمیمی الدارمی البستی	۳۵۴ھ
(۷۵)	المعجم الأوسط/المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطرابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۶)	الدعاء	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطرابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۷)	مسندالشامیین	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطرابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۸)	عمل الیوم واللیلة	ابن السنی، احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط بن عبداللہ	۳۶۴ھ
(۷۹)	سنن الدارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعودالبغدادی الدارقطنی	۳۸۵ھ
(۸۰)	الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازدادالبغدادی	۳۸۵ھ
(۸۱)	شرح مذاھب أھل السنة	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازدادالبغدادی	۳۸۵ھ
(۸۲)	الإبانة الکبریٰ	ابوعبداللہ عبیداللہ بن محمد بن محمد بن حمدان العکبری المعروف بابن بطة	۳۸۷ھ
(۸۳)	معالم السنن	ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن الخطاب البستی المعروف بالخطابی	۳۸۸ھ
(۸۴)	المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ بن حمدویہ الحاکم النیسا فوری	۴۰۵ھ
(۸۵)	الإیمان	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحی بن مندہ العبدی	۳۹۵ھ
(۸۶)	شرح أصول اعتقاد أھل السنة والجماعة	ابوالقاسم ھبة اللہ بن الحسن بن منصورالطبری الرازی اللالکائی	۴۱۸ھ
(۸۷)	حلیة الاولیاء وطبقات الاصفیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۸)	المسند المستخرج علی صحیح مسلم	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۹)	امالی	ابوالقاسم عبدالملک بن محمد بن عبداللہ بن بشران بن محمد بن بشران بن مھران البغدادی	۴۳۰ھ
(۹۰)	مسندالشھاب	ابوعبداللہ محمد بن سلامة بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی المصری	۴۵۴ھ
(۹۱)	السنن الکبریٰ/السنن الصغیر	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیھقی	۴۵۸ھ
(۹۲)	شعب الإیمان	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیھقی	۴۵۸ھ
(۹۳)	معرفة السنن والآثار	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیھقی	۴۵۸ھ
(۹۴)	الدعوات الکبیر	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیھقی	۴۵۸ھ
(۹۵)	المدخل إلی السنن الکبریٰ	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیھقی	۴۵۸ھ
(۹۶)	جامع بیان العلم وفضلہ	ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی	۴۶۳ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۹۷)	تفسیرغریب مافی الصحیحین	محمد بن فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن حمید الازدی المیورقی الحمیدی	۴۸۸
(۹۸)	الفردوس بمأثور الخطاب	ابوشجاع، شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسر والدیلمی الہمدانی	۵۰۹ھ
(۹۹)	شرح السنۃ	محی الدین ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی	۵۱۶ھ
(۱۰۰)	سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہزام التیمی السمرقندی الدارمی	۵۵۲ھ
(۱۰۱)	المعجم	ابوالقاسم، علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ المعروف باابن عساکر	۵۷۱ھ
(۱۰۲)	کنزالعمال فی سنن الأقوال والأفعال	علاءالدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی	۵۷۹ھ
(۱۰۳)	جامع الأصول فی أحادیث الرسول	مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری ابن الاثیر	۶۰۶ھ
(۱۰۴)	مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	۷۴۰ھ
(۱۰۵)	منہاج السنۃ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الحرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۱۰۶)	الجوہرالنقی	علاءالدین علی بن عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ الماردینی ابن الترکمانی	۷۵۰
(۱۰۷)	جامع المسانید والسنن الہادی لأقوم السنن	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی	۷۷۴ھ
(۱۰۸)	نصب الرایۃ فی تخریج أحادیث الہدایۃ	جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی	۷۶۲ھ
(۱۰۹)	البدرالمنیر رمختصر تلخیص الذھبی	ابن الملقن سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المصری	۸۰۴ھ
(۱۱۰)	تخریج أحادیث إحیاء علوم الدین	عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن الحافظ العراقی	۸۰۶ھ
		تاج الدین ابونصر عبدالوھاب ابن تقی الدین السبکی	۷۷۱ھ
		السید محمد مرتضی الزبیدی	۱۲۰۵ھ
(۱۱۱)	مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	نورالدین محمد بن ابوبکر بن سلیمان الہیثمی	۸۰۷ھ
(۱۱۲)	مواردالظمآن إلی زوائد ابن حبان	ابوالحسن نورالدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الھیثمی	۸۰۷ھ
(۱۱۳)	الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۴)	التلخیص الحبیر	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۵)	المقاصد الحسنۃ	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
(۱۱۶)	الجامع الصغیر رالفتح الکبیر	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۷)	تنویرالحوالک شرح موطأ الامام مالک	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۸)	جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد	العلامۃ محمد بن محمد سلیمان المغربی	۱۰۹۴ھ
(۱۱۹)	آثارالسنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۲۰)	اعلاءالسنن	مولانا ظفراحمد بن محمد لطیف عثمانی تھانوی	۱۳۹۴ھ

﴿شروح وعلل حدیث﴾

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۲۱)	شرح صحیح البخاری	ابن بطال ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک	۴۴۹ھ
(۱۲۲)	النووی شرح مسلم	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۱۲۳)	احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام	تقی الدین ابوالفتح الشہیر بابن دقیق العید	۷۰۲ھ
(۱۲۴)	المفاتیح شرح المصابیح	الحسین بن محمد بن الحسن مظہرالدین الزیدانی الکوفی الضریرالشیر ازی الحنفی	۷۲۷ھ
(۱۲۵)	الکاشف عن حقائق السنن شرح الطیبی	شرف الدین حسین بن عبداللہ بن محمد الحسن الطیبی	۷۴۳ھ
(۱۲۶)	فتح الباری	زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	۷۹۵ھ
(۱۲۷)	المحلی شرح الموطأ	ابوعبداللہ محمد بن سلیمان بن خلیفہ المالکی	
(۱۲۸)	فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجرالکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۹)	تقریب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجرالکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۳۰)	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجرالکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۳۱)	شرح المصابیح	محمد بن عزالدین عبداللطیف بن عبدالعزیز بن امین الدین بن فرشتاالرومی الکرمانی الحنفی المشہور بابن ملک	۸۵۴ھ
(۱۳۲)	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۳۳)	شرح سنن أبی داؤد	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۳۴)	قوت المغتذی شرح جامع الترمذی	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۵)	الآلی المصنوعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۶)	مصباح الزجاجۃ شرح سنن ابن ماجۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۷)	ارشادالساری شرح البخاری	احمد بن محمد بن ابوبکر بن عبدالملک القسطلانی المصری	۹۲۳ھ
(۱۳۸)	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۹)	جمع الوسائل فی شرح الشمائل	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۴۰)	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۴۱)	کنوز الحقائق فی حدیث خیرالخلائق	زین الدین محمد عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۴۲)	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح	مولانا عبدالحق محدث دہلوی (عبدالحق بن سیف الدین بن سعداللہ البخاری الدہلوی الحنفی)	۱۰۵۲ھ
(۱۴۳)	حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجۃ	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالھادی التتوی	۱۱۳۸ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۴۴)	شرح مسند الشافعی	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالھادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۴۵)	کشف الخفاء	اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی بن عبدالغنی العجلونی الدمشقی الشافعی	۱۱۶۲ھ
(۱۴۶)	سبل السلام شرح بلوغ المرام	محمد بن اسماعیل بن صلاح بن محمد الحسن امیر یمانی	۱۱۸۲ھ
(۱۴۷)	نیل الأوطار	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۴۸)	مظاہرحق	نواب قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹ھ
(۱۴۹)	بذل المجہود فی حل أبی داؤد	المحدث خلیل احمد السہارنفوری	۱۲۹۷ھ
(۱۵۰)	التعلیق الممجد علی موطا الإمام محمد	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۵۱)	حاشیۃ السنن لأبی داؤد	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۵۲)	حاشیہ حصن حصین	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۵۳)	عون الباری لحل أدلۃ البخاری	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
(۱۵۴)	التعلیق الحسن علی آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۵۵)	لامع الدراری علی صحیح البخاری	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۶)	الکوکب الدری علی جامع الترمذی	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۷)	عون المعبود فی شرح سنن أبی داؤد	ابوالطیب محمد شمس الحق بن أمیر علی بن مقصود علی الصدیقی العظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
(۱۵۸)	المنھل العذب المورود شرح أبی داؤد	محمود محمد خطاب السبکی	۱۳۵۲ھ
(۱۵۹)	العرف الشذی شرح سنن الترمذی	علامہ محمد انورشاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۶۰)	فیض الباری شرح البخاری	علامہ محمد انورشاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۶۱)	تحفۃ الأحوذی شرح سنن الترمذی	ابوالعلی عبدالرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ
(۱۶۲)	فتح الملہم	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۱۶۳)	التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۹۴ھ
(۱۶۴)	معارف السنن شرح جامع الترمذی	مولانا محمد یوسف بن سید زکریا حسینی بنوری	۱۳۹۷ھ
(۱۶۵)	أوجز المسالک إلی موطا امام مالک	مولانا محمد زکریا بن محمد یحییٰ کاندھلوی	۱۴۰۲ھ
(۱۶۶)	مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	ابوالحسن عبیداللہ بن بن محمد عبدالسلام بن خاں محمد بن امان اللہ بن حسام الدین رحمانی مبارکپوری	۱۴۱۴ھ
(۱۶۷)	سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ	محمد ناصرالدین الالبانی	۱۴۲۰ھ
(۱۶۸)	منارالقاری شرح مختصر صحیح البخاری	حمزہ بن محمد قاسم	۱۴۳۱ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۶۹)	منہاج السنن شرح سنن الترمذی	مولانا مفتی محمد فرید زرویوی	۱۴۳۲ھ
	﴿سیرت وشمائل﴾		
(۱۷۰)	زاد المعاد فی ہدیۃ خیر الانام	ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۱۷۱)	سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر الانام	محمد بن یوسف الصلاحی الشامی	۹۴۲ھ
(۱۷۲)	لمواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ	ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۷۳)	شرح المواھب اللدنیۃ	العلامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکی	۱۱۲۲ھ
	﴿کتب فقہ احناف﴾		
(۱۷۴)	الحجۃ علی اہل المدینۃ	ابو عبد اللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۵)	کتاب الأصل	ابو عبد اللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۶)	الجامع الصغیر	ابو عبد اللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۷)	مختصر الطحاوی	ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۷۸)	شرح مختصر الطحاوی	ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۱۷۹)	عیون المسائل	ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۳ھ
(۱۸۰)	مختصر القدوری	محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان القدوری	۴۲۸ھ
(۱۸۱)	النتف فی الفتاوی	ابو الحسن علی بن الحسین بن محمد السغدی الحنفی	۴۶۱ھ
(۱۸۲)	المبسوط	شمس الائمہ ابو بکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۸۳)	شرح السیر الکبیر	شمس الائمہ ابو بکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۸۴)	تحفۃ الفقہاء	علاء الدین محمد بن احمد بن ابو احمد السمرقندی الحنفی	۵۳۹ھ
(۱۸۵)	خلاصۃ الفتاویٰ رمجموع الفتاویٰ	طاہر بن احمد بن عبد الرشید البخاری	۵۴۲ھ
(۱۸۶)	المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی	ابو المعالی محمود بن احمد بن عبد العزیز بن مازہ البخاری	۵۷۰ھ
(۱۸۷)	بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی	۵۸۷ھ
(۱۸۸)	فتاویٰ قاضی خان	محمود اوزجندی قاضی خان حسن بن منصور	۵۹۲ھ
(۱۸۹)	بدایۃ المبتدی وشرحہ الہدایۃ	برہان الدین ابو الحسن علی بن ابو بکر المرغینانی	۵۹۳ھ
(۱۹۰)	قنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ	ابو الرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۹۱)	المجتبیٰ شرح مختصر القدروی	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۹۲)	تحفۃ الملوک	زین الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الحنفی الرازی	۶۶۶ھ
(۱۹۳)	مجمع البرکات	ابوالبرکات بن حسام الدین بن سلطان بن ہاشم بن رکن الدین بن جمال الدین بن سماء الدین الحنفی الدہلوی	۶۶۷ھ
(۱۹۴)	الوقایۃ (وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ محمود بن عبداللہ بن ابراہیم المحبوبی الحنفی	۶۷۳ھ
(۱۹۵)	الاختیار لتعلیل المختار	عبداللہ بن محمود بن مودود بن محمود ابوالفضل مجد الدین الموصلی	۶۸۳ھ
(۱۹۶)	الفتاویٰ الغیاثیۃ	شیخ داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	۶۸۶ھ کے بعد
(۱۹۷)	مجمع البحرین وملتقی النیرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب المعروف بابن الساعاتی البعلبکی	۶۹۴ھ
(۱۹۸)	منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی	سدید الدین محمد بن محمد بن الرشید بن علی الکاشغری	۷۰۵ھ
(۱۹۹)	کنز الدقائق	حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	۷۱۰،۷۰۱ھ
(۲۰۰)	تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق	فخر الدین عثمان بن علی بن محجن الزیلعی	۷۴۳ھ
(۲۰۱)	شرح مختصر الوقایۃ (شرح وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۲۰۲)	النقایۃ مختصر الوقایۃ	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۲۰۳)	الکفایۃ شرح الہدایۃ (متداولہ)	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی الکرمانی	۷۶۷ھ
(۲۰۴)	النہایۃ شرح الہدایۃ	حسام الدین حسن بن علی بن حجاج السغناقی	۷۷۱ھ
(۲۰۵)	جامع المضمرات شرح مختصر القدوری	یوسف بن عمر بن یوسف الصوفی الکادوری نبیرہ شیخ عمر بزار	۸۳۲ھ
(۲۰۶)	شرح العنایۃ علی الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود البابرتی	۷۸۶ھ
(۲۰۷)	الفتاویٰ التاتارخانیۃ	علامہ عالم بن العلاء الأنصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
(۲۰۸)	السراج الوہاج فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۰۹)	الجوہرۃ النیرۃ فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۱۰)	شرح مجمع البحرین علی ہامش المجمع	ابن الملک، عبداللطیف بن عبدالعزیز	۸۰۱ھ
(۲۱۱)	الفتاویٰ البزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الخوارزمی المعروف بابن بزازی	۸۲۷ھ
(۲۱۲)	معین الحکام	ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی	۸۴۴ھ
(۲۱۳)	البنایۃ شرح الہدایۃ	بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۱۴)	منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک	بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۱۵)	فتح القدیر علی الہدایۃ	ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید الحنفی	۸۶۱ھ
(۲۱۶)	کتاب التصحیح والترجیح علی مختصر القدوری	ابوالعدل زین الدین قاسم بن قطلو بغا الحنفی	۸۷۹ھ
(۲۱۷)	درر الحکام شرح غرر الأحکام	ملاخسرو، محمد بن فرامرز بن علی	۸۸۵ھ
(۲۱۸)	شرح النقایۃ	ابوالمکارم عبدالعلی بن محمد بن حسین البرجندی	۹۳۲ھ
(۲۱۹)	حاشیۃ علی العنایۃ شرح الہدایۃ	سعداللہ بن عیسیٰ بن امیر خان الرومی الحنفی الشہیر بسعدی چلپی وبسعدی آفندی	۹۴۵ھ
(۲۲۰)	ملتقی الأبحر	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۲۱)	الصغیری / الکبیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۲۲)	جامع الرموز شرح مختصر الوقایۃ المسمیٰ بالنقایۃ	شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی	۹۶۲ھ
(۲۲۳)	البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق	ابن نجیم زین العابدین بن ابراہیم المصری الحنفی	۹۷۰ھ
(۲۲۴)	الفتاویٰ الحامدیۃ	حامد بن محمد آفندی القونوی العمادی المفتی بالروم	۹۸۵ھ
(۲۲۵)	تنویر الأبصار وجامع البحار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد بن تمرتاش الغزی الحنفی الخطیب التمرتاشی	۱۰۰۴ھ
(۲۲۶)	النہر الفائق شرح کنز الدقائق	علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفی	۱۰۰۵ھ
(۲۲۷)	شرح النقایۃ فی مسائل الہدایۃ	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۲۸)	رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۲۹)	حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق	شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن یونس بن اسماعیل بن یونس الشلبی	۱۰۲۱ھ
(۲۳۰)	سکب الأنہر علی فرائض مجمع الانہر	علاءالدین علی بن محمد الطرابلسی بن ناصرالدین الحنفی	۱۰۳۲ھ
(۲۳۱)	نور الایضاح ونجاۃ الارواح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۲)	امداد الفتاح شرح نور الایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۳)	مراقی الفلاح شرح نور الایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۴)	مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر	عبدالرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان الکلیبولی المدعو بشیخی زادہ، المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸ھ
(۲۳۵)	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	خیرالدین بن احمد بن نورالدین علی ایوبی علیمی فاروقی الرملی	۱۰۸۱ھ
(۲۳۶)	الدر المختار شرح تنویر الأبصار	محمد بن علی بن محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن حسن الحصنی المعروف بالعلاء الحصکفی	۱۰۸۸ھ
(۲۳۷)	الفتاویٰ الھندیۃ (عالمگیریہ)	شیخ نظام الدین برہان پوری گجراتی (وجماعۃ من اعلام فقہاء الھند)	۱۱۶۱ھ
(۲۳۸)	حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۳۹)	حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۴۰)	اسعاف المولی القدیر شرح زاد الفقیر	احمد بن ابراہیم تونسی دقدویسی مصری	۱۱۲۲ھ کے بعد
(۲۴۱)	مالابد منہ (فارسی)	قاضی ثناء اللہ الاموی العثمانی الہندی پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۲۴۲)	ردالمحتار حاشیۃ الدر المختار	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۳)	العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۴)	مجموعہ رسائل ابن عابدین	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۵)	منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۶)	مأۃ مسائل	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۴۷)	رسالہ الاربعین	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۴۸)	غایۃ الاوطار ترجمہ اردو الدر المختار	مترجم اول: مولانا خرم علی ملہوری رمترجم دوم: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی	۱۲۷۱ھ/--
(۲۴۹)	التحریر المختار حاشیۃ ردالمحتار	عبد القادر الرافعی الفاروقی	۱۲۸۳ھ
(۲۵۰)	جواہر الإخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر بن محمد بن الحسین الاخلاطی الحسینی	--
(۲۵۱)	مفتاح الجنۃ	کرامت علی بن ابوابراہیم شیخ امام بخش بن شیخ جار اللہ جونپوری	۱۲۹۰ھ
(۲۵۲)	اللباب فی شرح الکتاب (القدوری)	عبد الغنی بن طالب بن حمادۃ بن ابراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی	۱۲۹۸ھ
(۲۵۳)	النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر	ابوالحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۴)	السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۵)	عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۶)	حاشیہ علی الہدایہ	ابوالحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۷)	نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل	ابوالحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۸)	مجموعۃ الفتاویٰ	ابوالحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۹)	مجموعۃ رسائل اللکنوی	ابوالحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۰)	تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء	ابوالحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۱)	تحفۃ الاخیار	ابوالحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۲)	علم الفقہ	عبد الشکور بن ناظر علی فاروقی لکھنوی	--
(۲۶۳)	الفتاویٰ الکاملیۃ فی الحوادث الطرابلسیۃ	محمد کامل بن مصطفیٰ بن محمود الطرابلسی الحنفی	۱۳۱۷ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۶۴)	القطوف الدانیۃ فی تحقیق الجماعۃ الثانیۃ	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۲۶۵)	رسالہ تراویح	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۲۶۶)	رسائل الارکان	عبد العلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۲۶۷)	مجلۃ الاحکام العدلیۃ	لجنۃ مکونۃ من عدۃ علماء وفقہاء فی الخلافۃ العثمانیۃ	--
(۲۶۸)	الآثار الحمیدیۃ شرح مجلۃ الاحکام العدلیۃ	عبد اللطیف بن حسین الغزی	۱۳۴۰ھ
(۲۶۹)	بہشتی گوہر، بہشتی زیور	مولانا محمد اشرف علی بن عبد الحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۰)	کشف الدجیٰ عن وجہ الربوا	مولانا محمد اشرف علی بن عبد الحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۱)	تصحیح الاغلاط	مولانا محمد اشرف علی بن عبد الحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۲)	اثمار الہدایہ	مولانا محمد ثمیر الدین قاسمی، لندن	مدظلہ

﴿دیگر مسالک کی کتب فقہ﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۷۳)	المدونہ	امام دار الہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۷۴)	کتاب الام	امام شافعی ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب بن عبد مناف الشافعی القرشی المکی	۲۰۴ھ
(۲۷۵)	المحلی بالآثار	ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی الظاہری	۴۵۶ھ
(۲۷۶)	نھایۃ المطلب فی درایۃ المذہب	امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف بن محمد الجوینی	۴۷۸ھ
(۲۷۷)	بحر المذہب	ابو المحاسن عبد الواحد بن اسماعیل الرویانی	۵۰۲ھ
(۲۷۸)	المغنی	ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۲۷۹)	المجموع شرح المہذب	محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۸۰)	فتاویٰ النووی	محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۸۱)	المقنع، الشرح الکبیر علی المقنع	شمس الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامۃ المقدسی	۶۸۲ھ
(۲۸۲)	الفتاویٰ الکبریٰ	تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ الحرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۲۸۳)	المدخل	ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن محمد العبدری الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاج	۷۳۷ھ
(۲۸۴)	شرح العباب	ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۸۵)	الفتاویٰ الکبریٰ	ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۸۶)	کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ	عبد الوہاب بن احمد بن علی بن احمد بن علی بن زوفا بن ابو الشیخ موسی الشعرانی الحنفی	۹۷۳ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۸۷)	المبدع شرح المقنع	ابواسحاق، برہان الدین، ابراہیم بن محمد عبداللہ بن محمد بن مفلح	۸۸۲ھ
(۲۸۸)	الحاوی للفتاویٰ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۲۸۹)	المیزان الکبریٰ	ابوالمواھب عبدالوھاب بن احمد بن علی بن احمد بن علی بن زوفا بن ابی الشیخ الشعرانی	۹۷۳ھ
	﴿فقہ مقارن﴾		
(۲۹۰)	بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۹۱)	الفقہ الاسلامی وادلتہ	ڈاکٹر وہبہ بن مصطفیٰ زحیلی	۲۰۱۵ء
(۲۹۲)	الموسوعۃ الفقہیۃ	مرتبہ وزارت اوقاف کویت	--
	﴿اصول فقہ﴾		
(۲۹۳)	اصول البزدوی	فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی	۴۲۲ھ
(۲۹۴)	اصول السرخسی	محمد بن احمد بن ابوسہل شمس الائمہ السرخسی	۴۸۳ھ
(۲۹۵)	آداب المفتی	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۹۶)	المنار	حافظ الدین النسفی	۷۱۰ھ
(۲۹۷)	الکافی شرح البزدوی	الحسین بن علی بن حجاج بن علی حسام الدین السغناقی	۷۱۱ھ
(۲۹۸)	کشف الاسرار شرح اصول البزدوی	عبدالعزیز بن احمد بن محمد علاء الدین البخاری الحنفی	۷۳۰ھ
(۲۹۹)	الأشباہ والنظائر	زین الدین بن ابراہیم بن محمد، ابن نجیم المصری	۹۷۰ھ
(۳۰۰)	غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر	احمد بن محمد المکی ابوالعباس شہاب الدین الحسینی الحموی الحنفی	۱۰۹۸ھ
(۳۰۱)	نورالانوار فی شرح المنار	ملاجیون حنفی، احمد بن ابوسعید	۱۱۳۰ھ
(۳۰۲)	شرح عقود رسم المفتی	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۳۰۳)	تنویر المنار (فارسی)	عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۳۰۴)	عمدۃ الفقہ	سید زوار حسین شاہ	۱۴۰۰ھ
	﴿تزکیہ واحسان﴾		
(۳۰۵)	ادب الدنیا والدین	ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردی	۴۵۰ھ
(۳۰۶)	احیاء علوم الدین	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی الطوسی	۵۰۵ھ
(۳۰۷)	غنیۃ الطالبین	قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر بن أبی صالح الجیلی	۵۶۱ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۰۸)	الترغیب والترہیب	ابومحمد زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری الشامی الشافعی	۶۵۶ھ
(۳۰۹)	الکبائر	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز ذہبی	۷۴۸ھ
(۳۱۰)	الزواجر عن اقتراف الکبائر	شہاب الدین شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی السعدی الانصاری	۹۷۴ھ

﴿لغات، معاجم، ادب وتاریخ، طبقات وتراجم﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۱۱)	الطبقات الکبریٰ لابن سعد	ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع الھاشمی البصری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۱۲)	المتفق والمفترق	ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
(۳۱۳)	النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر	مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری	۶۰۶
(۳۱۴)	مجمع البحار فی لغۃ الاحادیث والآثار	علامہ محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	۹۸۶ھ
(۳۱۵)	کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم	محمد بن علی ابن القاضی محمد حامد بن محمّد صابر الفاروقی الحنفی التھانوی	۱۱۵۸ھ
(۳۱۶)	نوراللغات	مولوی نورالحسن نیر	۱۳۵۵ھ
(۳۱۷)	التعریفات الفقهیة	محمد عمیم الاحسان المجددی البرکتی	۱۳۹۵ھ
(۳۱۸)	غیاث اللغات	مولوی غیاث الدینؒ	--
(۳۱۹)	فیروزاللغات	الحاج مولوی فیروزالدینؒ	--

﴿متفرفات﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۲۰)	ماثبت من السنۃ	شیخ ابوالمجد عبدالحق بن سیف الدین دہلوی بخاری	۱۰۵۲ھ
(۳۲۱)	کتاب آداب الصالحین	شیخ ابوالمجد عبدالحق بن سیف الدین دہلوی بخاری	۱۰۵۲ھ
(۳۲۲)	حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۲۳)	ازالۃ الخفاء	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۲۴)	دین کی باتیں	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	۱۳۶۲ھ
(۳۲۵)	رؤیت ہلال	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ
(۳۲۶)	آسان فقہ	محمد یوسف صاحب اصلاحی	--

نوٹ: ''فتاویٰ علماء ہند، جلد-۲۰'' کے متن وحاشیہ میں ان کتابوں سے استفادہ ہوا ہے اور متعلقہ جگہ طباعت کی تفصیلات درج ہیں۔ (انیس الرحمٰن قاسمی/محمد اسامہ ندوی)